انوارِ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ



مرتب : سید محمد زین العابدین راشدی مدظلہ (ایم۔اے)

باہتمام : حافظ محمد جمیل قادری

مکتبہ غوثیہ
یونیورسٹی روڈ کراچی پاکستان

یوم ندعوا کل اناس بامامہم ،

ترجمہ کنزالایمان: جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے

انوارِ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

☆ امام اعظم پر نامور علماء محققین کے علمی و تحقیقی مقالات

☆ مخالفین کے اعتراضات کے علمی جوابات

مرتبہ

پیر طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ

سید محمد زین العابدین شاہ راشدی مدظلہ العالی (ایم اے)

سعادت اہتمام

حافظ محمد جمیل قادری

مکتبہ غوثیہ

بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک متصل دارالعلوم غوثیہ

یونیورسٹی روڈ کراچی (9221) 4910584-4926110

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	انوار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ
شارح	علامہ سید محمد زین العابدین شاہ راشدی
باہتمام	حافظ محمد جمیل قادری
سن اشاعت	جنوری 2007ء
تعداد	1100
صفحات	584



انوار امام اعظم

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ واولیاء امتہ اجمعین

عرصہ سے یہ آرزو تھی کہ بشارت مصطفیٰ ﷺ دعائے مرتضیٰ سید التابعین امام المجتہدین، امام الکاملین امام المسلمین، امام الائمہ سراج الامت امام اعظم امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شخصیت پر حالات حاضرہ کی ضرورت کے پیش نظر کام کیا جائے۔

۲۸ جنوری ۲۰۰۱ء کو کراچی جانے کے دو مقصد تھے ایک عظیم "عالمی میلاد مصطفیٰ ﷺ کانفرنس" میں شرکت، دوسرا کام امامنا حضرت ابوحنیفہ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فقیر نے جو سندھی میں کتاب "اطیب البیان فی مناقب امام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" عرف "سوانح امام المسلمین" تحریر کی تھی اس کی طباعت تھا۔

ان دنوں فقیر راشدی غفرلہ نے کراچی کے احباب سے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ ادارہ سبزواری پبلشرز کراچی کے بانی و ناظم محترم حافظ عبدالکریم قادری صاحب نے فقیر سے کہا کہ آپ امام اعظم کی شخصیت پر جامع کام کریں ہم اشاعت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں سبزواری پبلشرز کے تعاون سے مولانا محمد طارق قادری صاحب اب مکتبہ امام غزالی (کراچی) کے زیر اہتمام یہ عظیم الشان گلدستہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

مکتبہ امام غزالی نے انتہائی قلیل عرصہ میں تیس (۳۰) سے زائد کتب و رسائل شائع کر کے عوام وخواص سے قبولیت کی سند حاصل کی اور اس مجموعہ کی اشاعت ان کی شاندار کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور میری دعا ہے کہ وہ اس طرح کے علمی کاموں کو زیور طبع سے آراستہ کر کے عوام وخواص تک یہ علم کے موتی پہنچائیں یہ اس دور میں دین کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔

فقیر نے لاڑکانہ پہنچ کر اس کام کو اٹھایا سب سے پہلے اپنی لائبریری پر نظر ڈالی امام اعظم کے متعلق منتشر مواد کو جمع کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی شخصیت ہمہ جہت شخصیت ہے۔ ذات والا صفات کے اندر بے شمار پہلو ہیں اور ہماری اول تا آخر یہ کوشش رہی ہے کہ تمام پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش کریں۔ تاکہ قارئین امام اعظم ابوحنیفہ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام ونسب، صورت وسیرت، بشارات وآثار، فضائل وکمالات، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت، کنیت والقابات، احادیث میں مقام، فقہی مقام، اساتذہ وتلامذہ کے علاوہ تقلید، اجتہاد اور فقہ حنفی کے حوالے سے اہم ومفید علمی وتحقیقی مقالات سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ قارئین کو اس کتاب سے کافی حد تک سیرابی ہوگی۔ میں اس پر تبصرہ کر رہا ہوں اصل تبصرہ قارئین فرمائیں گے جس کا ہمیں بھی انتظار رہے گا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن واحادیث سے ہزاروں مسائل استنباط فرما کر امت مسلمہ پر وہ احسان

عظیم فرمایا ہے کہ قیامت تک امت مصطفویہ اس احسان کو نہ بھولے گی۔ اور اس طرح کے نذرانہ عقیدت آپ کے حضور میں پیش کرتے رہیں گے۔

صرف عوام اہلسنت "حنفی" نہیں بلکہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کے تمام لاکھوں اولیاء اللہ، صوفیاء کرام اور علماء عظام حنفی تھے اور ہیں۔ سلسلہ قادریہ چشتیہ سہروردیہ اور نقشبندیہ کے پیشوا بھی حنفی تھے۔ مثلاً: شیخ الشیوخ حضرت خواجہ داؤد طائی (۱۶۵ھ) حضرت خواجہ جنید بغدادی، حضرت خواجہ بایزید بسطامی (۲۶۱ھ) حضرت فضیل بن عیاض، حضرت یحییٰ بن معاذ رازی (۲۵۰ھ) حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمھم اللہ تعالیٰ۔

اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر "فقہ حنفی" غلط ہوتا تو سارے اولیاء اللہ مقام ولایت پر کیسے پہنچے؟ کیونکہ اولیاء اللہ کے لیے کامل نماز ضروری ہے اور نماز روزے حج اور زکوٰۃ کے ہزاروں مسائل وہ ہیں جو کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے استنباط کیے ہیں جنھیں فقہ حنفی کہا جاتا ہے اور انہی مسائل پر اولیاء اللہ چل کر مقام ولایت پر پہنچے اور معرفت خداوندی حاصل کی اولیاء اللہ کی گواہی سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی عند اللہ مقبول و منظور ہے۔

ہم نے جو کوشش کی ہے اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہوگئے ہیں اس کا فیصلہ قارئین کے ہاتھ میں ہے۔ اگر آپ کو ہمارا یہ مجموعہ پسند ہے تو "شیعیت' قادیانیت' اور عیسائیت" کے خلاف بھی اس طرح کا جامع و مانع مجموعہ تیار ہوسکتا ہے۔ علماء اسلام کے بلند پایہ علمی شاہکار و نگارشات کو ڈھونڈ کر حاصل کر کے ایک مجموعہ میں ترتیب دے کر آپ کے ہاتھوں تک اپنے احباب کے تعاون سے پہنچا سکتے ہیں ہم آپ کی آراء کی قدر کرتے ہیں اور آئندہ بھی آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔ مفید مشوروں سے نوازیں تا کہ ہم آپ کی ضرورت و خواہش کی تکمیل کرسکیں۔ اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ جہاں کوئی علمی غلطی پائیں ہمیں مطلع کریں اور پروف وغیرہ کی غلطی کو اپنے قلم سے درست فرمالیں۔

اس مجموعہ میں ہم نے جن علماء اسلام کے مقالات کو لائے ہیں ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور جس نے بھی جتنا بھی تعاون کیا اللہ عزوجل ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور علمائے اسلام کے ان مضامین کا صدقہ جاریہ فرمائے اور فقیر عاجز کی کوشش کو اپنی دربار عالی میں شرف قبولیت سے نوازے۔

آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و الہ و اصحبہ اجمعین

جلا کے کردے گا خاک "خواجہ" ہر اک نجدی کے دل جگر کو

تیرے فضائل سنا سنا کر امام اعظم ابو حنیفہ

طالب دعا

صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

(آستانہ عالیہ قادریہ راشدیہ قاسمیہ لاڑکانہ سندھ)

حال مقیم شادمان ٹاؤن ملیر کراچی

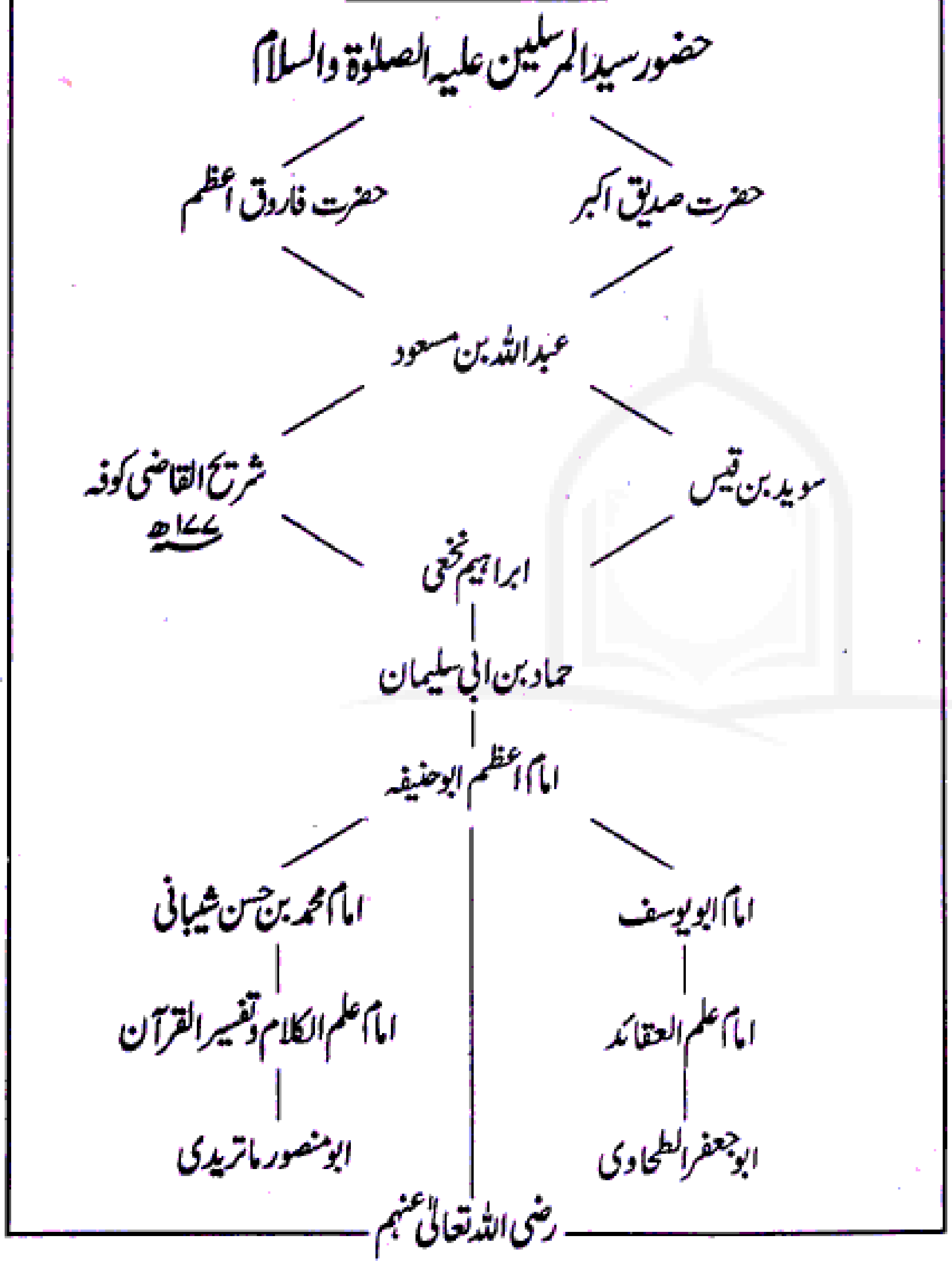
۱۶ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

۱۱ اپریل ۲۰۰۱ء

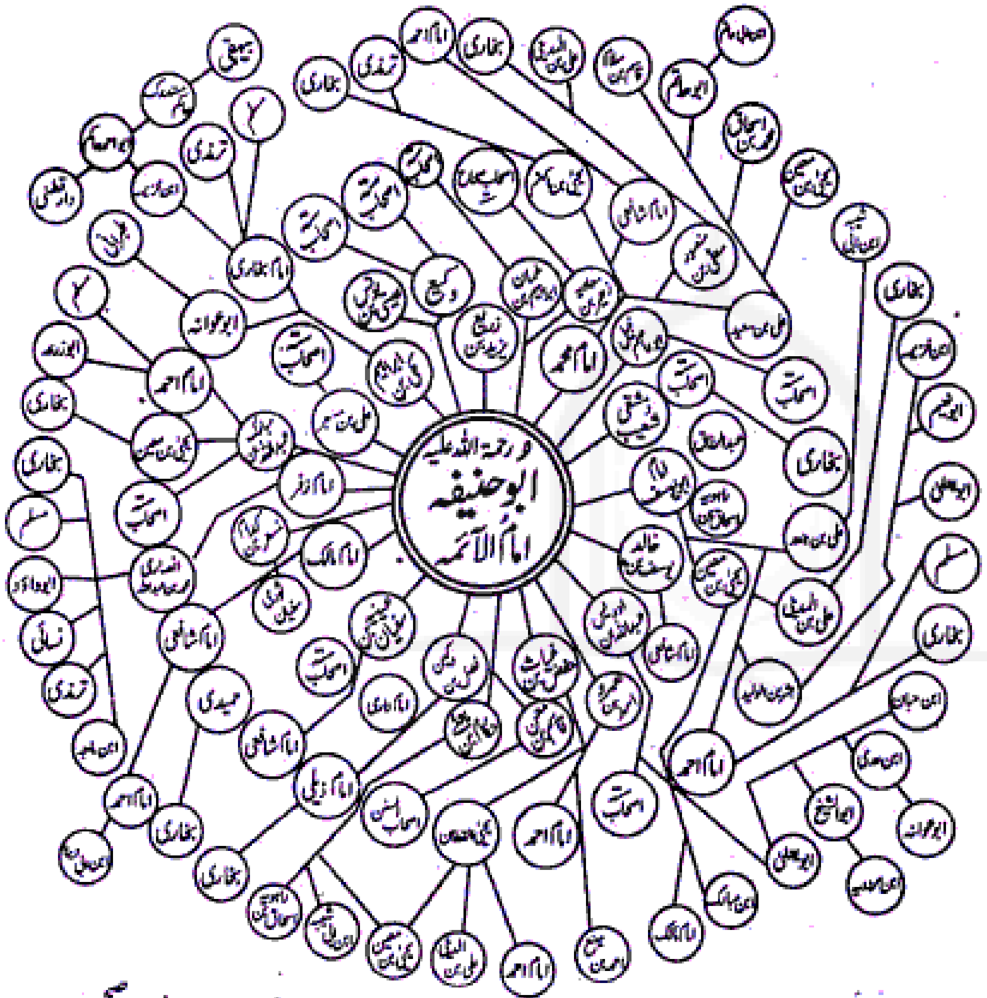
بروز بدھ بعد نماز عصر

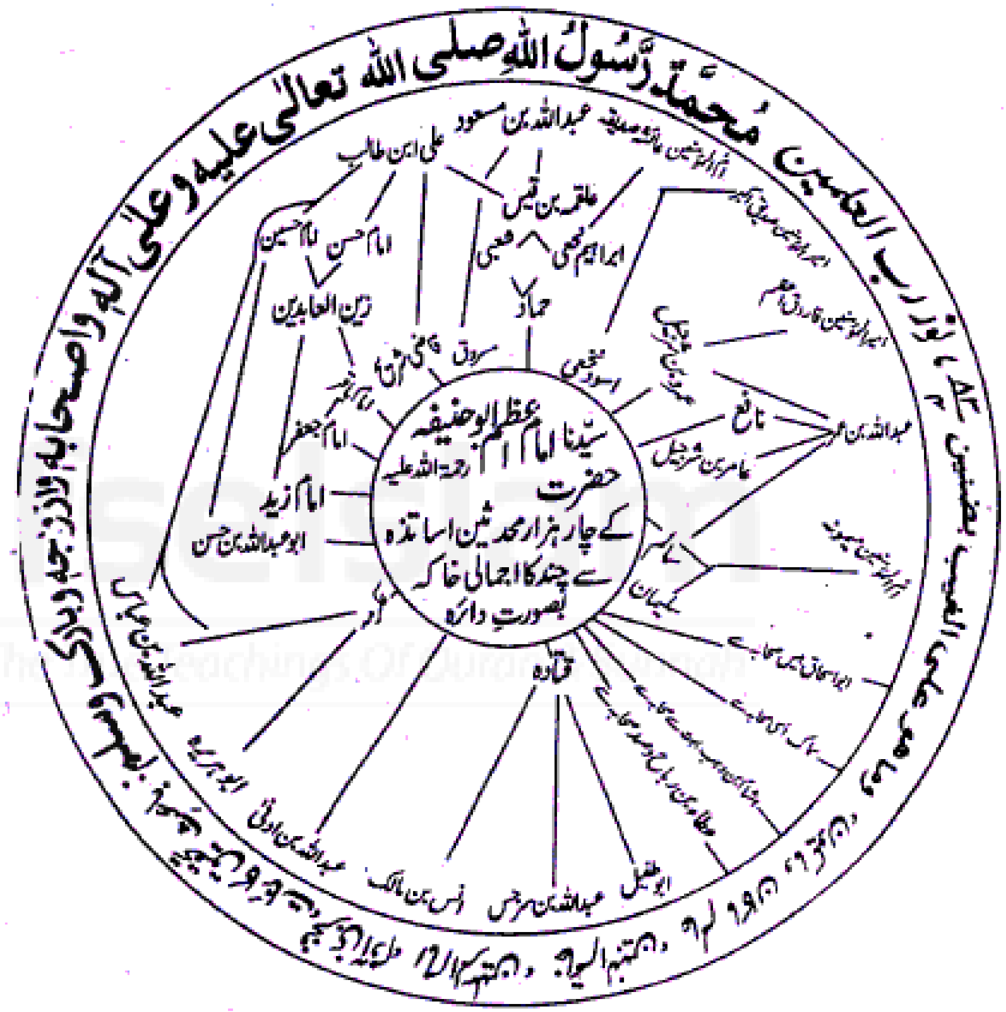
فہرست مقالات

شجرہ فقہ حنفی

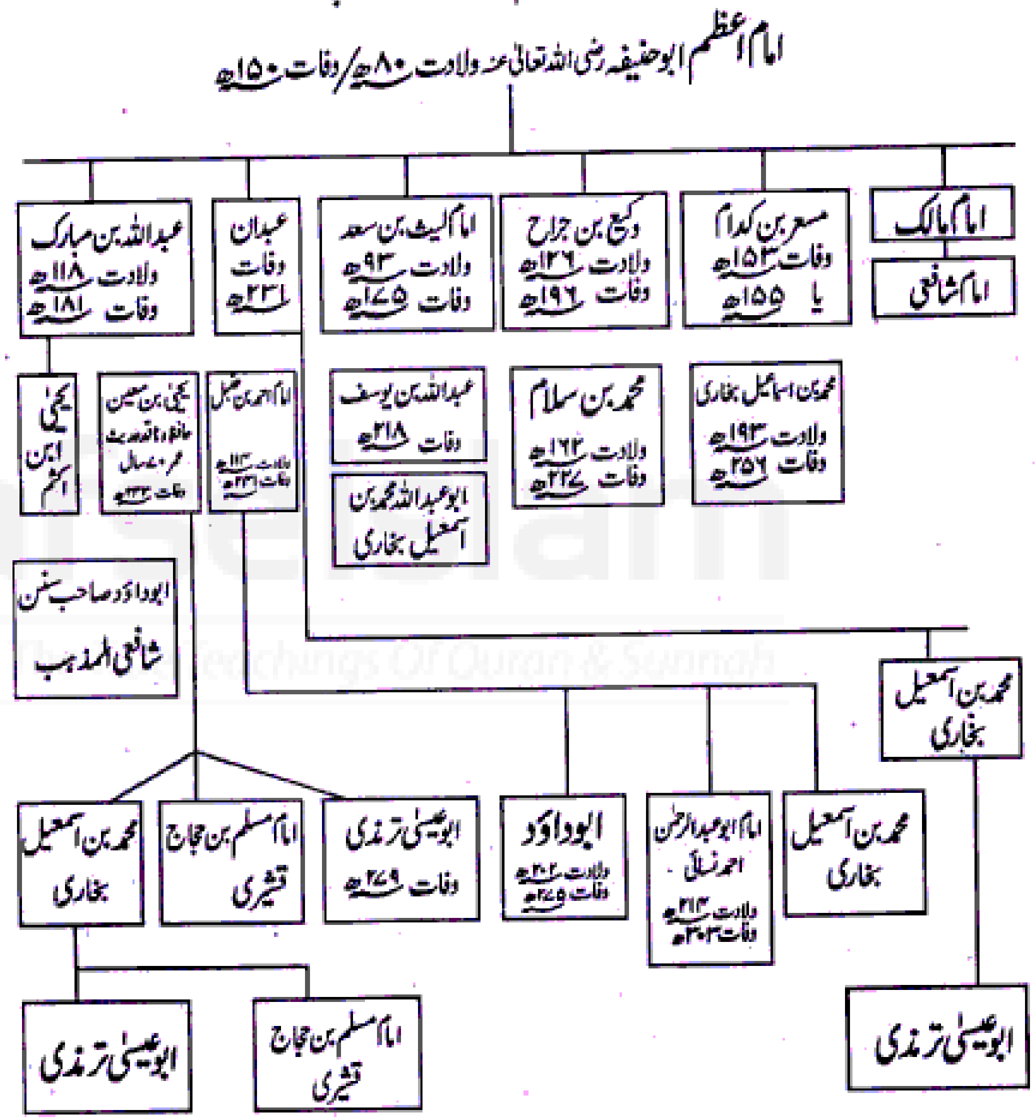


(امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے محدثین تلامذہ کا اجمالی خاکہ بشکل دائرہ)





شجرہ شاگردان حضرت امام اعظم اور علم حدیث میں آپ کے بعض مشہور تلامذہ



تاریخ کوفہ

از: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

مملکت عراق کا مشہور شہر "کوفہ" جو ۱۷ھ میں امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین جانشین مصطفیٰ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جلیل القدر صحابی رسول حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگرانی میں تعمیر و آباد ہوا تھا۔ کوفہ ممالک اسلامیہ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

کتاب فتوح البلدان بلاذری میں ذکر "تعمیر الکوفہ" کے تحت یوں لکھا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ مسلمانوں کے لیے کوئی دار ہجرت و کاروانسرائے بنائے اور اس کے اور ان کے درمیان کوئی سمندر نہ ہو۔ حضرت سعد اس لیے کوفہ آئے اس کی داغ بیل ڈالی اور لوگوں کے لیے مکانات قطع کیے اور قبیلوں کو اپنے اپنے مکان میں اتارا اور وہاں کی (پہلی) مسجد تعمیر کی اور یہ ۱۷ھ کا واقعہ ہے۔

(۱)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کو "راس العرب" (عرب کا مغز) کہا۔

(۲)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کوفہ والے لوگوں کے سردار ہیں۔

(۳)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مکتوب میں اہل کوفہ کو راس الاسلام (اسلام کا مغز) لکھا۔

(۴)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وہ اللہ کا نیزہ، ایمان کا خزانہ اور عرب کے سردار ہیں وہ اپنی حدود کی حفاظت کرتے ہیں اور شہر والوں کی مدد کرتے ہیں۔

(۵)۔ صحابی رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "کوفہ قبۃ الاسلام" (اسلام کا قلعہ) ہے۔ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی مومن باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ کافر میں ہوگا یا اس کا دل کوفہ کا مشتاق ہوگا۔

(فتوح البلدان از علامہ بلاذری مطبوعہ مصر ص ۲۸۳۔۲۹۷)

علامہ ابوبکر احمد بن محمد ہمدانی المعروف ابن الفقیہ مختصر کتاب البلدان میں "القول فی الکوفہ" کے تحت رقمطراز ہیں۔ حضرت فطر بن خلیفہ نے فرمایا "اہل بدر میں سے ستر صحابہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

(مختصر کتاب البلدان مطبوعہ لندن ص ۱۶۷)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی (وفات ۲۹۴ھ) کی کتاب قیام اللیل میں ہے۔

امام نخعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا "کوفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل اصحاب میں سے حضرت علی بن ابی

طالب وعبداللہ بن مسعود وحذیفہ بن یمان وابو مسعود انصاری وعمار بن یاسر وبراء بن عازب تھے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ (قیام اللیل ص ۲۸)

شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ (وفات ۸۵۵ھ) اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اوران کے شاگرد ومرید۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اوران کے شاگردوں کی ایک جماعت اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اوران کے اکثر شاگرد اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کوفہ اور مصر کو اپنا مسکن بنالیا اور صرف تھوڑے سے مکہ مکرمہ میں باقی رہے۔ اور وہ (اکثر صحابہ) ولایات اور جہاد کے لیے مختلف شہروں میں پھیل گئے اور لوگوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور تمام اسلامی شہروں میں ان کے ہاتھوں علم پھیلا۔ (بنایہ شرح ہدایہ جلد اول ص ۲۵۴)

امام کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمتہ اللہ علیہ (وفات ۶۸۱ھ) فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شہروں خصوصا عراق میں پھیل گئے عجلی نے اپنی تاریخ میں کہا کہ ایک ہزار پانسو (۱۵۰۰) صحابی رسول کوفہ میں اور چھ سو (۶۰۰) نے قرقیسیا (شہر) میں سکونت اختیار کی۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ جزء اول ص ۹۱ بحوالہ الاقوال الصحیحہ ص ۳۷۴ مطبوعہ ۱۹۱۴ء)

کونسا کوفہ؟ وہی جسے راس العرب، راس الاسلام، رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب اور قبۃ الاسلام جیسے اعلیٰ اعزازات وخطابات سے نوازا گیا جو کہ صحابہ کرام وجلیل القدر تابعین کا مسکن تھا۔ اسی کوفہ کی سرزمین ۸۰ھ میں رئیس المجتہدین سید التابعین امام الاولیاء والعلماء حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے جب آنکھ کھولی تو کوفہ دارالحدیث تھا صحابہ وتابعین کا گھر گھر علم حدیث کا دارالعلوم تھا۔ امام ابوحنیفہ نے صحابہ وتابعین خیر القرون جیسے ماحول میں تعلیم وتربیت پائی۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایران فتح ہونے پر آپ کے حکم پر رسول کریم کے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شہر کی بنیاد ڈالی۔ بروایت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (وفات ۱۱۸ھ) ایک ہزار پچاس (۱۰۵۰) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن میں اصحاب الشجرہ واصحاب بدر شامل تھے وہاں پر تشریف لاکر مستقل طور پر اقامت گزیں ہوگئے۔

(کتاب الکنی والاسماء بحوالہ سوانح امام اعظم ص ۴)

اور بقول امام احمد بن عبداللہ عجلی رحمتہ اللہ علیہ ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) صحابہ کرام وہاں رہائش رکھتے تھے۔

(شرح نقایہ ملا علی قاری بحوالہ ایضا)

صحابہ کرام کی اس کثرت کے باعث یہ شہر ایک علمی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔

امیر المومنین شیر خدا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسند نشین (خلیفہ چہارم) ہوئے تو کوفہ تشریف لے گئے تو اس وقت ہر سمت وجہت دینی وتبلیغی مراکز موجود تھے۔ اوران مراکز کا روح پرور اور ایمان افروز سماں دیکھ کر آپ نے حضرت ابن مسعود کے لیے دعائے خیر فرمائی تھی۔ کیونکہ جناب حضرت فاروق کی حسب ہدایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بستی میں دینی علوم کا اتنا زیادہ اہتمام کیا کہ عہد عثمان غنی کے آخری ایام تک تقریبا ۴ ہزار علماء دین تیار ہو چکے تھے۔ (The Sunny path)

صحابہ کرام میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں ۲۴ چوبیس وہ شخص تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے وہاں کوفہ گئے اور بہتوں نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ اور اس طرح سے کوفہ کا ہر گھر حدیث وروایت کی درسگاہ بن گیا اگر چہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کو ایک سیاسی مرکزی حیثیت حاصل تھی مگر اس شہر کے ایک طبقہ نے کے بعد دیگرے حضرت علی المرتضیٰ حضرت امام حسن المجتبیٰ اور پھر حضرت امام حسین شہید کربلا (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کے ساتھ اولا وفاداری کے دعوے اور پھر عین وقت پر شرمناک حد تک غداری کی اور اس طبقہ نے وہ مذموم کردار ادا کیا کہ بالخصوص سید الشہداء سیدنا امام حسین شہید کربلا اوران کے جانثار رفقاء واہل بیت عظام کو کربلا کے جھلتے ہوئے ریگزاروں میں جس سنگ دلی اور شقاوت قلبی کے ساتھ خاک وخون میں تڑپایا۔

اس کی تلخ یادیں مسلمانان عالم کے دلوں کو گزشتہ تیرہ صدیوں سے خون کے آنسو رلانے پر مجبور کر رہی ہیں اور اس گھناؤنے فعل کی وجہ سے کوفہ شہر کو بے وفا کے نام سے یاد کیا گیا۔ جہاں بعد میں ایک عظیم علمی وروحانی ونابغہ روزگار شخصیت حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جنم لیا۔ اور ایک بار پھر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا مینار نور بن کر ابھرا اور کوفہ پھر علم وعرفان ودین حنیف کا فانوس وقندیل ثابت ہوا۔

وہ بے وفا کوفی لوگ جن کے سبب سے کوفہ کی پیشانی کو داغ دار کیا گیا وہ خود شیعہ کی مستند ومعتبر کتب سے مثلاً جلاء العیون سے ثابت ہے کہ وہ شیعان علی تھے تو پھر ایک فرقہ روافض کے غداری وبے وفائی اور اہل بیت کی دشمنی کے سبب پورے کوفہ کی علمی حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور پورے کوفہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ وہ گھناؤنی فعل ایک مخصوص فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ امام اعظم کے وجود کی برکت سے کوفہ نے رقبۃ الاسلام کی حیثیت اختیار کر لی آپ کے سبب پورے عالم اسلام کی نظر کوفہ کی جانب لگی رہتی تھیں۔ حفاظ حدیث محدثین مجتہدین اور فقہاء کے سبب کوفہ میں پورے عالم اسلام کے طالب علم علم حاصل کرنے کے لیے کوفہ کھنچے چلے آرہے تھے۔ امام اعظم کوفہ میں تمام علماء ومشائخ میں آفتاب شریعت وطریقت ممتاز ومقدم نظر آتے تھے۔

نگہبان شریعت حضرت نعمان بن ثابت
حدی خوانِ طریقت حضرت نعمان بن ثابت
سراج امت و مشکوٰۃ ملت مشعل قدرت
مہ چرخ فقاہت حضرت نعمان بن ثابت
علم بردارِ سنت، حجۃ اللہ آیہ رحمت
قطیع رفض و بدعت حضرت نعمان بن ثابت
ہوئی تدوین علم شرع "تائب" جن کے ہاتھوں سے
وہ فرزند رسالت حضرت نعمان بن ثابت

(حفیظ تائب)

☆☆☆☆☆

سوانح امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا اختر حسین فیضی (انڈیا)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں' آپ کا ذکر جمیل رقم کرنا مجھ کم مایہ کے بس کی بات نہیں' صرف اس حوصلہ کے ساتھ اس میدان میں کود پڑا کہ آپ کی شخصیت پر لکھنے والوں کی فہرست میں ناچیز بھی شمار کیا جائے' اور اس امید کے ساتھ بھی کہ یہ تحریر دنیا میں ذریعہ کامیابی اور آخرت میں نجات کا سبب بنے' درج ذیل سطور میں مختصراً آپ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

نام ونسب: کنیت ابوحنیفہ۔ لقب امام اعظم۔ نام نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ فقیہ کوفی۔

آبائی وطن: وطن سے متعلق متعدد روایتیں منقول ہیں' آپ کے دادا زوطی باختلاف روایت کابل یا بابل یا انبار یا نساء یا ترمذ کے رہنے والے تھے۔

ولادت: ولادت سے متعلق خود امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں کہ میں سن ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ میں آئے تو میں نے انہیں دیکھا' اور ان سے حدیث سنی' اس وقت میں چودہ سال کا تھا انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول حبک الشی یعمی ویصم

(مسند ابی حنیفہ مع شرح ملا علی قاری ص ۵۸۴/۵۸۵ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ کسی چیز کی محبت تجھ کو اندھا بھی کر دیتی ہے اور بہرہ بھی۔

مناقب موفق اور مناقب کردری میں بھی مذکور ہے کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور یہی صحیح ہے۔

اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ (علیہم الرحمہ) فرماتے ہیں کہ ثابت صغرسنی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت امیر المومنین نے ثابت اور ان کی ذریت کے لئے دعاء برکت فرمائی' معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعاء ہمارے حق میں قبول کرلی۔

(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۵' ص ۴۰۵' مطبوعہ بیروت)

تعلیم وتربیت: آپ ابتداً علم کلام کی طرف مائل تھے' اور اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی' چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں ابتدائی عمر میں بحث ومناظرہ میں مشغول رہتا تھا اس وقت بصرہ بحث ومباحثہ کا گہوارہ تھا' بحث ومناظرہ کے سلسلہ میں مجھے بیس سے زائد مرتبہ بصرہ آنا جانا پڑا تھا۔ خوارج اور حشویہ سے بحث ومناظرہ کرتا تھا' اس وقت علم کلام میرے نزدیک سب سے اعلیٰ اور افضل تھا' اور سمجھتا تھا کہ یہ علم اصول دین میں سے ہے اور اس سے دین کی بڑی

خدمت انجام پاتی ہے' اسی خیال سے میں ایک مدت تک اسی کو علم دین سمجھ کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کرتا رہا' پھر سوچا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام دین میں ہم سے زیادہ علم وبصیرت رکھتے تھے اور وہ لوگ کبھی بحث ومباحثہ میں نہیں پڑے بلکہ شرعی امور میں غور وفکر کیا اور فقہی ابواب ومسائل کو اپنی ذہنی وفکری کاوشوں کا محور بنایا۔

کچھ دنوں بعد آپ کی رسائی حضرت امام حماد بن سلیمان تک ہوئی' ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور خدمت میں رہ کر فقہ کی تعلیم حاصل کی' امام حماد بن سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ اور امام صاحب ان کے انتقال تک ان کے ساتھ رہ کر حصول تعلیم میں مصروف رہے' جس کی مدت اٹھارہ سال ہے۔ استاد کے انتقال کے بعد ان کی جگہ پر جلوہ افروز ہوئے اور فقہی تدریس میں مشغول ہوگئے اور نہایت کامیاب اور لائق شاگردوں کی جماعت تیار کی جنہوں نے مذہب حنفی کو بہت فروغ دیا۔ جن میں امام ابو یوسف' امام زفر بن ہذیل' امام محمد بن حسن اور امام حسن بن زیاد بہت مشہور ہیں۔ یوں تو آپ کے تلامذہ کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے' جن میں بہت سے اسماء کی ایک فہرست بھی منقول ہے' جن کا یہاں درج کرنا طوالت سے خالی نہیں۔

فقاہت: قال الشافعی من اراد ان يتجر فی الفقه فهو عيال ابی حنيفة انه ممن وفق له الفقه هذه رواية حرملة۔ (الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر ۱۳ مطبوعہ کراچی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص فقہ میں عبور حاصل کرنا چاہے وہ ابو حنیفہ کا محتاج ہے کیوں کہ وہ ان میں سے ہیں جنہیں فقہ کا علم دیا گیا۔

حموی نے شرح اشباہ میں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا یوں تذکرہ فرمایا ہے۔

عبدالله بن المبارک (رحمه الله) يقول ان الاثر قد عرف وان احتج الی الرای فرای مالک (رحمه الله) وسفيان (رحمه الله) وابی حنيفة (رحمه الله) احسنهم رايا وارقهم فطنة واغوصهم علی الفقه وهو افقه الثلاثة. (غمز عیون البصائر امام احمد بن محمد الحموی ص ۲۸ مطبوعہ کراچی)

عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث شناس تھے' اگر رائے اور قیاس کی ضرورت ہو تو مالک' سفیان اور ابو حنیفہ کی رائے معتبر ہے' اور ابو حنیفہ ان میں ذہانت کے اعتبار سے احسن وادق اور فقہ کے غوطہ زن ہیں۔ اور ان تینوں میں افقہ (یعنی فقہ کے زیادہ جاننے والے) ہیں۔

امام ابن حجر شافعی نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا۔

قال (عبدالله) بن المبارک رأيت مسعرا فی حلقة ابی حنيفة يسأله ويستفيد منه وقال ما رايت افقه منه. (الخيرات الحسان)

عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا کہ میں نے مسعر کو امام اعظم ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں سوالات کرتے ہوئے اور استفادہ

کرتے دیکھا ہے' اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے ان سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔

ابو مطیع فرماتے ہیں کہ میں ایک شب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں تھا کہ سفیان ثوری' مقاتل بن حبان' حماد بن سلمہ' جعفر صادق اور دیگر فقہائے کرام تشریف لائے اور حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوگئے' دوران گفتگو لوگوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اکثر مسائل میں قیاس سے کام لیتے ہیں۔ صبح سے دوپہر تک اسی موضوع پر بحث ہوتی رہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مذہب ان لوگوں کے سامنے پیش فرمایا کہ پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں' اس کے بعد سنتِ رسول اللہ پر' پھر صحابہ کے ان فیصلوں پر جن پر سب کا اتفاق ہوا' اس کے بعد قیاس کرتا ہوں اتنی گفتگو سننے کے بعد لوگوں نے امام صاحب کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ دیا۔ اور فرمایا آپ سید العلماء ہیں ہماری خطا معاف فرمائیں' آپ کے تبحر علمی سے ہم غافل تھے' امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا غفر الله لنا ولكم اجمعين. اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ حضرات کی مغفرت فرمائے۔ (المیزان الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی ص ۶۳ ترکی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک روز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ضرور دیکھا ہے وہ ایسے زبردست عالم تھے کہ اگر وہ تم سے اس ستون کے بارے میں بحث کریں تو دلائل سے سرخ سونا ثابت کردیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالفرض اگر علم آسمان میں ثریا ستارے کے پاس ہوتو اس کو فارس کے کچھ لوگ حاصل کرتے۔ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انه عليه الصلوة والسلام قال ترفع زينة الدنيا سنة خمسين ومائة.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ۱۵۰ھ میں دنیا کی زینت ختم ہو جائے گی۔

روایات میں مذکور ہے کہ جب ۱۵۰ھ میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو یہ واضح ہوگیا کہ نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں آپ کے سنہ وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے' کیوں کہ بعد وفات وہ حسن وزیبائی جوان کے دور میں تھی دنیا سے رخصت ہوگئی۔

آپ کی تابعیت: تابعی وہ خوش بخت انسان ہے جس نے بحالت ایمان کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں وصال بھی ہوا ہو۔ پیچھے ذکر کیا جا چکا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول سے ملاقات کی اور ان سے ایک حدیث بھی سماعت فرمائی۔ ثبوتِ تابعیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس، حضرت ابن اوفی اور دیگر صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ آپ کے زمانہ مبارک میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بقید حیات تھے' اور

ان میں سے اکثر کی ملاقات ثابت ہے۔ تفصیلات کیلئے بڑی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

تقویٰ: حضرت اسد ابن عمرو نے فرمایا کہ آپ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور رات میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھتے۔ خشیتِ الٰہی سے جو رونے کی آواز پیدا ہوتی آپ کے پڑوسی سنتے اور رحم کھاتے جس جگہ آپ کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کی وہاں آپ نے ستر ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم فرمایا۔

حضرت حسن بن عمارہ نے آپ کو غسل دیتے وقت فرمایا کہ اللہ عزوجل آپ کو بخش دے اور آپ پر رحم فرمائے کہ آپ تیس سال روزے سے تھے اور چالیس سال تہائی رات تک بغرض استراحت تکیہ نہیں استعمال کیا۔ (وفیات الاعیان)

آپ بہت حقوق شناس اور سخی تھے۔ مروی ہے کہ جس وقت آپ اہل وعیال کے لیے اخراجات نکالتے' اسی انداز سے علماء ومشائخ کے لیے اسی وقت اخراجات علیحدہ فرماتے ان کے درمیان تقسیم کراتے۔

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی روایت کرتے ہیں کہ ایک روز امام اعظم کے ساتھ میں کہیں جا رہا تھا اتفاقاً ایک شخص سامنے آتا دکھائی دیا وہ ہم سے چھپنا چاہا ہم لوگ اس کی طرف سے گزرے ابھی وہ سامنے ہی ہوا تھا کہ امام صاحب نے اسے آواز دی اور کہا "ہمیں دیکھ کر راستہ کیوں کاٹ رہے ہو۔ کیوں شرمندہ ہو رہے ہو' کیا وجہ ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے دس ہزار روپے قرض لیے تھے اور ابھی تک اس کی ادائیگی نہیں کر سکا ہوں' اور اس وقت جب میں نے آپ کو دیکھا تو شرمندہ ہو کر چھپنے لگا کہ آپ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ حضرت امام نے کہا کہ میں نے وہ قرضہ معاف کر دیا اب کوئی شرمندگی نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت شقیق بلخی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ حقیقت میں یہی شخص زاہد اور بامروت انسان ہے۔ (تذکرۃ الاولیاء، از: فرید الدین عطارؒ مطبوعہ ترکی)

اساتذۂ کرام: سراج الائمہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ والرضوان کے اساتذہ کی تعداد چالیس ہزار بتائی جاتی ہے' کتاب "تہذیب الکمال" میں چھتیس اسماء اساتذہ کی ایک فہرست درج ہے جسے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے عمدۃ الرعایہ مقدمہ شرح وقایہ میں نقل کیا ہے وہ فہرست تبرکاً پیش قارئین ہے۔

(۱) حضرت نافع مولی ابن عمر (۲) موسیٰ بن ابی عائشہ (۳) حماد بن ابی سلیمان (۴) محمد بن شہاب الزہری الاعرج (۵) عکرمہ مولی ابن عباس (۶) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (۷) ابراہیم بن محمد (۸) جبلہ سحیم (۹) قاسم المسعودی (۱۰) عون بن عبداللہ (۱۱) علقمہ بن مرشد (۱۲) علی بن اقمر (۱۳) عطاء بن رباح (۱۴) قابوس بن حیبان (۱۵) خالد بن علقمہ (۱۶) سعید بن مسروق الثوری (۱۷) سلمہ بن کہیل (۱۸) سماک بن حرب (۱۹) شداد بن عبدالرحمٰن (۲۰) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۲۱) ابوجعفر محمد الباقر (۲۲) اسماعیل بن عبدالملک (۲۳) حارث بن عبدالرحمٰن (۲۴) حسن بن عبداللہ (۲۵) حکم بن عتیبہ (۲۶) طریف بن سفیان العدی (۲۷) عامر بن سمیع (۲۸) عبدالکریم بن ابی امیہ (۲۹) عطاء بن سائب (۳۰) محارب بن دثار (۳۱) محمد بن سائب (۳۲) معن بن عبدالرحمٰن (۳۳) منصور بن

معتمر (۳۴) ہشام بن عروہ (۳۵) یحییٰ بن سعید (۳۶) ابوزبیر مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (عمدۃ الرعایہ مقدمہ شرح وقایہ عبدالحی فرنگی، ج ا ص ۲۳ دہلی)

امام اعظم اور عمل بالحدیث: بعض معاندین اہلسنت ومنکرین تقلیدیوں ہی منکرین حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ حدیث رسول پر اپنے قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب کہ حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں اس بے جا الزام کی تردید کے لیے "کتاب سنت خیر الانام" سے اقتباس کر کے یہ سطریں پیش کی جارہی ہیں حقیقت بین نظریں جن کے مطالعہ سے ضرور محظوظ ہوں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج اقرع بین نسائہ

کہ حضور ﷺ جس وقت سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ اندازی فرماتے جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسے معیت وہمرکابی کا شرف نصیب ہوتا۔

اس حدیث پر حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا نام لے کر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے یہ کہہ کر اس حدیث سے انکار کر دیا کہ قرعہ اندازی اصولاً قمار بازی ہے جو حرام ہے اس لیے اس حدیث کو کیسے صحیح مانا جاسکتا ہے۔

معلوم نہیں انہوں نے امام صاحب کے یہ الفاظ کہاں سے نقل کیے ہیں۔ معتبر اور مشہور کتب میں تو امام صاحب کا یہ قول منقول ہے۔

حکی ابن المنذر عن ابی حنیفۃ انہ جوزہا وقال ہی فی القیاس لاتستقیم ولکنا نترک القیاس فی ذلک للآثار والسنۃ. (عمدۃ القاری باب ہل یقرع فی القیمۃ)

ترجمہ: ابن منذر نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ آپ قرعہ اندازی کو جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ قیاساً تو قرعہ اندازی درست معلوم نہیں ہوتی لیکن ہم قیاس کو آثار اور سنتِ نبوی کے لیے ترک کر رہے ہیں۔

اس کی مزید توضیح کے لیے ذرا مندرجہ ذیل اقتباس پڑھیے۔

وفیہ صحۃ القرعۃ بین النساء وبہ استدلال مالک والشافعی واحمد رحیما ہیر العلماء فی العمل بالقرعۃ فی القسم بین الزوجات وفی العتق والوصایا و لقسم ونحو ذلک (قیل) المشہور عن ابی حنیفۃ ابطال القرعۃ قلت (العینی) لیس المشہور عن ابی حنیفۃ ابطال القرعۃ وابو حنیفۃ لم یقل کذلک وانما قال القیاس یا باہا لانہ تعلیق لا استحقاق بخروج القرعۃ وذلک قمار ولکن ترکنا القیاس للآثار وللتعامل الظاہر من الدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلی الیٰ یومنا ہذا من غیر نکیر منکر وانما قال ہہنا یفعل تطیباً لقلوبہن (عمدۃ القاری' حدیث الافک)

حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینی لکھتے ہیں۔

کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا صحیح ہے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور جمہور علماء نے مختلف امور میں قرعہ اندازی کے جواز کے لیے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس کو باطل سمجھتے ہیں۔ علامہ عینی کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے امام صاحب سے ہرگز یہ مشہور نہیں امام صاحب نے ہرگز ایسا نہیں کہا بلکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ قیاس اس سے انکار کرتا ہے کیوں کہ اس میں استحقاق ملحوظ نہیں بلکہ اس میں کام کو قرعہ نکلنے سے معلق کیا جاتا ہے اور یہ جوا ہے۔ لیکن آثار (یعنی اقوال صحابہ وتابعین) اور عہد رسالت سے آج تک امت کے اس پر عمل پیرا رہنے کے لئے ہم اپنے اس قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فعل (قرعہ اندازی) ازواج مطہرات کی پاس خاطر کے لیے ہوا کرتا تھا۔

اب آپ پر واضح ہو گیا کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے قطعاً اس حدیث کو ترک نہیں فرمایا بلکہ اپنے قیاس کو جھٹک دیا کیوں کہ وہ سنت نبوی سے ہم آہنگ نہ تھا۔ امام صاحب نے تو اس الجھن کو بالکل صاف کر کے رکھ دیا کہ اگر کہیں قیاس اور سنت میں تقابل ہو جائے اور تمہیں اپنے قیاس کی درستی کا کتنا پختہ یقین کیوں نہ ہو۔ اس وقت بھی اپنے قیاس کو چھوڑ دو اور سنتِ مصطفوی پر عمل پیرا ہو جاؤ اسی میں تمہاری فلاح دارین ہے اور یہی حقیقت حقہ ہے۔

عام طور پر منکرین سنت کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جب کسی حدیث کو اپنے قیاس کے مطابق نہیں پاتے تھے تو حدیث کو ترک کر دیا کرتے اور اپنے قیاس پر عمل کرتے اور اسی چیز کو وہ اپنے لیے ترکِ سنت کی سند قرار دیتے تھے۔

کیا واقعی امام صاحب اپنے قیاس کے مقابلہ میں اپنے نبی ﷺ کے ارشاد کو ترک کر دیتے تھے؟ یا یہ الزام ہے اور بالکل بے بنیاد اور جھوٹا الزام؟

جس شخص کی فقہ حنفی پر وسیع نظر ہے اس سے تو یہ امر مخفی نہیں کہ ہزاروں مسائل ایسے ہیں جہاں امام صاحب نے اپنے قیاس کو ترک کر کے حدیث پر عمل کیا خواہ وہ حدیث خبر واحد ہو۔ ان کھلے شواہد کے باوجود یہ کہنا کہ امام صاحب حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے تھے۔ بالکل بے بنیاد اتہام ہے۔

اب امام صاحب کے اپنے چند اقوال کا مطالعہ فرمایئے تا کہ پھر کسی مزید شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ آپ اپنے طریقہ اجتہاد کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انا ناخذ اولاً بکتاب اللہ ثم بالسنۃ ثم باقضیۃ الصحابۃ ونعمل بما یتفقون علیہ فان اختلفوا قسنا حکما علی حکم بجامع العلۃ بین المسئلتین حتی یتضح المعنی

ترجمہ: ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں اس کے بعد سنتِ رسول پر اس کے بعد صحابہ کرام کے

فیصلوں پر نظر رکھتے ہیں۔ جن مسائل میں وہ متفق ہوں ان پر عمل کرتے ہیں اور جن میں ان کا (نصِ قرآن یا حدیث نہ ہونے کے باعث) اختلاف ہو۔ وہاں ہم علت حکم کے وجود سے ایک حکم کو دوسرے حکم پر قیاس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

ایک دوسرا قول جو آپ سے مروی ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ وہ قیاس پر صرف اس وقت عمل کرتے ہیں جب قرآن وسنت سے اس کا حکم معلوم نہ ہو سکے فرماتے ہیں۔

نحن لا نقیس الا عند الضرورۃ الشدیدۃ وذلک اننا نظر فی دلیل المسئلۃ من الکتاب والسنۃ او اقضیۃ الصحابۃ فان لم نجد دلیلا قسنا حینئذ مسکوتا عنہ علیٰ منطوق بہ (المیزان للشعرانی)

ترجمہ: ہم انتہائی مجبوری کے بغیر اجتہاد نہیں کرتے کسی مسئلہ کی دلیل کے لیے پہلے ہم قرآن وسنت اور صحابہ کے فیصلوں میں غور کرتے ہیں۔ اور اگر کہیں دلیل نہ ملے اس وقت ہم مسئلہ کو جس کا حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جس کا حکم مذکور ہے۔

ایسی کھلی اور واضح تصریحات کے بعد بھی کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سنتِ نبوی کی موجودگی میں اپنے قیاس پر عمل کرتے تھے آپ کا یہ ارشاد دیئے یقیناً تقویتِ ایمانی کا باعث ہوگا۔

وکان یقول ماجاء عن رسول اللہ ﷺ فعلی الراس والعین بابی وامی ولیس لنا مخالفۃ

ترجمہ: آپ کہا کرتے تھے کہ جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہنچے وہ ہمارے سر اور آنکھوں پر ہے میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں اور ہماری یہ مجال نہیں کہ ہم حضور ﷺ کے کسی فرمان کی مخالفت کریں۔ (سنت خیر الانام از جسٹس پیر کرم شاہ ازہری علیہ الرحمۃ المتوفی ۱۴۱۸ھ)

یہ وہ اقوال ہیں جن کی روشنی میں آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ منکرین تقلید سنت کا یہ دعویٰ کرنا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے قیاس کو سنت مصطفےٰ ﷺ پر ترجیح دیتے تھے کہاں تک صحیح اور درست قرار دیا جا سکتا ہے۔

تصانیف: زمانہ تابعین میں تصنیف وتالیف کا کوئی مستقل رواج نہیں تھا لوگ حفاظ اور اپنی یادداشت سے استفادہ کرتے۔ فقہی ترتیب پر تصنیف وتالیف کا باقاعدہ اہتمام دوسری صدی ہجری سے ہوا کچھ علماء نے کتابیں لکھیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے کوفے میں تدوین فقہ کے لیے اپنے تلامذہ کو لے کر مجلس فقہی قائم کی۔ شاگردوں کو احادیث اور فقہ کا املا کرایا۔ تلامذہ نے اسے اپنے اپنے حلقوں میں روایت کی اس لیے یہ روایتیں ان کی طرف منسوب ہو گئیں۔ حقیقت میں ان کے تلامذہ کی طرف منسوب کتابیں امام صاحب ہی کی تصنیفات ہیں پھر بھی کچھ کتابیں آپ کے نام باقی رہ گئیں وہ یہ ہیں: (۱) الفقہ الاکبر (۲) رسالہ الی البستی (۳) العالم والمتعلم (۴) الرد علی القدریہ

تلامذہ: شاگردان امام اعظم بے شمار ہیں، وہ حضرات جنہیں درجہ اجتہاد حاصل ہے ان میں سے چند اسماء گرامی پیش خدمت ہیں۔

(۱) حضرت امام ابو یوسف (۲) حضرت محمد بن حسن شیبانی (۳) حضرت امام زفر (۴) حضرت حسن بن زیاد (۵) حضرت ابو مطیع بلخی (۶) حضرت وکیع (۷) حضرت عبداللہ بن مبارک استاد حضرت امام بخاری (۸) زکریا ابن زائدہ (۹) حفص بن غیاث نخعی (۱۰) داؤد طائی رئیس الصوفیہ (۱۱) یوسف بن خالد سمتی (۱۲) اسد بن عمر (۱۳) نوح بن مریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

وصال: آپ کے سنہ وصال میں اختلاف ہے ایک روایت میں ہے کہ شعبان ۱۵۰ھ میں وصال ہوا دوسری میں روایت ہے رجب ۱۵۰ھ کی ہے اور تیسری ۱۵۳ھ کی بھی ملتی ہے کہ آپ بغداد کے قید خانہ میں جاں بحق ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ جیل خانہ میں وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ کو زہر کا پیالا دیا گیا۔ اور آپ نے پینے سے اعراض کیا اور فرمایا کہ مجھے قتل پر آمادہ نہ کرو۔ اس کے بعد آپ کے منہ میں جبراً پیالہ انڈیلا گیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ منصور کی بارگاہ میں تھے اور وہیں وفات ہوئی حسن بن عمارہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پچاس ہزار افراد نے نماز میں شرکت کی۔ منصور نے آپ کی قبر پر جا کر نماز پڑھی۔ آپ کی قبر انور بغداد میں اعظمیہ کے علاقہ میں مرجع خلائق ہے لوگ قبر کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

مذہب حنفی کی مقبولیت: حنفی مذہب کوفہ میں پیدا ہوا امام اعظم ابوحنیفہ کی وفات کے بعد علماء نے اسے بغداد میں پڑھا پڑھایا۔ اور وہیں سے اس کی عام اشاعت ہوئی ابتداً عراق کے مختلف شہروں میں پھیلا۔ پھر دنیا کے دور دراز شہروں اور ملکوں میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بغداد، مصر، شام، بلخ، بخارہ، فرغانہ۔ فارس ۔ہندوستان۔ سندھ اور یمن کے اطراف و جوانب میں پھیل گیا۔

مختلف ممالک کے اولیاء کرام نے جو مجاہدہ کے اعتبار سے ثابت قدم اور میدان مشاہدہ کے شہسوار تھے مذہب حنفی کی پیروی کی جیسے ابراہیم بن ادھم، شقیق بلخی، معروف کرخی، بایزید بسطامی، فضیل بن عیاض۔ داؤد طائی، ابو حامد لفاف، خلف بن ایوب، عبداللہ بن مبارک، وکیع ابن جراح، ابوبکر وراق حکیم ترمذی، حکیم ابوالقاسم سمرقندی۔ ابوسلیمان دارانی، یحییٰ ابن معاذ رازی۔

سلاسل طریقت کا ایک جم غفیر مذہب حنفی کا پیرو ہے، اہل طریقت کے چند اسماء گرامی پیش خدمت ہیں۔ مولانا روم۔ شیخ فرید الدین عطار۔ حکیم سنائی غزنوی، شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش، شیخ زین الدین ابی تابادی، امیر قوم کمحانی امیر حسنی، خواجہ معین الدین چشتی، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی وغیرہ۔ عظیم المرتبت محدثین نے بھی آپ کے مذہب کی تقلید کی ہے جیسے وکیع بن جراح اور یحییٰ ابن معاذ۔

جمہور فقہاء اور متکلمین جو آفتاب ہدایت اور ماہتاب روایت شمار کیے جاتے ہیں انہوں نے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اختیار کیا جن کا تذکرہ طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

قدیم و جدید معتمد فقہا بھی آپ کے مذہب کی طرف گئے ہیں۔ اور شیوخ معتزلہ جو قوت جدل و استدلال میں ماہر تھے انہوں نے بھی فروعات دین میں آپ کی تقلید کو پسند کیا۔ اور خاکساری کے ساتھ آپ سے استفادہ کیا۔ چنانچہ حافظ وقار اللہ اور مطرزی وغیرہ کی تالیفات اس پر بطور ثبوت پیش کی جاسکتی ہیں۔ عرفاء فقہاء روسا اور عامۃ المسلمین کا طبقہ آپ کا متبع ہے جن کے افراد اکثر ممالک میں بکھرے ہوئے ہیں اور تمام لوگ آپ کی نیک نامی کے معترف ہیں۔

☆☆☆☆☆

سراج الامّہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از: مولانا رجب علی صاحب (کراچی)

جو قوم اپنے محسنوں کے نقوشِ پا سے اپنے دل و دماغ کو جلا نہ بخشے' ان کی راہوں پر چلنے سے صرفِ نظر کرے ان کی پاکیزہ زندگیوں سے اکتسابِ فیض نہ کرے' انہیں بھول جانے کی حماقت میں مبتلا ہو' وہ بہت جلد صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتی ہے۔ جن بزرگوں نے ہمیں اسلام کی تبلیغ و تشہیر کی راہیں سمجھائیں' اپنے علم و عمل سے نیکیوں کے فروغ کے طریقے سکھائے' ایسے جلیل القدر صاحبانِ علم کی تعلیمات کو عام کرنا ہماری ملی زندگی کے لیے آبِ حیات کا کام دے گی اور اس میں کوتاہی سمِ قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔

انہیں مقدس نفوس میں سراج الامہ امام الائمہ رئیس المتکلمین زبدۃ المجتہدین استاذ المحدثین شمس الفقہاء بدر الاولیاء جامع شریعت نقیبِ طریقت امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی جن کے بارے میں شیخ الاسلام علامہ علاؤ الدین حصکفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ان اباحنیفۃ النعمان من اعظم معجزات المصطفیٰ بعد القرآن (ردالمحتار جلد ۱)

بے شک امام ابوحنیفہ قرآن کے بعد مصطفےٰ ﷺ کے اعظم معجزات میں سے ہیں۔ اسی طرح مشہور محدث حافظ ابونعیم بن عبداللہ اپنی کتاب ''الحلیہ'' میں یہ حدیث نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد امامِ اعظم ابوحنیفہ ہیں۔

لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس

ترجمہ: اگر علم ثریا تک پہنچ جائے تو فارس کے جواں مردوں میں سے ایک مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا۔

قیوم زمانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ الربانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں۔ کہ علم فقہ میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحبِ خانہ ہیں اور باقی آئمہ ان کے عیال و خوشہ چیں ہیں باوجود مذہبِ ابوحنیفہ پر کاربند ہونے کے امام شافعی سے ذاتی محبت رکھتا ہوں اور بعض اعمالِ نافلہ میں ان کی تقلید بھی کر لیتا ہوں مگر کیا کروں کہ دیگر آئمہ کرام باوجود علم و کمال تقویٰ کے امام ابوحنیفہ کے سامنے طفلِ مکتب نظر آتے ہیں نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد پارسا علیہ الرحمۃ نے فصولِ ستہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو وہ بھی امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق عمل فرمائیں گے یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ تکلف و تعصب کی آمیزش کے بغیر کہا جائے گا کہ نورانیت مذہب صاحبانِ حقی کشف و شہود کی نظر میں ایک عظیم الشان سمندر ہے اور باقی مذاہب اس کے بالمقابل نہرو

حوض ہیں۔ حضرت خواجہ بن مصعب کہتے ہیں کہ کعبہ کے اندر چار اماموں نے پورا قرآن ختم کیا ہے ایک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے حضرتِ تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیسرے سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور چوتھے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امامِ اعظم کا دور وہ مبارک دور تھا کہ جس میں حضور سرورِ کائنات ﷺ کے جمالِ جہاں تاب سے جو آنکھیں منور ہو کر صحابیت کے بلند مقام پر فائز ہوئیں ابھی اس جہانِ آب و گل میں موجود تھیں علماء و محدثین فرماتے ہیں کہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سات صحابہ کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور ان سے بے شمار حدیثیں سماعت فرمائیں ان صحابہ کرام کے اسماء یہ ہیں: سیدنا انس بن مالک' سیدنا عبداللہ بن جزز الزبیدی' سیدنا جابر بن عبداللہ' سیدنا معقل بن یسار' سیدنا واثلہ بن الاسقع' سیدنا عبداللہ بن انیس' سیدنا عبداللہ بن اوفیٰ' نیز علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امامِ اعظم کے زمانہ میں ان صحابہ کرام کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں مختلف شہروں میں صحابہ کرام موجود تھے۔

نوٹ: بعض معاندین نے یہ سمجھا کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے ملاقات کی اس لیے وہ حضرات کہتے ہیں کہ امامِ اعظم کو صرف سات حدیثیں یاد تھیں۔ (انشاء اللہ العظیم اس کی تشریح آگے مضمون میں آئے گی) محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ امامِ اعظم نے جن صحابہ کرام کی زیارت فرمائی ان سے احادیث بھی روایت کی ہیں۔

آپ کے اسمِ گرامی کی تشریح: علامہ ابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمۃ آپ کے اسمِ گرامی (نعمان) کی تشریح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نعمان اس خون کو کہتے ہیں جس پر بدن کا تمام ڈھانچہ قائم ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ جسم کی پوری مشینری کام کرتی ہے امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی بھی دستورِ اسلام کے لیے محور اور عبادات و معاملات کے تمام احکام کے لیے روح کی مثل ہے' نیز فرماتے ہیں کہ نعمان کا معنی سرخ خوشبودار گھاس کے بھی آتے ہیں چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطرافِ عالم میں مہک اٹھی (الخیرات الحسان)

ایک شبہ کا ازالہ: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاید آپ کی صاحبزادی کا نام حنیفہ تھا اس لیے آپ نے یہ کنیت اختیار کی ہے یہ بات بالکل لغو ہے بلکہ آپ کی کنیت ابوحنیفہ کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ ملتِ حنیفہ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ادیانِ باطلہ سے اعراض کر کے دینِ حق کو اختیار کرنے والا'' امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ابتدائی اور ضروری تعلیمِ دین حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہوئے ایک دن اسی سلسلہ میں بازار جا رہے تھے راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی انہوں نے آپ کے چہرے پر ذہانت اور فطانت کے آثار دیکھے تو آپ کو بلایا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو آپ نے جواباً کہا بغرضِ تجارت بازار جا رہا ہوں امام شعبی نے آپ کو ترغیب دی کہ علماء کی صحبت اختیار کرو کیونکہ میں تمہارے چہرے پر علم و فضل کے روشن آثار دیکھ رہا ہوں' علاوہ ازیں آپ کے سوانح نگاروں

نے کچھ وجوہات اور بھی بیان فرمائی ہیں جس کے بعد آپ توجہ کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے آپ نے بے شمار علماء محدثین کرام سے تلمذ فرمایا ان میں سے بعض صحابہ کرام تابعین بھی شامل ہیں آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت کثیر ہے ان میں نمایاں حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن اوفی، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابوسفیان سعدی، حماد بن سلیمان، عطاء ابن رباح جیسے تابعی جماہیر ومشاہیر ہیں اور ان حضرات سے آپ نے سب سے زیادہ استفادہ کیا کیونکہ آپ بے حد ذہین وزیرک تھے اس لیے آپ نے اجتہاد واستنباط کے ایسے زریں اصول مقرر فرمائے جن کی وجہ سے آپ کا مسلک دوسرے آئمہ کرام کے مسلک کے مقابلے میں سب سے زیادہ عقل وآگہی کے قریب انتہائی محتاط اور مزاج رسالت کی سب سے زیادہ رعایت کرنے والا ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ کی رعایت سنت نبوی ﷺ کی موافقت اور اتباع صحابہ کا سب سے زیادہ عنصر اگر کسی مسلک میں پایا جاتا ہے تو وہ فقہ حنفی ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ کو بے شمار وہبی اور کسبی خصوصیات سے نوازا تھا۔ علم وحکمت میں دیکھیں تو وہ ایک بحر ناپیدا کنار زہد وتقویٰ کے لحاظ سے دیکھیں تو نادر روزگار، فراست وفطانت کے اعتبار سے پرکھیں تو ایک عظیم روشن مینار، استنباط مسائل اور فقاہت کے لحاظ سے دیکھیں تو اعمش اور سفیان ثوری، ابن عیینہ بھی ان سے سوال پوچھتے نظر آتے ہیں۔

امام اعظم کو بے شمار ایسے محاسن وفضائل حاصل تھے جن کی وجہ سے آپ اپنے معاصرین اور بعد کے آئمہ او رمجتہدین سے ممتاز اور فائق نظر آتے ہیں آپ نہ صرف فقیہ اعظم بلکہ مجتہد مطلق تھے اور امام المتکلمین اور استاذ المحدثین بھی تھے حافظ الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی علیہ الرحمۃ جن کو تمام اکابرین واصاغرین واجلہ نقادین حدیث نے ثقہ حجۃ فقیہ امام عصر فی الآفاق قرار دیا ہے فرماتے ہیں میں نے کوفہ پہنچ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے بڑھ کر فقہ کا ماہر کون ہے؟ اس شہر میں سب سے بڑھ کر حدیث کا عالم کون ہے؟ اس شہر میں سب سے بڑھ کر زاہد ومتقی کون ہے؟ تو لوگوں نے میرے ان سوالات کے جواب میں کہا، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مناقب امام اعظم، از علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ)

امام اعظم کی فقہی بصیرت، علمی جلالت، محدثانہ ثقاہت، مسائل کے استخراج میں فہم وفراست پر روشنی ڈالی جائے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے اس مختصر مقالہ میں اس کا احصا ممکن نہیں لہذا آپ کے ہم عصر علماء اور جماہیر ومشاہیر وتابعین کے اقوال زریں جو آپ کی علمی عظمت پر آج بھی شاہد ہیں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ آپ کو باری تعالیٰ نے کیسی جودت طبع عطا فرمائی تھی۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تمام علماء فقہ میں امام ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔ (بحوالہ تاریخ بغداد)

ابن عیینہ، عبداللہ بن مبارک سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ (تاریخ بغداد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کی مجلس سے فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں۔ مسعر بن کدام علیہ الرحمۃ کہا کرتے تھے کہ کوفہ میں مجھے دو آدمیوں پر رشک آتا ہے ابوحنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے اور حسن بن صالح علیہ الرحمۃ پر ان کے زہد کی وجہ سے۔

اسرائیل کا قول ہے کہ نعمان بن ثابت سب سے زیادہ حدیث وفقہ جاننے والے تھے۔ (تاریخ بغداد)

امام اعظم کے ہمعصر حضرت زید بن ہارون علیہ الرحمۃ کہتے ہیں میں نے ایک ہزار استادان علم حدیث و فقہ سے علم حاصل کیا مگر واللہ سب سے زیادہ عالم حدیث اور ماہر فقہ اور کامل متقی امام ابوحنیفہ کو پایا۔ (الخیرات الاحسان)

محدث کبیر حضرت اعمش تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم سے چند مسائل دریافت کیے امام صاحب نے حدیثوں سے جواب دیا، تو اس پر حضرت اعمش نے فرمایا اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم لوگ یعنی محدثین عطار کہ راویوں کے نام اور الفاظ پہچانتے ہیں اور آپ لوگ احادیث کے معنی ومفہوم کو بھی جانتے ہیں۔ (مناقب امام اعظم)

سید العرفاء حضرت ابوعلی دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے شریعت کا علم ابوالقاسم نفرآبادی سے انہوں نے حضرت شبلی سے انہوں نے سری سقطی سے انہوں نے معروف کرخی سے انہوں نے داؤد طائی سے انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے حاصل کیا۔ (تاریخ بغداد)

امام اعظم کے ذہین شاگرد امام ابویوسف کا قول ہے کہ امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (الخیرات الاحسان)

عارف کامل رئیس الاولیاء سیدنا علی ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ اپنی شہرہ آفاق کتاب "کشف المحجوب" میں یہ حکایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور عرض کیا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا "عند علم ابی حنیفۃ" علم ابوحنیفہ کے نزدیک۔ اسی کتاب میں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ اپنا خواب بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کے سرہانے سو رہا تھا کہ میں نے خواب میں خود کو مکہ معظمہ میں دیکھا اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ آپ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور ایک معمر بزرگ کو اپنے پہلو میں اس طرح لے رکھا ہے جس طرح بچوں کو شفقت سے لیتے ہیں، میں فرط محبت میں دوڑا اور ایک ساتھ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کو چومنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ یہ معمر بزرگ کون ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کے اس خیال پر مطلع ہوئے

فرمانے لگے یہ تمہارے شہر کے لوگوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ)۔ اس خواب کو دیکھنے کے بعد میرا یہ خیال قوی ہوگیا کہ امام اعظم اُن پاک ہستیوں میں سے ہیں جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں کیونکہ ان کے چلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر وہ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے یا مصیب۔ اور جب امام اعظم کے قائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بقاسے قائم ہوئے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا محال ہے تو جو آپ کے چلانے سے چل رہا ہے اور اپنی صفت فنا کر کے آپ کی صفت سے قائم ہے تو اس سے بھی خطا نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے وضع کردہ اصول وقوانین کو امت محمدیہ کی اکثریت نے قبول کیا اور اعزاز و افتخار کے ساتھ فقہ حنفی کے مقلد ہوئے اور آپ کا مسلک ان ممالک میں پہنچا جہاں آپ کے مسلک کے سوا کوئی نہیں پہنچا۔ جیسے ہند و پاکستان، روم، ترکی، ماوراء النھر وغیرہ۔ آج دنیا میں دوثلث سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی فقہ حنفی کے مطابق ہی اپنی عبادت ومعاملات کو انجام دے رہی ہے۔

بڑے بڑے محدثین و محققین علماء کرام کے علاوہ صوفیائے عظام صالحین اولیاء کبار نے بھی آپ کے مسلک کو اختیار کیا اور اپنے علاقوں میں آپ کے مسلک کی ترویج واشاعت میں ایک اہم کردار ادا کیا ان اولیاء کاملین میں سر فہرست یہ ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی، حضرت شفیق بلخی، حضرت حبیب عجمی، حضرت معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی، حضرت سری سقطی، حضرت شیخ شبلی، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت داؤد طائی، حضرت ابوالحسن خرقانی، حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش، حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز چشتی رضی اللہ عنہم۔

عبادت وریاضت: آپ کی عبادت وریاضت کا جو حال علماء غیر حنفی نے بیان کیا ہے کہ وہ اتنا حیرت انگیز ہے کہ آج اس تن آسانی کے دور میں اس کا تصور بھی کرنا محال نظر آتا ہے فضل بن وکیل کہتے ہیں کہ میں نے تابعین میں امام ابوحنیفہ کی طرح کسی شخص کو شدت خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا دعا مانگتے وقت آپ کا چہرہ خوف خداوندی سے زرد ہوجاتا تھا اور کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کا بدن کسی مالخوردہ مشک کی طرح مرجھایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار آپ نے رات کی نماز میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ بل الساعة موعدهم الساعة ادهى وامر کی تلاوت فرمائی پھر اس کی قرأت سے آپ پر ایسا کیف طاری ہوا کہ بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہہ دی۔ (الخیرات الحسان)

امامِ اعظم کا پدری مادری نسب نامہ اور اہلبیت سے رشتہ داریاں

از: مولانا علی احمد سندیلوی صاحب (لاہور)

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون ہیں؟

۱۔ بشارت نبی اکرم ﷺ

۲۔ دعائے علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے نواسے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی کے بیٹے۔

۴۔ حضرتِ علی اور حضرتِ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پرپوتی کے بیٹے۔

۵۔ ابوالائمہ حضرتِ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے نواسے۔

۶۔ حضرتِ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے اور پوتی کے شوہر

۷۔ حضرتِ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پھوپھی زاد اور داماد

۸۔ حضرتِ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی اور سمدھی اس لیے کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرتِ خدیجہ صغریٰ رحمتہ اللہ علیہا امام زین العابدین رحمتہ اللہ علیہ کی بیٹی ہیں۔ (۱)

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی فاطمہ مسکین رحمتہ اللہ علیہا آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ (۲) ان کے علاوہ بھی امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے کئی شہزادوں کا نکاح کئی سیدزادیوں سے ہوا (۳) مثلاً حضرتِ شاہ محمد عثمان کا نکاح بی بی خاتونِ اکبر بنتِ سید عبدالرزاق سے ہوا (۴)۔ شاہ عبدالقادر کا نکاح بی بی ہاجرہ بنتِ سید محی الدین شامی سے ہوا (۵)۔ شیخ نظام الدین کا نکاح عظمۃ خاتون بنتِ سید سلطان قدس سے ہوا (۶)۔ شیخ نصیر الدین کا نکاح سیدہ ہاجرہ بنتِ حضرتِ امیر حسینی سادات سے ہوا (۷)۔ شیخ صفی الدین کا نکاح بی بی اکبری خاتون بنتِ مخدوم جہاں گشت سید جلال الدین بخاری سے ہوا (۸)۔ حضرتِ عبدالحمید کا نکاح بی بی حلیمہ بیگم بنتِ سید عبدالبابا ولد پیر بابا سید علی ترمذی سے ہوا (۹)۔ حضرتِ شیخ حافظ برخوردار کا نکاح سید شفیع احمد برادر کبیر الدین شاہ دولہ گجراتی کی دختر سیدہ قمر النساء سے ہوا (۱۰)۔ حضرتِ شیخ رحمت اللہ بن حافظ برخوردار کا پہلا نکاح سیدہ فاطمہ بنتِ سید احمد آنوالہ سے (۱۱)۔ اور دوسرا نکاح سیدہ بی بی انوار خاتون بنتِ سید یوسف علی ابن سید قمر علی بن سید عابد حسین بن سید نیاز علی بن سید عظمت علی بن سید ظہور احمد بن سید فقیر احمد شاہ بن سید یحییٰ بن سید موسیٰ بن حضرتِ امام تقی سے ہوا (۱۲)۔ حافظ برخوردار کے والد ماجد حضرتِ شیخ محمد حیات عرف شیخ کبیر گجراتی کا نکاح سیدہ نیاز بی بی بنتِ سید احمد بن سید قادر علی بن سید محمد اسحاق بن سید محمد غیاث الدین بن سید محمد بن سید محمود عالم بن

سید یوسف بن سید جلال بخاری میر سرخ سے ہوا (۱۳)۔ اوران کے بطن سے حافظ برخوردار پیدا ہوئے۔ شاہ نعمت کا نکاح سید علی شاہ انوالہ والے کی دختر سیدہ عجیب النساء سے ہوا (۱۴)۔ شاہ محمد حسن مؤلف تواریخ آئینہ تصوف کا پہلا نکاح سیدہ مریم بنتِ سید اکبر بن سید زاہد بن سید امام الدین سید نظام علی بن سید غفران شاہ بن سید اعظم احمد بن سید نبی احمد بن سید برہان الدین بن سید علیم الدین بن سید ظہور احمد بن سید کریم حسین بن سید قربان علی ابن تاج الدین بن عبدالرزاق بن حضرت محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوا (۱۵)۔ انکا دوسرا نکاح سیدہ اعجوبہ خاتون بنتِ سید نصرت علی خان منصب دار بدخشانی سے ہوا (۱۶)۔ شیخ فخر الدین عراقی والد ماجد حضرتِ شرف الدین بوعلی قلندر کا نکاح سید السادات حضرتِ نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ حافظہ جمال خاتون رحمتہ اللہ علیہا سے ہوا (۱۷)۔ جن کے بطن سے حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر عالم وجود میں آئے (۱۸)۔ سید السادات حضرتِ نعمت اللہ ہمدانی حضرتِ بوعلی قلندر کے ماموں تھے (۱۹)۔ اگر صرف امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ان صاحبزادوں کے اسماء تحریر کئے جائیں جن کا نکاح سیدزادیوں سے ہوا تو ایک مبسوط کتاب مرتب ہوجائے۔ فقہ حنفی میں مذکورہ بالا رشتہ داریوں سے جو مسئلہ کفو پر روشنی پڑتی ہے اس سے اہلِ علم بخوبی آگاہ ہیں۔

جہاں بعض لوگ اپنے حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وہ ہیں جن پر حسب ونسب فخر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کے اجداد میں سے کسی پر غلامی طاری ہوئی یا آپ کسی معمولی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ دنیاوی اور دینی نقطۂ نگاہ سے بھی آپ کا خاندان ہمیشہ علم وفضل میں ممتاز چلا آرہا ہے۔ والد کی طرف سے آپ کا تعلق شاہانِ عجم سے تھا اور والدہ کی طرف سے خانوادہ نبوت کے چشم وچراغ تھے۔ اصل بزرگی آپ کو علم وعمل، تقویٰ وپرہیزگاری کے ذریعہ حاصل ہوئی جس کی وجہ سے کروڑوں علماء وفضلاء مشائخ طریقت اور لاکھوں آئمہ سادات نے گردن اطاعت آپ کے سامنے جھکادی، بشیر حسین ناظم نے کیا خوب کہا:

بس اک تقوی ہے معیار مجد عنداللہ
کوئی نہیں ہے مکرم کسی نسب کے سبب
تیرے عدو ہیں گرفتار غم قیامت تک
ہے کوئی حُبّ کے سبب کوئی الحطب کے سبب

مرتب علی احمد سندیلوی

۱۴ رجب ۱۴۱۲ھ / ۱۹ جنوری ۱۹۹۱ء
بروز اتوار بعد از نماز عشاء ساڑھے آٹھ بجے

حوالہ جات (۱)۔ شجرہ طیبہ ص ۹/ ۴۸ ' جمال الدین احمد مطبوعہ حقی آفسٹ پریس کراچی۔ نسب نامہ رسول انام۔ ص ۶۳/ ۱۰۸ پیر غلام دستگیر نامی مطبوعہ اتحاد پریس لاہور۔ اشجار الاخیار فی تواریخ الکبار ص ۲۹/ ۱۰۱۔ از مولانا محمد عبیداللہ جالندھری ناشر مکتبہ نقیبیہ جالندھرائیہ؛ شیر وشکر ص ۱۶/ ۱۷ پیر غلام دستگیر نامی ناشر مرکزی مجلس امام اعظم لاہور۔ تواریخ آئینہ تصوف ص ۴۷۷۔ محمد حسن مطبوعہ لاہور آرٹ پریس۔ مرآۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۸۔ ترجمہ اکمال ص ۱۰۳ ' مفتی احمد یار خان نعیمی ناشر نعیمی کتب خانہ گجرات۔

(۲)۔ شجرہ طیبہ ص ۷/ ۴۸ نسب نامہ رسول انام ص ۶۳/ ۱۰۸ شیر وشکر ص ۱۶۔ تواریخ آئینہ تصوف ص ۷۹/ ۴۸۰۔ اشجار الاخیار ص ۳۹/ ۱۰۱ مرآۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ترجمہ اکمال ص ۱۰۳۔

(۳) تواریخ آئینہ تصوف ص ۴۸۴

(۴)۔ ایضاً صفحہ ۴۸۶۔

(۵)۔ ایضاً صفحہ ۴۸۷

(۶)۔ ایضاً صفحہ ۴۸۷

(۷)۔ ایضاً صفحہ ۴۸۷

(۸)۔ ایضاً صفحہ ۴۸۸

(۹) ایضاً صفحہ ۴۹۲۔ (۱۰) ایضاً صفحہ ۴۹۳۔۔ (۱۱) ایضاً صفحہ ۴۹۳۔۔ (۱۲)۔ ایضاً ۴۹۴

(۱۳)۔ ایضاً ص ۴۹۳۔ (۱۴) ایضاً ص ۴۹۴۔ (۱۵)۔ ایضاً ص ۴۹۵۔ (۱۶)۔ ایضاً ص ۴۹۵

(۱۷)۔ مفتاح الغیب ص ۱۳۔ اردو شرح دیوان حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی مؤلفہ شیخ عطا محمد نظامی۔ (۱۸)۔ ایضاً ص ۱۴۔۔ (۱۹)۔ ایضاً ص ۱۲۸

☆☆☆☆☆

الامام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بحثیت امام سلاسل صوفیاء کرام

از۔مولانا علی احمد سندیلوی صاحب

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح فقہاء ومحدثین کے امام ہیں۔اسی طرح صوفیاء کرام کے بھی امام ہیں۔حضرت مخدوم الاولیاء سید علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں"ومنهم امام اماماں ومقتدای سنّیاں شرف فقهاوعزّ علما ابو حنیفة نعمان بن ثابت الخزار رضی الله عنه وی را اندر مجاهدت وعبادت قدم درست بوده است واندر اصول این طریقت شانی عظیم داشت.(۱)

ترجمہ۔اور صوفیاء میں سے اہلسنت وجماعت کے مقتداء اور پیشوا اور اماموں کے امام اشرف فقہاء اور علمائے محدثین میں باعث عزت واحترام تھے۔تبع تابعین میں آپ کا بہت بلند مقام تھا مجاہدہ اور عبادت میں آپ نہایت ثابت قدم اور طریقت کے اصول میں نہایت اونچی شان کے مالک تھے۔اور لکھتے ہیں۔

"وی استاد بسیار کس بو داز مشایخ چون ابراهیم ادهم وفضیل ابن عیاض وداؤد طائی . وبشر حافی۔

ترجمہ: آپ مشائخ طریقت کے بہت بزرگوں کے استاذ تھے۔جن میں سے حضرت ابراہیم بن ادہم اور فضیل بن عیاض اور داؤد طائی وبشر حافی وغیرہ بھی تھے۔

☆......☆......☆

سلاسل مشائخ الی امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

☆ سلسلہ داؤدیہ حنفیہ:۔حضرت داؤد طائی عن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ عیاضیہ حنفیہ:۔حضرت قاضی فضیل بن عیاض عن امام الائمہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ عنہما۔

☆ سلسلہ حافیہ حنفیہ:۔حضرت بشر حافی عن امام الائمہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ واحدیہ حنفیہ:۔حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید عن امام الائمہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ مبارکیہ حنفیہ:۔حضرت عبداللہ بن مبارک عن امام الائمہ ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ ابراہیمیہ ثوریہ حنفیہ:۔حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم عن امام سفیان ثوری عن امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔(۵)

☆ سلسلہ حمادیہ حنفیہ:۔حضرت حماد بن ابی حنیفہ وہ اپنے والد ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ یوسفیہ حنفیہ:۔حضرت امام ابویوسف عن امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ محمدیہ حنفیہ:۔حضرت امام محمد عن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما۔

☆ سلسلہ شافعیہ حنفیہ:۔حضرت امام شافعی عن حضرت امام محمد عن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم۔

☆ سلسلہ حنبلیہ حنفیہ:۔امام احمد بن حنبل عن امام ابویوسف عن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہم۔

☆ سلسلہ حنبلیہ شافعیہ محمدیہ یوسفیہ حنفیہ:۔حضرت امام احمد بن حنبل،امام شافعی سے وہ امام محمد سے وہ امام ابویوسف سے وہ امام اعظم ابوحنیفہ سے رحمۃ اللہ علیہم۔

☆ سلسلہ نوریہ جنیدیہ حنفیہ:۔حضرت ابوالحسن نوری، حضرت خواجہ جنید بغدادی سے، وہ حضرت سری سقطی سے، وہ بشر بن الحارث الحافی سے وہ حضرت فضیل بن عیاض سے، وہ امام الائمہ ابوحنیفہ سے، رضی اللہ عنہم۔

☆ سلسلہ جنیدیہ کرخیہ حنفیہ:۔حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی سے، وہ حضرت معروف کرخی سے، وہ حضرت داؤد طائی سے، وہ امام الائمہ امام ابوحنیفہ سے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

☆ سلسلہ خضرویہ حنفیہ:۔حضرت خواجہ خضرویہ، حاتم اصم سے، وہ حضرت خواجہ ابراہیم ادہم سے وہ امام اعظم ابوحنیفہ سے رحمہ اللہ علیہم

☆ سلسلہ ادہمیہ عیاضیہ حنفیہ:۔حضرت ابراہیم ادہم، حضرت فضیل بن عیاض سے، وہ امام اعظم سے

☆ سلسلہ ادھمیہ ثوریہ حنفیہ:۔حضرت ابراہیم ادہم ۔امام ثوری سے وہ امام اعظم سے، رحمۃ اللہ علیہم۔

☆ سلسلہ حلاّجیہ حنفیہ:۔حضرت خواجہ منصور حلاّج، جنید بغدادی سے(۶) وہ اپنے حضرت ماموں سری سقطی سے، وہ حضرت بشر حافی سے وہ حضرت فضیل بن عیاض سے وہ حضرت عبدالواحد بن زید سے (۷) وہ امام الائمہ امام اعظم سے

سلسلہ طاؤسیہ حنفیہ:۔حضرت شیخ ابوالخیر اقبال حبشی بطاؤس، شیخ موصل آلینا سے، وہ شیخ عبداللہ محمد بن سعدان سے، وہ حضرت امام الطائفہ جنید بغدادی سے، وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے

سلسلہ ہجویریہ، جنیدیہ حنفیہ:۔حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری۔حضرت خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلی سے وہ حضرت شیخ علی حصری سے وہ حضرت شیخ ابوبکر شبلی سے وہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ اپنے ماموں حضرت سری سقطی سے، وہ حضرت معروف کرخی سے، وہ حضرت داؤد طائی سے وہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے(۸)

سلسلہ ہجویری قشیریہ حنفیہ:۔ حضرت سید علی ہجویری، حضرت شیخ عبدالکریم ابوالقاسم قشیری سے وہ شیخ ابوالقاسم نصیرآبادی سے' وہ شیخ ابوبکر شبلی سے وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی (۹) سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے'

☆ سلسلہ ہجویریہ خرقانیہ حنفیہ:۔ امام علی ہجویری لاہوری حضرت ابوالحسن خرقانی سے وہ ابوالمظفر طوسی سے وہ ابویزید العشقی سے' وہ شیخ محمد مغربی سے وہ سلطان العارفین ابویزید طیفور بسطامی سے' وہ شفیق بلخی سے وہ ابراہیم بن ادہم سے وہ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ ہجویریہ خیریہ جنیدیہ حنفیہ:۔ حضرت سید علی ہجویری ثم لاہوری حضرت ابوسعید بن ابی الخیر سے' وہ ابوالفضل سرخسی سے وہ ابونصر سراج سے وہ ابومحمد مرتعشی اور ابوجعفر خلدی سے' وہ دونوں سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ باسنادہ امام اعظم ابوحنیفہ سے'

ح۔ محمد مرتعشی، ابراہیم بن ادہم سے وہ امام اعظم ابوحنیفہ سے (۱۰) حضرت علی بن عثمان ہجویری لاہوری' شیخ ابوالقاسم الجرجانی سے وہ شیخ ابوعثمان سے' وہ شیخ ابوالحسن صائغ دینوری سے وہ شیخ ممشاد دینوری سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے' وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ سے'

☆ سلسلہ جرجانیہ حنفیہ:۔ شیخ ابوالقاسم الجرجانی، شیخ ابوعثمان سے وہ شیخ ابوعلی کاتب سے' وہ شیخ ابوعلی رودباری سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ اپنی سابق سندوں کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ۔

☆ سلسلہ رودباریہ حنفیہ:۔ شیخ ابوعلی رودباری، ممشاد دینوری سے' وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ ہجویریہ حنفیہ:۔ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری۔ حضرت شیخ ابوسعید بن ابوالخیر سے وہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ سلمیہ حنفیہ:۔ شیخ عبدالرحمٰن سلمی، ابوالقاسم نصیرآبادی سے' وہ ابراہیم بن محمد حمویہ سے وہ ابوبکر شبلی سے وہ جنید بغدادی سے' وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے' رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

☆ سلسلہ ابراہیمیہ حمویہ حنفیہ:۔ ابراہیم بن محمد بن حمویہ ابوعلی رودباری سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے وہ باسنادہ المذکور امام اعظم سے'

☆ سلسلہ ابراہیمیہ طاہریہ حنفیہ:۔ ابراہیم بن محمد بن حمویہ، ابوبکر بن طاہر سے وہ عبداللہ بن

حارث طائی سے وہ ابوبکر شبلی سے' وہ سید الطائفہ سے'

☆ سلسلہ قادریہ جنیدیہ حنفیہ:۔ امام سید عبدالقادر جیلانی بانی سلسلہ قادریہ، امام ابوسعید مبارک بن علی المخزومی سے، وہ ابوالحسن بن محمد بن یوسف قرشی سے، وہ ابوالفرح یوسف الطرطوسی سے، وہ ابوالفضل عبدالواحد سے، وہ اپنے والد شیخ عبدالعزیز التمیمی سے، وہ ابوبکر محمد بن دلف شبلی سے، وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے، وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے'

☆ سلسلہ قادریہ ہنکاریہ جنیدیہ حنفیہ:۔ امام شیخ سید عبدالقادر جیلانی' شیخ ابوسعید بن مبارک المخزومی سے' وہ ابوالحسن ہنکاری غزنوی سے' وہ ابویوسف طرطوسی سے' وہ شیخ عبدالعزیز یمنی سے وہ شیخ رحیم الدین عیاض سے وہ شیخ ابوبکر شبلی سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے' وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ قادریہ ھمدانیہ حنفیہ:۔ امام شیخ سید عبدالقادر جیلانی، یوسف بن ایوب الھمدانی سے وہ ابوعلی الفارمدی سے وہ ابوالقاسم جرجانی سے وہ ابوعثمان مغربی سے وہ ابوعلی الکاتب سے وہ ابوعلی رودباری سے وہ سید الطائفہ جنید بغدادی سے' وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ قادریہ حنبلیہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ الاسلام امام عبدالقادر جیلانی، مبارک بن علی المخزومی سے وہ ابوجعفر عبدالخالق بن عیسیٰ سے وہ ابی لیلیٰ القراء سے وہ ابی عبداللہ الحسن ابن عیسیٰ بن مروان بن حامد سے وہ عبداللہ بن بطۃ العکبری سے وہ ابوعبدالعزیز بن غلام الخلام سے وہ ابوبکر المروزی سے' وہ حرب الکرمانی سے اور حنبل اور صالح اور عبداللہ سے وہ تمام سیدنا امام احمد بن حنبل سے' وہ محدث کبیر یحییٰ قطان سے وہ حفص ابن غیاث سے وہ امام الائمہ امام اعظم نعمان بن ثابت سے

☆ سلسلہ قادریہ خطابیہ حنبلیہ حنفیہ:۔ شیخ الاسلام سید عبدالقادر جیلانی، ابوالخطاب محفوظ بن الخطاب الکلوذی سے اور ابوالوفا علی بن عقیل البغدادی سے وہ دونوں امام ابی اللیلی القراء سے بسندہ السابق امام احمد بن حنبل سے وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ سے'

☆ سلسلہ حنبلیہ قطانیہ حنفیہ:۔ امام احمد بن حنبل یحییٰ قطان سے وہ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ حنبلیہ اسیدیہ حنفیہ:۔ امام احمد بن حنبل یحییٰ قطان سے وہ اسید بن عمرو سے' وہ امام الائمہ امام اعظم سے'

☆ سلسلہ حنبلیہ مبارکیہ حنفیہ:۔ امام احمد بن حنبل عبداللہ بن مبارک سے وہ امام الائمہ امام اعظم سے

☆ سلسلہ حنبلیہ شافعیہ مالکیہ حنفیہ:۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی اور امام مالک سے وہ دونوں

امام الائمہ امام اعظم سے

ح۔ امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ امام الائمہ امام اعظم سے

☆ **سلسلہ حنبلیہ عاصمیہ حنفیہ:۔** امام احمد، عاصم بن ضحاک بن مخلد سے وہ امام اعظم سے

☆ **سلسلہ حنبلیہ مکیہ حنفیہ:۔** امام احمد، امام مکی سے وہ بن ابراہیم سے وہ امام اعظم سے

سلسلہ حنبلیہ ادریسیہ کوفیہ:۔ امام احمد امام عبداللہ بن ادریس کوفی سے وہ امام اعظم سے

سلسلہ حمویہ جنیدیہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ عبداللہ بن حموی۔ شیخ ابوعلی سے وہ شیخ ابوالقاسم سے وہ شیخ ابو محمد رویم سے وہ سیدالطائفہ جنید بغدادی سے وہ اپنی سابقہ سندوں کے ساتھ امام اعظم سے

سلسلہ انصاریہ حنفیہ:۔ خواجہ عبداللہ انصاری۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی سے وہ شیخ محمد حریری سے وہ خواجہ جنید بغدادی (۱۱) سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام اعظم سے

سلسلہ جامیہ حنفیہ:۔ قدوۃ الاسلام خواجہ احمد جام، خواجہ ابوسعید مخزومی سے وہ خواجہ ابوالفضل بن حسن سرخسی سے وہ خواجہ ابونصر سراج طوسی سے وہ خواجہ ابومحمد رتش سے وہ سیدالطائفہ جنید بغدادی (۱۲) سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ سے

سلسلہ رفاعیہ حنفیہ:۔ سیدنا احمد کبیر رفاعی، شیخ علاؤ الدین علی واسطی سے وہ شیخ ابوالفضل سے وہ شیخ ابوعلی غلام سے وہ شیخ ابوالبازباری سے وہ شیخ علی العجمی سے وہ ابوبکر شبلی سے وہ جنید بغدادی سے وہ اپنی اسانید کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ سے

☆ **سلسلہ مغربیہ حنفیہ:۔** حضرت شیخ ابومدین شعیب مغربی بانی سلسلہ مغربیہ۔ شیخ ابونصر مسعود مغربی سے وہ شیخ فقیہ ابوالحسن علی بن حرازم سے وہ شیخ ابوبکر معافری سے وہ حجۃ الاسلام امام غزالی سے وہ شیخ الحرمین ابوالمعالی عبدالمالک مکی سے وہ ابومحمد عبداللہ الجوینی سے وہ شیخ ابوطالب مکی (مؤلف قوت القلوب) سے وہ شیخ ابوبکر شبلی سے وہ سیدالطائفہ جنید بغدادی (۱۳) سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے رحمۃ اللہ علیہم۔

سلسلہ لیویہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ احمد لیوی پیر ترکستان بانی سلسلہ لیویہ۔ حضرت خواجہ یوسف ھمدانی سے وہ شیخ ابوعلی فارمدی سے وہ جنید بغدادی (۱۴) سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ سے رحمۃ اللہ علیہم۔

سلسلہ رسوقیہ حنفیہ:۔ سید ابراہیم برھان الدین رسوقی بانی سلسلہ رسوقیہ شیخ شریف عبدالسلام بن شیث سے وہ شیخ ابوالقرے مغربی سے وہ ابوایوب ساریہ سے وہ شیخ عبدالجلیل تلمسانی سے وہ شیخ ابوالفضل

جوہری سے وہ شیخ ابوعبداللہ حسین جوھری سے وہ شیخ ابوالحسن نوری سے وہ خواجہ سری سقطی سے وہ شیخ معروف کرخی (۱۵) سے وہ داؤد طائی سے وہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے

سلسلہ بدریہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ بدرالدین عمر شاذلی، شیخ ابوالعباس احمد حریثی سے وہ شیخ علی ابن خلیل مرزعی سے وہ شیخ ابوعبداللہ محمد مغربی تلمسانی سے وہ شیخ شہاب الدین احمد زاہد سے وہ شیخ علان واسطی سے وہ شیخ فضالت دیلمی سے وہ شیخ ابوعلی ترکمانی سے وہ شیخ عبود بزازی سے وہ شیخ ابوالعطاء نفیس عجمی سے وہ شیخ ابوبکر شبلی (۱۶) سے وہ سیدالطائفہ شیخ جنید بغدادی سے وہ اپنی پہلی سندوں کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفہ سے

سلسلہ خوازمیہ کبرویہ حنفیہ:۔ حضرت سید میر حسن خوازمی، شیخ نجم الدین کبریٰ سے وہ شیخ اسمٰعیل قیصری سے وہ شیخ محمد زمان سے وہ شیخ داؤد بن محمد خادم الفقراء سے وہ شیخ ابوالعباس بن ادریس سے وہ شیخ ابو القاسم بن رمضان سے وہ شیخ ابویعقوب طبری سے وہ شیخ ابوعبداللہ عثمان مکی سے وہ شیخ ابویعقوب نہرجوری سے وہ شیخ ابویعقوب سوسی سے وہ شیخ عبدالواحد بن زید سے وہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے (۱۷)

سلسلہ زاہدیہ حنفیہ:۔ حضرت خواجہ بدرالدین زاہد۔ خواجہ فخرالدین زاہد سے وہ خواجہ محمد صدرالدین روزبہان سے وہ خواجہ ابوالقاسم عبدالکریم خطیب سے وہ خواجہ ابوبکر محمد خطیب قریشی سے وہ خواجہ ابواسحاق گاذرونی سے وہ خواجہ حسین بازیاری سے وہ خواجہ ابوعبداللہ محمد بن الحنیف سے وہ خواجہ ابومحمد رومی سے وہ سیدالطائفہ خواجہ جنید بغدادی سے وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے (۱۸)

سلسلہ عطاریہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار بانی سلسلہ عطاریہ (مؤلف تذکرۃ الاولیاء) شیخ برہان الدین ابومحمد صنعا ہمدانی سے وہ سید ابوالرضا فضل الدین حسینی سے وہ سید عمادالدین ابوالصمصام حسینی سے وہ سید ابوالقاسم بن رمضان سے وہ شیخ ابویعقوب طبری سے وہ شیخ ابوعبداللہ عثمان مکی سے وہ شیخ ابویعقوب ہزجوری سے وہ شیخ ابویعقوب سوسی سے وہ عبدالواحد بن زید سے (۱۹)۔ وہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے

سلسلہ صفوریہ حنفیہ:۔ شیخ صفی الدین اسحاق اردبیلی بانی سلسلہ، شیخ زاہد گیلانی سے وہ سید جلال الدین تبریزی سے وہ شیخ شہاب الدین ابہری سے وہ شیخ رکن الدین سجاسی سے وہ شیخ قطب الدین ابہری سے (۲۰) وہ شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی سے وہ شیخ وجیہ الدین ابوحفص بن عموبہ طوسی سے وہ خواجہ عبداللہ حفیف سے وہ خواجہ احمد دینوری سے وہ خواجہ علو ممشاد دینوری سے وہ خواجہ جنید بغدادی (۲۱)۔ وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے" رحمۃ اللہ علیہم۔

سلسلہ حلویہ حنفیہ:۔ حضرت شیخ محمد حلوی بانی سلسلہ شیخ محمد عاصم سیراتی سے وہ شیخ سلطان الدین احمد سے" وہ شیخ باباکمال حیدر سے وہ شیخ نجم الدین کبرے سے وہ شیخ عمار بن یاسر مرسکی سے وہ شیخ ابوالنجیب

سہروردی سے' وہ شیخ حجۃ الاسلام امام غزالی سے' وہ شیخ ابوبکر نساج سے' وہ شیخ ابوالقاسم گورگانی سے' وہ شیخ عثمان مغربی سے' وہ شیخ ابوعلی کاتب سے' وہ شیخ علی رودباری سے' وہ خواجہ جنید بغدادی (۲۲) سے' وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے"

سلسلہ نقشبندیہ حنفیہ:۔ حضرت خواجہ بہاء الدین بانی سلسلہ نقشبندیہ شیخ خواجہ سید امیر کلال سے' وہ خواجہ محمد بابائے سماسی سے' وہ خواجہ علی لاتی سے' وہ خواجہ محمود ابوالخیر فغنوی سے' وہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے' وہ خواجہ یوسف ھمدانی سے' وہ خواجہ بوعلی فارمدی سے' وہ خواجہ ابوالقاسم گورگانی سے' وہ شیخ عثمان مغربی سے' وہ شیخ ابوعلی کاتب سے' وہ بوعلی رود باری سے' وہ خواجہ جنید بغدادی (۲۳) سے' وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ حضرت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے" رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ح۔ شیخ عثمان مغربی خواجہ جنید بغدادی سے" باسنادہ الی امام اعظم ابوحنیفہ سے' (۲۴)۔

سلسلہ عالیہ سہروردیہ حنفیہ:۔ حضرت شہاب الدین سہروردی بانی سلسلہ سہروردیہ حضرت ضیاء الدین ابوالحبیب سہروردی سے' وہ قطب الدین سہروردی سے' وہ محمد بن عبداللہ سے' وہ حضرت احمد سے' وہ حضرت ابوبکر نساج سے' وہ حضرت ابوالقاسم سے' وہ حضرت ابوعثمان سے' وہ حضرت بوعلی کاتب سے' وہ حضرت علی رودباری سے' وہ حضرت ممشاد سے' وہ حضرت جنید بغدادی (۲۵) سے' وہ اپنی سابقہ اسناد کے ساتھ امام الائمہ امام اعظم سے"

سلسلہ عالیہ شہابیہ حنفیہ:۔ امام الطریقہ شیخ شہاب الدین سہروردی ۶۳۳ھ شیخ ضیاء الدین سے' وہ وجیہ الدین سے' وہ شیخ اخی فرج زنجانی سے' وہ ابوالیاس نہاوندی سے' وہ عبداللہ بن خفیف سے' وہ شیخ ادہم سے' وہ خواجہ جنید بغدادی (۲۶) سے' وہ اپنی اسناد کے ساتھ امام اعظم سے"

سلسلہ عالیہ چشتیہ حنفیہ:۔ حضرت خواجہ ابواحمد ابدال بانی سلسلہ چشتیہ حضرت شیخ ابواسحاق شامی سے" وہ خواجہ ممشاد علو دینوری سے' وہ خواجہ امین الدین ابوہبیرہ بصری سے' وہ شیخ حذیفہ مرعش سے' وہ شیخ ابراہیم بن ادہم سے' وہ خواجہ فضیل بن عیاض سے' وہ خواجہ عبدالواحد بن زید سے' (۲۷) وہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے' رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر ہر سلسلہ کی بے شمار شاخیں ہیں۔ مثلاً صفویہ شیخ صفی الدین۔ مداریہ شیخ بدیع الدین شاہ مدار سے' قلندریہ غزالیہ، کبیرویہ، امدادیہ حاجی امداد اللہ سے" توکلیہ توکل شاہ سے' قادریہ اکبریہ، قادریہ شیرازیہ، قادریہ قمیصیہ' کبرویہ، رومیہ، قلندریہ، فردوسیہ، ہمدانیہ، شعاریہ، رضویہ، ھقیہ چشتیہ صابریہ، چشتیہ نظامیہ، سلیمانیہ، شمسیہ، مہریہ، مخدومیہ، حمزہ شاہی، قلندر شاہی، غزالیہ، عیدروسیہ، شاذلیہ، مجددیہ، جما عتیہ، غفوریہ، صدیقیہ، سراجیہ،

علویہ، حیدریہ، شہبازیہ قاسم شاہی، محمود شاہی' بھولا شاہی' دولا شاہی وغیرہ سینکڑوں سلسلوں کے اولیاء اللہ سلسلہ حنفیہ سے' نسبت رکھتے ہیں۔

سلسلہ حنفیہ، رسول اللہ ﷺ تک

☆ **سلسلہ حنفیہ امیہ:** امام اعظم ابوحنیفہ حماد بن ابی سلیمان سے" وہ حکم بن عتبہ اور منصور اور اعمش سے' وہ تینوں امام ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود النخعی سے' وہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ امیہ صدیقیہ:۔** ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ مسعودیہ:۔** امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت ابراہیم نخعی سے" وہ حضرت علقمہ بن قیس سے' وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ علویہ:۔** امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت ابراہیم نخعی سے' وہ حضرت علقمہ بن قیس سے' وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ ابن عمریہ:۔** حضرت امام اعظم ابوحنیفہ عامر بن شراحیل شعبی سے' وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ مسعودیہ علویہ:۔** امام اعظم ابوحنیفہ سلیمان الشیبانی اور سلمہ اور سعید بن مسروق سے اور وہ تینوں امام شعبی سے' وہ علقمہ بن قیس سے' وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے" وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ' قاسمیہ' مسعودیہ:۔** حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قاسم بن عبدالرحمٰن سے' وہ اپنے والد عبدالرحمٰن سے' وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆ **سلسلہ حنفیہ معنیہ، مسعودیہ:۔** امام اعظم ابوحنیفہ معن بن عبدالرحمٰن سے' وہ اپنے والد عبدالرحمٰن سے' وہ اپنے والد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ عونیہ مسعودیہ:۔** امام اعظم ابوحنیفہ۔ عون ابن عبداللہ سے" وہ عبیدہ اللہ سے' وہ عبداللہ سے' وہ اپنے والد عبداللہ بن عتبہ سے" وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ، فاروقیہ، علویہ:۔** حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ابی اسحاق السبیعی سے' وہ عمر

و بن میمون سے' وہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ فاروقیہ عثمانیہ مسعودیہ، علویہ دردائیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم النخعی سے' وہ اسود بن یزید سے' وہ حضرت فاروق اعظم عمر ابن الخطاب سے' اور حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت اسد اللہ علی بن ابی طالب اور حضرت ابودرداء سے' وہ چاروں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ فاروقیہ' مسعودیہ' معاذیہ' حذیفیہ**:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت ابرہیم النخعی سے' وہ اسود ابن یزید سے' وہ حضرت فاروق اعظم، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت معاذ بن جبل اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنھم سے' وہ پانچوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ مسعودیہ اور ایوبیہ**:۔ حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام ابراہیم نخعی سے' اور امام شعبی سے' وہ دونوں ربیع بن خثیم سے' وہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنھما سے' وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ حسینیہ علویہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ، ابوعبداللہ بن حسن سے' وہ امام حسین شہید کربلا سے' وہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنھما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ حسنیہ حسینیہ علویہ**: امام اعظم ابوحنیفہ سے' امام جعفر صادق سے' وہ امام محمد باقر سے' اور امام ابوحنیفہ بلاواسطہ امام محمد باقر سے' وہ امام زین العابدین سے' وہ امام حسن اور امام حسین شہید کربلا سے' وہ اپنے والد ماجد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے۔ وہ رسول کریم ﷺ سے۔

☆ **سلسلہ حنفیہ حسینیہ علویہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام جعفر صادق سے' وہ امام محمد باقر سے' اور امام ابوحنیفہ بلاواسطہ امام محمد باقر سے' وہ امام زین العابدین سے' وہ امام حسن اور امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنھما سے' وہ اپنے والد ماجد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ طفیلیہ اور سرجسیہ اور انسیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت قتادہ سے' وہ حضرت ابوطفیل اور حضرت عبداللہ بن سرجس اور حضرت انس رضی اللہ عنھما سے' وہ تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ حسینیہ علویہ فاطمیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ عکرمہ سے' وہ امام حسین سے' وہ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ اور اپنے والد ماجد سیدنا علی رضی اللہ عنھما سے" وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ اوفیہ اور ابوھریریہ**:۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت عکرمہ سے" وہ حضرت

عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنھما سے" وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ قاضیہ علویہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت قاضی شریح سے' وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ اسودیہ امیہ**:۔ حضرت امام ابوحنیفہ حضرت اسود سے' وہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ میمونیہ**: امام اعظم ابوحنیفہ حضرت سلیمان اور حضرت سالم سے" وہ دونوں حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ ابن عمریہ فاروقیہ**: امام اعظم ابوحنیفہ حضرت سالم اور حضرت نافع سے' وہ دونوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ عمرو بن شرجیل سے' وہ عبداللہ بن عمر اور امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنھما سے' وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ زیدیہ علویہ فاطمیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام زید سے' وہ امام زین العابدین سے' وہ امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنھما سے' وہ دونوں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ اور اپنے والد ماجد سیدنا علی رضی اللہ عنھما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ صدیقیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق سے' وہ حضرت امام قاسم بن محمد بن صدیق اکبر سے' وہ حضرت سلمان فارسی سے' وہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنھما سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

☆ **سلسلہ حنفیہ فارسیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے' وہ امام قاسم بن محمد سے وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ عرویہ فارسیہ**:۔ امام اعظم ابوحنیفہ امام جعفر صادق سے' وہ امام قاسم بن محمد سے' وہ امام عروہ بن زبیر سے' وہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ **سلسلہ حنفیہ زبیریہ**: امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت عطاء بن رباح سے' وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے' وہ اپنے والد ماجد حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے" وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے"

☆ سلسلہ حنفیہ اسحاقیہ:۔ امام اعظم ابوحنیفہ حضرت ابواسحاق سے' وہ بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے' وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے''

☆ سلسلہ حنفیہ سماکیہ:۔ امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت سماک سے' وہ اسی (۸۰) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے' وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے''

☆ سلسلہ حنفیہ ہشامیہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت ہشام بن وہب سے' وہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے''

☆ سلسلہ حنفیہ عطائیہ: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ۔ حضرت عطا بن رباح سے' وہ دوسو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے''

عنوان امام الائمہ امام اعظم بحیثیت امام الصوفیاء اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔اس عنوان کے تحت پی۔ایچ۔ڈی کے کئی مقالے لکھے جاسکتے ہیں۔

راقم نے چند سطور اہل علم کی توجہ کے لئے لکھ دیں ہیں۔ہوسکتا ہے بعض اہل علم کو اس موضوع پر تفصیلاً لکھنے کی توفیق مل جائے۔اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے۔آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ

مرتب العبدالمذنب علی احمد سندیلوی غفر اللہ لہ اخوان المؤمنین ۱۵۰ راوی روڈ، نزد پیر مکی لاہور پاکستان ۱۴ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ/۹ مئی ۲۰۰۱ء بروز بدھ بوقت گیارہ بجے دوپہر۔

حوالجات:

(۱) کشف المحجوب فارسی ص ۹۸ مطبع نوائے وقت پرنٹرز لاہور پاکستان

(۲)۔ایضاً ص ۹۸/۹۹

(۳)۔ عالم تصوف اور کشمیر۔ص ۱۳۳ از ڈاکٹر یوسف بخاری ناشر یوسف فہیم لاہور

(۴)۔مقدمہ انوار الباری شرح صحیح البخاری ص ۱۵۵ مولوی احمد رضا بجنوری مکتبہ حفیظیہ گوجرانوالہ

(۵)۔عالم تصوف اور کشمیر ص ۳۲ ڈاکٹر یوسف بخاری ناشر یوسف فہیم لاہور

(۶)۔رسالہ خلاصۃ السلاسل ص ۱۷ سید امام الدین حسینی گلشن آبادی ناشر ملک دین محمد لاہور

(۷)۔ایضاً ص ۳

(۸)۔حضرت داتا گنج بخش ص ۱۷، از: محمد دین فوق ناشر جہانگیر بک ڈپو لاہور

(۹)۔خلاصۃ السلاسل ص ۱۸

(۱۰)۔اسانید مخدوم اولیاء امام علی بن عثمان الہجویری کا الاہوری، علی احمد سندیلوی (قلمی)

(۱۱)۔خلاصۃ السلاسل ص ۱۸

(۱۲)۔ایضاً ص ۱۸۔

(۱۳)۔ایضاً ص ۱۸

(۱۴)۔ایضاً ص ۱۸

(۱۵)۔خلاصۃ السلاسل ص ۱۹

(۱۶)۔ایضاً ص ۱۹

(۱۷)۔ایضاً ص ۲۰۔۱۹

(۱۸)۔خلاصۃ السلاسل ص ۲۰

(۱۹)۔ایضاً ص ۲۰

(۲۰)۔ایضاً ص ۲۰

(۲۱) ایضاً ص ۲۰

(۲۲)۔ایضاً ص ۲۰

(۲۳)۔ایضاً ص ۲۰

(۲۴)۔انوار الخیر ص ۱۱۵

(۲۵)۔انوار الخیر ص ۱۱۱، از: ڈاکٹر خالد امین / ناشر ابوالخیر اکیڈمی لاہور پاکستان ۱۴۰۳ھ

(۲۶)۔عالم تصوف اور کشمیر ص ۴۹

(۲۷)۔ایضاً ص ۵۰۔خلاصۃ السلاسل۔ص ۲۴۔جواہر شکر گنج ص ۱۰۳ میر محمد یوسف واسطی بلگرامی۔تحفۃ الابرار ص ۷۶، از: مرزا آفتاب ناشر مکتبہ نبویہ لاہور۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں

از: صدر الائمہ امام موفق بن احمد مکی (۵۶۸ھ)

مترجم: علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب بہاولپور

عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکون فی امتی رجل یقال لہ' ابوحنیفہ ھو سراج امتی یوم القیامۃ "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک مرد پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا وہ قیامت میں میری امت کا چراغ (سراج امتی ہے)

(مترجم گذارش کرتا ہے کہ سیدنا جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تبیض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ" میں چاراماماں مذاہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب کے استدلال احادیث نبویہ سے فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ "ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی تلاش میں نکلیں گے مگر مدینہ منورہ کے عالم دین سے بڑھ کر دنیا بھر میں کوئی عالم دین نہ ہوگا۔" ایک اور حدیث مبارکہ میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں "قریش کو برا نہ کہو ان میں سے ایک ایسا عالم دین پیدا ہوگا جو تمام دنیا کو علم سے مالا مال کر دے گا۔)

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان بلند پایہ بشارتوں کے باوجود سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت ہے جسے ابونعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے "الحلیہ" میں بیان کیا ہے کہ اگر علم ثریا کی بلندیوں پر پہنچ جائے تو فارس کے جواں مردوں سے ایک جواں مرد اس تک پہنچ جائے گا۔ اسی طرح علامہ شیرازی نے "الالقاب" میں قیس بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر علم ثریا پر چلا جائے تو مردان فارس وہاں تک بھی پہنچ جائیں گے" ان روایات کو مسلم اور بخاری نے بھی بیان کیا ہے' امام طبرانی نے اپنی "معجم" میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی ایک اور حدیث پاک نقل فرمائی ہے کہ قال ان فی امتی رجلاً حدیث القصری کے یہ الفاظ ہیں: یکون فی امتی رجل اسمہ النعمان ویکنی ابو حنیفہ ھو سراج امتی 'ھو سراج امتی 'ھو سراج امتی قاضی ابوالعلا نے فرمایا کہ یہ حدیث پاک مجھ سے قاضی امام ابوعبداللہ صمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکون رجل یقال لہ' النعمان بن ثابت ویکنی بابی حنیفۃ لیحین دین اللہ تعالیٰ وسنتی"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک ایسا مرد پیدا ہوگا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت ابی حنیفہ ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔

انہی الفاظ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور روایت بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاتی من بعدی رجل یقال لہ' النعمان ویکنی ابا حنیفۃ لیحیین دین اللہ و سنتی علی یدیہ "میرے بعد ایک ایسا شخص آئے گا جسے نعمان کہا جائے گا اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی اس کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کا دین اور میری سنت زندہ ہوگی۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکون رجل یقال لہ النعان بن ثابت ویکنی بابی حنیفۃ یحییٰ اللہ تعالی علی یدیہ سنتی.

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں ایک ایسا مرد پیدا ہوگا جس کی کنیت ابی حنیفہ ہوگی اور اس کے ہاتھوں سے میری سنت زندہ ہوگی۔" انہی الفاظ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس احادیث بیان کی ہیں جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی بشارت اور آپ کے ہاتوں سنت نبوی ﷺ کو دوبارہ زندگی ملنے کی بشارتیں بیان کی گئی ہیں۔

سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کھود کر آپ کے جسم پاک کی ہڈیاں جدا جدا کر رہے ہیں اور پھر ان ہڈیوں کو اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ اٹھے تو آپ اس خواب سے نہایت خوفزدہ تھے۔ آپ اسی پریشانی اور خوف کے عالم میں بصرہ پہنچے اور امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ آپ اپنی پشت سے قمیص اٹھائیں' حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو آپ کے دو کاندھوں کے درمیان ایک تل کا نشان پایا' آپ نے دیکھ کر نہایت مسرت میں فرمایا آپ ہی وہ ابوحنیفہ ہیں جن کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے شہادتیں دی تھیں' اور اس خواب کی روشنی میں آپ حضور ﷺ کی سنتوں کو زندہ کریں گے۔

عبدالکریم بن مسعر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اہل علم کی ایک بہت بڑی مجلس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا' ان میں زیادہ تر غیر مسلم اہل کتاب تھے' انہوں نے بتایا کہ تورات میں کعب الاحبار و نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف لکھے ہوئے ہیں۔ حضرت محمد بن سائب الکلبی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ میں نے کتب سماویہ میں لکھا ہوا پایا ہے کہ امام ابوحنیفہ حکمت اور دینی علوم سے اتنے

بھرے ہوئے ہوں گے جس طرح انار میں انار کے دانے ہوتے ہیں۔

حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے علمائے امت محمدیہ اور فقیہان عصر کے اسمائے گرامی الہامی کتابوں میں لکھے ہوئے پائے ہیں۔ ان اسمائے گرامی کے ساتھ ان حضرات کے اوصاف بھی درج تھے۔ مجھے ان ناموں میں ایک نام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کا نظر آیا۔ آپ کے اوصاف میں آپ کے علوم' عبادات' ذہانت' تقویٰ کے متعلق تفصیل دیکھی۔ یہ بات خصوصی طور پر دیکھی کہ آپ اپنے زمانہ کے اہل علم کے امام ہوں گے اور ان کی شخصیت آسمان علم پر چودھویں رات کے چاند کی طرح درخشاں ہوگی۔ لوگ ان کی زندگی پر بھی رشک کریں گے اور موت پر بھی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ آج میں تمہیں ایسے مرد کی خبر سنانا چاہتا ہوں جو کوفہ کے اہل علم کے سردار ہوں گے بلکہ اپنے زمانہ میں عالم اسلام کے تمام شہروں میں رہنے والے اہل علم کے رہنما ہوں گے۔ وہ کوفہ میں ابوحنیفہ کی کنیت سے شہرت پائیں گے۔ آپ علم و حلم کا خزانہ ہوں گے اور اس زمانہ میں آپ کی وجہ سے ہزاروں لوگ تباہی و بربادی سے بچ جائیں گے۔ ان پر بعض لوگ حسد کی وجہ سے طعن و تشنیع کر کے اپنا ایمان خراب کریں گے۔

(جس طرح روافض نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعن و تشنیع کر کے اپنا ایمان خراب کیا۔ مترجم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میرے بعد ایک ایسا مرد پیدا ہوگا جو تمام اہل خراسان کے لیے آسمان علم پر چودھویں کے چاند کی طرح چمکے گا اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی۔" حضرت بزاز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ میں حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا' حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو حماد نے عرض کی کہ آپ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کا ذکر ہمیں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا' کہ آپ ایک زمانے کو علم سے سیراب کریں گے' آپ کا نام نعمان ہوگا' آپ کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی' آپ احکام الٰہی اور سنت رسول ﷺ کو زندہ کریں گے اور آپ کے احکام قیامت تک امت مسلمہ میں جاری رہیں گے۔ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ اگر میں آپ کو ملوں تو میرا اسلام پیش کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہماری رائے یہی ہے کہ جو شخص صاحب الرائے ہو کر فتویٰ دے گا اس کی مضبوط حیثیت ہوگی۔ جب تک اسلام باقی ہے اس کی رائے پر احکامات جاری ہوتے رہیں گے۔ اس مقام پر ایک ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور کنیت ابوحنیفہ ہوگی اور وہ اہل کوفہ سے ہوگا' اس کی

شخصیت اسلام اور فقہ میں ایک مضبوط قلعہ کی ہوگی اور اس کی کوششوں سے اسلام میں زندگی آئے گی۔ وہ حنفی دین اور رائے حسن پر قائم ہوگا۔

ایک دن حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ **حضرت امام جعفر** رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے نانا جان جناب رسول اللہ ﷺ کی سنتیں تم زندہ کرو گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب عام مسلمانوں کے ہاں سنت رسول ﷺ کا احترام کم ہو جائے گا۔ تم ہر پریشان صاحب علم کی جائے پناہ ہو گے۔ حالات کی وجہ سے ہر غمزدہ تمہارے پاس فریاد لے کر آئے گا اور تم ان کی دادرسی کرو گے۔ تمہاری رہنمائی سے لوگوں کو صحیح راستہ ملے گا۔ وہ حیران اور پریشان ہوں گے تو تم انہیں سہارے دے کر سیدھے راستے پر راہنمائی کرو گے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی توفیق حاصل ہوگی کہ زمانہ بھر کے علمائے ربانی تمہاری وجہ سے صحیح مسلک اختیار کریں گے۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ اور حُبِّ اہل بیت

از۔ صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

تیرے اہل بیت کی الفت ہے میرا ایمان
ان سے بغض کدورت رکھنا دو جگ کی رسوائی

جنہیں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم دولت نصیب ہے انہیں اللہ تعالیٰ حب اہل بیت سے بھی نوازتا ہے۔ اہل سنت و جماعت حب رسول، حب صحابہ، حب اہل بیت اور حب اولیا اللہ جیسا پاکیزہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اہل سنت فطری طور پر حب اہل بیت رکھتے ہیں۔ ہمارے اکابرین نے حب اہل بیت میں وہ لاثانی کارنامے سرانجام دیئے ہیں جن سے دیگر فرقوں کے رہنما سراسر محروم ہیں۔ اہل بیت، حضور پرنور کی آل ہیں، حضور کی عترت ہیں، حضور کی جگر گوشہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا کے دلبند اور شہنشاہ ولایت علی المرتضیٰ شاہ کا خون پاک ہیں۔

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیا نور کا

(حدائق بخشش)

اہلسنت و جماعت احناف کے امام سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ تابعی رضی اللہ عنہ (۱۵۰ھ) کو بچپن میں حب اہل بیت ملا ہوا تھا۔ حضرات ائمہ اہل بیت میں سے حضرت امام محمد باقر کے شاگرد، حضرت امام جعفر صادق کے مرید، حضرت امام علی زین العابدین (بن امام عالی مقام شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ) کے فرزند ارجمند حضرت امام زید بن علی اور حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت امام ابو محمد عبداللہ بن حسن سے فیض حاصل کیا اور ان کی محبت میں جان دے دی۔ یہاں امام اعظم کے حُبِّ اہل بیت سے سرشار بعض واقعات درج ذیل ہیں۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج پر گئے۔ آپ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو آپ کو محمد بن علی بن حسین بن علی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہم (یعنی امام محمد باقر) ملے اور کہا: تم وہی ابوحنیفہ ہو جس نے ہمارے دادا کے مذہب اور احادیث کو قیاس میں بدل دیا ہے۔ آپ نے عرض کی معاذ اللہ میں کون ہوتا ہوں ایسی جرأت کرنے والا۔ امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تحقیق سے ثابت کرو کہ تم واقعی قیاس سے احادیث کو نہیں بدلتے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور! آپ اپنی مجلس میں اپنی شان بان کے ساتھ تشریف رکھیں میں حاضر ہو کر دو زانو بیٹھ کر وضاحت کرتا ہوں۔ میری نگاہ میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور میں آپ کی مجلس میں ویسے ہی حاضری دینا چاہتا ہوں جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دربار میں ایک غلام حاضر ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پوری شان سے مسند پر تشریف فرما ہوئے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

دو زانو ہو کر سامنے بیٹھے اور عرض کی حضور میں تین گذارشات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ارشاد فرمائیں۔ مرد کمزور ہے یا عورت؟ حضرت امام باقر نے فرمایا: عورت کمزور ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وراثت میں عورت کا کتنا حصہ ہے؟ اور مرد کا کتنا حصہ ہے؟ امام ابوحنیفہ نے عرض کی حضور پھر وراثت میں عورت کا کتنا حصہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا: عورت کو ایک حصہ اور مرد کو دو حصے ملیں گے۔ امام ابوحنیفہ نے عرض کی حضور آپ کے دادا جان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں یہی فیصلہ ہے، اگر میں اس وراثت کا فیصلہ قیاسی یا عقلی کرتا تو کمزور کو دو حصے دیتا اور مضبوط کو ایک حصہ، مگر میں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف پر پابند ہوں۔ پھر عرض کی حضور مجھے یہ بتایئے کہ نماز افضل عبادت ہے یا روزہ؟ آپ نے فرمایا: نماز افضل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے عرض کی اگر میں قیاس سے فیصلہ کرتا تو جو عورت حیض سے پاک ہوئی اسے حکم دیتا کہ وہ قضا شدہ نمازیں لوٹائے اور روزے معاف کرا دیتا۔

آپ نے تیسرا سوال کیا حضور! شریعت میں پیشاب زیادہ نجس اور پلید ہے یا منی؟ امام باقر نے فرمایا: پیشاب۔ عرض کی حضور! اگر میں قیاس سے بات کرتا تو پیشاب کرنے والے کو غسل کرنے کا حکم دیتا اور محتلم یا جنبی کو صرف وضو کرنے کا کہتا۔

یہ باتیں سن کر حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گلے لگایا (معانقہ فرمایا) اور نہایت لطف و کرم سے پیش آئے۔

بوحنیفہ بد امام باصفا آں سراج امتان مصطفیٰ

امام اعظم ابوحنیفہ نے عباسیہ کی بے اعتدالیاں بچشم خود دیکھی تھی۔ خلفائے بنی امیہ کی قبروں کو اکھڑوا کر ان کی ہڈیوں کو جلانا اور خاندان سادات کی تباہی اور دیگر جور و ستم آپ کے پیش نظر تھے۔ لہذا امام اعظم کے نزدیک منصور خلیفہ حق و شایان منصب امامت ہی نہ تھا۔ امام صاحب نے دیگر علمائے وقت کی طرح خاندان سادات میں سے حضرت زید بن علی بن حسین کی اعانت کا فتویٰ دیا۔ جب ۱۴۵ھ میں سید محمد نفس زکیہ نے مدینہ منورہ سے خروج کیا تھا تو علمائے نامدار حتیٰ کہ امام مالک نے دعویٰ دیا تھا کہ نفس زکیہ کا دعویٰ خلافت حق ہے۔ سید محمد نفس زکیہ کے بعد ان کے بھائی سید ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی ابن ابی طالب نے خلافت کا دعویٰ کیا۔ امام صاحب اور دیگر علمائے کرام اہل بیت کے اس دعوے کے موید تھے۔ (الاقوال الصحیحہ ص ۳۸۲ مطبوعہ ۱۹۱۳ء)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اہل بیت کے بالواسطہ نہیں بلکہ بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ ہم ان کی اقتدا اس لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پہنچایا ہے جو انہوں نے اپنے اساتذہ کرام سے جن میں ائمہ اہل بیت بھی ہیں، سیکھا تھا، ہم ان کی اطاعت ہرگز ہرگز اس لیے نہیں کرتے کہ وہ کسی نئی شریعت کے موجد ہیں، ہم ان کی اطاعت کو ائمہ اہل بیت کی اطاعت سمجھتے ہیں اور ان کی اطاعت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔

حضرت زید بن علی نے جب ہشام بن عبدالملک کے خلاف ۱۲۱ھ میں علم جہاد بلند کیا تو حضرت امام ابوحنیفہ نے آپ کی تائید کی اور آپ کے خلیفہ برحق ہونے کا اعلان کر دیا۔ آپ کی خدمت میں دس ہزار درہم بطور اعانت ارسال کیے اور خلفاء بنی امیہ کے ساتھ ہر طرح سے قطع تعلق کر لیا اپنی مجالس درس و وعظ میں ان پر شدید تنقید شروع کر دی۔ ابن ہبیرۃ کوفہ کا گورنر تھا۔ عراق میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی تو اس پر قابو پانے کے لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو تمام وزراء کا نگران مقرر کیا اور حکم دیا کہ ''گورنر ہاؤس'' سے جو فرمان جاری ہو جب تک اس پر امام صاحب مہر نہ لگائیں وہ قابل قبول نہ ہوگا۔

آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لوگوں نے ڈرایا سمجھایا کہ ابن ہبیرہ بڑا سخت آدمی ہے، اس کی حکم عدولی کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے اس پر حضرت ابوحنیفہ نے اپنے ناصحوں کو جواب دیا:

یعنی اگر وہ اتنا چاہے کہ میں اس کے لیے واسط کی مسجد کے دروازے شمار کر دوں تو میں یہ بھی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں چہ جائیکہ وہ مجھ سے یہ تعلق رکھے کہ کسی کے قتل کا پروانہ وہ جاری کرے اور مہر میں اس پر لگاؤں۔ اللہ کی قسم میں اس چیز کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

• اس حکم عدولی کے باعث آپ کو قید کر دیا گیا۔ ہر روز آپ کو کوڑے لگائے جاتے اور پیٹا جاتا لیکن آپ کی استقامت اور ثابت قدمی میں ذرہ فرق نہ آیا۔ آپ نے اہل بیت کے دشمن اور حضرت زید کے قاتل ہشام کے گورنر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے انکار کر دیا۔ جب عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی تو امام صاحب کے مراسم عباسی خلفاء کے ساتھ بڑے دوستانہ اور مخلصانہ تھے، خلفاء بھی آپ کی دل سے عزت اور قدر کرتے تھے لیکن جب منصور نے حضرات سادات کرام کے ساتھ زیادتیاں کرنا شروع کریں تو آپ اس کے بھی مخالف ہو گئے اور اس نے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت امام محمد نفس زکیہ نیز ان کے بھائی اور اپنے استاد مشفق حضرت عبداللہ بن حسن کے نور نظر سے لڑائی شروع کی تو آپ نے ہر قسم کی مصلحت کو پس پشت ڈال دیا اور کھل کر عباسیوں کی مخالفت کی۔ خلیفہ منصور جس نے معمولی سے شبہ پر ابو مسلم خراسانی جیسے جرنیل کو تہ تیغ کر دیا تھا، اس کے غیظ و غضب کی بھی حضرت امام اعظم نے پرواہ نہ کی۔ منصور نے آپ کو ہر حیلہ سے اپنی روش ترک کرنے پر مجبور کیا لیکن جب آپ باز نہ آئے تو آپ کو جیل میں ڈال دیا ہر روز آپ کو دس کوڑے لگائے جاتے لیکن آپ نے اپنی روش نہ بدلی اور اس پیرانہ سالی میں راہ محبت میں ہر قسم کی سختیوں کو خوشی سے گوارا کیا یہاں تک کہ آپ نے قید خانہ میں جام شہادت نوش کیا۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو زہر دے دیا گیا تھا۔ آپ نے جان دے دی لیکن اہل بیت کی محبت ترک نہیں کی، اپنے نحیف و نزار بدن پر کوڑے کھائے لیکن باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ (تذکرہ امام اعظم ابوحنیفہ)

یارب! میں ان کی آل کی حرمت پہ مر مٹوں
یوں عہد بے ثبات کو حاصل دوام ہو

حضرت امام باقر بن علی بن حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ ابوحنیفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے دادا عبداللہ کی سنت کا احیاء کرو گے۔ حالانکہ اس وقت معاشرہ اسلام سے ناواقف ہوتا دکھائی دے گا۔ تمہارے پاس پریشان حال لوگ اور مسائل سے ناواقف علماء آیا کریں گے۔ تم ان کی فریادرسی کرو گے، حیران اور پریشان لوگ تمہاری فقیہانہ رہنمائی سے آسانیاں حاصل کریں گے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی امداد شامل حال ہوگی۔ اس توفیق سے تم حق کے راستہ پر چلتے رہو گے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باتیں سنیں دل قوی ہوا اور آپ کا شکریہ ادا کر کے واپس آ گئے۔

امام کردری (متوفی ۸۲۷ھ) فرماتے ہیں: جن علوم کی وضاحت حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی تھی وہ آپ کا علم فراست تھا جس کی وجہ سے آپ نے ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ دیکھتے ہی مستقبل کے حالات بیان کر دیے۔ (مقامات امام اعظم ص ۹۹)

عبدالعزیز بن رواد نے فرمایا: ہم حضرت جعفر صادق بن امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس میں مقام الحجر میں بیٹھے تھے تو امام ابوحنیفہ بھی حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور آپ کو گلے لگایا خیر و عافیت دریافت کی حتیٰ کہ آپ کے شاگردوں پر بھی دست شفقت فرمایا۔ جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا۔ اے ابن رسول! کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟ امام جعفر صادق نے فرمایا: میں نے تیرے جیسا احمق اور ناواقف شخص کہیں نہیں دیکھا میں ان کے شاگردوں کی خیریت پوچھ رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ یہ ابوحنیفہ اس وقت کے بہت بڑے فقیہ ہیں۔ (مترجم، مقامات امام اعظم ص ۱۹۱، امام کردری صاحب فتاویٰ بزازیہ)

آپ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام (بیت اللہ) میں فتویٰ دے رہے تھے وہاں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور لوگوں میں کھڑے ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی۔ اے ابن رسول! اگر مجھے آپ کے یہاں آنے یا کھڑے ہونے کا علم ہوتا تو ہرگز نہ بیٹھتا، نہ لوگوں سے گفتگو کرتا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا: آپ بیٹھیے اور فتویٰ دیجیے۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر بیٹھے لوگوں کو سمجھاتے دیکھا ہے۔ (مقامات امام اعظم ص ۲۳۳)

حضرت سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسلمین، داماد مصطفیٰ، فاتح خیبر، امام المشارق والمغارب شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے شہر کوفہ کے ایک ایسے مرد کی بات بتاتا ہوں جس کی کنیت ''ابوحنیفہ'' ہوگی۔

اس کا دل علم وحکمت کا سمندر ہوگا۔ اس کی وجہ سے امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت سے بچ جائے گی مگر بعض لوگ اس سے بغض رکھیں گے جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں رافضی ہلاک ہوئے تھے۔ (مقامات امام اعظم ص ۹۷)

حافظ ابوبکر احمد خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) رقم طراز ہیں: وذھب ثابت الیٰ علی بن ابی طالب وھو صغیر فدعا له بالبرکة فیه وفی ذریة ...... والنعمان بن المرزبان ابو ثابت ھو الذی اھدیٰ لعلی بن ابی طالب الفالوذج فی یوم النیروز فقال نوروز ناکل یوم۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۲۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اور ثابت (امام اعظم ابوحنیفہ کے والد محترم) حضرت علی المرتضیٰ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دعا کے لئے آئے۔ ان دنوں ثابت کا بچپن تھا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ نے ثابت اور آپ کی اولاد کے لیے خیر وبرکت کی دعا کی...... اور نعمان بن مرزبان جو کہ ثابت کے والد محترم (اور امام ابوحنیفہ کے دادا جان) تھے انہوں نے نوروز کے دن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت عالیہ میں فالودہ پیش کیا۔

حضرت نے فرمایا: ہمارے لئے ہر روز ''نوروز'' ہے۔ (سوانح امام المسلمین ص ۲۶)

نوٹ: فارس والوں کے ہاں ''نوروز'' کا دن خوشی کا روز ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ اور علمِ حدیث

از: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب (لاہور)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا قرآن وحدیث اور آئمہ اسلام کے ارشادات کی روشنی میں عظمتِ امام کے بارے میں کچھ عرض کر دیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (پ ۱۱ التوبہ آیت ۱۰۰)

ترجمہ: اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

امام ابوحنیفہ تابعین میں سے ہیں اس لیے ''رضی اللہ عنھم ورضوا عنه'' کا مژدۂ جانفزا ان کے لیے بھی ہے' سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔

لو کان الدین عندالثریا لذھب به رجل من فارس

(صحیح مسلم عربی کراچی ج ۲ ص ۳۱۲)

اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو تو فارس کا ایک مرد اسے پا لے گا۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ صحیح اور قابلِ اعتماد اصل ہے جس میں امام ابوحنیفہ کی بشارت ہے علامہ سیوطی کے شاگرد اور سیرت شامیہ کے مصنف حضرت شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی فرماتے ہیں کہ شیخ کا یہ فرمان بالکل صحیح ہے کہ اس حدیث کا اشارہ امام اعظم کی طرف ہے کیونکہ اہلِ فارس میں سے کوئی بھی ان کے مبلغ علم کو نہیں پہنچ سکا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۹)

امام اعظم کی خصوصیات:

☆ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد اوصاف میں دیگر آئمہ مجتہدین سے ممتاز ہیں۔

☆ آپ زمانہ صحابہ میں پیدا ہوئے جو بحکم حدیث خیر القرون میں سے ہے۔

☆ آپ نے متعدد صحابہ کرام کی زیارت کی ان سے حدیثیں سنیں اور روایت بھی کیں'

☆ تابعین کے دور میں اجتہاد کیا اور فتویٰ دیا' مشہور محدث امام اعمش حج کے لیے روانہ ہوئے تو مسائل حج امام صاحب سے لکھوا کر ساتھ لے گئے حالانکہ وہ حدیث میں امام صاحب کے اساتذہ میں سے ہیں۔

☆ جلیل القدر آئمہ حدیث آپ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمرو بن دینار امام صاحب کے اساتذہ

میں سے ہیں اس کے باوجود آپ سے روایت کرتے ہیں۔

☆ آپ نے چار ہزار مشائخ سے علم حاصل کیا' آئمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے اتنے اساتذہ نہیں ہیں۔

☆ انہیں شاگردوں کی ایسی بے نظیر جماعت میسر آئی جو بعد میں کسی امام کو میسر نہ آئی۔

☆ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ حضرت وکیع ابن الجراح کی مجلس میں کسی نے کہہ دیا ابوحنیفہ نے خطا کی' انہوں نے فرمایا ابوحنیفہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں جب کہ ان کی مجلس علمی میں ابو یوسف' زفر اور محمد ایسے ماہرین قیاس اور مجتہد موجود ہیں یحییٰ ابن زکریا' حفص ابن غیاث حبان اور مندل ایسے حافظ الحدیث اور حدیث کی معرفت رکھنے والے ہیں' حضرت عبداللہ بن مسعود کی اولاد میں سے قاسم ابن معن ایسے لغت اور عربی زبان کے امام موجود ہیں' داؤد ابن نصیر طائی' فضیل ابن عیاض ایسے پیکر زہد و تقویٰ ہیں جہاں ایسے لوگ موجود ہیں وہ انہیں غلطی نہیں کرنے دیں گے اور اگر ان سے خطا سرزد ہو بھی جائے تو یہ حضرات انہیں حق کی طرف پھیر دیں گے۔

☆ آپ فقہ کے پہلے مدون ہیں' اس سے پہلے صحابہ کرام اور تابعین اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے تھے۔ امام صاحب نے محسوس کیا کہ اگر مسائل اسی طرح بکھرے رہے تو علم کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے آپ نے فقہ کو مختلف کتب اور ابواب پر مرتب کر دیا' امام مالک نے مؤطا کی ترتیب میں آپ ہی کی پیروی کی۔

آپ کا مذہب دنیا کے ان خطوں میں پہنچا جہاں دوسرے مذاہب نہیں پہنچے۔

آپ اپنے کاروبار کی آمدن سے گزر بسر کرتے تھے' اہل علم پر خرچ کرتے اور کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔

آپ کی عبادت و ریاضت' زہد و تقویٰ اور حج و عمرہ کی کثرت حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ (عقود الجمان ص ۱۸۵)

اکابر اسلام کی تحسین اور ستائش:

آپ کی تعریف و ثنا کرنے والوں میں عالم اسلام کے وہ مسلم امام ہیں جن کے مقابل مخالفین اور معترضین کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کی ملاقات حضرت امام جعفر صادق کے ساتھ حطیم کعبہ میں ہوئی انہوں نے معانقہ کیا اور خیریت دریافت کی یہاں تک کہ خدام کی خیریت بھی دریافت کی' امام صاحب کے جانے کے بعد کسی نے پوچھا کہ اے فرزند رسول آپ انہیں پہچانتے ہیں؟ امام جعفر صادق نے فرمایا میں نے تم سے بڑا بے وقوف نہیں دیکھا میں ان سے خدام تک کی خیریت دریافت کر رہا ہوں اور تم کہتے ہو کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں؟۔

یہ ابوحنیفہ ہیں اور اپنے شہر (کوفہ) کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ (الجواهر المضیه ج ۲ ص ۴۵۸)

یاد رہے کہ کوفہ اس دور میں عالم اسلام کا اہم ترین علمی مرکز تھا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

کوئی شخص ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیے بغیر فقہ میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ (اخبار ابی حنیفة وصاحبیه ۸۱)

کادح ابن زحمہ کا بیان ہے۔

ایک شخص نے امام مالک سے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس دو کپڑے ہوں ان میں سے ایک پاک اور دوسرا پلید ہو (اور اسے معلوم نہ ہو کہ پاک کون سا ہے) اور نماز کا وقت آ جائے تو وہ کیا کرے؟ امام مالک نے فرمایا غور و فکر کرے جس کے پاک ہونے کا غالب گمان ہو اسے استعمال کرے۔ (کادح ابن زحمہ کہتے ہیں)

میں نے انہیں بتایا کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ان کپڑوں میں سے ہر ایک کو پہن کر ایک ایک دفعہ نماز ادا کرے' امام مالک نے اس شخص کو بلایا اور وہی مسئلہ بتایا جو امام ابوحنیفہ کا فتویٰ تھا۔ (ایضاً ص ۴۷)

امام اعظم ابوحنیفہ کا اصل میدان اجتہاد اور استنباط مسائل تھا۔ حضرت ملا علی قاری نے خطیب خوارزمی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسائل بیان کیے ہیں جن میں سے اڑتیس ہزار (۳۸۰۰۰) مسائل عبادات سے اور باقی معاملات سے متعلق ہیں اگر ابوحنیفہ نہ ہوتے تو لوگ گمراہی اور جہالت کی وادیوں میں بھٹک رہے ہوتے۔ (الجواهر المضیه ج ۲ ص ۴۷۴)

اسی لیے آپ محدثانہ انداز میں حدیث پڑھانے اور اس کی روایت کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ تاہم آپ حدیث کے عظیم ترین حافظ تھے حافظ الحدیث اس عالم کو کہتے ہیں جسے ایک لاکھ حدیث متن اور سند سمیت یاد ہو اور سند کے ایک ایک راوی کے تمام حالات سے باخبر ہو۔

حضرت محمد ابن سماعہ فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے اپنی کتابوں میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں پیش کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے آثار صحابہ کا انتخاب کیا ہے۔ (ایضاً)

آئمہ حدیث کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

یزید ابن ہارون فرماتے ہیں۔ ابوحنیفہ متقی' پرہیزگار' زاہد' عالم' زبان کے سچے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ تھے' میں نے ان سے معاصرین بھی پائے انہوں نے یہی کہا کہ انہوں نے ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ (عقود الجمان ص ۱۹۴)

مشہور نقاد اور حافظ الحدیث یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں ابوحنیفہ ثقہ ہیں حدیث اور فقہ میں سچے ہیں اور اللہ

تعالیٰ کے دین کے امین ہیں۔ (ایضا)

امیر المومنین فی الحدیث حضرتِ شعبہ نے آپ کے وصال پر دعائے خیر کے بعد فرمایا۔

اہل کوفہ سے نورِ علم کی ضیاء چلی گئی اب یہ لوگ ان جیسا قیامت تک نہیں دیکھیں گے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ)

حضرتِ سفیان ثوری فرماتے ہیں۔

ابوحنیفہ علم میں نیزے کی انی سے زیادہ تیز راہ پر چلتے تھے خدا کی قسم! وہ علم کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ حرام کاموں سے منع فرماتے اور اپنے شہر والوں کے لیے سرچشمہ تھے۔ وہ صرف ان حدیثوں کا لینا جائز قرار دیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے ثابت تھیں۔ وہ ناسخ و منسوخ حدیثوں کی کامل معرفت رکھتے تھے وہ مستند راویوں کی روایات اور نبی اکرم ﷺ کے آخری فعل کی تلاش میں رہتے تھے اور علماء کوفہ کی اکثریت کو جس راہِ حق پر پاتے اسے اپنا لیتے اور اسے اپنا دین قرار دیتے تھے۔ (ایضا)

قاضی القضاۃ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

میں نے جس مسئلے میں بھی امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا تو غور کرنے پر ان کا مذہب ہی آخرت میں زیادہ نجات دینے والا معلوم ہوا بعض اوقات میں حدیث کی طرف رجحان اختیار کرتا تو وہ حدیث صحیح کے مجھ سے زیادہ واقف ہوتے۔

یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ

ہم علم کے کسی باب میں امام ابوحنیفہ سے گفتگو کرتے جب امام کسی قول پر اپنا فیصلہ دے دیتے اور آپ کے تلامذہ اس پر متفق ہو جاتے یا امام صاحب فرماتے کہ ہمارا اس قول پر اتفاق ہے تو میں مشائخ کوفہ کے پاس اس توقع پر حاضر ہوتا کہ ان سے کوئی حدیث یا اثر صحابہ امام کے قول کی تائید میں حاصل کروں' چنانچہ کبھی مجھے دو حدیثیں مل جاتیں اور کبھی تین' میں وہ حدیثیں لا کر امام کی خدمت میں پیش کرتا تو وہ ان میں سے بعض کو قبول کر لیتے اور بعض کو رد کر دیتے اور فرماتے یہ صحیح نہیں ہے یا معروف نہیں ہے حالانکہ وہ حدیث ان کے مذہب کے موافق ہوتی' میں عرض کرتا کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہے تو امام صاحب فرماتے کہ کوفہ کا تمام علم مجھے حاصل ہے۔ (عقود الجمان ص ۳۲۱)

امام ترمذی جو ایک حدیث میں امام بخاری و مسلم کے بھی استاد ہیں جرح و تعدیل میں امام اعظم کے قول کو حجت تسلیم کرتے ہیں ترمذی شریف کی دوسری جلد' کتاب العلل میں ابو یحییٰ حمانی سے روایت کرتے ہیں۔

میں نے ابوحنیفہ کو فرماتے سنا کہ میں نے جابر جعفی سے بڑا جھوٹا اور عطاء ابن ابی رباح سے زیادہ فضیلت والا کوئی نہیں دیکھا۔ (مقدمہ مفید المفتی ملتان ص ۱۰۰)

شمس الدین ذہبی نے آپ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۶۸)

تطبیق احادیث: احادیث میں اگر بظاہر تعارض واقع ہو تو پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ان میں تطبیق دی جائے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو احادیث مختلفہ کی تطبیق میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔

سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت کسے حاصل ہوئی' اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ پہلے پہل ان میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تطبیق دی کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرتِ ابوبکر' عورتوں میں حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ' بچوں میں حضرت علی اور غلاموں میں حضرتِ زید ایمان لائے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(عبدالوہاب عبداللطیف حاشیہ الصواعق المحرقہ ص ۱۰۷ مطبوعہ قاہرہ مصر)

اسی طرح رکعات نماز میں کسی کو شک واقع ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں تین مختلف روایتیں ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں یوں تطبیق دی کہ اگر کسی کو پہلی مرتبہ شک واقع ہو تو اسے از سرِ نو نماز پڑھنی چاہیے اور اگر اسے شک واقع ہوتا رہتا ہے تو غور کرے جس طرح اس کا غالب گمان ہو اس پر عمل کرے اور اگر کسی طرف بھی غلبہ ظن حاصل نہیں اور دونوں جانبیں برابر ہیں تو کم تعداد کو اختیار کرے۔ (کوثر النبی ملتان ج ۲ ص ۴۱) مثلاً تین چار میں تردد ہو تو تین رکعتیں قرار دے۔ اور ایک رکعت مزید پڑھ لے۔

امام ابوحنیفہ اور محدثین: یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر باکمال پر حسد کیا گیا ہے اور دانستہ یا نادانستہ اس کی عظمت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ امام اعظم پر حسد نہ کیا جاتا' امام صاحب نے اسی صورت حال کے پیش نظر فرمایا۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمهم
قبلی من الناس اهل الفضل قد حسدوا
فدام لی ولهم مابی ومابهم
ومات اکثرنا غیظاً لما وجدوا

اگر لوگ مجھ پر حسد کرتے ہیں تو میں انہیں ملامت نہیں کرتا مجھ سے پہلے فضیلت والوں پر حسد کیا گیا ہے۔ میری خوبی اور حالت میرے ساتھ رہی اور ان کی ان کے ساتھ اور ہم میں سے اکثر اپنے صدمے کے غصے میں مر گئے۔ (الجواهر المضيه ج ۲ ص ۴۹۸)

ضابطہ جرح و تعدیل: مشہور یہ ہے کہ جرح' تعدیل پر مقدم ہے لیکن یہ مطلقاً صحیح نہیں ہے' امام حافظ تاج الدین سبکی' طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں'

ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جس شخصیت کی امامت و عدالت ثابت ہو اس کی مدح اور تعریف کرنے والے

زیادہ اور اس پر جرح کرنے والے کم ہوں اور مذہبی تعصب یا اس کے علاوہ دیگر قرائن بھی موجود ہوں جن کی بنا پر جرح کی گئی ہو تو ہم جرح کو قابلِ توجہ قرار نہیں دیں گے۔ اور ہم اس شخصیت کی عدالت کو تسلیم کریں گے کیونکہ اگر ہم یہ دروازہ کھول دیں اور مطلقاً جرح کا مقدم ہونا تسلیم کر لیں تو کوئی امام بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا اس لیے کہ ہر امام پر کچھ نہ کچھ لوگوں نے طعن کیا ہے اور ہلاکت کی وادی میں جا گرے ہیں۔ (عقود الجمان ص ۳۹۳)

حدیث اور قیاس: بعض شافعیہ نے کہا کہ امام ابوحنیفہ قیاس پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض محدثین قال بعض اهل الرای کے عنوان سے امام صاحب کا قول بیان کرتے ہیں۔

یہ الزام حقیقت کے سراسر خلاف ہے حضرتِ عبداللہ ابن مبارک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔

جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہم تک پہنچے تو سر آنکھوں پر اور جب صحابہ کرام سے مروی ہو (اور صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف ہو) تو ہم ان میں سے کسی ایک کا قول اختیار کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ہم ان میں سے کسی کا قول بھی اختیار نہ کریں اور جب تابعین کا قول مروی ہو تو ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ (ایضاً)

امام صاحب کی مجلس میں ایک شخص نے تعریفیں کرتے ہوئے کہا سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا امام اعظم نے فرمایا۔

تمہارا یہ کلام بے محل ہے ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کا حکم رد کرنے کے لیے قیاس کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا۔

قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۶۱)

ترجمہ: بولا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔

اور ہم اس لیے قیاس کرتے ہیں کہ ایک مسئلے کو دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل، کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماعِ صحابہ کی طرف راجع کریں ہم اجتہاد کرتے ہیں اور اتباعِ خداوندی کے گرد گردش کرتے ہیں ہمارے قیاس کا اس قیاس سے کیا تعلق؟

اس شخص نے برملا توبہ کی اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو منور کرے جس طرح آپ نے میرا دل منور کیا ہے۔ (الجواهر المضیہ ج ۲ ص ۳۷۴)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ احناف کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف حدیث قیاس پر مقدم ہے جب کہ امام شافعی حدیث ضعیف کی بعض قسموں پر قیاس کو مقدم قرار دیتے ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث مرسل جسے تابعی صحابہ کا ذکر کیے بغیر روایت کرے حجت ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ

صحابی کی تقلید کرتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے صحابی نے وہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے سنی ہو' جب کہ امام شافعی' صحابی کی تقلید نہیں کرتے' امام احمد بن حنبل کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے مذہب کی بنا حدیث پر ہے تحقیق اور تتبع سے پتا چلتا ہے کہ امام احمد کا اختلاف امام ابوحنیفہ سے اتنا نہیں جتنا امام شافعی سے ہے۔

(کوثر النبی ج ۱ ص ۵۴)

حضرتِ نصر ابن محمد ابن یحییٰ بلخی فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا آپ کو امام ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ قیاس کرتے ہیں' میں نے کہا کیا امام مالک قیاس نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا ہاں وہ قیاس کرتے ہیں لیکن ابوحنیفہ کا قیاس کتابوں میں محفوظ ہو گیا ہے۔ میں نے کہا امام مالک کا قیاس بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ فرمایا: ابوحنیفہ ان سے زیادہ قیاس کرتے ہیں۔ میں نے کہا' آپ کو چاہیے تھا کہ امام ابو حنیفہ پر ان کے حصہ کے مطابق اور امام مالک' پر ان کے حصہ کے مطابق کلام کرتے' تو امام احمد خاموش ہو گئے۔ (عقود الجمان ص ۳۸۷)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ کا طریقہ یہ تھا کہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو قیاس کے موافق ہوتی تھی اور مخالفِ قیاس حدیث کو مرجوح قرار دیتے تھے' امام صاحب حدیث کو ترجیح دینے کے لیے عقلی دلیل بیان فرما دیتے تھے لیکن بعض حنفی علماء نے حدیث کے تلاش کرنے میں سستی کا مظاہرہ کیا اور صرف عقلی دلیل بیان کر دی جس سے لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ اس مذہب کی بناء ہی رائے اور قیاس پر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ حدیث کی معرفت اور اتباعِ سنت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ (کوثر النبی ج ۳ ۵۳)

چند احادیث ملاحظہ ہوں جن پر امام ابوحنیفہ نے عمل نہیں کیا اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کیوں عمل نہیں کیا۔

حدیثِ مُصَرّاۃ: عرب میں تاجروں کی عام طور پر یہ عادت تھی کہ مادہ جانور کے فروخت کرنے سے پہلے ایک دو دن اس کے دودھ نہیں دوہتے تھے۔ خریدار تھنوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھ کر وہ جانور گراں قیمت پر خرید لیتا' گھر جا کر اس پر منکشف ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا دھوکہ ہوا ہے ایسے جانور کو مصرّاۃ کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مصرّاۃ بکری خریدے اور گھر لے جا کر اس کا دودھ دوہے تو اگر اس کے دودھ پر راضی ہے تو اسے رکھ لے ورنہ بکری اور اس کے ساتھ ایک صاع وساڑھے چار سیر' کھجور واپس کر دے۔ (صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد' کراچی ج ۲ ص ۴)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خریدار بکری واپس نہیں کر سکتا البتہ دودھ کی کمی کے سبب بکری کی قیمت میں جتنی

کی واقع ہوگی وہ بائع سے لے سکتا ہے' امام صاحب نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا اور عمل نہ کرنے کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ یہ حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہے' ارشاد ربانی ہے۔

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (پ۲' البقرۃ آیت ۱۹۴)

ترجمہ: اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

خریدار نے بکری کا دودھ جو پیا ہے ضروری نہیں کہ ایک صاع کھجور کے برابر ہو کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

۲۔ یہ حدیث معروف کے خلاف ہے' حضور ﷺ سے مروی ہے۔ الخراج بالضمان خریدی ہوئی چیز کی پیداوار اور آمدن کا استحقاق اصل کی ضمانت کی بنا پر ہے۔ ایک شخص نے غلام خرید کر اسے اجارہ پر دیا بعد میں اس کے عیب کا پتا چلا' اس نے یہ مسئلہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے عیب کی بنا پر غلام واپس کر دیا۔ بائع نے عرض کیا حضور اس نے نفع بھی حاصل کیا ہے۔

فرمایا۔ الغلۃ بالضمان: نفع ضمانت کی بنا پر ہے۔ (شرح معانی الآثار ج۲ ص۲۰ مطبوعہ کراچی)

یعنی اگر غلام مر جاتا تو اس کی ذمہ داری میں مرتا۔

۳۔ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے کیونکہ اگر کوئی شخص دوسرے کی کوئی چیز ضائع کر دے تو اس پر اجماع ہے کہ اس کے بدلے میں ویسی ہی چیز دے یا قیمت ادا کرے۔

اس اجماع کے مطابق بکری واپس کرنے کی صورت میں خریدار پر لازم ہونا چاہیے کہ جتنا دودھ پیا ہے اتنا دودھ واپس کر دے یا اس کی قیمت' ایک صاع کھجوریں نہ تو دودھ کی مثل ہیں اور نہ ہی اس کی قیمت۔

۴۔ یہ حدیث قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی کی کوئی چیز ضائع کر دینے کی صورت میں قیاس یہ ہے کہ یا تو اس کی مثل ادا کی جائے' یا ثمن یا قیمت' ایک صاع کھجور نہ ثمن ہے' نہ قیمت اور نہ مثل۔ (الجواهر المضيه ج ۲ ص ۴۱۷) ثمن وہ معاوضہ ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان طے پائے اور قیمت وہ مالیت ہے جو بازار کے بھاؤ کے حساب سے ہو۔

۵۔ امام ابو جعفر طحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ بکری فروخت کے وقت جو دودھ موجود تھا وہ بائع کی ملکیت تھا جب بکری کی بیع منسوخ ہوئی تو اس دودھ کی بیع بھی منسوخ ہو گئی اور چونکہ وہ اس وقت موجود نہیں ہے اس لیے وہ دین ہوا اور اس کے مقابل ایک صاع کھجور خریدار کے ذمہ پر آ گئی وہ بھی

دین ہے تو یہ دین کی دین کے ساتھ بیع ہوئی اور وہ بحکم شریعت ممنوع ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہی عن الکالی بالکالی

حضور ﷺ نے دین کی دین سے بیع کرنے سے منع فرمایا۔ (شرح معانی الآثار ج۲ ص۲۲۷)

کُتّے کے جھوٹے برتن کا حکم: امام بخاری و مسلم حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔

امام ابو حنیفہ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا ان کے نزدیک تین مرتبہ دھونا ہی کافی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث پر عمل نہ کرنے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں'

۱۔ یہ حدیث مضطرب ہے کسی روایت میں ہے کہ سات مرتبہ دھوئے اور پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ دھوئے' کسی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ مٹی کے ساتھ دھوئے' کسی روایت میں آخری مرتبہ مٹی کے ساتھ دھونے کا حکم ہے اور ایک روایت میں دوسری مرتبہ مٹی کے ساتھ دھونے کا حکم ہے اس اضطراب کی بناء پر اس حدیث پر عمل نہیں کیا گیا۔

۲۔ اصول فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب راوی کا خود اپنی روایت کے خلاف عمل ہو تو اس کی روایت کو نہیں بلکہ اس کے عمل کو اپنایا جائے گا کیونکہ جس راوی کی عدالت اور دیانت پر اعتماد ہو وہ جب ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہے اور خود اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ حدیث اس راوی کے نزدیک منسوخ ہے یا اس کی معارض اس سے زیادہ قوی حدیث موجود ہے وغیر ذالک

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرتِ ابو ہریرہ کے نزدیک کتے کے جھوٹے برتن کو تین مرتبہ دھویا جائے گا۔

(الجواهر المضيه ج ۲ ص ۴۲۷)

حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ کوفی نے اپنی مصنف کے ایک حصہ کا نام "کتاب الرد علی ابی حنیفة" رکھا ہے اور اس میں وہ ایسی حدیثیں لائے ہیں جو بظاہر امام اعظم کے مذہب کے خلاف ہیں علامہ عبدالقادر قرشی متوفی ۷۷۵ھ اور علامہ قاسم ابن قطلو بغا نے اس کا تفصیلی رد لکھا' علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی (مصنف السیرۃ الشامیہ) نے عقود الجمان میں اجمالاً رد کیا' فقیہ اعظم مولانا محمد شریف سیالکوٹی نے "تائید الامام باحادیث خیر الانام" کے نام سے اس کا جواب لکھا صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس پر تقریظ لکھی وہ فرماتے ہیں۔

حافظ ابن ابی شیبہ اگر آج ہوتے تو اس تحریر کی ضرور قدر کرتے اور اس کو اپنی مصنف کا جز بناتے یا کتاب

الردکواپنی مصنف سے خارج کرتے۔ (فقہ الفقیہ ص ۳۳۵)

(نوٹ: تائیدالامام باحادیث خیرالانام مکمل رسالہ اس کتاب میں شامل ہے۔راشدی)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدوں میں فقہ حنفی کو ایسے دلائل و براہین سے بیان کیا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں فتاویٰ رضویہ فقہ حنفی کا وہ دائرۃ المعارف ہے کہ کسی بھی مسئلے پر تفصیل دلائل اس میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم مولوی نذیر حسین دہلوی نے شافعیہ کی تقلید میں یہ فتویٰ دیا کہ سفر کی حالت میں بغیر عذر کے دونمازیں ایک نماز کے وقت میں پڑھی جاسکتی ہیں امام احمد رضا بریلوی نے اس کے جواب میں سوا سو صفحات کا ایک رسالہ "حاجز البحرين الواقی عن جمع الصلوتين" تحریر فرمایا اور اس میں حدیث کی روشنی میں مذہب حنفی کو بیان کیا اور اس رسالے میں حدیث سے متعلق محدثانہ ابحاث کو دیکھ کر بڑے بڑے محدث انگشت بدنداں رہ گئے۔

قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور مولوی رشید احمد گنگوہی نے فتویٰ دیا کہ نماز تراویح میں سورۂ براۃ (التوبہ) کے علاوہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ شریف کا بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے ورنہ ختم مکمل نہ ہوگا۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس موضوع پر ایک رسالہ قلمبند فرمایا جس کا نام ہے "وصاف الرجيح في بسملة التراويح" اور تفصیلی دلائل سے ثابت کیا کہ فقہ حنفی کے مطابق سورۂ نمل کے علاوہ صرف ایک مرتبہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھی جائے گی۔ یہ فتویٰ حرف آخر ثابت ہوا اور آج آپ دیکھ سکتے ہیں کہ تمام حفاظ کا اسی پر عمل ہے۔

روئے زمین پر جب تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے گی اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِه کے مطابق اس کا ثواب امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ملتا رہے گا اور رہتی دنیا تک فقہاء اور قانون دان حضرات امام اعظم سے کسب فیض کرتے رہیں گے۔

☆☆☆☆☆

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

از: علامہ غلام رسول صاحب

امام الائمہ، سراج الامہ سید الفقہا سند الاتقیاء، محدث کبیر حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم وعمل کی تمام خوبیاں جمع کردی تھیں، وہ میدان علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار، اخلاق و عادات میں لائق تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھے، مسائل فقیہہ میں ان کی سطوت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے، البتہ بعض اہل ہوا، کوتاہ بین اور متعصب حضرات فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کچھ بے لگام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فن روایت اور درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام ٹھوس دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسلامی علوم وفنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے۔ جس طرح وہ آسمان فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح عقائد و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں اولیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب و رنگ انہی کے دم سے ہے اور فن حدیث میں یہ بہار انہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، شافعی اور مالکی فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیض یافتہ ہیں وہ نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری و مسلم کو یہ جوبن نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر: امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت اونچا مقام ہے۔ انہوں نے افاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سماع کیا پھر ان روایات کو کامل عزم واحتیاط کے ساتھ اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کی نصوص شرعیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و عقوبات کے ان گنت احکام بیان کیے ہیں، حیات انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ فلاں حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مہارت حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند ہوسکتی ہے کہ ان کا

بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنت رسول کے مطابق ہے۔

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہیں مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ ازسرنو نماز پڑھے، بعض روایات میں ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں ہے کہ وہ غور وفکر کر کے راجح جانب پر عمل کرے، اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے میں بھی مختلف احادیث ہیں بعض میں اثنائے سفر میں روزہ کو نیکی کے منافی قرار دیا ہے اور بعض میں عین ثواب، ایسی صورت میں امام اعظم منشاء رسالت تلاش کر کے ان روایات میں باہم تطبیق دیتے ہیں اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو سند کی قوت وضعف اور دوسرے اصول درایت کے اعتبار سے فیصلہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو منشاء وحی اور مزاج رسالت کو پہچانتا ہو، روایات کے تمام طرق پر حاوی، درایت کے کل اصولوں پر محیط اور راویوں کے احوال پر ناقدانہ نظر رکھتا ہو۔

شرف تابعیت: حدیث پاک کے ایک راوی ہونے کی حیثیت سے رجال حدیث میں امام اعظم کا مقام معلوم کرنا نہایت ضروری ہے۔ امام اعظم کے معاصرین میں سے امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے خدمت حدیث میں بڑا نام کمایا ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی تابعیت کا وہ عظیم شرف حاصل نہیں ہے جو امام کی خصوصیت ہے۔

تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو دیکھا ہو اور اس بات پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی کیونکہ امام اعظم کی ولادت سن ۸۰ھ میں ہوئی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے بعد بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہے، نیز علامہ ابن حجر ہیثمی نے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو بھی دیکھا ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفی کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے سات سال بعد سن ۸۷ھ میں ہوا ہے (تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۱۵۲) اور ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ان دو صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کا انتقال امام اعظم کی ولادت کے بعد ہوا ہے اور امام اعظم کی ان سے ملاقات کئی طرق سے ثابت ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایت: حضرت انس کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے وہب بن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا وصال ۹۵ھ میں ہوا ہے اور مشہور ۹۳ھ ہے اور حضرت انس کی زندگی میں امام اعظم بار ہا بصرہ گئے تھے۔ اس لیے اس بات کو کوئی نہیں مان سکتا کہ امام اعظم نے پندرہ سال کی عمر تک حضرت انس سے ملاقات کی ہو اور ان سے روایت حدیث کا شرف حاصل نہ کیا ہو، محققین علماء کرام اور محدثین عظام نے امام اعظم کی مرویات صحابہ کو پوری اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور دلائل سے انہیں تقویت دی ہے۔

امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ

تصنیف کیا ہے اور اس میں روایات کو مع اسناد کے ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین وتقویت کی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے ان روایات کو اپنے رسالہ تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے، ہم اسی رسالہ سے چند احادیث کا انتخاب پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول طلب العلم فریضة علی کل مسلم.

امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۲۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الدال علی الخیر کفاعله.

امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ خیر کا راہنما اس کے فاعل کے مثل ہے۔

۳۔ عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالک یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب اغاثة اللهفان.

امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے۔

۴۔ عن یحیی بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبداللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا ولو کمفحص قطاة بنی اللہ لهٗ بیتا فی الجنة. (تبییض الصحیفه ص ۶ تا ۹)

یحییٰ بن قاسم امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی خاطر سنگ خوار کے گڑھے جتنی بھی مسجد بنائی (اگرچہ بہت مختصر ہی کیوں نہ ہو) اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا۔

امام اعظم کے سماع صحابہ پر بلحاظ روایت بحث ونظر: صحابہ کرام سے احادیث کا سماع اور ان کی روایت امام اعظم کا ایک جلیل القدر وصف اور عظیم خصوصیت ہے۔ احناف تو خیر کمالات امام کے مداح ہیں ہی، شوافع سے بھی امام اعظم کے اس کمال کا انکار نہ ہو سکا بلکہ بعض شافعیوں نے بڑی فراخدلی سے امام اعظم کی روایت صحابہ پر خصوصی رسائل لکھے ہیں تاہم بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے چنانچہ زمانہ قریب کے مشہور مورخ جناب شبلی نعمانی صاحب

بھی اس انکار میں پیش پیش ہیں، لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند کے نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں پھر اصول حدیث سے ان کی جانچ پڑتال کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں۔ محدثانہ بحثیں تو دقت طلب ہیں، صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اس کو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، حافظ عبد الرزاق بن ہمام، عبد اللہ بن مبارک، ابو نعیم، فضل بن وکیع، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔" (سیرۃ النعمان، ص ۳۴)

مقام صد حیرت ہے کہ شبلی جیسے تاریخ دان پر بھی یہ امر مخفی رہا کہ صحابہ سے امام اعظم کی روایت کو نقل اور ثابت کرنے والے اولین حضرات ان کے ارشد تلامذہ ہی تھے۔ ہم نے جو چار منتخب روایتیں پیش کی ہیں ان میں سے تین قاضی ابو یوسف سے مروی ہیں اور وہ امام اعظم کے مشہور اور قابل صد فخر شاگرد ہیں اور شبلی صاحب کی دی ہوئی تلامذہ کی فہرست میں بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ قول ناقابل فہم ہے کہ "تلامذہ سے ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں ہے۔"

نیز متعدد محققین علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اوائل میں صحابہ سے روایت امام کو ثابت کرنے والوں میں ان کے تلامذہ ہی تھے چنانچہ ملا علی قاری امام کردری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال الكردری جماعة من المحدثين انكروا ملاقات مع الصحابة واصحاب اثبتوا بالاسانيد الصحاح الحسان وهم اعرف باحواله منهم والمثبت العدل اولى من النافى.

(شرح مسند الامام للقاری، ص ۴۸۵)

امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور ان کے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

اور مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

واصحابه يقولون انه لقى جماعة من الصحابة وروىٰ عنهم (المغنى ص ۸۰)

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ امام نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے، ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

اور حافظ بدر الدین عینی عبد اللہ بن اوفیٰ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

هو احد من راه ابو حنيفة من الصحابة وروى عنه ولا يلتفت الىٰ قول المنكر المتعصب وكان عمر ابى حنيفة حينئذ سبع سنين وهو سن التمييز هذا على الصحيح ان مولد ابى حنيفة سنة ثمانين وعلى قول من قال سنة سبعين يكون عمره حينئذ سبعة عشرة سنة ويستبعد جدا ان يكون صحابى مقيما ببلدة وفى اهلها من لا راه واصحابه اخبر بحاله وهم ثقات فى انفسهم.

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۹۸)

عبد اللہ بن ابی اوفیٰ ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابو حنیفہ نے زیارت کی اور ان سے روایت کی ہے (قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے) امام اعظم کی عمر اس وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بنا پر اس وقت آپ کی عمر سترہ سال کی تھی بہر حال سات سال عمر بھی فہم و شعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ دیکھا ہو (اس بحث میں امام اعظم کے تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے) کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم کی صحابہ سے روایت کو نقل کرنے والے اور ابتدا میں اس کو شہرت دینے والے ان کے لائق تلامذہ ہی تھے۔ شبلی صاحب نے کہا ہے کہ ان کے شاگردوں نے اس بات کو نہیں بیان کیا لیکن چونکہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا اس لیے اس موضوع پر مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

امام اعظم کی روایت صحابہ پر بلحاظ درایت فکر و نظر: شبلی نعمانی کے انکار کی دوسری بنیاد اس امر پر ہے کہ حافظ ابو المحاسن نے ان روایات کی اسناد پر جرح کی ہے لیکن بے شمار محدثین نے ان اسناد کی تعدیل بھی کی ہے۔ امام ابو معشر طبری اور حافظ سیوطی کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، ان کے علاوہ محدث دارقطنی کے استاد حافظ ابو حامد حضرمی، حافظ ابو الحسین نہفتی اور حافظ ابوبکر سرخسی یہ سب حفاظ حدیث اور جلیل القدر ائمہ فن ہیں جنہوں نے امام اعظم کی صحابہ سے مرویات پر باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ان روایات کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

نیز امام سخاوی لکھتے ہیں:

والثنائيات فى الموطا للامام مالك والوحدان فى حديث الامام ابى حنيفة (فتح المغيث ص ۴۴۱)

امام مالک کی احادیث میں ثنائیات ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ کی روایات میں وحدان ہیں۔

ثنائیات ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور وحدان

ان احادیث کو کہتے ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور راوی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہو، محدث سخاوی کا مطلب یہ ہے امام اعظم کی ایسی روایت بھی ہیں جن میں ان کے اور حضور کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے اور یہ واسطہ صحابہ کرام کا ہے پس ثابت ہوا کہ محدث سخاوی کے نزدیک امام اعظم کی صحابہ سے روایت ثابت ہے۔ اور صاحب بزاز یا ابن بزاز کردری لکھتے ہیں:

لاینکر سماع الامام من ابن اوفی. (مناقب ابی حنیفہ للکردری ج ۱ ص ۱۱)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے امام اعظم کے سماع کا انکار نہیں ہوسکتا۔

حافظ بدرالدین عینی، امام کردری، ابو معشر شافعی، حافظ سیوطی، ابوبکر حضرمی، سرخسی سخاوی اور ابن حجر ہیتمی کی جیسے حفاظ اور ائمہ حدیث اور ماہرین فن کے اثبات کے بعد شبلی صاحب کے انکار کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ نیز اس سلسلہ میں بحث کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ امام اعظم کے بارے میں شوافع نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں کچھ حضرات انصاف پسند تھے لیکن بعض متعصب بھی تھے نیز امام اعظم کی صحابہ سے روایات جن سے اسناد ثابت ہیں ان میں بعض راویوں پر اگرچہ جرح کی گئی ہے تاہم ان میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کو باطل یا وضاع قرار دیا گیا ہو چنانچہ علامہ سیوطی اس باب میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وحاصل ماذکرہ ھو وغیرہ الحکم علی اسانید ذلک بالضعف وعدم الصحۃ لا بالبطلان وحینئذ فسھل الامر فی ایراد ھالان الضعیف یجوز روایت ویطلق علیہ انہ وازر.

(تبییض الصحیفہ ص ۶)

حافظ عسقلانی اور دوسرے ناقدین نے ان اسانید پر ضعف کا حکم کیا ہے بطلان یا وضع کا نہیں اور اب بات آسان ہے کیونکہ حدیث ضعیف کی روایت جائز ہے اور اس پر روایت کا اطلاق کرنا صحیح ہے۔

اور قوت وضعف ایک اضافی وصف ہے جو شخص بعض کے نزدیک ضعیف ہے دوسرے اس کو قوی خیال کرتے ہیں کیونکہ رجال سے بحث کرنے والے حضرات بھی مختلف آراء رکھتے ہیں مشکل سے ہی ایسا ہوگا کہ کسی راوی کی جرح یا تعدیل پر سب کا اتفاق ہو۔ علامہ نووی لکھتے ہیں چھ سو پچیس راوی ایسے ہیں جو امام مسلم کے نزدیک لائق استدلال ہیں اور امام بخاری ان سے روایت نہیں لیتے۔ (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۴۷ تا ۴۹) جابر جعفی کوفہ کا ایک مشہور راوی تھا جسے دعویٰ تھا کہ اسے پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں، اس کے بارے میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میں نے جابر سے زیادہ کسی کو حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ جب جابر اخبرنا وحدثنا کہے تو وہ سب سے زیادہ صحد ہے۔ وکیع کا قول ہے کہ جابر کی ثقاہت میں شک نہیں۔ اس کے برخلاف ابن معین کہتے ہیں کہ جابر کذاب ہے۔ نسائی نے کہا وہ متروک ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کہ جابر کی باتیں سن کر مجھے خوف ہوتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر جائے۔

الغرض جرح وتعدیل ایک ظنی چیز ہے اور محض بعض لوگوں کی تصنیف کی بنا پر امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایات کو ساقط الاعتبار قرار دینا زیادتی ہے خصوصاً جبکہ ان سندوں کا کوئی راوی عسقلانی اور سیوطی کی تصریح کے مطابق باطل اور وضاع نہیں ہے۔

امام اعظم کی صحابہ سے روایات قرائن عقلیہ کی روشنی میں: شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کی ہیں، لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے، محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کتنی عمر مشروط ہے؟ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درس گاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا، ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔''

اس سلسلہ میں اولاً تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماع حدیث کے لیے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے، کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کے لیے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہل کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایات کے کیسے مان لیا گیا، ثانیاً یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے متی یصح سماع الصغیر کا باب قائم کیا ہے اور اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے، پس روایت حدیث کے لیے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے ارباب علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالث بر تقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہل کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا، اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی، اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی تب اہل کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کے لئے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کیے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماع حدیث کے لیے تو بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ ان سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لیے لیکن اگر کوفہ کا کوئی رہنے والا بصرہ جاکر صحابہ سے سماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی؟

سادساً اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کرلیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجود مسعود نوادر روزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا ان سے از راہ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کے لیے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جاکر ملاقات اور استماع حدیث کروں۔ حضرت انس کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر اور ان سے سماع حدیث کرکے نہ آئے ہوں، راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہوجائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے، یہاں معاصرت کی بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جارہا ہے۔

الحمدللہ العزیز! کہ ہم نے اصول روایت ودرایت اور قرائن عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کیے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کرلی ہے، اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے، ہم اسے منوانے کے لیے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔

تنبیہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تبرکاً چند احادیث کی روایت کے علاوہ امام اعظم نے اپنے زمانے کے مشاہیر اساتذہ اور افاضل شیوخ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے بکثرت احادیث روایت کی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے امام اعظم کے شیوخ میں عطاء بن ابی رباح، علقمہ بن مرثد، حماد بن ابی سلیمان، حکم بن عتیبہ، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابوسفیان بصری، یحیٰی بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ اور دیگر مشاہیر محدثین کا ذکر کیا ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے امام مالک سے بھی سماع حدیث کیا ہے اور ان کی شاگردی اختیار کی ہے، تعجب ہے کہ شبلی نعمانی بھی اس غلطی کا شکار ہوگئے چنانچہ لکھتے ہیں:

"امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی، امام مالک ان سے عمر میں تیرہ برس کے تھے ان کے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ (سیرۃ النعمان ص ۵۶)

پھر حافظ ذہبی سے نقل کرکے لکھتے ہیں:

"امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مودب ہوکر بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ امام مالک خود امام اعظم کے شاگرد تھے اور ان کی تصانیف سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اور دار قطنی نے صرف دو روایتیں ایسی پیش کی ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امام اعظم نے امام مالک سے روایت کی ہیں لیکن خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ثابت کردیا ہے کہ یہ روایتیں صحیح سند سے مروی نہیں ہیں اور امام اعظم کی امام مالک سے روایت قطعاً ثابت نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

لم تثبت روایت ابی حنیفة عن مالک وانما اور دھاالدار قطنی ثم الخطیب روایتین وقعتا لھما با سنادین فیھما مقال. (النکت علی ابن الصلاح)

امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت ثابت نہیں ہے۔ دار قطنی اور خطیب نے اس بات کا دعویٰ دو روایتوں کی وجہ سے کیا ہے جن کی اسناد میں خلل ہے۔

اور اس خلل کا بیان حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کیا ہے کہ ان سندوں میں عمران بن عبدالرحیم نامی ایک شخص ہے اور یہ وضاع تھا چنانچہ لکھتے ہیں: ھوالذی وضع حدیث ابی حنیفة عن مالک.

(میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۷۸)

یہی وہ شخص ہے جس نے امام ابوحنیفہ کی امام مالک سے روایت وضع کی ہے۔

دراصل حماد بن ابی حنیفہ جو امام اعظم کے صاحبزادے تھے انہوں نے امام مالک سے روایت حدیث کی ہے، بعض سندوں سے حماد کا لفظ رہ گیا ہوگا جس سے یہ غلط فہمی ہوئی اور اچھے اچھے لوگ اس میں مبتلا ہوگئے۔

مرویات امام اعظم کی تعداد: چونکہ بعض اہل ہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اس لیے ہم ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا کتنا وافر ذخیرہ تھا حضرت ملا علی قاری، امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ان الامام ذکر فی تصانیفه نیفاوسبعین الف حدیث وانتخب الاثار من اربعین الف حدیث

(مناقب علی القاری بذیل الجواهر، ج ۲، ص ۴۷۳)

امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

وانتخب ابو حنیفة الآثار من اربعین الف حدیث (مناقب موفق ج ۱، ص ۹۵)

امام ابوحنیفہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث میں امام اعظم کا مقام: ممکن ہے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ ایک ہی متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا ہے تو محدثین کی اصطلاح میں اسے سو حدیثیں کہا جائے گا حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہو گا، منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہو گی اور حضور ﷺ کی پوری رسالت کی زندگی کے شب و روز پر ان کو تقسیم کیا جائے تو یہ احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہو گی لیکن ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

الجملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی الصحیحة بلا تکرار اربعة الاف واربع مائة۔ (توضیح الافکار، ص ۶۳)

بلاشبہ وہ تمام احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل وقفہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں، اس لیے امام اعظم اور بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے نفس روایات کا نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسناد کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق و اسانید کے ساتھ ان

احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث واثر کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا و اخذ نا فی الزهد فبرع علینا و طلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔ (مناقب ابی حنیفہ للذھبی، ص ۲۷)

میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام ابو عبدالرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں:

وكان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاهنشاه۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۴۵)

امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہو گیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاح حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً وسنداً دسترس رکھتا ہو، مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

امام اعظم کے مقام حدیث پر ایک شبہ کا ازالہ: گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا تکرار احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلا تکرار بیان فرمائی ہیں ان کی تعداد چار ہزار ہے پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے کہ امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حدیث کا مفہوم سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں وہ روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ آپ کی قلبی واردات، خصوصیات گزشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں

اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل کے لیے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے، علم کی نہیں۔

فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان: امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقہ درس میں سماع حدیث کے لیے حاضر ہوتا، علامہ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ امام اعظم سے حدیث کا سماع کرنے والے مشہور حضرات میں حماد بن نعمان، ابراہیم بن مہمان، حمزہ بن حبیب، زفر بن ہذیل، قاضی ابو یوسف، عیسیٰ بن یونس، وکیع، یزید بن زریع، اسد بن عمرو، خارجہ بن مصعب، محمد بن بشر، عبدالرزاق، محمد بن حسن شیبانی، مصعب بن مقدام، ابو عبدالرحمن مقری، ابو نعیم، ابو عاصم اور دیگر یگانہ روزگار افراد شامل تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۴۴۹)

حافظ ابن عبدالبر، امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

وكان يحفظ حديث كله و كان قد سمع من ابى حنيفة حديثا كثيرا۔

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاد تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔ امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے ابو حنیفہ کے درس کو لازم کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن ابراہیم کی بات نہیں ہے امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں۔ ان حوالوں سے یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے۔ آئمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

علم حدیث میں امام اعظم کی تصنیف: متقدمین میں تصنیف و تالیف کے لیے آج کل کا مروجہ طریقہ معمول نہیں تھا بلکہ ان کی تصانیف املا کی تصانیف کی صورت میں ہوتی تھیں جن کو ان کے لائق اور قابل فخر تلامذہ شیوخ کی تعلیم

اور تدریس کے وقت تحریر میں لے آتے تھے اور پھر وہ تصانیف ان شیوخ کی طرف ہی منسوب کی جاتی تھیں چنانچہ احکام الاحکام جو ابن دقیق العید کی تصنیف قرار دی جاتی ہے، اصل میں ان کی تصنیف نہیں ہے بلکہ انہوں نے اس کو اپنے تلمیذ رشید قاضی اسماعیل سے املا کرایا ہے۔ اسی طرح امام اعظم درس حدیث کے وقت جو احادیث بیان کرتے ان کے لائق اور قابل صد افتخار تلامذہ قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل اور حسن بن زیاد ان روایات کو حدثنا اور اخبرنا کے صیغوں کے ساتھ قید تحریر میں لے آتے تھے۔

امام اعظم نے اپنی بیان کردہ احادیث کو املا کرانے کے بعد اس مجموعہ کا نام کتاب الآثار رکھا، امام اعظم کے تلامذہ چونکہ کثیر التعداد تھے اس لیے کہ کتاب الآثار کے نسخے بھی بہت زیادہ ہوئے لیکن مشہور نسخے چار ہیں (۱) کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف (۲) کتاب الآثار بروایت امام محمد (۳) کتاب الآثار بروایت امام زفر (۴) کتاب الآثار بروایت حسن بن زیاد۔ لیکن ان تمام نسخوں میں سے زیادہ مقبولیت اور شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے۔

تاریخ کے معتمد اساتذہ، محققین اہل نظر اور علماء ربانیین، امام اعظم کی تصنیف حدیث کو سب ہی مانتے ہیں لیکن شبلی صاحب امام اعظم کی تصنیف کا صاف انکار کرتے ہیں لکھتے ہیں:

"جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہی منصلہ بالا کتابوں (جن میں کتاب الآثار بھی ہے) کو شہادت پیش کرتے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔" (سیرۃ النعمان ص ۱۲۲)

عقائد، حدیث اور فقہ ان تمام موضوعات پر امام اعظم کی تصانیف موجود ہیں، سردست ان تمام موضوعات سے بحث ہمارے عنوان سے خارج ہے اس لیے ہم صرف حدیث کے موضوع پر امام اعظم کی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الآثار" کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

شبلی صاحب نے اس بارے میں صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ اس کا انتساب امام اعظم کی طرف کرنا مشکل ہے لیکن اس انکار یا اشکال پر نہ تو انہوں نے کوئی تاریخی شہادت پیش کی ہے اور نہ ہی کوئی عقلی دلیل پیش کی ہے لہٰذا ہمارے لیے صرف یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ ہم "کتاب الآثار" کے ثبوت پر تاریخی شہادتیں جمع کر دیں۔ امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

روى الاثار عن نبل ثقات　　غزار العلم مشيخة حصيفه

(ترجمہ) امام اعظم نے "الآثار" کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

(مناقب موفق ج ۲، ص ۱۹۱)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حديث ابی حنيفة مفردا انما هو كتاب الاثار التی رواه محمد بن الحسن.

(تعجیل المنفعۃ برجال الائمۃ الاربعۃ، ص ۴)

اوراس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے ''کتاب الآثار'' موجود ہے جسے محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔

اورامام عبدالقادر حنفی امام یوسف بن قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روی کتاب الاثار عن ابی حنیفة وهو مجلد ضخم. (الجواہر، ج ۲، ص ۲۲۵)

امام یوسف نے (اپنے والد ابو یوسف کے واسطے سے) امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جو کہ ایک ضخیم جلد ہے۔

مسانید امام اعظم: کتاب الآثار میں امام اعظم نے اپنے جن شیوخ سے احادیث کو روایات کیا ہے بعد میں لوگوں نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کر کے مسانید کو ترتیب دیا ہے۔ اس طرح امام اعظم کے ہر شیخ کی مرویات الگ الگ کتاب کی صورت میں جمع ہو گئیں اور بعد میں وہ مسند ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔

قاضی ابو یوسف، امام محمد، ابوبکر احمد بن محمد، حافظ عمر بن حسن، حافظ ابونعیم اصبہانی، حافظ ابوالحسن، حافظ ابومحمد عبداللہ اور امام ابوالقاسم وغیرہم حضرات نے امام اعظم کی مسانید کو ترتیب دیا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی مسانید امام اعظم کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

وقد من الله علی بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة فرأیة لایروی حدیثا الاعن اخیار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیر القرون بشهادة رسول الله صلی الله علیه وسلم کالاسود وعلقمة و عطاء وعكرمة ومجاهدو مكحول والحسن البصری واضرابهم رضی الله عنهم اجمعین فكل الرواة الذین هم بینه وبین رسول الله صلی الله علیه وسلم عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیهم كذاب ولامتهم بكذب (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱، ص ۶۸)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا، پس میں نے دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی جیسے اسود، علقمہ، عطاء، عکرمہ، مجاہد، مکحول، اور حسن بصری وغیرہم پس امام اعظم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جن کی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی اور نہ وہ کذاب ہیں۔

قبول حدیث میں امام اعظم کی شرائط: روایت حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بہت زیادہ محتاط تھے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات سے بہت کم حدیثیں روایت کی گئی ہیں اور قبول حدیث کے معاملہ میں بھی یہ حضرات بہت سخت تھے، جب تک کسی حدیث پر اچھی طرح اطمینان نہ ہو جاتا

اس وقت تک یہ لوگ کسی حدیث کو قبول نہیں کرتے تھے۔ امام اعظم بھی اسی مکتب فکر سے متاثر اور اسی کے پیروکار تھے یہی وجہ ہے کہ آپ نے دوسرے محدثین کی طرح بے تحاشا روایت نہیں کی۔

امام اعظم نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے بڑی کڑی شرطیں عائد کی ہیں اور اس سلسلہ میں جو اصول اور قواعد مقرر فرمائے ہیں وہ آپ کی دوررس نگاہ اور تفقہ پر مبنی ہیں۔ یہ شروط اور قواعد باقاعدہ منضبط نہیں ہیں، علمائے احناف نے ان میں سے اکثر کو آپ کے بیان کردہ مسائل سے مستنبط کیا ہے۔ ہمیں مختلف کتابوں کے تتبع سے جس قدر قواعد حاصل ہو سکے انہیں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ امام اعظم ضبط کتاب کی بجائے ضبط صدر کے قائل تھے اور صرف اسی راوی سے حدیث لیتے تھے جو اس روایت کا حافظ ہو۔ (مقدمہ ابن صلاح)

۲۔ صحابہ اور فقہاء تابعین کے علاوہ اور کسی شخص کی روایت بالمعنی کو قبول نہیں کرتے تھے۔

(شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری)

۳۔ امام اعظم اس بات کو ضروری قرار دیتے تھے کہ صحابہ کرام سے روایت کرنے والے ایک یا دو شخص نہ ہوں بلکہ اتقیا کی ایک جماعت نے صحابہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔ (میزان الشریعۃ الکبریٰ)

۴۔ معمولات زندگی سے متعلق عام احکام میں امام ابوحنیفہ یہ ضروری قرار دیتے تھے کہ ان احکام کو ایک سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہو۔ (الخیرات الحسان)

۵۔ جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو (یعنی اس سے اسلام کے کسی مسلم اصول کی مخالفت لازم آتی ہو) وہ امام اعظم کے نزدیک مقبول نہیں ہے۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

۶۔ جو حدیث خبر واحد ہو اور وہ قرآن کریم پر زیادتی یا اس کے عموم کو خاص کرتی ہو امام صاحب کے نزدیک وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

۷۔ جو خبر واحد صریح قرآن کے مخالف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح)

۸۔ جو خبر واحد سنت مشہورہ کے خلاف ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (احکام القرآن)

۹۔ اگر راوی کا اپنا عمل اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت مقبول نہیں ہوگی کیونکہ یہ مخالفت یا تو راوی میں طعن کا موجب ہوگی یا نسخ کے سبب سے ہوگی۔ (نبراس)

۱۰۔ جب ایک مسئلہ میں مبیح اور محرم دو روایتیں ہوں تو امام اعظم محرم کے مقابلہ میں مبیح کو قبول نہیں کرتے۔

(عمدۃ القاری)

۱۱۔ ایک ہی واقعہ کے بارے میں اگر ایک راوی کسی امر زائد کی نفی کرے اور دوسرا اثبات تو اگر نفی دلیل پر مبنی نہ ہو تو نفی

کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ نفی کرنے والا واقعہ کو اس حال پر محمول کرکے اپنے قیاس سے نفی کر رہا ہے اور اثبات کرنے والا اپنے مشاہدہ سے امر زائد کی خبر دے رہا ہے۔ (حسامی)

۱۲۔ اگر ایک حدیث میں کوئی حکم عام ہو اور دوسری حدیث میں چند خاص چیزوں پر اس کے برخلاف حکم ہو تو امام اعظم حکم عام کے مقابلہ میں خاص کو قبول نہیں کرتے۔ (عمدۃ القاری)

۱۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح قول یا فعل کے خلاف اگر کسی ایک صحابی کا قول یا فعل ہو تو وہ مقبول نہیں ہے۔ صحابی کے خلاف کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ اسے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ (عمدۃ القاری)

۱۴۔ خبر واحد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا فعل ثابت ہو اور صحابہ کی ایک جماعت نے اس سے اختلاف کیا ہو تو آثار صحابہ پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں یا تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یا وہ منسوخ ہو چکی ورنہ حضور ﷺ کے صحیح اور صریح فرمان کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی جماعت اس کی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ (الخیرات الحسان)

۱۵۔ ایک واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات ہوں تو اس شخص کی روایت کو قبول کیا جائے گا جو ان میں زیادہ قریب سے مشاہدہ کرنے والا ہو۔ (فتح القدیر)

۱۶۔ اگر دو متعارض حدیثیں ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہوں کہ ایک میں قلت وسائط سے ترجیح ہو اور دوسری میں کثرت تفقہ تو کثرت تفقہ کو قلت وسائط پر ترجیح دی جائے گی۔ (عناد)

۱۷۔ کوئی حد یا کفارے کے بیان میں وارد ہو اور وہ صرف ایک صحابی سے مروی ہو تو قبول نہیں ہوگی کیونکہ حدود اور کفارات شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ (الخیرات الحسان)

۱۸۔ جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن کیا گیا ہو وہ بھی مقبول نہیں ہے۔ (الخیرات الحسان)

امام اعظم کے بیان کیے ہوئے بے شمار مسائل میں سے یہ چند اصول وقواعد کا استخراج ہے ورنہ روایات کے قبول ورد میں امام اعظم کی تمام مشروط کا احصار کرنا بے حد مشکل ہے۔ بہر حال ان قواعد سے امام اعظم کی جس عمیق نظر، اصابت فکر اور گہری احتیاط کا پتا چلتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ بعد میں آنے والے محدثین میں سے اکثر نے امام اعظم کی شروط کی روشنی میں روایات کو پرکھا ہے اور اگر تعصب کو چھوڑ کر تمام محدثین امام اعظم کی قائم کردہ شروط پر متفق ہو جاتے تو آج ہمارا ذخیرہ احادیث مطعون اور موضوع روایات سے اصلاً بے غبار ہوتا۔

مخالفت حدیث کا الزام اور اس کی حقیقت: بعض انتہاء پسند حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ پر بالکلیہ احادیث کی مخالفت کا الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ حدیث کے علی الرغم اپنی رائے اور قیاس پر عمل کرتے تھے ایسے ہی لوگ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو امام اہل الرای کہتے ہیں۔ یہ بات تو ہم انشاء اللہ کسی اور موقع پر بتائیں گے کہ اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو کون ترک کرتا ہے، سر دست یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ حدیث ضعیف کے مقابلہ

میں بھی صریح قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ اعلام الموقعین میں ابن قیم، ابن حزم ظاہری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ تمام احناف اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا اور الخیرات الحسان میں ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام اعظم مراسیل کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔

عام مخالفین یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم نے بعض حدیثوں کی مخالفت کی ہے اور صریح حدیث کے مقابلہ میں قیاس پر عمل کیا ہے ایسی تمام احادیث پر گفتگو تو اس مختصر مقالہ میں بے حد مشکل ہے ہم چند ان احادیث کو بحث میں لا رہے ہیں جن پر مخالفین زیادہ زور دیتے ہیں۔

حدیث بیع مصراۃ: عرب میں رواج تھا کہ اونٹنیوں کا دودھ کئی دن تک نہ دوہا کرتے تا کہ اس کے تھنوں میں دودھ جمع ہوتا رہے اور بوقت فروخت زیادہ دودھ نکل سکے، ایسے جانور کو وہ لوگ ''مصراۃ'' کہتے تھے خریدار زیادہ دودھ دیکھ کر اس جانور کو بڑی سے بڑی قیمت پر خرید کر لے جاتا لیکن بعد میں اس سے اتنا دودھ حاصل نہ ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرما دیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بکریوں اور اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو، جس شخص نے ایسی بکری یا اونٹنی کو خریدا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد مختار ہے یا اسے اسی قیمت پر رکھ لے یا اس کو واپس کر دے اور استعمال شدہ دودھ کے عوض ایک صاع (ساڑھے چار سیر) کھجوریں بھی دے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۸۸)

امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس صورت میں خریدار اس جانور کو واپس نہیں کر سکتا البتہ دودھ کے سلسلہ میں اس سے جو دھوکہ کیا گیا ہے اس وجہ سے اس جانور کی قیمت بازار کے نرخ کے مطابق کم کی جائے گی اور باقی رقم وہ فروخت کنندہ سے واپس لے گا۔

امام اعظم کے اس حدیث پر عمل کرنے کے متعدد وجوہ ہیں۔ اولین وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور صریح قرآن کے مخالف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے **فمن اعتدی علیکم فاعتدو اعلیه بمثل ما اعتدی علیکم** (پ ۲، البقرۃ، آیت ۱۹۴) جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شے کے بدلہ میں تجاوز کرنا ناجائز ہے اور صورت مذکورہ میں اگر ایک صاع کھجوریں مستعمل دودھ سے زیادہ ہوں تو فروخت کنندہ کی طرف سے تجاوز ہے اور اگر کم ہوں تو خریدار کی طرف سے۔

ثانیاً یہ حدیث سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ ترمذی میں ہے الخراج بالضمان جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاوان بقدر ذمہ لیا جائے گا اور اس شکل میں جو تاوان لیا جا رہا ہے وہ بقدر ذمہ نہیں بلکہ اصل ذمہ سے کم یا زیادہ ہے۔ ثالثاً ابن التین نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ بعض روایات میں ایک صاع کھجوروں کا ذکر ہے، بعض میں ایک صاع طعام کا بعض میں دودھ کی مثل دودھ کا اور بعض میں دودھ کے بدلے میں دگنے دودھ کا ذکر ہے۔ رابعاً عیسیٰ بن ابان نے کہا ہے کہ

دودھ کے بدلہ میں کھجوریں بمنزلہ بدل قرض ہیں۔ ابتداء اسلام میں بدل قرض میں زیادتی جائز تھی بعد میں جب قرآن نے اباحت سود کو منسوخ کر دیا تو اس حدیث کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

بہر حال بیع مصراۃ کے سلسلہ میں امام اعظم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ قرآن کریم اور احادیث مشہورہ کے مطابق ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت یا منسوخ ہے اور یا مضطرب اور معلول ہونے کی وجہ سے متروک ہے۔

تازہ کھجوروں کی بیع چھوہاروں کے عوض: امام اعظم تازہ کھجوروں اور چھوہاروں کو ایک دوسرے کے عوض فروخت کرنا جائز قرار دیتے تھے لیکن حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اہل بغداد امام اعظم سے اس حدیث کی مخالفت کے سبب شاکی رہتے تھے۔ (فتح القدیر، ج ۵، ص ۲۹۲) جب آپ بغداد گئے تو ان لوگوں نے اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا بتاؤ تازہ کھجوریں چھوہاروں کی جنس سے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مشہور التمر بالتمر (چھواروں کی بیع چھوہاروں کے عوض جائز ہے) کے تحت اسے جائز ہونا چاہیے اور اگر وہ چھوہاروں کی جنس سے نہیں ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم (جب جنس بدل جائے تو جس طرح چاہو فروخت کرو) کے تحت اس بیع کو جائز ہونا چاہیے! اہل بغداد نے عاجز آ کر وہ حدیث پیش کی جس میں تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض فروخت کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ امام اعظم نے فرمایا یہ حدیث زید بن عیاش پر موقوف ہے اور اس کی روایت نا مقبول ہے۔

چار سے زیادہ ازواج کا مسئلہ: اگر کسی کی چار سے زیادہ بیویاں ہوں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا پہلی چار بیویوں سے نکاح صحیح ہے اور ان کے بعد جن عورتوں سے نکاح کیا ہے وہ باطل ہے، لیکن امام ترمذی کی روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں اور وہ سب ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ ان میں سے جن چار کو چاہو اختیار کر لو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک حدیث کے خلاف ہے۔

امام صاحب کی اس حدیث کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت قرآن کریم کے خلاف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔ (پ ۴، النساء، آیت ۳) پس از روئے قرآن پہلی چار عورتوں سے نکاح جائز ہوا اور بعد کی عورتوں سے نا جائز، لہذا کوئی شخص پانچویں یا چھٹے درجہ کی بیوی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا اور حدیث شریف اس آیت کے نزول سے پہلے کے زمانہ پر محمول ہے اور یا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اور یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمومی اختیار سے غیلان بن سلمہ کو اس عام حکم سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔

امام اعظم پر جن احادیث کی مخالفت کا حکم لگایا جاتا ہے ان سب کی یہی حقیقت ہے کیونکہ جن احادیث پر امام اعظم

عمل نہیں کرتے وہ یا تو کسی فنی عیب کی بناء پر نا مقبول ہوتی ہیں یا منسوخ ہوتی ہیں اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر مبنی ہوتی ہیں۔

روایات میں تطبیق: فن حدیث میں امام اعظم کے کمالات میں سے ایک عظیم کمال یہ ہے کہ آپ مختلف اور متعارض روایات میں بکثرت تطبیق دیتے تھے اور مختلف اور متناقض روایتوں کا محل اس طرح الگ الگ بیان کر دیتے تھے کہ منشاء رسالت نکھر کر سامنے آ جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا تھا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر، حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت علی، میں سے ہر ایک کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والا ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے ان متعارض حدیثوں کو جمع کیا اور فرمایا، مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابو بکر تھے، عورتوں میں سے حضرت خدیجہ اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی تھے۔ (رضی اللہ عنہم)

سفر میں روزہ کے بارے میں بھی احادیث مختلف ہیں۔ بعض میں مسافر کے لیے روزہ کو نیکی قرار دیا ہے اور بعض میں نیکی کے منافی اور بعض میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے۔ امام اعظم نے ان تمام روایات میں تطبیق دی ہے اور فرمایا اگر سفر آرام دہ ہو تو روزہ رکھنا یقیناً بہتر ہے اور اگر سفر میں مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اور اگر سفر معتدل ہو تو مسافر کو اختیار ہے، روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

کتے کے جھوٹے برتن میں بھی حضرت ابو ہریرہ سے مختلف روایتیں آئی ہیں بعض میں حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کے جھوٹے برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا ہے اور بعض میں کہتے ہیں کہ حضور نے تین بار دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ امام اعظم دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تین بار دھونے کا حکم وجوب پر اور سات بار کا حکم استحباب پر محمول ہے۔

روایات میں فرق مراتب: امام اعظم ابو حنیفہ وہ واحد اور منفرد شخص ہیں جنہوں نے قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھا، چنانچہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور باہم روایات میں بھی متواتر، مشہور اور فرد کے فرق کو قائم رکھتے ہیں پس تعارض کے وقت پہلے متواتر پھر مشہور اور پھر اس کے بعد فرد کو درجہ دیتے ہیں اور حدیث فرد اگرچہ ضعیف بھی ہو پھر بھی اس کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

حرف آخر: امام اعظم نے حدیث کی تمام انواع واقسام پر اجتہادی نوعیت سے کام کیا ہے، بصیرت افروز راہنما اصول قائم کیے ہیں اور محض روایتی انداز میں سماع حدیث کرنے والوں کو عقل و آگہی کی روشنی دی ہے، ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر نہ جانے کتنے افراد دنیائے علم و فضل میں امر ہو گئے۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا بھی یہ عالم تھا کہ انہوں

نے ذروں کو اٹھایا تو رشک ماہتاب بنادیا، یہ حنفی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جو احادیث رسول سے قرناً فقرناً ائمہ اور مشائخ کے سینوں کو منور کرتی چلی گئیں، سلام ہو اس امام پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں، آفرین ہو اس کی فکر صائب پر جس نے اسلامی علوم کو رعنائیاں دیں، آج دینی علوم کے تمام شعبوں میں انہیں کے فیض کے دھارے بہ رہے ہیں، جب تک علم کا یہ سلسلہ چلتا رہے گا جب تک درس گاہوں میں فقہ وحدیث کا چرچا رہے گا زمانہ ابوحنیفہ کو سلام کرتا رہے گا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ اور علمِ حدیث

از: پروفیسر غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے (شکرگڑھ)

امام الائمہ، سراج الامہ حضرتِ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المعروف بہ امام اعظم قدس سرہ صحیح ترین روایت کے مطابق ۷۰ھ کو پیدا ہوئے۔ قاضی ابوعبداللہ صمیری اور امام ابنِ عبدالبر نے امام ابو یوسف قدس سرہ کی روایت نقل فرمائی، جس سے یہ سال ولادت اخذ ہوتا ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۴/ کتاب بیان العلم وفضلہ جلد ۱ ص ۴۵)

ابن خلکان نے ۸۰ھ کو صحیح فرمایا۔(وفیات الاعیان جلد ۵ ص ۴۱۳) آپ نسلاً فارسی تھے۔(ابوحنیفہ وحیاتہ ص ۱۳) علامہ عبدالقادر مصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سلسلہ نسب حضرتِ آدم علیہ السلام تک ذکر فرمایا ہے۔(الجواہر المضیئہ جلد ۱ ص ۲۶)

امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد میں غلامی کا کوئی اثر نہیں، زیادہ یہی صحیح ہے کہ آپ آزاد پیدا ہوئے۔(مناقب امام اعظم) آپ کے والد ماجد حضرتِ ثابت علیہ الرحمہ کی ولادت اسلام میں ہوئی تھی۔(تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۲۴) آپ کے والد ماجد حضرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔(ایضاً ص ۳۲۶) گویا آپ کے گھر میں شیر خدا کا فیضان بھی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ آپ تابعی تھے، اس حقیقت کو علامہ ذہبی نے "مناقب الامام ابی حنیفہ" میں امام سیوطی نے "تبییض الصحیفہ" میں اور امام ابنِ حجر ہیتمی نے "الخیرات الحسان" میں صراحت سے نقل کیا ہے۔ آپ کا وطن کوفہ تھا جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمح اللّٰہ 'کنز الایمان ' جمجمة العرب یعنی "اللہ کا نیزہ، ایمان کا خزانہ اور عرب کا دماغ کہا ہے" حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے " سیف اللّٰہ " یعنی اللہ کی تلوار کہا۔ اور حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبۃ الاسلام یعنی "اسلام کا گھر" کہا ہے۔(الطبقات الکبریٰ جلد ۶ ص ۵)

آپ کے زمانہ میں کوفہ تعلیمات اسلامی کا زبردست مرکز تھا۔ جس میں تین سو اصحاب رضوان اور ستر افراد بدر نازل ہوئے۔(ایضاً ص ۱۱) ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رہائش اختیار فرمائی۔(ایضاً ص ۷) آپ نے جوان ہو کر ریشمی کپڑے کی تجارت کی، اس لیے آپ کو "الخزاز" کہتے ہیں۔ آپ کے سوانح نگاروں نے آپ کی صاف ستھری تجارت کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے۔

حضرتِ امام شعبی علیہ الرحمہ کی نصیحت پر علمِ دین کی طرف راغب ہوئے، (المناقب از امام موفق جلد ا ص ۵۹) ابتدا علم کلام سے از حد دلچسپی تھی۔ مذاہب باطلہ سے مناظرے کرتے تھے جس کے لیے آپ کو بیس سے زائد مرتبہ بصرہ کا سفر کرنا پڑا۔ (ایضاً) علم کلام کے ماہر کی حیثیت سے آپ کو بہت شہرت ملی۔ بعد ازاں علم فقہ کے لیے حضرتِ حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقہ درس میں حاضر ہوئے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۳۳) آپ نے چار ہزار مشائخ سے استفادہ کیا۔ (المناقب جلد ا ص ۳۸) ان مشائخ میں بعض صحابہ کرام ہیں، جس کا امام ابن حجر عسقلانی نے بھی ذکر کیا ہے۔ خصوصاً حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی ملاقاتیں واضح ثابت ہیں۔ (فتاوی ابن حجر) دیباچہ "شرح سفر السعادت" میں الشیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہوا۔ آپ نے سب سے پہلے علم شریعت کو مدون فرمایا۔ آپ کی اتباع امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موطا کی ترتیب میں کی۔ (تبییض الصحیفہ ص ۳۶) آپ کی مجلس مذاکرہ میں وقت کے جلیل القدر فقہاء حاضر ہوتے تھے۔ مثلاً امام یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، علی بن مسہر اور مندل بن حبان وغیرہ (تاریخ بغداد) بعض مسائل میں تو ایک ایک ماہ تک بحث جاری رہتی، اتفاق ہوتا تو اسے امام یوسف "اصول" میں درج کر لیتے۔ (المناقب جلد ۲ ص ۱۳۳) آپ نے تراسی ہزار مسائل حل فرمائے، جس میں اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے ہے، باقی مسائل معاملات کے بارے میں ہیں۔ (ذیل الجواهر جلد ۲ ص ۴۷۲) آپ علم کلام وفقہ کے میدان کے شہسوار تھے اور سیرت وکردار کے بھی روشن مینار تھے۔

☆ آپ علم، کرم اور ایثار کا عظیم پہاڑ تھے۔ (اخبار ابی حنیفہ ص ۳۲)

☆ ورع میں اشد اور زبان میں احفظ تھے۔ (ایضاً ص ۴۳)

☆ قوت برداشت اور صبر وتحمل کمال درجے کا حاصل تھا۔ (ایضاً ص ۴۳)

☆ نہایت شریف ونبیل اور غیبت سے بچنے والے تھے۔ (ایضاً ص ۴۳)

☆ معاصرین میں سب سے اچھی نماز پڑھتے، خشیتِ الٰہی سے مالا مال تھے۔ (ایضاً ص ۴۵)

☆ بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں قرآن ختم کیا۔ (الخیرات الحسان ص ۳۲)

☆ سارا دن اور ساری رات آخرت کی طلب میں رہتے۔ (ایضاً ص ۹)

☆ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ (المناقب جلد ا ص ۱۹۹)

☆ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی (وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۶۵)

☆ رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن مجید ختم فرماتے تھے۔ (تبییض الصحیفہ ص ۲۳)

☆ اکثر رات کو ہر رکعت میں سارا قرآن ختم کر جاتے۔ (طبقات الکبری ص ۴۹)

☆ جس جگہ وصال ہوا وہاں سات ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا گیا تھا۔ (ایضاً)

☆ اپنی کمائی سے کھاتے، عطیات کو رد کر دیتے تھے۔ (الخیرات الحسان ص ۵۵)

☆ سب سے زیادہ سخی اور متقی تھے۔ (المناقب جلد ا ص ۹۲)

☆ اکثر شاگردوں کے بھی اخراجات برداشت کرتے۔ (الخیرات الحسان ص ۳۷)

☆ چہرہ اچھا، لباس بہترین، خوشبو نفیس، محفل پاکیزہ تھی۔ یاروں کے غمخوار تھے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۳)

☆ لطیف الطبع تھے، ایک بوسیدہ لباس والے کو ہزار درہم دیئے اور فرمایا جاؤ اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ اللہ چاہتا ہے کہ اپنے بندہ پر اپنی رحمت کا اثر دیکھے۔ (البطل الحریۃ ص ۷۷)

☆ سب سے بڑھ کر آپ کا وصف عشق رسول ﷺ تھا۔ فرماتے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، سر آنکھوں پر قبول، میرے ماں باپ ان پر فدا ہوں، ہم ان کے ارشادات کی مخالفت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (کتاب المیزان از شعرانی)

رسول اکرم ﷺ کی نظر میں:

اللہ کریم نے آپ کو سیرت وکردار کی جملہ خوبیوں سے آراستہ فرمایا تھا۔ جس نے آپ کو دیکھا آپ کا ہو گیا۔ جس نے آپ کی زندگی کا مطالعہ کیا وہ متاثر ہوا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک ملتِ اسلامیہ کے بڑے بڑے مفکرین ومتصوفین نے آپ کے حضور اپنی عقیدت وارادت کے پھول نچھاور کیے ہیں۔ سب سے پہلے ہم حضور سرورِ کونین ﷺ کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے کس طرح اپنے اس عظیم غلام اور محبوب ہستی کی خبر دی ہے فرمایا۔

☆ لو کان الایمان عندالثریا لذھب به رجل من فارس ابناء فارس حتی یتناوله "یعنی اگر ایمان ثریا کے پاس ہوا تو اہلِ فارس میں سے ایک آدمی وہاں بھی پہنچے گا اور اسے حاصل کرے گا۔" (رواہ مسلم)

☆ لو کان العلم بالثریا لتناوله رجال من ابناء فارس یعنی "اگر علم ثریا کے پاس ہوا تو فارس کے افراد اسے حاصل کر لیں گے۔ (رواہ ابو نعیم)

☆ صحیح بخاری میں بھی قدرے اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے۔ "اگر ایمان ثریا کے

پاس لٹکا ہوا ہوگا تو عرب اس کو نہ پاسکیں گے، البتہ فارس والے اسے حاصل کرلیں گی۔(رواہ طبرانی)

حضرتِ امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے یقیناً ان احادیث میں امام ابوحنیفہ قدس سرہ کی خبر دی ہے، جس کی روایت حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے۔ (بعض سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں)(تبییض الصحیفہ ص۳)

امامِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور علمِ حدیث:

غیر مقلدین حضرات کے نزدیک حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمِ حدیث میں بالکل نابلد ہیں۔ اس طرزِ فکر پر خود غیر مقلدین کے مقتدر عالم جناب داود غزنوی صاحب نے اظہارِ افسوس کیا ہے کہتے ہیں۔

''جماعت اہلِ حدیث کو حضرتِ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے، ہر شخص ابوحنیفہ، ابوحنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ سترہ احادیث کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یکجہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔(حضرت مولانا داود غزنوی ص۱۳۰)

حضرتِ عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ ''تم پر لازم ہے اثر کا علم اور اثر کا علم حاصل کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت لازم ہے کہ انہی سے حدیث کا معنی اور تاویل مل سکتی ہے۔'' (المصنف ص۳۰۷) یاد رہے کہ حضرتِ عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ عظیم محدث تھے، وہ ایک ایسے آدمی سے تحصیل حدیث کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں جو حدیث کو نہیں جانتا۔

صدر الائمہ امام موفق رحمتہ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب ''الآثار'' کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا۔(المصاف ص۸۴)

امام ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ:

نقل فرماتے ہیں کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان

فرمائی ہیں جب کہ چالیس ہزار سے کتاب الآثار کو منتخب فرمایا ہے۔

(مناقب الامام ذیل الجواہر المضیئہ جلد۲ ص۴۷۴)

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمتہ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں کہ حضرتِ امام نے چار ہزار مشائخ کرام سے جو کہ آئمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے روایت کی ہے، اس لیے علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے آپ کو حدیث کے حفاظ میں شمار کیا ہے اور جس شخص نے گمان کیا کہ وہ حدیث کی طرف کم توجہ دیتے تھے اس نے تساہل یا حسد کی بنا پر ایسا کیا۔(الخیرات الحسان ص۶۱)

مسعر بن کدام رحمتہ اللہ علیہ:

فرماتے ہیں طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا میں نے ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی، وہ ہم سب پر غالب تھے۔(مناقب اللعبی ص۲۷)

سب سے بڑھ کر امام خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس ذخیرہ حدیث کے بہت سے صندوق بھرے پڑے ہیں جن میں سے بہت تھوڑا حصہ انتفاع کے لیے نکالا ہے۔(المصنف از موفق) غیر مقلد حضرات نے ابنِ خلدون کے حوالے سے یہ پروپیگنڈہ کیا ہے کہ امام کو سترہ حدیثیں یاد تھیں، حالانکہ ابنِ خلدون نے حضرتِ امام رحمتہ اللہ علیہ کو حدیث کے کبار مجتہدین میں شمار کیا ہے اور رد و قبول کے سلسلہ میں ان کے مذہب کو قابلِ اعتماد کہا ہے۔(مقدمہ ص۳۶۲) باقی انہوں نے جو یہ کہا ہے قالوا ابوحنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه یقال بلغت روایة الی سبعة عشر حدیثا او نحوها.

ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سترہ یا اس کے لگ بھگ حدیثیں مروی ہیں، اس کی ہم مختلف پہلوؤں سے تشریح کرتے ہیں۔

۱.....ایک ہے اخذ حدیث یعنی حدیث حاصل کرنا اور دوسرا ہے روایت حدیث یعنی حدیث پھیلانا اور پڑھانا، ابنِ خلدون کے قول سے روایت حدیث کی قلت ثابت ہوتی ہے اخذ حدیث کی ہرگز نہیں، اور روایت حدیث میں قلیل ہونا کوئی جرم اور علمِ حدیث میں بے بضاعت ہونے کی دلیل نہیں، علامہ ابن حجر نے کیا خوب کہا ہے ''وہ مسائل کے استنباط میں مصروف تھے اس لیے ان کی روایتیں پھیل نہیں سکیں۔ جس طرح حضرتِ ابوبکر اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں اور حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان جیسے دوسرے صحابہ کی روایات بے شمار ہیں، یہ حضرات عوام کے

مصالح میں مشغول تھے۔

اب یہ کہنا کہ حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمانِ غنی اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پایہ حضرت ابوہریرہ یا دوسرے صحابہ کرام سے کمزور تھا۔ بہت افسوسناک اور علم حدیث کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایات ان حضرات سے کم ہیں جو روایات پھیلانے میں فارغ تھے۔ اس سلسلہ میں ابوزرعہ اور ابن معین کی مثال دی جاسکتی ہے۔ کیا کوئی ان حضرات کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر فوقیت دے سکتا ہے۔ لہذا روایات حدیث میں قلیل ہونے کو اخذ حدیث میں قلیل ہونے پر قیاس کرنا بہت بڑا تعصب ہے اور ابن خلدون کے کلام میں بہت بڑی تحریف ہے۔ علامہ ابن خلدون خود فرماتے ہیں......۔

قد تقول بعض المبغضين المتعسفين الى ان منهم من كان قليل البضاعة فى الحديث فلهذا قلت رواية ولا سبيل الى هذا المعتقد فى كبار الائمة كان الشريعة انما توخذمن الكتاب والسنة.

"بعض گمراہ دشمنوں نے تو یہاں تک جھوٹ باندھا ہے کہ بعض آئمہ کبار حدیث میں نااہل تھے، اس لیے ان کی روایات کم ہیں۔ آئمہ کبار کی نسبت یہ اعتقاد کوئی حیثیت نہیں رکھتا شریعت تو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ (مقدمہ ص ۲۶۳)

۲...... ابن خلدون نے جو کہا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سترہ یا اس کے لگ بھگ حدیثیں مروی ہیں تو یہ ان کا اپنا قول نہیں ہے۔ انہوں نے اسے صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یعنی یقال کہہ کر اس قول کی ضعف پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

۳...... ابن خلدون عظیم مورخ تو ہیں، محدث نہیں، اس لیے انہیں آئمہ کرام کی روایات کا علم کم ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات کی تعداد موطا میں تین سو بتائی ہے، فرماتے ہیں۔" **ومالک رحمه الله انما صح عنله مافى كتاب الموطا وغايتها ثلاث مائة حديث اونحوها** " (مقدمہ)

اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات مسند احمد میں پچاس ہزار بیان کی ہیں، فرماتے ہیں **احمد بن حنبل رحمه الله فى مسنده خمسون الف حديث** حالانکہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ تعداد غلط ہے۔ مؤطا شریف میں "سترہ سو بیس" اور مسند احمد میں تیس ہزار احادیث مروی ہیں۔ جیسا کہ شاہ

ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن خلدون سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تساہل ہوسکتا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیوں نہ ہوا ہوگا۔ نیز اس سے غیر مقلدین کی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے محدثین کرام کے اقوال کو اختیار کرنے کے بجائے ایک مورخ کے نقل کردہ انتہائی مجہول قول کو سامنے رکھا گویا۔

مٹ گئی بربادی دل کی شکایت دوستو!
اب گلستاں رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کا نام

۴......۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت حدیث میں قلیل نہیں، اس اجمال کی تفصیل دیکھنی ہو تو آپ کے بلند پایہ شاگردوں اور آپ سے روایت لینے والوں کی تعداد پر غور کرنا چاہیے۔ حافظ محمد بن احمد الذهبى الشافعى رحمته الله عليه نے لکھا ہے۔

"آپ سے محدثین اور فقہاء نے کثیر روایات حاصل کی ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے اقران میں سے مغیرہ بن مقسم، زکریا بن ابی زائدہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن مغول، یونس بن ابی اسحاق اور ان کے بعد کے زائدہ بن شریک، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، علی بن مسہر، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، ابومعاویہ، وکیع، المحاربی، فزاری، یزید بن ہارون، اسحاق بن یوسف الازرق، المعافیٰ بن عمران، زید بن حباب، سعد بن صات، مکی بن ابراہیم، ابوعاصم النبیل، عبدالرزاق بن ہمام، حفص بن عبدالرحمان، عبیدہ بن موسیٰ، ابوعبدالرحمٰن المقری، محمد بن عبداللہ انصاری، ابونعیم، ہوذۃ بن خلیفہ، ابواسامہ، ابویحییٰ الحمانی، ابن نمیر، جعفر بن عون، اسحاق بن سلیمان اور خلق خدا۔ (مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۲)

اور علامہ شمس الدین شامی علیہ الرحمۃ نے آپ سے روایت اخذ کرنے والوں کے نام درج کیے ہیں جن کی تعداد تقریباً نوسو چوبیس ہے۔ (عقود الجمان باب ۵) اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی کافی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ حافظ کردری علیہ الرحمۃ نے صرف ایک محدث حضرت عبداللہ بن یزید مکی علیہ الرحمۃ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے نوسو احادیث مبارکہ حاصل کی ہیں۔ (مناقب کردری ص ۴۹۸)

پھر آپ سے پندرہ مسانید منقول ہیں جن میں سے چار کو ان کے عظیم تلامذہ نے بلا واسطہ جمع کیا

ہے۔ علامہ زاہد کوثری نے امام دارقطنی اور ابن شاہین کے حوالے سے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی کے پاس بھی دارقطنی اور ابن شاہین کی مسند ابی حنیفہ تھیں۔ یہ دو مسندیں ان پندرہ کے علاوہ ہیں۔ (امام اعظم اور علم حدیث بحوالہ تقدمہ نصب الرایہ ص ۳۰۹) ان مسانید کے علاوہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب الخراج، عبدالرزاق کی مصنف، ابن ابی شیبہ کی مصنف اور امام محمد کی مؤطا میں ہزاروں روایات آپ سے متصلاً کی گئی ہیں۔ پھر اپنی کتاب الآثار جس کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا ہے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی کوئی سترہ روایات کی رٹ لگائے تو تاریخ حدیث کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اگر سترہ احادیث کا ہی ذخیرہ ہوتا تو بڑے بڑے محدثین اور نادر روزگار فقہاء چند دن کے بعد آپ سے منہ موڑ لیتے۔ جب کہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے استاد حضرت مکی بن ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اوپر سماع حدیث کے لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درس کو لازمی قرار دیا تھا۔ (المناقب از موفق جلد ا ص ۲۰۲) اور حافظ ابن عبدالبر نے امام وکیع کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ثقاہت:

غیر مقلدین حضرات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضعیف کہتے ہیں، دلیل یہ کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں اپنی کتاب "الضعفاء" میں نقل کیا ہے، یہاں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ جب آدمی دن کو رات کہنے پر تلا ہو تو اسے کون روک سکتا ہے۔ جس عظیم انسان نے صحابہ کرام سے حدیث لی ہو تابعین کی کثیر تعداد کو دیکھا ہو بلکہ خود اس طبقہ صالحین میں نمایاں ترین مقام کا حامل ہو، جس کے زہد و تقویٰ، خلوص و احتیاط کی اس کے جلیل القدر معاصرین نے گواہی دی ہو، پھر سب سے بڑھ کر جس کی بشارت خود سرور عالم، مخبر صادق ﷺ نے دی ہو۔ اور اسے بخاری و مسلم نے اپنی صحاح میں درج کیا ہو، اگر وہ بھی ضعیف ہے تو یہ غیر مقلدین کہاں سے ثقہ ہو گئے......؟

باقی رہ گئی امام بخاری کی بات تو ہم ان کی جلالت علمی اور ثقاہت فکری کو تسلیم کرتے ہیں لیکن حیران ہیں کہ انہوں نے کس بنیاد پر حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر "کتاب الضعفاء" میں کیا ہے، یہی نہ کہ کان مرجیاً سکتوا من روایة وعن حدیثه وہ مرجئی تھے اور لوگوں نے ان سے روایت وحدیث لینے میں سکوت کیا ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ پر مرجی ہونے کا الزام اتنا غلط ہے کہ دلیل کی بھی ضرورت نہیں، خود حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تالیف "فقہ اکبر" میں ارجاء کی تردید فرمائی اور علامہ مرغینانی نے آپ کا قول لکھا کہ اهل الارجاء الذين يخالفون الحق فكانوا بالكوفة اكثر وكنت اقهرهم بحمدالله کوفہ میں مرجی کثرت سے رہتے تھے جو حق کے خلاف تھے اور میں ان سے مناظرے میں جیت جاتا تھا۔ (کشف الاسرار بحوالہ مناقب الامام اعظم جلد ا صفحہ ۹)

علامہ عبدالکریم شہرستانی شافعی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ فلا يبعدان اللقب انما الزمه من فريقين المعتزلة والخوارج بعيد نہیں کہ امام صاحب کو یہ الزام معتزلہ اور خوارج نے دیا ہو۔ (الملل والنحل جلد ا صفحہ ۹ ے ذکر مرجیہ) اسی طرح شرح مواقف اور عقود الجواہر وغیرہ میں اس کی سخت تردید ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری سے تسامح ہوا ہے۔

علاوہ ازیں غیر مقلدین حضرات کے اس الزام کا تجزیہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اگر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارجاء کی وجہ سے آپ کی روایات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں تو یہ الزام امام بخاری پر بھی عائد ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں تقریباً سولہ راویوں سے روایت لی ہے جو مرجئی ہونے میں مشہور تھے۔ (تہذیب التہذیب میں اس کی تفصیل موجود ہے) نیز چار راوی نصب کے علمبردار تھے، تقریباً ستائیس شیعہ، چھ قدری، چار خارجی، اور چار جہمی ہیں۔ (یہ کتاب المعارف اور میزان الاعتدال میں دیکھا جا سکتا ہے۔) صحیح بخاری کے انہی رواۃ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ اس میں بھی ضعیف روایات درج ہیں، یہی حال مسلم کا ہے، علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

"امام بخاری کے چار سو بیس (۴۲۰) روایوں میں سے اسی (۸۰) راوی ضعیف ہیں، اور مسلم کے چھ سو بیس (۶۲۰) راویوں میں سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) ہیں۔" كذا ذكره السخاوى فى شرح الفقيه العراقى (مصطلحات اهل الاثر على شرح نخبة الفكر)

اور محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔

"جس نے کہا ہے کہ احادیث میں سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے یا بخاری و مسلم کی شرطوں پر کسی اور نے روایت کی، یہ قول بلا دلیل ہے، اس کی تقلید جائز نہیں...... کیونکہ بخاری و مسلم میں کثرت سے ایسی روایات ہیں جن کے راوی جرح سے نہیں بچ سکے۔ (فتح القدیر باب نوافل جلد ۱)

اب آئمہ فن کی ان تصریحات کی موجودگی میں غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ہم تو بس بخاری و مسلم کو ہی قبول کریں گے۔ صحیحین سے روایت لاؤ، بڑے رحم دل واقع ہوں تو کہتے ہیں کہ چلو دوسری صحاح ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ نسائی سے اخذ کرلو، سوچنا چاہیے کہ جب بخاری و مسلم کا یہ حال ہے تو باقی کیسے ضعیف روایات سے محفوظ ہوسکتی ہیں۔ دریں حالات اگر ''صحاح ستہ'' کو صحیح روایات کا مجموعہ کہا گیا ہے تو صرف اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان میں صحیح روایات کی کثرت ہے، یہ نہیں کہ ان میں ضعیف روایات موجود ہی نہیں۔

دوسری طرف جس امام جلیل اور مجتہد عظیم کو ضعیف کہا جاتا ہے اس کے پاس ضعیف روایات لینے کا ذریعہ ہی کوئی نہیں۔ وہ یا تو صحابہ سے روایت لیتے ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسناد لکھی ہیں مثلاً۔

۱۔عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس ابن مالک یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول طلب العلم فریضة علی کل مسلم (تبییض الصحیفه)

ترجمہ: امام ابو یوسف سیدنا امام ابوحنیفہ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے سنا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۲۔ عن یحییٰ بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبداللہ بن ابی اوفی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم من بنی للہ مسجداً ولو کمفحص قطاة بنی اللہ له بیتافی الجنة (ایضاً)

ترجمہ: یحییٰ بن قاسم نے امام ابوحنیفہ سے امام اعظم نے حضرت عبداللہ بن اوفیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے ''بالاسناد'' روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالی کے لیے تعمیر مسجد میں حصہ لیا اگرچہ وہ بہت مختصر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔

صحابہ کرام سے روایت بلاواسطہ اخذ کرنا حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کا وہ اعزاز ہے جو ان کے بعض معاصرین و محدثین حضرات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو بھی حاصل نہیں۔ یا پھر تابعین کرام کی کثیر جماعت سے روایت لیتے ہیں، جن کی شان و عظمت صحیح احادیث سے ثابت ہے، یہاں یہ کہا جائے کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام مالک سے بھی روایات لی ہیں۔ جیسا کہ شبلی نعمانی جیسے مورخ

نے بھی کہہ دیا ہے۔ (سیرت النعمان صفحہ ۵۰۰)

کیونکہ حضرت حافظ عسقلانی نے اسے قبول نہیں کیا فرماتے ہیں لمایثبت روایة ابی حنیفة عن مالک، بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے شاگرد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ ثابت ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سماع حدیث کے لیے تین سال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بسر کیے، اس دوران امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اصول و قواعد حاصل کیے، یہی سبب ہے کہ آپ کی ترتیب کردہ دس ہزار احادیث پر مشتمل مؤطا سترہ سو بیس احادیث پر رک گئی، جن میں چھ سو مسند، دو سو بائیس مرسل، چھ سو تیرہ موقوف روایات اور دو سو پچاسی تابعین کے اقوال ہیں۔ (مصفی شرح مؤطا از شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت عبداللہ بن داود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا کہ آپ نے تابعین کرام میں سے کن کن کی صحبت سے فیض اٹھایا، آپ نے فرمایا قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوالزبیر، عطا، قتادہ، ابراہیم شعبی، نافع، وامثالھم یعنی اور ان جیسوں کی۔ (مسند ابوحنیفہ کتاب الفضائل)

بتایئے ان بزرگان دین میں سے کون ہے جس کی جناب میں آپ کو ضعیف روایت کی توقع ہے، اسی لیے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی روایات کی ثقاہت پر امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب تبصرہ فرمایا ہے۔

''اللہ تعالی نے مجھ پر فضل فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تین مسانید کا مطالعہ کیا، میں نے دیکھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور ﷺ نے خیر القرون ہونے کی گواہی دی ہے۔ جیسے علقمہ، عطا، عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہ، امام اعظم اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان سب راوی، عدل کے مالک، ثقہ اور بزرگ ہیں، جن کی طرف کذب کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔''

(میزان الشریعة الکبریٰ جلد ۱ صفحه ٦٨)

حضرت محدث کبیر عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

روی الآثار عن

نبــل ثقــات

غـزار الـعـلـم

مشیخة حصیفه

یعنی کتاب الآثار میں وسیع علم والے ثقہ اور معزز بزرگوں سے روایت ہے۔ (المناقب ازموفق)

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔" جب بھی کسی مسئلہ میں میرا اختلاف ہوا اور میں نے پورے تدبر سے کام لیا تو حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ کا ہی مسلک نجات دہندہ ثابت ہوا۔ احادیث کی طرف نظر دوڑائی تو وہ حدیث صحیح کی بھی زیادہ ہی بصیرت رکھتے تھے۔ (الخیرات الحسان) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد امام اعمش علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔" ابوحنیفہ تم نے تو حدیث وفقہ کے کنارے لے لیے ہیں۔" (ایضاً) اور وکیع علیہ الرحمتہ کا بیان نہایت جامع ہے۔

" ابوحنیفہ خطا کس طرح کر سکتے ہیں جب کہ ابو یوسف اور محمد وزفر جیسے اصحاب قیاس اور اہل اجتہاد ان کے ساتھ ہیں اور یحییٰ بن زکریا، حفص بن غیاث اور حبان ومندل جیسے حفاظ حدیث اور اصحاب معرفت ان کے ساتھ ہیں اور قاسم بن معین جیسا ادیب اور ماہر لغات ان کے ساتھ ہے اور داود طائی اور فضیل بن عیاض جیسے خداترس ان کے ساتھ ہیں...... جو شخص اس طرح کی بات کہے وہ حیوان ہے۔"
(عقود الجواہر)

حضرت یحییٰ بن معین علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے کہ ابوحنیفہ سے صالحون کی ایک جماعت نے روایت لی ہے، وہ روایت میں سچے ہیں۔ (اخبار ابی حنیفہ صفحہ ۸۰) (امام زفر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین حضرت امام کے پاس آتے اور مشتبہ احادیث کے بارے میں آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ (المناقب ازموفق جلد ۱۴۸ جلد ۲)

آخر میں ہم امام بدرالدین عینی علیہ الرحمہ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں۔

" میں کہتا ہوں کہ یحییٰ بن معین سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہا ہو۔ شعبہ بن حجاج آپ کو کہتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کریں، اور شعبہ اور سعید آپ کو روایت کے لیے کہتے ہیں اور یحییٰ بن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ کان ابو حنیفه ثقه من اهل الصدق ولم یتهم بالکذب وکان ماموناً علی دین الله. صدوقاً فی الحدیث.

ابوحنیفہ ثقہ ہیں، اہلِ صدق میں سے ہیں، ان پر کذب کی تہمت نہیں، وہ دین خدا کے امین اور

حدیث میں سچے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، سفیان اعمش، سفیان، عبدالرزاق، حماد بن زید اور وکیع جیسے آئمہ کبار نے اور آئمہ ثلاثہ مالک وشافعی واحمد وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے۔ اس سے دار قطنی کا ستم اور تعصب اجاگر ہو گیا ہوگا۔ پس وہ کون ہے جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ضعیف کہے وھو مستحق التضعیف وہ خود اس تضعیف کا حقدار ہے، کہ اس نے اپنی مسند میں سقیم ومعلول ومنکر وغریب وموضوع روایات نقل کی ہیں۔ اس لیے وہ اس قول کا مصداق ہے۔ جب لوگ امام کی عظمت کو نہ پہنچ سکے تو آپ کے دشمن بن گئے۔ مثل سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ و حدیث ابی حنیفه حدیث صحیح "اور ابوحنیفہ کی حدیث صحیح حدیث ہے۔" اما م تو امام ہیں موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی علیہ الرحمتہ ثقات میں سے ہے اور صحیحین کے راویوں میں سے ہے اور عبداللہ بن شداد تابعین اور ثقات میں سے ہے۔ (بنایہ شرح ہدایہ جلد ا صفحہ ۷۰۹)

امام اعظم اور اکتساب حدیث:

یہ الزام اکثر سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کا لحاظ نہیں رکھتے تھے اور حدیث کے مقابلے میں اپنا قول معتبر سمجھتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور یہ ظلم صدیوں کی غلط فہمیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ حضرت امام رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں ہی یہ فتنہ عام ہوا تو حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے گفتگو فرمائی، آپ نے انہیں اپنے بارے میں مطمئن کر دیا۔ (الانتقاء از قرطبی صفحہ ۱۲۴) ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق، حضرت مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ دین میں کثرت سے قیاس کرتے ہیں، آپ نے حضرات علماء سے زوال تک بحث کی اور ثابت کر دیا کہ ان کا مذہب قرآن وحدیث اور صحابہ کرام کی اتباع کا آئینہ دار ہے تو وہ سب حضرات امام کے سر اور گھٹنوں کو چوم کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ہم نے لاعلمی میں آپ کی برائیاں کیں، آپ معاف کر دیں، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے۔
(المیزان از شعرانی صفحہ ۲۲)

مامون رشید کے دور میں کچھ محدثین نے آپ کے بارے میں فتنہ کھڑا کیا تو مامون رشید نے ان کو لاجواب کیا اور پھر کہا" اگر ابوحنیفہ کے اقوال کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہوتے تو ہم ان پر عمل نہ کرتے۔" (المناقب ازموفق جلد ۲ صفحہ ۵۵) گویا شروع سے ہی حاسدین ومعاندین آپ کے خلاف برسرپیکار ہیں جب کہ علمائے حق تحقیق وجستجو اور عقلِ سلیم کی روشنی میں آپ کے تفقہ فی الدین کا

جائزہ لے کر آپ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے رہے۔ ابوالاسود نے کیا خوب کہا ہے۔

حسد والفتی از الم ینالوا سعیه

فالناس اعداء له وخصوم

آپ امت محمدیہ میں عظیم فقیہ ہوئے ہیں اور فقاہت بغیر حدیث کے معتبر نہیں، جیسا کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا

لا یستقیم الحدیث الا بالرائی ولا یستقیم الرائی الا بالحدیث فقہ کے بغیر حدیث درست نہیں رہتی اور حدیث کے بغیر فقہ (کشف الاسرار شرح منار الانوار جلد ا صفحہ ۵) یہی وجہ ہے کہ محدثین جن کو فقہ میں تبحر اور عبور نہیں تھا ان سے ایسے

ایسے ''لطائف'' مروی ہیں کہ خدا کی پناہ، حضرتِ امام بخاری علیہ الرحمۃ کی صحیح کے ابواب اور ان کے تحت احادیث کا اندراج دیکھ کر آپ کی فقاہت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

محدثین کرام صرف احادیث کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں ان کے احکام اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا کوئی ادراک نہیں ہوتا جب کہ فقہاء ہر حدیث کو خوب جانچتے ہیں اور پھر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حدیث کے سمندر کے غواص ہیں، اس لیے ہر باریک بین، مصنف مزاج اور صاحبِ علم کو آپ کے مذہب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ نیز آپ کا مذہب دو تہائی ملت اسلامیہ نے قبول کیا ہے جس میں نامور فقہاء، عظیم محدثین اور جید عرفا علیہم الرحمۃ شامل ہیں۔ جن مسائل میں آپ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ حدیث کے خلاف حکم دیتے ہیں وہ حدیث ان تین حالتوں سے خالی نہ ہوگی۔ (۱) منسوخ ہوگی (۲) نامقبول ہوگی (۳) خصوصیت پر مبنی ہوگی

☆ منسوخ ہوگی:

حضرتِ امام منسوخ حدیث پر عمل نہیں کرتے، ناسخ پر عمل کرتے ہیں تو یہ عمل حدیث پر ہی ہوا، ظاہر ہے حدیث کو منسوخ کرنا حدیث کا ہی کام ہے۔ امام اپنے قول سے تو اسے منسوخ نہیں کر سکتے، پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام کا حدیث پر عمل نہیں۔ اس کی واضح مثال تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین ہے جو احادیث صحیح سے منسوخ ہو چکا ہے۔ غیر مقلدین حضرات منسوخ احادیث پر عمل کرتے ہیں اور الٹا حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف محاذ کھڑا کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ حدیث پر عمل نہیں کرتے، خدارا انصاف! عمل تو آپ خود نہیں کرتے، اگر منسوخ احکام پر عمل کرنا ہی آپ کا دین ہے تو سود وشراب کی

حلت کا فتویٰ بھی دے دو اور ادھر ناسخ احادیث پر عمل کی وجہ سے حضرتِ امام کی مخالفت کرتے ہو تو پھر حضور سرورِ عالم ﷺ کی بھی اسی طرح مخالفت کرو کیونکہ آپ ﷺ نے تمہارے پسندیدہ فعل کو ختم کر دیا۔ ناسخ احادیث ترمذی، ابوداود ونسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، سنن الکبریٰ بیہقی، شرح معانی آثار، جامع المسانید، مصنف عبدالرزاق، مسند ابی یعلی، دار قطنی، معجم طبرانی میں موجود ہیں ان سب سے بڑھ کر بخاری ومسلم نے بھی روایت کی ہیں۔ مثلاً بخاری جلد اول میں جو حضرت ابوحمید ساعدی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز سکھائی ہے اس میں کہیں بھی اس رفع یدین کا ذکر نہیں۔ اسی طرح مسلم نے حضرتِ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی جو حدیث لی ہے اس میں رفع یدین کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے اسکنوفی الصلوۃ ''نماز میں سکون کرو'' (مسلم جلد اول صفحہ ۱۸۱)

پھر خلفائے راشدین اور صحابہ کبار، عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مخالفت کرو کہ وہ سب ناسخ احادیث پر عمل کرتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح عظیم تابعین ابواسحاق، شعبہ، ابراہیم نخعی، اسود بن زید، علقمہ، قیس بن ابی حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے، انہی حقائق کو دیکھتے ہوئے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمل فرمایا۔ اور یہ بھی کہہ دیں کہ ترک رفع یدین پر امام مالک کا عمل بھی منقول ہے۔ (المدونه الکبری صفحہ ۶۸) نیز اسی پر اہلِ مدینہ اور اہلِ کوفہ کا اجماع ہے۔ (هدایه المجتهد جلد ا صفحہ ۹۷۔ ترمذی جلد ا صفحہ ۵۹) بلکہ اور بھی فقہاء کا اجماع ہے جیسا کہ ابوبکر بن عیاش علیہ الرحمۃ نے فرمایا **مارایت فقیها قط یفعله یرفع یدیه فی غیر التکبرة الولیٰ** (شرح معانی الآثار للطحاوی جلد ا صفحہ ۱۵۶) اب اہلِ انصاف پر خوب روشن ہو گیا ہوگا کہ اس عمل میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا نہیں۔ اسی طرح آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام، طلاق ثلاثہ کے وقوع وغیرہ مسائل پر آپ کا مذہب آیات واحادیث سے مبرہن ومنور ہے۔

☆ نامقبول ہوگی:

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جو کسی فنی سقم کی بناء پر نامقبول ہو۔ اس کے برعکس صحیح ومحکم حدیث پر عمل کرتے ہیں، مثلاً آپ تازہ کھجوروں کی تجارت خشک چھوہاروں کے بدلے جائز قرار دیتے ہیں۔ اہلِ بغداد نے حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے فروخت کرنے سے روکا ہے۔ امام نے فرمایا یہ حدیث زین بن عیاش پر موقوف

ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے۔اس کے برعکس صحیح احادیث سے یہ تجارت جائز ٹھہرتی ہے۔
(فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۶)

☆ خصوصیت پر مبنی ہوگی:

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوگی۔مثلاً غائبانہ نماز جنازہ، آپ کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حضور ﷺ کے ساتھ ہے۔بخاری کتاب الجنائز میں نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر ہے تو شارحین نے وضاحت کی ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک نجاشی کا جنازہ حضور ﷺ کی نگاہِ نبوت سے اوجھل نہیں تھا۔(عینی جلد ۴ صفحہ ۲۵) اس عمل کے بعد کوئی حدیث مرفوعاً ثابت نہیں، ایک حدیث سے معاویہ بن معاویہ مزنی کی غائبانہ نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے تو وہ حدیث ضعیف محض ہے۔اس کی مختلف اسناد میں بقیہ بن ولید، نوح بن عمر، علاء بن یزید، محبوب بن ہلال جیسے راوی ہیں جن کو آئمہ نے مدلس، منکر الحدیث، متروک الحدیث اور سارق جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے۔اس سے بڑھ کر یہ کہ معاویہ بن معاویہ کوئی صحابی نہیں۔(الاصابہ ۴۳۸)

اس حدیث پر بھی عمل نہیں کرتے یا اس کے مطابق حکم نہیں دیتے جس کو حضور ﷺ نے کسی خاص فرد کے لیے فرمایا ہو، ترمذی شریف میں ہے کہ جب غیلان بن سلمہ مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو اختیار کرنا چاہو کرلو، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی چار سے زیادہ بیویاں ہیں تو پہلی چار کے ساتھ اس کا نکاح صحیح اور ان کے بعد والیوں کا باطل ہے۔معترضین کہتے ہیں کہ یہاں ان کا مذہب حدیث کے خلاف ہے۔حالانکہ امام نے یہاں قرآن حکیم کی آیت کو پیش نظر رکھا ہے۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (پ ۴ النسآء آیت ۳)

ترجمہ: تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار

قرآن حکیم سے ثابت ہوا کہ پانچویں اور چھٹے درجے کی عورت سے اب نکاح باطل ہے، اب رہا حدیث ترمذی کا معاملہ تو وہ یا تو قرآن پاک کے اس حکم سے منسوخ ہے یا حضور ﷺ نے اپنے خداداد اختیار سے اسے اس فرد خاص کے لیے مختص کر دیا۔

نتیجہ فکر:

اگر کوئی نظر انصاف سے ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھے اور حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیمات کا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ آپ کی کوئی بات قرآن وحدیث اور اتباع صحابہ سے گریزاں نہیں، اس پر ہم جید آئمہ کرام کی گواہی بھی نقل کر دیتے ہیں پہلے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا ارشاد سنئے۔

لانقیس الا عندالضرورة الشدیدة وذلک انا ننظر اولا فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب والسنة واقضیة الصحابة فان لم نجد دلیلا قنا حینئذ مسکوتا عنه علی منطوق به بجامع اتحاد العلة بینهما O

''ہم قیاس نہیں کرتے مگر شدید ضرورت کے وقت، ہم مسئلہ کی دلیل، کتاب اللہ، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور صحابہ کرام کے قضایا سے تلاش کرتے ہیں، اگر ان میں نہ ملے تو ہم نہ کہے ہوئے کو کہے ہوئے پر علت مشترک کی بنا پر قیاس کرتے ہیں۔'' (المیزان از شعرانی صفحہ ۶۵)

نیز فرماتے ہیں ان لوگوں پر حیرت ہے جو کہتے ہیں کہ میں قیاس پر فتوی دیتا ہوں میں تو اثر پر فتوی دیتا ہوں، (الخیرات الحسان) باقی رہ گئی تابعین کی بات تو آپ فرماتے ہیں فھم رجال ونحن رجال وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں، یعنی جس طرح ان کو اجتہاد کا حق ہے ہمیں بھی حق ہے۔

ابو محمد علی ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں کہ اصحاب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس پر متفق ہیں۔کہ مذہب ابوحنیفہ میں ان ضعیف الحدیث اولی عنده من القیاس والمرای، ضعیف حدیث بھی قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔(مناقب الامام ابی حنیفه صفحہ ۲۱)

شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث مرسل کے بارے میں امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے کہ اسے بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے۔(مقدمہ شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷)

حضرتِ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث ملتی ہے تو ابوحنیفہ اس کو لیتے ہیں اور اگر صحابہ یا تابعین سے ہو تو یہی صورت ہے ورنہ وہ قیاس کرتے ہیں اور قیاس اچھا کرتے ہیں۔(الخیرات الحسان فصل ۱۱)

ابن قیم فرماتے ہیں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے، انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس

اور رائے پر مقدم کیا ہے اور ضعیف حدیث کی وجہ سے دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے روکا ہے۔ وہ آثار صحابہ کو قیاس اور رائے

پر مقدم رکھتے ہیں۔ یہی امام احمد کا طریقہ ہے اور سلف کے نزدیک ضعیف حدیث کی وہ اصطلاح نہیں جو متاخرین کی ہے جس کو متاخرین حسن کہتے ہیں اس کو سلف نے ضعیف کہا ہوتا۔

(اعلام الموقعین جلد ا صفحہ ۷۷)

فقہ حنفی کے اساس قواعد:

اب ہم آئمہ فن کی تشریحات کی روشنی میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اساسی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ قرآن حکیم

۲۔ احادیث قولی، فعلی، تقریری،

۳۔ صحابہ کرام کے فتاویٰ

۵۔ اجماع

۵۔ قیاس

۶۔ استحسان (قیاس کی وہ قسم جو خفی ہوتی ہے مگر اس کا اثر قوی ہوتا ہے)

۷۔ تعامل بندگان خدا

آخر میں امام ربانی شیخ احمد سرہندی حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں۔

''آپ مرسل حدیث و مسند حدیث کی طرح متابعت کے شایان جانتے ہیں اور اس کو اپنی رائے پر فوقیت دیتے ہیں۔ دوسرے اماموں کا یہ حال نہیں، باوجود اس کے آپ کے مخالفین آپ کو صاحب رائے قرار دیتے ہیں اور ایسے الفاظ بیان کرتے ہیں جن سے بے ادبی کا اظہار ہوتا ہے، حالانکہ امام کے زہد و تقویٰ اور علم و کمال کا سب کو اعتراف ہے۔ چند ناقصوں نے چند احادیث رٹ لیں اور شریعت کو انہی میں محصور مانتے ہیں، اور ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں، ان کی مثال پتھر کے کیڑے کی طرح ہے اور وہ پتھر کو ہی اپنی زمین اور آسمان سمجھتا ہے۔ (مکتوبات دفتر ۲ ص ۵۵)

امام اعظم اور صحاح ستہ:

کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اٹل حقیقت ہے کہ صحاح ستہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

برکات موجود ہیں، اگرچہ اصحاب صحاح نے آپ سے روایت لینے میں کمال بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے اور تو اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی روایات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی لیکن جس چشمہ صافی سے یہ سب حضرات سیراب ہوئے وہ ''امام اعظم'' کے علم سے پھوٹتا ہے۔ اس سلسلہ میں اصحاب صحاح کی مجبوری بھی تھی کہ وہ شافعی المسلک ہونے کے ناتے اپنا مخصوص ذوق رکھتے ہیں، صاحب مشکوٰۃ بھی شافعی تھے لیکن ان لوگوں کی اسانید میں بہت سے حنفی شیوخ موجود ہیں، امام بخاری کے مشہور استاد حضرت مکی بن ابراہیم اور عبدالرزاق بن ہمام امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ امام بخاری کی صحیح کا یہ بھی اعزاز ہے کہ انہوں نے اس میں بائیس ثلاثیات روایت کی ہیں۔ ''یعنی ایسی روایات جن میں حضور نبی کریم ﷺ اور راوی کے درمیان تین واسطے ہوں'' اور ان روایات میں سے گیارہ روایات صرف حضرت امام مکی بن ابراہیم علیہ الرحمۃ سے لی ہیں، گویا امام بخاری اعلیٰ ترین سند، حضور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض سے حاصل ہوئی، یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کی روایات میں ثنائیات ہیں، یعنی حضور ﷺ اور راوی کے درمیان دو واسطے جب کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں واحدان ہیں، یعنی حضور ﷺ اور راوی کے درمیان ایک واسطہ، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آئمہ اربعہ میں خصوصی فضیلت و عظمت ہے، **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**/**فتح المغیث** میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر بحث فرمائی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامور شاگرد رشید حضرت امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمۃ ہیں، امام احمد سے امام شافعی نے اتنا استفادہ کیا کہ فرماتے ہیں۔

امن الناس علی فی الفقه محمد بن الحسن یعنی فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان محمد بن حسن کا ہے۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۱۶۶) امام شافعی کے نامور شاگرد رشید حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ ہوئے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۱) امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے سامنے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود علیہم الرحمۃ نے زانوئے تلمذ طے کئے جو کہ اصحاب صحاح میں سے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۷۲)

امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے امام بخاری و مسلم سے استفادہ کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) امام ابن ماجہ و نسائی بھی اسی سلسلۃ الذہب سے بندھے ہوئے ہیں جس میں امام اعظم کا فیضان سراسر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کاش! لوگ اس طرح بھی سوچتے کہ جس کے تلامذہ کی شوکت و منزلت کا یہ عالم ہے استاذ اعلیٰ،

امام والا اور مقتدائے ارفع کی شوکت ومنزلت کا کیا عالم ہوگا؟۔

تعارف مسانید:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے شیوخ سے احادیث مبارکہ کو روایت کیا تو لوگوں نے آپ کے ہر شیخ کی مرویات کو الگ الگ اکٹھا کرلیا، اسی طرح مرویات کے الگ الگ نسخے وجود میں آ گئے۔ وہ نسخے مندرجہ ذیل جید علماء وفقہاء کی کوشش سے اہل علم تک پہنچے۔

حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد البخاری، حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد، حافظ ابوالحسین محمد بن المظفر، حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی، شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری، امام ابوبکر احمد عبداللہ بن عدی جرجانی، حافظ حسن بن زیادہ الولوی، حافظ عمر بن حسن اشنانی، ابوبکر احمد بن محمد الکلامی، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، امام احمد بن حسن شیبانی، امام حماد بن ابوحنیفہ، امام عبداللہ بن ابی عوام، امام حسین بن محمد بلخی، امام محمد بن حسن قدس سرہم القدس۔

مسانید امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان نسخوں کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۵۵ھ نے جمع فرمایا، امام خوارزمی اس عظیم کاوش کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت حدیث کم ہے، ایک نالائق نے تو امام شافعی کی مسند، امام مالک کی موطا اور امام احمد کی مسند کا حوالہ دے کر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کی یہ سن کر میری مذہبی غیرت نے جوش مارا کہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پندرہ مسانید کو ایک مسند کی صورت میں ترتیب دوں، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ابوابِ فقہ کو سامنے رکھ کر مسند ترتیب دی تا کہ جاہل دشمنوں کا وہم دور ہو جائے۔"

اس مسند کے مقدمہ میں امام خوارزمی علیہ الرحمتہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کیا خوب لکھا ہے۔

"اجتہاد میں تمام علماء کرام سے پیش قدم، اعتقاد میں سب سے پاکیزہ، ہدایت میں سب سے واضح، طریقے میں سب سے درست، امام الائمہ، سراج ھذا الامۃ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ انہوں نے شریعت مطہرہ کے رخ روشن سے نقاب ہٹایا اور فقہ کے ماتھے سے ظلمت کی پرچھائیوں کو دور کیا۔ اپنے زمانے کے اہل علم کو آگے بڑھایا جہاں قدم پھسلنے کا موقع تھا قدم جمانے اور

احکامات کو مضبوط کرنے میں پوری کوشش کی، اب علماء دریائے نعمان میں غوطے لگا لگا کر بیش بہا نعمتیں حاصل کر رہے ہیں۔" (مسند امام اعظم مطبوعہ دہلی)

امام خوارزمی علیہ الرحمتہ نے یہ بھی تفریح فرمائی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو سو پندرہ (۲۱۵) احادیث مبارکہ میں دیگر آئمہ حدیث سے قطعاً منفرد ہیں۔ اس سے بھی آپ کے اخذ حدیث اور روایت حدیث میں تبحر کا بین ثبوت ملتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسانید حدیث کی سب سے پرانی کتابیں ہیں لہذا ان کی روایت دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ محکم و مقدم ہونی چاہیے۔

ہمارے سامنے مسند امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ نسخہ ہے جو قاضی صدرالدین موسیٰ حصکفی متوفی ۶۵۰ھ نے جمع فرمایا، اس نسخے کو محدث کبیر علامہ محمد عابد سندھی متوفی ۱۲۵۷ھ نے ابواب فقہ کے حساب سے مرتب کیا، امام حصکفی علیہ الرحمتہ نے بھی "تنسیق النظام" کے نام سے شرح لکھی، دیگر مسانید پر بھی علمائے امت کی شروح موجود ہیں جن کی تفصیل کشف الظنون جلد دوئم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصولِ حدیث:

فقہ کی ترتیب وتدوین کے علاوہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول حدیث بھی تشکیل دیئے جب کہ اصحاب صحاح اور ان کی تالیفات کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ ان اصول حدیث کو دیکھ کر آپ کی کتاب الآثار اور مسانید کی روایات کی فقاہت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

وہ دور عجب دور تھا رافضی وخوارج اور قدریہ کا زور تھا۔ ہر فریق احادیث کو اپنے نظریات کے مطابق تبدیل کر رہا تھا۔ بہت سی موضوع روایات نے جنم لیا بلکہ امام دارقطنی کے بقول اصل احادیث، موضوعی احادیث میں اس طرح چھپ گئیں جیسے بیل کے کالے کالے بالوں میں سفید بال چھپ جاتے ہیں، یہیں سے روایت بالمعنی کی وبا پھوٹی، اس صورتحال میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصحاب حدیث پر احسان تھا کہ آپ نے حدیث کو پرکھنے کے لیے بنیادی ضابطے تیار کیے، حضرت علامہ عبدالحکیم جندی علیہ الرحمتہ نے ان اصول وضوابط کو "الفجار قبلہ" کہا ہے۔ جب وہ اصول وضوابط اصحاب حدیث نے دیکھے تو ان کو اپنی روایات اپنی ہی نظروں میں تشنۂ تحقیق دکھائی دینے لگیں، اس کی تفصیل "بطل الحریہ" میں علامہ جندی نے لکھی ہے۔ ذیل میں کچھ اصول وضوابط لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ راوی حدیث کے لیے حدیث کا حافظ ہونا ضروری ہے،

۲۔صحابہ وفقہائے تابعین کے سوا کسی اور کی روایت بامعنی قابلِ قبول نہیں۔

۳۔صحابہ سے روایت کرنے والی اہلِ تقویٰ کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے،ایک یا دو شخص نہیں۔

۴۔احکام میں روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔

۵۔حدیث سے اسلام کے کسی مسلمہ اصول کی مخالفت نہ ہوتی ہو نیز عقلِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔

۶۔خبرِ واحد،قرآن کی کسی آیت پر زیادتی کے قول نہیں یا اس کے حکم عام کو مخصص نہیں کرسکتی۔

۷۔خبرِ واحد قرآن پاک کے خلاف ہو تو نامقبول ہوگی۔

۸۔خبرِ واحد سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو نامقبول ہوگی۔

۹۔مبیح یا محرم روایات میں محرم کو ترجیح ہوگی۔

۱۰۔ایک واقعہ کے بارے میں ایک راوی امر زائد و بیان کرتا ہے،دوسرا نفی کرتا ہے تو اگر نفی کرنے والے کے پاس دلیل نہیں تو اس کی نفی نامقبول ہوگی۔ پہلے راوی کا بیان معتبر ہوگا۔یعنی نفی کے لیے دلیل کی حاجت ہے۔

۱۱۔ایک حدیث میں حکم عام ہے،دوسری میں اصل چیزوں میں اس کے خلاف حکم ہو تو حکم عام کے مقابلے میں حکم خاص کو نہ دیکھا جائے۔

۱۲۔حضور ﷺ کے صریح قول وفعل کے خلاف سے صحابی کا قول وفعل نامقبول ہے کہ ہوسکتا ہے اسے حضور ﷺ کا وہ قول وفعل نہ پہنچا ہو۔

۱۳۔خبرِ واحد کے خلاف اگر آثارِ صحابہ ہوں تو ان پر عمل کیا جائے،ہوسکتا ہے وہ خبرِ واحد منسوخ ہو، اور صحابہ اس کے ناسخ پر عمل پیرا ہوں۔

۱۴۔راوی کا اپنا عمل روایت کے الٹ ہو تو روایت نامقبول ہوگی۔

۱۵۔متعارض روایات میں سے قریب المشاہدہ کی روایت لی جائے۔

۱۶۔متعارض روایات میں کثرتِ تفقہ کو قلتِ وسائط پر ترجیح دی جائے۔

۱۷۔حد یا کفارہ کی کوئی حدیث ایک صحابی سے ہی مروی ہونا مقبول ہوگی کہ حد و کفارہ شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

۱۸۔جس حدیث میں اسلاف پر طعن ہو نامقبول ہوگی۔

۱۹۔خبرِ واحد اور مرسل کو قیاس پر فوقیت ہوگی۔

عالمگیر پذیرائی:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلک میں فکر و تدبر کی ہمہ گیری اور ذکاوت و فقاہیت کی بالادستی ہے۔عقل پرستی سے اجتناب کیا گیا ہے۔قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ سے پورا لگاؤ ہے،لہٰذا آپ ہی ہیں جنھوں نے اسلام کے فطری اور حقیقی ثمرات سے اہلِ جہاں کو مالا مال کیا۔آپ کا مسلک آپ کی زندگی ہی میں بہت مقبول ہوگیا تھا،آپ کی وفات کے بعد آپ کے فضیلت مآب تلامذہ نے اس کی عالمگیر پیمانہ پر اشاعت کی اور یہ بلادِ عجم،ایشیائے کوچک،ترکستان ہندوستان اور چین تک پہنچ گیا۔(تفہیم الفقہ صفحہ ۸۱)

حضرت امام حصکفی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

''یقیناً آپ عالم،عامل،عابد،صاحبِ ورع اور شریعت کے علوم کے امام تھے۔آپ پر ایسے الزام لگائے گئے ہیں کہ آپ کی قدر و منزلت ان سے بہت بلند ہے۔جیسے خلقِ قرآن،قدر اور ارجاء،وغیرہ،ان الزامات کے موجدوں کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ آپ ان سے پاک وصاف ہیں،دیکھو،اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو اطرافِ عالم میں پھیلا دیا ہے،آپ کا علم تمام روئے زمین پر چھایا ہوا ہے۔اگر اس میں کوئی راز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نصف عالمِ اسلام کو ان کا مقلد نہ بناتا،جو آپ کی رائے پر آج تک عمل کر رہا ہے یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ کا مذہب بالکل درست ہے۔''(تنسیق النظام صفحہ ۷)

حسبی من الخیرات ما اعددته
یوم القیامة فی رضی الرحمٰن
دین النبی محمد خیر الوری
ثم اعتقادی مذهب النعمان
مجھ کو کافی نیکیاں ہیں میں نے جو تیار کیں
تاکہ مجھ سے راضی ہوجائے مالک یوم دین
میرے دامن میں تو دین شاہِ انس و جان ہے
میرے دل میں اعتقادِ مذہبِ نعمان ہے

ان کے جاتے ہی فلک ٹوٹ پڑا:

بنو عباس کے ظلم وستم عروج پر تھے بنو امیہ کو قبروں سے اکھاڑ کر ان کی ہڈیوں تک کی بے حرمتی کی گئی، حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس لیے آپ نے بنو عباس کے ساتھ کوئی تعاون نہ کیا بلکہ ایک غیور انسان کی طرح الگ رہے جب خاندان سادات کے فرد وحید حضرتِ امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلیفہ منصور عباسی کے خلاف آواز اٹھائی تو آپ نے ان کی اعانت کے لیے فتویٰ دیا، اسی طرح جب حضرتِ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خلافت کا دعویٰ کیا تو درباری علماء نے منصور عباسی کے کان بھرے کہ یہ سب کچھ حضرتِ امام کے اشارے پر ہوا ہے، چنانچہ اس نے آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ منصور عباسی کا حکم تھا کہ آپ کو روز قید خانہ سے نکال کر سرِ عام دس کوڑے مارے جائیں اور بازاروں میں گھمایا جائے، یہ ظلم وستم آپ نے دس دن تک برداشت کیا، آخر کار آپ کو زہر دیا گیا جس کی وجہ سے عالم اسلام کے اس عظیم محسن کی زندگی کا ستارہ موت کے افق پر ڈوب گیا۔ یہ ۱۵۰ھ کا المناک واقعہ ہے، حضرت حسن بن عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو غسل دیا اور جو تاریخی الفاظ ادا فرمائے وہ آپ کی سیرت طیبہ پر انمول گواہی ہے۔

”اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، تم نے تیس سال سے افطار نہیں کیا، چالیس سال سے رات کو کروٹ نہیں بدلی، ہم میں سب سے زیادہ فقیہ اور عبادت گزار تھے اور زیادہ نیکیاں جمع کرنے والے تھے۔“

(الخیرات الحسان)

امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ”علم چلا گیا“ امام شعبہ نے کہا ”کوفہ کا نور گم ہو گیا۔“ دیکھتے دیکھتے کہرام مچ گیا، آپ کے جنازے پر پہلے پچاس ہزار یا زیادہ افراد جمع ہوئے، نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھائی گئی آخری بار آپ کے لختِ جگر حضرتِ سیدنا حماد علیہ الرحمۃ نے امامت کرائی۔ بعد ازاں قبر پر بھی نماز پڑھی جاتی رہی، آپ کے وصال سے عالمِ اسلام گویا یتیم ہو کر رہ گیا تھا۔

کس سے اٹھے ہیں یہ صدمے ہمدم
ان کے جاتے ہی فلک ٹوٹ پڑا

آپ کا مزارِ پُر انوار خیزران میں ہے، حضرتِ ابن حجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ”جان لو آپ کی قبر انور کی زیارت کے لیے علماء اور اہلِ حاجت ہمیشہ سے چلے آرہے ہیں۔ وہ آپ کے پاس جا کر اپنی

حاجتوں کے لیے آپ کی ذاتِ مبارکہ کو وسیلہ بناتے ہیں اور اپنی حاجت پوری ہوتی دیکھتے ہیں۔ ان علماء میں امام شافعی بھی ہیں، آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کی قبر پر ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے جاتا ہوں۔ جب مجھے حاجت درپیش ہو تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں تو مجھے میری حاجت مل جاتی ہے۔“



امام اعظم بحیثیت محدث اعظم

خطاب: غزالی زماں حضرت علامہ سید سعید احمد شاہ کاظمی ملتانی علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(اپنے مخصوص لہجے میں عربی خطبہ کے بعد)

محترم حضرات! میں اتنی بار خانیوال آیا لیکن آپ بتایئے کہ میں نے آج تک شوکانی کے بارے میں کچھ کہا؟ کبھی میں نے نواب صدیق حسن خان بھوپالی کے متعلق کچھ ذکر کیا؟ یا کبھی میں نے کسی اہل حدیث عالم کا نام اپنی گفتگو میں لیا؟ لیکن آج مجھے نہایت دکھ ہوا اور میرا دل بہت زخمی ہوا جب میں نے سنا کہ خانیوال کی سرزمین پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر طعن کیا گیا، ان کی توہین کی گئی اور ان کے حق میں نازیبا کلمات کہے گئے۔ مجھے یہ سب کچھ جان کر نہایت دکھ پہنچا اور میرا دل بہت زخمی ہوا، لیکن اس سب کے باوجود بھی میں صبر کروں گا اور صبر کا مطلب یہ ہے کہ میں گالی کا جواب گالی سے نہیں دوں گا اور میں دریدہ دہنی کا جواب دریدہ دہنی سے نہیں دوں گا بلکہ میں برائی کو اچھائی سے رفع کروں گا۔

محترم حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ کا کچھ حصہ تلاوت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (پ ۲۳، الزمر آیت ۹)

آپ فرمادیجیے کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے (ترجمہ البیان از: علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ)

یعنی اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم آپ ارشاد فرمادیں کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو کہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے؟ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم والوں کی شان تو یہ ہے کہ

انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا (پ ۲۲، فاطر آیت ۲۸)

اللہ کے بندوں میں اللہ سے وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں (ایضا)

یعنی اللہ کا خوف اور اللہ کی خشیت دل میں رکھنے والے اگر ہیں تو فقط علماء ہیں اور یاد رکھیے وہ کیسے علماء ہیں؟ ہم جیسے نہیں۔

استغفر اللہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہم جیسے لوگوں نے تو آج علم کا نام بدنام کردیا۔

میرے دوستو اور عزیزو! یہاں علماء سے مراد ایسے علماء ہیں جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی ذوالنورین، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا حسن بصری، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے اور مجھے کہنے دیجیے کہ علماء سے مراد ہم جیسے لوگ نہیں بلکہ علماء سے مراد وہ مقدسین اور طیبین وطاہرین

ہیں جنہوں نے علم کے چشمے جاری کردیے، ان میں سیدنا عبداللہ بن مسعود ہیں، عبداللہ بن عمر ہیں۔ عبداللہ بن عباس ہیں اور ان کے شاگرد سعید بن جبیر ہیں، علقمہ بن قیس اور ان کے شاگرد حضرت ابراہیم نخعی ہیں اور ابراہیم نخعی کے شاگرد سیدنا حماد ہیں اور حضرت حماد کے شاگرد امام ابوحنیفہ ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اے عبداللہ بن مسعود! کروڑوں سلام ہوں آپ پر، آپ نے جو علم حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو دیا اس کا تصور بھی ہمارے ذہن میں نہیں آ سکتا، اور یہ علم وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی سینہ مبارک سے جو علم حضرت ابن مسعود نے حاصل کیا، اس علم سے آپ نے حضرت علقمہ کا سینہ روشن کردیا اور اے علقمہ! آپ پر کروڑوں سلام ہوں کہ آپ نے اس علم سے ابراہیم نخعی کے سینے کو منور کردیا اور اے ابراہیم نخعی کروڑوں سلام ہوں آپ پر کہ آپ نے حضرت حماد کے سینے کو علم کا خزینہ بنادیا اور اے حماد کروڑوں سلام ہوں آپ پر کہ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہ کو اپنی مسند علم پر بٹھادیا۔ میرے دوستو یہ ہیں وہ اہل علم جن کے لیے قرآن نے کہا انما یخشی اللہ من عبادہ العلمو۔

اے امام ابوحنیفہ کو ضعیف السند کہنے والو! میں تمہیں بتادینا چاہتا ہوں کہ آج تمہیں کتنا ہی فخر کیوں نہ ہو اپنی محدثیت پر لیکن تم امام ابوحنیفہ کے دربانوں کی گردراہ کو بھی نہیں پاسکتے، کیونکہ ابوحنیفہ تو ایسے قوی السند تھے کہ دنیا تو سند حدیث میں ضبط کتاب پر اعتماد کرتی ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تک ضبط حافظہ سے کوئی حدیث روایت نہ کرے ہم اعتبار نہ کریں گے۔

ارے تم نے انہیں اہل الرائے کہہ کر ان پر طعن کیا، مگر میں تو رائے کو برا نہیں سمجھتا۔ میں تو اس رائے کو برا سمجھتا ہوں جو اللہ کے فرمان کی مقابل ہو، ایسی رائے یقیناً مذموم ہے کیونکہ وہ سیدھا دوزخ کا راستہ ہے لیکن میں تمہیں بتادینا چاہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی وہ رائے نہ تھی بلکہ امام ابوحنیفہ کی رائے وہ تھی جو جنت کا راستہ دکھاتی، توحید کی راہیں روشن کرتی اور بارگاہ رسالت کی طرف رہنمائی کرتی تھی۔ جو امام ابوحنیفہ پر اس لیے طعن کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی رائے سے کیوں کہا، تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجتہد کو اپنی رائے سے کہنے کا حق ہے۔ اگر امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کی بنا پر تم انہیں اہل الرائے کہتے ہو اور اس اجتہاد پر انہیں مطعون کرتے ہو تو پھر تمہارا یہ طعن تو نعوذ باللہ بارگاہ رسالت تک پہنچے گا۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اجتہاد فرمایا تھا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ آپ تو وہ مقدس ہستی ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ بارگاہ نبوت کی اداؤں کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا چنانچہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہ فرماتے تو اجتہاد کے جواز کے لیے دلیل کہاں سے آتی؟ معلوم ہوا مجتہدین کے اجتہاد کے لیے دلیل فراہم کرنے کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود اجتہاد فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی اجتہاد کے مواقع فراہم کیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ کی جانب بھیجا اور ارشاد فرمایا:

لایصلین احد العصر الافی بنی قریظة

یعنی تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر۔

اور مسلم شریف میں یہ حدیث یوں ہے کہ:

''تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے''۔

اب دیکھیے کہ ظہر عصر کا مغائر ہے کہ نہیں ہے؟ اگر کوئی عصر کی نیت کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ہوگی؟ ہرگز نہیں ہوگی کیونکہ عصر اور ہے اور ظہر اور ہے۔ اب بنو قریظہ کی جانب جس جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بخاری میں ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر اور مسلم میں ہیں کہ تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اور حدیثوں میں یہ اختلاف ایک حقیقت ثابت ہے۔

اب امام ابوحنیفہ پر الزام لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ بتاؤ جو جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کی جانب بھیجی اس جماعت کو آپ نے ظہر کی نماز کے بارے میں فرمایا یا عصر کی نماز کے متعلق؟ بتاؤ ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے کرو گے؟ کیا رائے کے بغیر کام چلے گا؟ ہرگز نہیں، رائے کے بغیر یقیناً کام نہیں چلے گا، کیونکہ تم رائے کے بغیر دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ محدثین کے حوالے سے یہ کہو گے کہ دونوں حدیثیں تعدد واقعہ پر محمول ہیں یعنی ایک جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے بھیجا اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے اور دوسری جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا! تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ تعدد واقعہ پر کوئی دلیل لاؤ اور کوئی ایسی حدیث بھی پیش کرو، جس سے ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو ظہر سے پہلے بھیجا اور دوسری جماعت کو ظہر کے بعد بھیجا ہو لیکن دس ہزار مرتبہ بھی تم مر کر زندہ ہو جاؤ تو تعدد واقعہ پر تم حدیث نہیں لا سکتے۔ معلوم ہوا کہ محدثین نے یہ توجیہ اپنی رائے سے کی ہے اور رائے کو ہم مانتے ہیں تم نہیں مانتے۔ اگر تم پاؤں چھپاتے ہو تو سر کھلتا ہے اور سر چھپاتے ہو تو پاؤں کھلتے ہیں۔

اب ہوا یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی وقت اتنا تھوڑا رہ گیا کہ اگر بنو قریظہ پہنچتے ہیں تو عصر کی نماز قضاء ہو جاتی ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حکم یہ ہے کہ **لایصلین احدالعصر الافی بنی قریظة** یعنی تم

میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن اس صورت میں تو نماز قضاء ہو جاتی ہے اور اگر نماز پہلے ادا کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی ہوتی ہے۔ اب اس اختلاف کی صورت میں بعض صحابہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ان الصلوة كانت على المومنين كتبا موقوتاً (پ۵، النساء، آیت ۱۰۳)

بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے (ایضاً)

نماز فرض موقت ہے لہٰذا وقت سے مفر نہیں کیا جائے گا اور ہم ابھی نماز عصر ادا کریں گے تاکہ نماز وقت پر ادا ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنی جلدی چلنا کہ نماز عصر بنو قریظہ جا کر ادا کرو۔ اب اتنی جلدی نہیں چلے تو یہ ہماری غلطی ہے چنانچہ ہم نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس لیے ایک جماعت نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر ادا کی۔ مگر کچھ صحابہ نے کہا کہ قضا اور ادا تو ہم جانتے نہیں ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کریں گے کہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچے بغیر نہیں پڑھیں گے۔ اب صحابہ کی دونوں جماعتوں میں اختلاف ہو گیا کیونکہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور جب یہ دونوں جماعتیں یعنی اپنی رائے سے کام لینے والی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچیں تو حدیث میں آتا ہے کہ **فلم يعنف واحداً منهم** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی جماعت سے اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔

مجھ سے درس حدیث میں کسی طالب علم نے سوال کیا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار ناراضگی کسی جماعت کے لیے نہیں فرمایا لیکن یہ بتایئے کہ آپ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ فلاں جماعت ثواب پر تھی اور فلاں خطاء پر۔ میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میری امت میں قیامت تک اجتہاد کا سلسلہ جاری رہے گا اور لوگ قیامت تک مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کرتے رہیں گے اور ان کے اس اجتہاد کی خطاء ظاہر نہیں ہوگی۔ اس لیے آپ نے پردہ پوشی فرمائی تاکہ دونوں جماعتوں کو ان کا ثواب ملتا رہے۔ اب اللہ تعالیٰ بھی اجتہاد کرنے پر ان سے ناراض نہیں اور نہ رسول ان سے ناراض ہیں۔ اگر کوئی ناراض ہوتا ہے تو پھر ہوا کرے۔

حدیث پڑھنے والوں سے پوچھو! سند حدیث اور خصوصاً حدیث کے بارے میں امام بخاری اور امام مسلم کی آراء میں اختلاف ہے۔ امام مسلم کہتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ کا معاصر ہونا کافی ہے ہم اس کی حدیث کو قبول کر لیں گے، خواہ راوی کا مروی عنہ سے لقاء (ملاقات) ثابت ہو یا نہ ہو اور امام بخاری کہتے ہیں کہ اگر راوی عنہ کا ہم عصر ہے تو ہم ہرگز اس کی حدیث کو قبول نہیں کریں گیا وراس کے انقطاع پر محمول کریں گے جب تک کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات ثابت نہ ہو۔ اب بتاؤ کہ امام مسلم کی رائے اور ہے اور امام بخاری کی رائے اور لیکن حدیث نہ ان کے پاس ہے نہ ان کے پاس تو یہ دونوں اصحاب رائے ہوئے کہ نہیں؟

اسی طرح اصول حدیث کے علماء سے پوچھو! کیا حدیث مجرد (ایسی حدیث جس کے سلسلہ روایت کو ذکر نہ کیا گیا ہو)

کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے؟ حدیث مجرد ضعیف ہے کہ نہیں؟ اور میں خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ بخاری میں کتنی حدیثیں مجرد ہیں، لیکن چونکہ امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ یہ صحیح ہیں اس لیے تم نے ان کی صحت پر صاد کر دیا۔ امام بخاری کی رائے تمہارے نزدیک قابل قبول نہیں۔ یہ ہے سوچ کا مقام۔

پھر میں کہتا ہوں کہ ابی اسحق سے زہیر کی روایت کو امام بخاری نے صحیح مان کر اپنی جامع میں شامل فرمایا اور امام ترمذی نے اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ زہیر کا ابی اسحق سے سماع بوجہ علت خفیہ آخری عمر میں ہے، اس کے برعکس ابی اسحق سے اسرائیل کی روایت کو قبول فرماتے ہیں۔ دونوں کی رائیں مختلف ہو گئیں۔ میں حیران ہوں کہ امام ابوحنیفہ کی وہ حدیثیں جو متفق الاسانید ہیں اگر تمہارے سامنے پیش کی جائیں تو تم اس پر ضعف کا الزام لگا کر رد کر دیتے ہو اور اگر امام ترمذی منقطع اور مراسیل سے استدلال کریں تو تم خاموش بیٹھے رہتے ہو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

سن لو! میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام بخاری کی بہت سی آرا امام مسلم کے خلاف ہیں اور امام مسلم کی بہت سی آرا امام بخاری کے خلاف ہیں۔ مقدمہ ابن صلاح اٹھا کر دیکھو وہاں ان کی عبارت میں کتنی شدت پائی جاتی ہے امام بخاری کے متعلق، لیکن میں امام بخاری اور امام مسلم دونوں کا احترام کرتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں، اور ان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ آپ کی عظمتوں کے سامنے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں اور اے امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ آپ کی بارگاہ میں بھی ہماری عقیدتیں سرنگوں ہیں لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ تمام محدثین سرنگوں ہیں۔ بارگاہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ میں کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم کو اگر تم مجتہد بھی قرار دو گے تو سوائے علم حدیث کے ان کا اجتہاد کسی اور مقام پر نہیں پہنچے گا۔ اور اے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ! آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں کہ آپ نے اجتہاد فرما کر ہدایت کی راہوں کو روشن کر دیا، کیونکہ آپ تو تفسیر میں بھی مجتہد ہیں، آپ تو کلام میں مجتہد ہیں، آپ تمام علوم دینیہ میں مجتہد ہیں، علی الاطلاق مجتہد ہیں۔ اب بتاؤ جو ایک علم میں مجتہد ہو اس کی رائے کو تو مجتہد کی رائے کہہ کر تسلیم کرتے ہو اور جو مجتہد مطلق ہو اس کے اجتہاد کو غلط کہہ کر طعن کرتے ہو۔

؎ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

ارے امام ابوحنیفہ پر طعن کرنے والو! میں تم سے اگر خدا کے واحد ہونے کا معنی پوچھ لوں تو تم نہیں بتا سکتے۔ تم کیا جانو توحید کیا ہے؟ دیکھیے! قرآن نے کہا والھکم الله واحد (پ ۲، البقرة آیت ۱۶۳) یعنی تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے۔ اب آپ بتائیے اللہ کو واحد مانتے ہو یا نہیں مانتے؟ اور واحد کے معنی ہیں ایک، لیکن ایک بھی تو لفظ ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ چنانچہ لفظ واحد پر علماء نے بحث کی اور انہوں نے کہا کہ واحد کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں ایک ہے "واحد عددی" ایک ہے "واحد جنسی" اور ایک ہے "واحد نوعی"

۱۔ واحد عددی کا معنی ہے الواحد نصف الاثنین یعنی دو کا آدھا ایک ہوتا ہے (ہاتھ کے اشارے سے فرمایا) یہ دو

ہیں ان دو کا آدھا ایک ہے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ والھکم الله واحد کا کیا معنی کرو گے؟ دو خداؤں کا آدھا؟ تو پہلے دو خدا مانو پھر اس کا آدھا مانو تو پھر ایک کہو۔ اب ہے کوئی دو خداؤں کو ماننے والا؟

۲۔ واحد جنسی کا معنی ہے کہ جس کی جہت وحدت جنس ہوں جیسے میں کہوں الحیوان واحد یعنی حیوان ایک ہے خواہ وہ گدھا ہو یا گھوڑا، بکرا ہو کہ ہاتھی کیونکہ حیوانیت جنس ہے اور وہ سب میں قدر مشترک ہے، مگر جنس تو فصل کے بغیر ہوتی نہیں اور جہاں جنس ہوتی ہے وہاں فصل بھی ضرور ہو گی۔ اب بتاؤ خدا کو کیا کہو گے؟ کیا خدا کی کوئی جنس ہے؟ اگر جنس نہیں ہے تو پھر واحد جنسی کیسے کہو گے؟ خدا تعالیٰ چونکہ جنس سے پاک ہے اس لیے خدا کو واحد جنسی بھی نہیں کہہ سکتے۔

۳۔ واحد نوعی واحد کی تیسری قسم ہے یعنی ایسا واحد کہ جس کی وحدت مستفاد ہو جہت نوع سے، جیسے الانسان واحد یعنی انسان ایک ہے، خواہ کہیں کا رہنے والا ہو، مغرب کا ہو یا مشرق کا، نیک ہو یا بد کیونکہ انسان نوع ہے اور اس کی دو ذاتیات ہیں، "حیوان اور ناطق" دونوں کو ملاؤ تو انسان بنتا ہے۔ اب نوع بنتی ہے جنس اور فصل کو ملا کر، مگر جنس اور فصل جہاں ملے گی وہاں ترکیب ہو گی اور جہاں ترکیب ہو گی وہاں حدوث ہو گا۔ اب بولو خدا حادث ہے یا قدیم ہے، یقیناً خدا تو قدیم ہے لہٰذا خدا تعالیٰ واحد نوعی بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ نوع سے پاک ہے۔

اب بتاؤ! والھکم اله واحد کے کیا معنی کرو گے۔ وہ خدا ایک ہے مگر کیسا ایک ہے؟ وہ عدد کے اعتبار سے ایک ہے؟ جنس کے اعتبار سے ایک ہے یا وہ نوع کے اعتبار سے ایک ہے؟ ارے نہیں بتا سکتے۔

یہاں پھر تمہیں چوتھی بات کہنی پڑے گی اور وہ رائے سے کہنی پڑے گی اور کہنے والوں نے کہا کہ والھکم اله واحد، تمہارا الٰہ تو الٰہ واحد ہے، اس میں واحد کا لفظ حق ہے اور اس کے معنی بھی حق ہیں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ دو کا آدھا ایک ہے یا اس کی جنس ایک ہے یا اس کی نوع ایک ہے، بلکہ اس واحد سے مراد ایسا واحد ہے جس کی جہت وحدت عین ذات ہو اور وہ ازلاً ابداً بااقتضائے ذات ایک ہو، جس کا ایک ہونا ازلاً ابداً اور وجوباً ہو اور وہ کسی مرجح کی ترجیح کا محتاج نہ ہو۔

اب بتاؤ! واحد کا یہ معنی تم کہاں سے لاؤ گے؟ کوئی قرآن کی آیت پڑھو کہ واحد کے یہ معنی ہوں یا کوئی حدیث لاؤ جس میں واحد کے یہ معنی درج ہوں۔ اللہ اکبر پتہ چلا کہ تم تو توحید کے مسئلہ میں بھی رائے کے بغیر زبان نہیں کھول سکتے۔

ارے تم امام ابوحنیفہ کو اہل الرائے کہتے ہو، میں کہتا ہوں کہ یہ رائے تو اجتہاد ہے اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے اجتہاد فرمایا اور اسی لیے فرمایا کہ اجتہاد کے جواز پر دلیل قائم ہو جائے اور پتا چل جائے کہ مجتہد کا اجتہاد عین دین ہے، کیونکہ یہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا اس کے لیے اصل ہے، اور اسی لیے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کا موقع فراہم کیا۔ اگر اجتہاد نہ ہو تو دین چل نہیں سکتا کیونکہ ہزاروں مسائل ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ قرآن و حدیث میں بالوضاحت ان کا ذکر نہیں ہے۔ مثال کے طور پر

ایک شخص نے بغیر چشمے کے ایک واقعہ دیکھا، دوسرے نے چشمہ لگا کر اور تیسرے شخص نے دور بین لگا کر اسی واقعہ کو دیکھا۔ اب بتاؤ چشمہ کے بغیر دیکھنا، چشمہ لگا کر دیکھنا اور دور بین کی مدد سے دیکھنا تینوں کا حکم ایک ہے یا کوئی فرق ہے؟ کسی نے کسی چیز کو بالمشافہ دیکھا، کسی نے اسے عکس کی صورت میں دیکھا، کسی نے پانی میں عکس دیکھا اور کسی نے آئینہ میں عکس دیکھا، ایک نے بالواسطہ دیکھا اور دوسرے نے بلاواسطہ دیکھا۔ اب دیکھنا ان تمام میں مشترک ہے لیکن بتایئے ان سب کا حکم ایک ہے یا الگ الگ؟ اگر کہتے ہو کہ ان سب کا حکم ایک ہے تو میں کہوں گا تم رائے سے کہتے ہو اس کے لیے قرآن وحدیث سے کوئی دلیل لاؤ اسی طرح ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے کا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر تم کہتے ہو ہوگی تب بھی دلیل لاؤ اور اگر کہتے ہو نہیں ہوگی تب بھی دلیل دینا ہوگا۔ لیکن سن لو تم جو کچھ بھی کہو گے اپنی رائے سے کہو گے اور دس ہزار بار تم پر قیامت قائم ہو جائے تم اجتہاد کے بغیر دلیل نہیں لا سکتے اور اگر لاؤ گے تو امام ابوحنیفہ کے محتاج ہو کر رائے سے دلیل لاؤ گے۔

میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہر جگہ یہ کہتے پھرتے ہو کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تم کیوں کرتے ہو؟ یہ بدعت ہے۔ اسی طرح جس کام کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہ ہو تو کہتے ہو بدعت ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ احادیث نقل کرنے سے پہلے محدثین نے جو طریقہ اختیار کیا ہے اسے کس خانہ میں رکھو گے؟ مثلاً امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں کوئی حدیث درج نہیں کی۔ مگر پہلے میں نے غسل کیا اور دو رکعت نفل پڑھے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ مقدمہ فتح الباری میں نقل کرتے ہیں قال البخاری ماکتبت فی کتاب الصحیح حدیثًا الااغتسلت قبل ذلک اوصلیت رکعتین۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اس فعل پر کوئی دلیل لاؤ۔ کوئی حدیث پیش کرو جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جب میری کوئی حدیث نقل کرو تو دو رکعت نفل پڑھ لیا کرو۔ اب بتاؤ حدیث درج کرنے کا یہ طریقہ کہیں قرآن میں آیا ہے؟ یا کسی حدیث میں آیا ہے؟ معلوم ہوا کہ حدیث درج کرنے کا یہ طریقہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی رائے سے اختیار کیا اور جس کام کے لیے قرآن وحدیث میں کوئی دلیل نہ ہو تم کہتے ہو کہ بدعت ہے۔ اب بتاؤ کہ امام بخاری کا یہ عمل تم کس خانہ میں رکھو گے؟

لوگوں نے کہا کہ امام حافظ شمس الدین ذہبی رحمتہ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں امام ابوحنیفہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اللہ اکبر! میں پوچھتا ہوں کہ امام ذہبی کی یہی ایک تصنیف ہے؟ ارے تذکرۃ الحفاظ کا مصنف بھی تو ذہبی ہے، اس تذکرۃ الحفاظ میں ذرا امام صاحب کا تذکرہ تو دیکھو خدا کی قسم ایمان تازہ کر دینے والا تذکرہ ہے اور پھر اسی تذکرہ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں تو میں ابوحنیفہ کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھ سکا میں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب میں ایک

مستقل رسالہ لکھ دیا ہے۔ حیرت ہے کہ پھر بھی یہ امام ذہبی پر تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام نسائی کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک امام ابوحنیفہ ضعیف السند ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جس امام کا دعویٰ یہ ہو کہ ضبط صدر کے بغیر ہم کسی کی روایت قبول نہیں کریں گے، اس پر یہ الزام کہ وہ ضعیف السند تھے کس قدر افسوس ناک ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ جو اہل حدیث نہ ہو وہ اہل سنت نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج تک مسلک کے اعتبار سے کسی کو اہل حدیث نہیں کہا گیا۔ اگر اہل حدیث کہا گیا تو محض فن کے اعتبار سے کہا گیا ہے، جیسے علم اصول والوں کو اہل علم اصول کہا گیا، لکھنے والوں کو اہل قلم کہا گیا، منطق کا علم رکھنے والوں کو اہل منطق کہا گیا، اسی طرح فقط محدثین یعنی حدیث کا علم رکھنے والوں کو اہل حدیث کہا گیا، لیکن خدا کی قسم مسلک کے اعتبار سے آج تک کوئی اہل حدیث نہیں ہوا۔ جن کے بارے میں بھی اہل حدیث کہا گیا ہے وہ محض فن کے اعتبار سے اہل حدیث کہا گیا کیونکہ اگر حدیث مسلک کی بنیاد ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی نہ فرماتے بلکہ علیکم بحدیثی فرماتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تو پتا چلا کہ مسلک کی بنیاد حدیث نہیں ہو سکتی بلکہ مسلک کی بنیاد سنت ہے۔

اور میں عرض کر دوں کہ حدیث پر تم عمل نہیں کر سکتے کیونکہ حدیث مطلقاً قابل عمل نہیں ہے بلکہ سنت قابل عمل ہے۔ دیکھیے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا وہ حدیث ہے، جو کیا وہ حدیث ہے اور جو آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا وہ حدیث ہے لیکن آپ حدیث کو اپنے عمل کی بنیاد قرار نہیں دے سکتے کیونکہ حدیثوں میں تو اختلاف ہے، حدیثوں میں تعارض بھی ہے جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی، ان میں ناسخ ومنسوخ بھی ہیں۔ اس لیے حدیث قابل عمل نہیں ہے بلکہ اگر عمل کرنا ہے تو سنت پر کریں گے کیونکہ سنت قابل عمل ہے۔ اگر کوئی عمل بالحدیث کا مدعی ہے تو میں بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں کوئی آئے اور اس پر عمل کر کے دکھائے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے

کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت زینب بنت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ اپنی نواسی امامہ کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے۔ اب بتایئے بخاری شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی کو گود میں لیے نماز پڑھتے تھے۔ تو اب ذرا اس حدیث پر عمل کر کے دکھاؤ اور اپنی نواسیوں کو گود میں لے کر نماز پڑھا کرو، اور اگر اپنی نہ ہو تو کسی کی اٹھا لاؤ کیونکہ نواسی کے بغیر تو حدیث پر عمل نہیں ہوگا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت کے طریقے اپنائے کیا تم وہ طور طریقے اختیار کر سکتے ہو؟ یقیناً نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا بلکہ سنت پر عمل ہو سکتا ہے اور سنت وہ ہے جسے میرے آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلوک فی الدین قرار دیا ہو یعنی دین پر چلنے کا راستہ بتا دیا ہو۔ اسی لیے آپ نے علیکم بحدیثی نہیں فرمایا بلکہ علیکم بسنتی فرمایا۔ لہٰذا ہم اہل حدیث نہیں بلکہ ہم اہل سنت

ہیں، اور میں یہ بتاؤں کہ دنیا میں دوثلث (تہائی) حنفی ہیں اور یہی سواد اعظم ہیں۔ اب بچ بتاؤ حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اکثریت جس جانب ہوگی وہ حق ہوگا یا معمولی سی اقلیت حق پر ہوگی۔ اور اے آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی عظمتوں پر قربان جاؤں کہ آپ نے دین کو اتنا کامل اور روشن کر کے ہمارے سامنے رکھا اور فرمایا ترکتکم علی الواضحة لیلها کنهارها ۔ یعنی تمہیں ایسی راہ پر چھوڑے جارہا ہوں جس کا دن رات واضح ہے، تم آنکھیں بند کیے چلے آؤ مگر راہ نہ چھوٹے۔

انتہائی تھکان اور کمزوری کے باعث میری طبیعت انتہائی ناساز ہے اس لیے ان ہی کلمات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ میں دلائل کا اتنا انبار لگا دیتا کہ آپ سن نہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راہ نہ چھوٹے جس پر تیرے نیک بندے گامزن ہیں۔ وماعلینا الاالبلاغ المبین

☆☆☆☆☆

علمِ حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار کتابیں

از: علامہ مفتی محمد اشرف قادری مرازیاں شریف گجرات

ا۔ کتاب الآثار:

امام اعظم نے حدیث میں یہ کتاب اس زمانے میں تالیف فرمائی جب کہ احادیث کی قدیم ترین مروجہ کتابیں مثلاً موطا امام مالک، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند طیالسی وغیرھم بھی وجود میں نہ آئی تھیں، امام اعظم نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کر کے تصنیف فرمایا اس میں شک نہیں کہ صحابہ وتابعین کے زمانے میں کئی ایک مجموعے متفرق احادیث پر مشتمل معرض وجود میں آچکے تھے مگر ان میں ترتیب ابواب فقہی وتہذیب فنی نہ تھی، دنیا کی اولین کتاب حدیث جس میں علمِ شریعت کو فقہی ابواب کی ترتیب پر مدون کیے جانے کا شرف حاصل ہے وہ امام اعظم کی کتاب کتاب الآثار ہے پھر سب سے پہلے امام مالک نے موطا کی ترتیب میں امام اعظم ابوحنیفہ کا اتباع کیا، پھر تمام آئمہ فقہاء ومحدثین نے سنن واحکام کی تقریباً تمام کتابوں کی تصنیف میں انہی کی فقہی ترتیب کا سلوب اختیار کیا۔ کتاب الآثار کو امام اعظم سے ان کے تیرہ لائق شاگردوں نے نقل وروایت کیا جن میں ہر ایک علم فقہ وحدیث میں آفتاب وماہتاب ہے۔

(۱) امام زفر بن ہذیل (۲) قاضی القضاۃ امام ابو یوسف یعقوب (۳) امام محمد بن حسن الشیبانی (۴) امام حسن بن زیاد اللولوی (۵) امام حماد بن امام ابوحنیفہ (۶) امام محدث محمد بن خالد الوہبی (۷) امام عبداللہ بن المبارک (۸) امام حفص بن غیاث القاضی (۹) شیخ الاسلام عبداللہ بن یزید المقری (۱۰) امام محدث وکیع ابن الجراح استاذ امام شافعی (۱۱) محدث حماد بن زید (۱۲) شیخ محدث خالد الواسطی (۱۳) امام فقیہ ومحدث اسد بن عمرو، ان نسخوں میں سے دو نسخے کتاب کتاب الآثار الشیبانی اور کتاب الآثار بروایت امام ابو یوسف چھپ کر شائع بھی ہو چکے ہیں۔

چنانچہ امام محدث وفقیہ علامہ علی بن سلطان محمد القاری امام حافظ محمد بن سماعہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

" ان الامام ذکر فی تصانیفه
نیفاً وسبعین الف حدیث، وانتخب

الآثار من اربعین الف حدیث"

ترجمہ: بے شک امام اعظم نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد حدیثیں بیان کیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا۔

(مناقب الامام الاعظم للقاری بذیل الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیه ج ۲ ص ۴۷۴ طبع مصر)

شیخ موفق بن احمد المکی نے محدث کبیر، امام شمس الائمہ ابی بکر بن محمد زرنجری بخاری سے نقل فرمایا کہ۔

وانتخب ابو حنیفة رحمه الله الآثار من اربعین الف حدیث

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا۔"

(مناقب الامام الاعظم للموفق ج ۱ ص ۹۵ طبع دکن)

امام محدث قاضی محمد عبداللہ ابی العوام اپنی کتاب "اخبار ابی حنیفہ" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

" حدثنی یوسف بن احمد الملکی ثناء محمد بن حازم الفقیه ثناء محمد بن علی الصائغ بمکه ثناء ابراهیم بن محمد عن الشافعی عن عبدالعزیز دراوردی قال کان مالک بن انس ینظر فی کتب ابی حنفة وینتفع بها "۔

(تعلیقات المحدث الکوثری علی الانتقاء فی فضائل الثلاثة الفقهاء ص ۱۴ مطبوعه مصر)

ترجمہ: مجھ سے یوسف بن احمد کی نے بیان کیا" انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن حازم فقیہ نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن علی الصائغ نے مکہ میں بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابراہیم بن محمد نے بیان کیا، وہ امام شافعی سے راوی کہ حضرت عبدالعزیز الدراوردی نے کہا کہ امام مالک بن انس، امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے استفادہ کرتے۔

امام المحدثین علامہ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں۔

" من مناقب ابی حنیفة التی انفرد بها انه اول من دون علم الشریعة ورتبه ابوابا ثم تابعه مالک بن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق اباحنیفة احد، لان الصحابة والتابعین لم یضعوا فی علم الشریعة ابواباً مبوبة ولا کتبا مرتبة وانما کانوا یعتمدون علیٰ قوة حفظهم فلما رأی ابوحنفیة العلم منتشراً وخاف علیه الضیاع دونه فجعله

ابوابا وبدأ بالطهارة ثم بالصلاة ثم بسائر العبادات ثم المعاملات ثم ختم الکتاب بالمواریث ...... وهو اوّل من وضع کتاب الفرائض و کتاب الشهود (۱) لهذا قال الشافعی : الناس عیال علی ابو حنیفه فی الفقه

(تبییض الصحیفة بمناقب الامام ابی حنیفه ذیل کشف الاستار ص ۱۳۳ مطبوعه میر محمد کراچی)

(۱) وفی نسخة "کتاب الشروط" مکان الشهود وهو الاصح عندالنظر ۱۲ .

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کی ان خوبیوں سے جو صرف آپ ہی کی ذات میں پائی جاتی ہیں، ایک خوبی یہ بھی ہے کہ آپ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے (اپنی کتابوں میں) علم شریعت کو مدون کیا اور اسے ترتیب وار بابوں میں مرتب فرمایا پھر امام مالک بن انس نے "موطاء" کی ترتیب میں امام اعظم کی ترتیب کی پیروی کی، اور اس بات میں امام ابوحنیفہ پر کسی شخص کو سبقت حاصل نہیں، اس لیے کہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہ تو علم شریعت کو بابوں میں تقسیم کیا تھا، اور نہ ہی فقہی مسائل کی ترتیب پر کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ وہ اپنی قوتِ حافظہ پر ہی اعتماد کرتے تھے۔ تو جب امام ابوحنیفہ نے علم (حدیث وسنن) کو بے ترتیب، منتشر حالت میں پایا اور یوں اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ محسوس کیا تو آپ نے اسے مدون کر کے (ہر نوع کے مسائل کی احادیث و آثار کو ان کے متعلقہ) ابواب میں ترتیب وار رکھ دیا۔

طہارت کے باب سے آغاز کیا، پھر نماز کے ابواب، پھر باقی عبادات سے متعلقہ ابواب اور پھر معاملات سے متعلق بابوں کو بیان کیا، یہاں تک کہ اپنی کتاب (کتاب الآثار کے فقہی ابواب) کو میراث کے ابواب پر ختم فرمایا۔ امام ابوحنیفہ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے "کتاب الفراض" اور "کتاب الشہود" (یا کتاب الشروط) کو وضع (مدون و مرتب) فرمایا اسی لیے امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فقہ میں تمام لوگ امام ابوحنیفہ کے محتاج و نیاز مند ہیں۔"

امام فقیہ و محدث حافظ عبدالقادر القرشی "امام یوسف بن قاضی ابو یوسف" کے ترجمہ میں تحریر کرتے ہیں۔

" روی " کتاب الآثار " عن ابیه عن ابی حنیفة وهو مجلد ضخم "

(الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیه ج ۲ طبع مصر صفحه ۳۲۵)

ترجمہ: امام یوسف نے اپنے والد (قاضی القضاۃ ابو یوسف) سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے

''کتاب الآ ثار'' کو روایت کیا ہے اور وہ ایک ضخیم جلد ہے۔

اور امام حافظ علامہ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی لکھتے ہیں۔

والموجود من حديث ابى حنيفة مفرداً انما هو " كتاب الاثار " التى رواها محمد بن الحسن عنه (مقدمہ تعجیل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الاربعة ص ٣)

ترجمہ: اور اس وقت امام ابوحنیفہ کی حدیث میں مستقل کتاب موجود ہے، وہ ''کتاب الآ ثار'' ہے جسے امام محمد بن حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ''کتاب الآ ثار'' کے اس نسخے میں جن راویوں سے احادیث و آ ثار لیے گئے ہیں، ان کے تراجم و حالات میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک مستقل کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے، جس کا نام "الايثار بمعرفة رواة الآثار " ہے فجزاه الله تعالىٰ احسن الجزاء

امام محدث عبداللہ بن المبارک جو کہ باتفاق علماء جلیل الشان آئمہ حدیث میں سے ہیں، انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک قصیدہ تصنیف فرمایا۔ اس قصیدے میں ''کتاب الآ ثار'' کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"روى آثاره ، فاجاب فيها، كطيران الصقود من المنيفه ، فلم يكن بالعراق له نظير، ولا بالمشرقين ولا بالكوفه" (مناقب الامام اعظم الموفق ج ٢ ص ١٩٠)

ترجمہ: انہوں نے اپنی کتاب الآ ثار کو روایت کیا تو اس تیزی کے ساتھ رواں ہوئے جیسے بلند چوٹی سے شکرے (شکار کے لیے) اڑتے ہیں تو نہ تو ان کی عراق میں کوئی نظیر ہے اور نہ مشرق و مغرب میں اور نہ کوفے میں۔''

۲۔ مسانید الامام الاعظم:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں تصنیف کا یہ طریقہ بالعموم مروج تھا کہ شیخ (استاذ) جن احادیث و آ ثار کا دوران درس و مذاکرہ علمی بیان کرتا اس کے شاگرد ان سے روایت کر کے شاگردوں کے شاگرد (وان سفلوا) ان روایات کو شیخ کے شیوخ کے اسماء کی ترتیب پر جمع و مرتب کر لیتے، اور وہ کتاب اس شیخ کے مسند کے نام سے مشہور ہو جاتی، چنانچہ اسی طریقہ سے امت کے جلیل الشان محدثین نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سترہ (۱۷) ''مسانید'' مرتب فرمائی ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی ''مسند

شافعی'' سے بلحاظ حجم کم نہیں، ان میں سے پندرہ مسانید کی تلخیص اور فقہی ابواب پر ترتیب کر کے امام محدث وفقیہ محمد بن محمود الخوارزمی نے '' الجامع لمسانيد الامام الاعظم'' کے نام سے شائع کی تھی، اور یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہے۔

امام ربانی شیخ عبدالوہاب الشعرانی الشافعی رقمطراز ہیں۔

وقدمن الله تعالىٰ على بمطالعة مسانيد الامام ابى حنيفة الثلاثة من نسخة صحيحة عليها خطوط الحفاظ آخرهم الحافظ الدمياطي، فرأيته لايروى حديثا الاعن خيار التابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون بشهادة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كالاسودو علقمة وعطاء وعكرمة ومجاهدومكحول والحسن البصرى واضراهم رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين فكل الرواة الذين بينه و بين رسول الله ﷺ عدول ثقات اعلام اخيار ليس فيهم كذاب ولا متهم بكذب "

(ميزان الشريعة الكبرى ج ١ صفحه ٥٥ مطبوعه قديم مصر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے امام ابوحنیفہ کی مسانید ثلاثہ کے مطالعہ کی توفیق بخشی، ان کے صحیح نسخوں سے کہ جن پر حفاظ محدثین کے ہاتھوں کی تصدیقی تحریریں ثبت ہیں، ان میں سے آخری تحریر حافظ دمیاطی کی ہے تو میں نے دیکھا کہ امام صاحب نہیں روایت کرتے مگر بہترین، عدول اور ثقہ تابعین سے جن کے بارے میں خیر القرون ہونے کی گواہی جناب رسول اللہ ﷺ نے دی، جیسے حضرت اسود حضرت علقمہ، حضرت عطاء حضرت عکرمہ، حضرت مجاہد، حضرت مکحول اور حضرت حسن بصری اور ان کے امثال رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو امام اعظم اور حضرت رسول اکرم ﷺ کے درمیان جتنے راوی ہیں سب کے سب عادل، ثقہ، بلند پایہ آئمہ مشاہیر و اخیار امت سے ہیں، جن میں نہ تو کوئی کذاب ہے اور نہ ہی ایسا کہ جس کی طرف کذب کی نسبت کی جا سکے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

" مسند ابى حنيفة و آثار امام محمد كه مبانئے فقه حنفيه است"

(قرة العينين فى تفضيل الشيخين صفحه ١٧١ طبع مكتبه سلفيه لاهور)

ترجمہ: فقہ حنفیہ کی بناء 'مسند ابی حنفیہ' اور ''کتاب الآ ثار' بروایت امام محمد پر ہے۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۵ پر علامہ شاہ ولی اللہ نے ''کتاب الآ ثار' بروایت امام محمد اور ''مسند ابی حنیفہ'' احناف کی اُمہات الکتب سے شمار کیا ہے۔ ومن شاءفليراجعه،

فقہ کیا ہے؟

از: رئیس التحریر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ (انڈیا)

لغت میں فقہ کے معنی ہیں الشق والفتح یعنی شق کرنا اور کھولنا۔ اسی بنیاد پر زمخشری نے فقیہ کی تعریف یہ کی ہے۔

الفقيه العالم الذى يشق الاحكام ويفتش عن حقائقها

فقیہ وہ عالم دین ہے جو شریعت کے احکام کو کھولتا ہے اوران کے حقائق کی تفتیش کرتا ہے۔

شرح مسلم الثبوت میں فقہ کی تعریف یہ کی گئی ہے الفقه حكمة شرعية فرعية یعنی فقہ اس حکمتِ شرعیہ کا نام ہے جس کا تعلق عقائد سے نہیں بلکہ احکام سے ہے۔

عام فقہاء سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے:

العلم بالا حكام الشرعية عن ادلتها التفصيلية (توضيح)

احکامِ شرعیہ کو معلوم کرنا ان کے تفصیلی دلائل کے ذریعہ

صاحبِ مسلم الثبوت کی صراحت کے مطابق عہدِ قدیم میں علمِ فقہ کا اطلاق وسیع مفہوم میں ہوتا تھا۔ یعنی اس کے دائرۂ بحث میں علمِ شریعت کے علاوہ علمِ الہیات اور علمِ طریقت کے مسائل بھی شامل تھے۔

موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔

ان الفقه فى الزمان القديم كان متنا ولا لعلم الحقيقة وهى الالهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهى مباحث المنجيات و المهلكات وعلم الشريعة الظاهرة (مسلم الثبوت)

علمِ فقہ زمانۂ قدیم میں شامل تھا علمِ حقیقت کو بھی جسے علمِ الہیات بھی کہتے ہیں، اور جس میں خدا کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے، اور شامل تھا علمِ طریقت کو بھی جس میں نجات دینے والے اور ہلاک کرنے والے امور سے بحث ہوتی ہے، اور شامل تھا علمِ شریعت ظاہرہ کو بھی جس میں احکام سے بحث ہوتی ہے۔

جس عہد میں فقہ کے مباحث کا دائرہ اتنا وسیع تھا اس وقت فقہ کی تعریف یہ کی جاتی تھی۔

الفقه معرفة النفس مالها وما عليها

انسان کے فرائض وحقوق اور منافع ومضار کو جاننا علمِ فقہ کہلاتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب کا نام "فقہ اکبر" غالباً اسی اصطلاح کے نتیجے میں ہے۔

ایک عرصہ دراز تک علمِ فقہ کا اطلاق اسی مفہوم میں ہوتا رہا لیکن اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب دنیا کی مختلف اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات قائم ہوئے تو علوم وفنون کے تبادلے کا ایک نیا دور شروع ہوا، اس دور میں یونانی فلسفہ کے اثرات بھی دینی مباحث میں داخل ہو گئے، اور جب وقت کے تقاضے کے مطابق عقائد وایمانیات کو عقلی دلائل سے مسلح کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی تو عقائد کے مباحث نے "علم کلام" کے نام سے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کرلی اس کے بعد فقہ کا مفہوم "علم شریعت ظاہرہ" میں محدود ہو گیا۔

لیکن حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گراں قدر تصنیف "احیاء العلوم" میں ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان کیے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہزار انفرادیت کے باوجود فقہ پر علم طریقت کو اثر انداز رہنا چاہیے، ایک فقیہ کے اوصاف کے سلسلے میں امام غزالی کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے۔

فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے مسلمانوں کا اجتماعی مفاد ہروقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفاتِ نفسانی کی تاریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو، راہِ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر وحضر اور جلوت وخلوت میں ہروقت دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ ہو۔ (احیاء العلوم جلد)

فقہ کی بنیاد قرآن میں: فقہ کا فن عقلی علوم وفنون کی طرح خود ساختہ نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث میں اس کی بنیادیں موجود ہیں، قرآن کے ساتھ علمِ فقہ کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ فقہ کا لفظ بھی قرآن ہی سے لیا گیا ہے ویسے تو جگہ جگہ قرآن میں تدبر، تفکر، تعلق اور شعور وادراک کی دعوت عام ہے۔

لیکن ایک آیتِ کریمہ میں قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ اہلِ ایمان کو تفقہ کی دعوت دی ہے۔ وہ آیتِ کریمہ یہ ہے۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (پ ۱۱، التوبۃ، آیت ۱۲۲)

ترجمہ: تو کیوں نہ ہو کہ اُن کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

واضح رہے کہ جس علم سے دین میں تفقہ پیدا ہوتا ہے اسی کا نام علم فقہ ہے کیونکہ فقہ ایک ایسا فن ہے جس کا تعلق بے شمار علوم وفنون سے ہے، تفصیل آگے آرہی ہے، ایک حدیث کے مطابق قرآن کی اس آیت کریمہ میں بھی فقہ کی بنیاد ہمیں ملتی ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (پ ۳، البقرۃ، آیت ۲۶۹)

ترجمہ: جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

حدیث میں فقہ کی بنیاد: حضور اکرم سید عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (رواہ البخاری)

اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے۔

دوسری حدیث مشکوۃ المصابیح کتاب العلم میں ہے کہ ایک موقعہ پر حضور پُر نور ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ان رجالا یاتونکم من الارض یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بہم خیرا (کتاب العلم مشکوۃ المصابیح)

زمین کے مختلف خطوں سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے تاکہ دین میں تفقہ حاصل کریں، جب وہ تم سے ملیں تو تم انہیں خیر کی وصیت کرنا۔

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ غیب کی خبر بھی ہے اور علم فقہ کی شرعی اہمیت کا اظہار بھی، فقہ کا علم سیکھنے کے لیے دنیا کے کونے کونے سے صحابہ کرام کے گرد تاریخ کے آئینے میں پروانوں کی جو بھیڑ ہم دیکھتے ہیں وہ حضور انور ﷺ کے اخبار بالغیب ہی کی واقعاتی تصویر ہے۔

فقہ کی ضرورت: ویسے تو قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا نصوص ہی اس امر کے ثبوت کے لیے بہت کافی ہیں کہ مسلمانوں کو فقہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ضرورت نہ ہوتی تو دین میں تفقہ حاصل کرنے کی دعوت کیوں دی جاتی، لیکن چونکہ ایک طبقہ شدت کے ساتھ فقہ کی ضرورت کا منکر ہے، اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ ذرا تفصیل کے ساتھ اس مسئلے کو منقح کردوں۔

منکرین کا کہنا ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے اور احادیث خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کا مجموعہ، قرآنی احکام میں جو اجمال ہے اس کی تفصیلات احادیث میں ہیں۔ جہاں تک شریعت

کے احکام سے باخبر ہونے کا تعلق ہے تو اس کے لیے قرآن وحدیث کے بعد اب ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہ چند انسانوں کے اقوال کا مجموعہ ہے، بندہ اور اُمتی ہونے کی حیثیت سے ہم صرف خدا اور رسول کے احکام کے پابند ہیں، اپنی ہی طرح امت کے چند افراد کی اطاعت ہمارے اوپر قطعاً مسلط نہیں کی جا سکتی شارع کی حیثیت سے بندوں پر یا تو خدا کا قول نافذ ہو سکتا ہے یا رسول کا امت کے چند افراد کے لیے تشریعی منصب تسلیم کرنا اسلام کا نہیں شرک کا تقاضا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں سب سے پہلے ہم اس خیالِ فاسد کی تردید ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی اطاعت اسلام میں شرک ہے، خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا صاف وصریح فرمان موجود ہے۔

یایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (پ ۵، النساء، آیت ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اولوالامر سے مراد خلفائے اسلام ہوں یا علمائے امت، دونوں طبقے میں سے کوئی بھی نہ خدائی کا منصب رکھتا ہے اور نہ رسالت ونبوت کا، لیکن اس کے باوجود از روئے فرمانِ خداوندی اُن کے حکم واجب الاطاعت ہیں۔

یہ آیتِ کریمہ واضح طور پر اس عقیدے کی تردید کرتی ہے کہ آئمہ مجتہدین کے اقوال کی اطاعت ہمارے ہی طرح چند انسانوں کے اقوال کی اطاعت ہے۔ بلکہ اولی الامر ہونے کی حیثیت سے ان کی اطاعت بعینہٖ اللہ کی اطاعت ہے کہ اللہ ہی کے حکم سے ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں، جس طرح آیت کریمہ مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ ۵، النساء، آیت ۸۰)

میں رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے کہ اللہ ہی نے اپنے رسول کو اپنا نائب اکبر اور مطاع الکل بنا کر بھیجا ہے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ زندگی کے بے شمار احوال وظروف میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لیے ہمیں قرآن وحدیث کے علاوہ بھی کسی اور چیز کی ضرورت ہے یا نہیں، تو اس سلسلے میں ایک بنیادی نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مصدر احکام اور منبع قانون ہونے کی حیثیت سے قرآن وحدیث ہی اصل ہیں۔ قانون وضع کرنے کا حق صرف اللہ ورسول کا ہے۔ آئمہ مجتہدین کو ہم شارع کی حیثیت سے نہیں بلکہ

قانون کے شارح کی حیثیت سے مانتے ہیں، فقہ ان مسائل وجزئیات کے مجموعہ کا نام ہے جو ایک مسلمان کو اپنی شخصی زندگی میں پیش آتے ہیں، اور جنہیں آئمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث کے اُصول وکلیات سے اخذ کیا ہے۔

اُمت پر آئمہ مجتہدین کا یہ احسان عظیم ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے فقہی احکام، قضایا اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل میں ان کے اجتہادات کا غائر نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ طریقہ اخذ کیا کہ نئے نئے حوادث میں قرآن وحدیث کے اُصول وکلیات سے احکام کا استخراج کس طرح کیا جاتا ہے۔ کون سا لفظ کتنے معنوں میں مستعمل ہے، قرآن کے نصوص سے مفہوم اخذ کرنے کا طریقہ کیا ہے، زمان ومکان، احوال وظروف اور اشخاص وطبائع کے اختلاف کا احکام پر کیا اثر پڑتا ہے، کیوں پڑتا ہے اور کب پڑتا ہے، تعبیرات اور اندازِ بیان سے حکم کی نوعیت معلوم کرنے کا ضابطہ کیا ہے، اسناد ورجال کے اعتبار سے حدیث کی قوت وضعف کا احکام پر کیا اثر پڑتا ہے، اور کس نوعیت کے احکام کس حدیث سے ثابت ہوتے ہیں۔

اس طرح کے بے شمار اصول وضوابط آئمہ مجتہدین نے سالہا سال کی عرق ریزی، غور وفکر اور چھان بین کے بعد مُرتب فرمائے جو ''اصولِ فقہ'' کے نام سے ایک مستقل فن کی صورت میں آج بھی ہماری درسگاہوں میں داخل درسیات ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ فقہ اور اصول فقہ ان دونوں فن کی کتابیں منکرین کے مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

ایک دلچسپ مکالمہ: ایک غیر مقلد صاحب جو اپنے کسی مدرسہ کے صدر مدرس تھے، ایک موقع پر ان سے بات چیت کے دوران میں نے دریافت کیا کہ جب آپ لوگ فقہ اور اصولِ فقہ کو مانتے ہی نہیں ہیں تو اپنے مدرسوں میں پڑھاتے کیوں ہیں؟ انہوں نے نہایت صفائی سے کہا کہ اصول فقہ کے بغیر قرآن وحدیث کے مطالب کا سمجھنا تو بڑی بات ہے صحیح ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکتا، اور فقہ اس لیے ہم پڑھاتے ہیں کہ وہ اصول فقہ کے کارخانے کے ڈھلے ہوئے مال ہیں جنہیں دیکھنے کے بعد صحیح اندازہ لگتا ہے کہ مال کس طرح ڈھالا جاتا ہے، میں نے کہا سچ بتایئے کیا آج کے علماء اس سے بہتر مال ڈھال سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے اعتراف کیا کہ بہتر تو کیا اس کے برابر بھی نہیں ڈھال سکتے، میں نے کہا کہ جب بہتر بھی نہیں ڈھال سکتے اور اس کے برابر بھی نہیں ڈھال سکتے تو پہلے کے ڈھلے ہوئے مال کے قبول نہ کرنے کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ حضرات اپنے عوام سے

امامِ اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بجائے اپنی تقلید کرانا چاہتے ہیں، پیشوائی کی ہوس میں آپ حضرات اپنی قرار واقعی حیثیت تک بھول گئے۔ آپ حضرات نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی ہوگی کہ امام بخاری جیسے نقاد، بالغ نظر اور مجتہد فی الحدیث امام جنہیں اسانید ورجال کی پوری تفصیلات کے ساتھ لاکھوں حدیثیں یاد تھیں وہ تو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھ سکتے اور آپ حضرات بخاری شریف کو صرف الماریوں میں رکھ کر مجتہدین بن گئے؟۔

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

فقہ کی ضرورت کے سلسلے میں بحث کا یہ گوشہ بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ قرآن حکیم میں چونکہ احکام کے صرف اصول وکلیات ہیں اس لیے قرآنی احکام کی تفصیل وتشریح کے لیے ہمیں احادیث کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن احادیث کے بارے میں بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ فرائض واحکام کی تعمیل کے سلسلے میں ایک ایک فرد کو جو احوال وواقعات پیش آتے ہیں ان ساری تفصیلات کے لیے ان میں صریح احکام موجود ہیں، شریعتِ محمدی قیامت تک کے لیے مسلمانوں پر نافذ ہے، اس لیے زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور زندگی کے مختلف ظروف واحوال میں انہیں شریعت کی طرف سے واضح ہدایت چاہیے۔ یہیں سے شخصی زندگی کے ان مسائل میں جن کے متعلق کتاب وسنت میں صریح ومنصوص احکام موجود نہیں ہیں، اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور اس طرح کے حالات میں اجتہاد کا حق علمائے امت کو خود رسول محترم ﷺ نے عطا کیا ہے۔ اور قرآن بھی مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل سے تم واقف نہیں ہو واقف کاروں سے پوچھ لو:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۷، الانبیاء، آیت ۷)

ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ پوچھنا عمل ہی کے لیے ہے، اس لیے یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ از روئے قرآن بتانے والوں کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ورنہ پوچھنا لغو ہو جائے گا۔ اور بغیر علم کے یا تو آدمی اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے گا یا بے عمل رہے گا۔

جب کتاب وسنت سے اجتہاد کی ضرورت اور اس کا جواز ثابت ہو گیا تو اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اجتہادی مسائل کے مجموعہ کا نام ہی فقہ ہے۔

فقہ کی تاریخ: عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فقہ کا فن آئمہ مجتہدین کے دور کی پیداوار ہے، یہ صریح غلطی ہے احادیث وسیر اور اسلامی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ فقہ کی بنیاد رسول اکرم ﷺ کے عہدِ میمون میں پڑ چکی تھی اس طرح ہم فقہ کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا دور: فقہ کا پہلا دور ظہورِ نبوت سے لے کر ۱۰ھ تک ہے، جسے ہم عہدِ رسالت سے تعبیر کرتے ہیں، اس عہدِ مبارکہ میں چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی منبعِ احکام اور شارعِ اسلام ہونے کی حیثیت سے صحابہ کے درمیان موجود تھی اس لیے اپنی شخصی زندگی میں جب بھی انہیں کوئی نیا مسئلہ پیش آتا وہ فوراً حضور سے دریافت کر لیتے۔ انہیں حکم معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ البتہ جب حضورِ اقدس ﷺ کسی کو عامل بنا کر باہر بھیجتے تھے تو حضور کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی تھی کہ اربابِ حل وعقد کو جب کوئی نیا مسئلہ پیش آجائے اور حکم دریافت کرنے کے لیے پیغمبر بھی سامنے موجود نہ ہوں اور قرآن وسنت سے بھی کوئی صریح ہدایت نہ ملتی ہو تو ایسی حالت میں شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لیے انہیں اجتہاد سے کام لینا چاہیے۔ اسی طرح کے واقعات سے ہمیں عہدِ رسالت میں ”فقہ اسلامی“ کی بنیاد دستیاب ہوتی ہے، علاوہ ازیں نئے نئے مسائل میں خود حضور پرنور ﷺ کے احکامات وارشادات سے بھی شریعت کا مزاج سمجھ میں آتا ہے کہ کن حالات میں شریعت کیا چاہتی ہے۔

دوسرا دور: فقہ اسلامی کا دوسرا دور کبار صحابہ کا عہدِ مبارک ہے جو ۱۱ھ کے بعد سے شروع ہو کر ۴۰ھ پر ختم ہو جاتا ہے، اسے ہم ”فقہ صحابہ“ کا دور کہتے ہیں، اس دور میں مشہور فقہاء یہ ہیں۔

حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

تیسرا دور: فقہ اسلامی کا تیسرا دور صغار صحابہ اور کبار تابعین کا ہے یہ دور ۴۱ھ کے بعد سے شروع ہو کر دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مبارک دور ہے جب کہ اسلامی اقتدار کا سورج خطِ نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ شرق وغرب اور جنوب وشمال میں دور دور تک اسلام کی

بادشاہت کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے، دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے امت کے اصحابِ علم وفضل اسلامی مفتوحات کی وسعتوں میں ہر طرف گروہ در گروہ پھیل گئے، چنانچہ اس دور کے مشہور فقہاء کے اسمائے گرامی پڑھنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ علمی اور فقہی شخصیتوں کے مراکز کم وبیش سارے اسلامی بلاد میں قائم ہو گئے تھے جہاں سے دینی علوم اور فقہی مسائل کی تدوین واشاعت کا سلسلہ ساری دنیا میں پھیل گیا تھا۔

اب ذیل میں اس دور کے مشہور فقہائے اسلام کے اسمائے گرامی بقید بلاد ملاحظہ فرمائیں۔

فقہائے مدینہ: ام المومنین حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ عروہ بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرتِ ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرتِ علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرتِ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرتِ سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرتِ نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرتِ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرتِ یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرتِ ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فقہائے کوفہ: حضرتِ علقمہ بن قیس نخعی، حضرت مسروق بن اجدع، حضرتِ عبیدہ بن عمر سلمانی، حضرت اسود بن یزید نخعی، حضرتِ شریح بن حارث کندی، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، حضرتِ سعید بن جبیر اور حضرت ماعز بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

فقہائے بصرہ: حضرتِ انس بن مالک انصاری، حضرتِ ابوالعالیہ، حضرتِ ابوالشعثاء جابر بن زید، حضرتِ محمد بن سیرین، حضرتِ حسن بن ابوالحسن، یسار اور حضرتِ قتادہ بن دعامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے شام: حضرتِ عبداللہ بن غنم اشعری، حضرتِ ابوادریس خولانی، حضرتِ قبیصہ بن ذویب، حضرتِ مکحول بن ابومسلم، حضرت رجا بن حیات کندی اور حضرتِ عمر بن عبدالعزیز بن مروان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے مصر: حضرتِ عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرتِ ابوالخیر مرشد بن عبداللہ اور حضرت

یزید بن حبیب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

فقہائے یمن: حضرت طاؤس بن کیسان جندی، حضرت وہب بن منبہ اور حضرت یحییٰ بن کثیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

فقہِ اسلامی کا چوتھا دور: فقہِ اسلامی کا چوتھا دور دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے شروع ہوکر چوتھی صدی ہجری کے تقریباً نصف تک پہنچ کر تمام ہوجاتا ہے۔

اس دور میں اسلامی فتوحات کی وسعت، مختلف اقوامِ عالم کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط، زبانوں کے تبادلے، دینی حلقوں میں یونانی علوم وفنون کی ترویج، اقطار ارض میں اسلامی علوم کی نشرو اشاعت اور مختلف تہذیبوں کے ساتھ اسلامی تمدن کے تصادم کی وجہ سے اس وقت کی دنیا ایک جہانِ نو میں تبدیل ہوگئی تھی۔ اسلامی تاریخ کا یہی وہ فرخندہ فال عہد ہے جب کہ اساطین امت کو پورے اقطار ارض میں زندگی کے نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ دین کی بقا اور کتاب وسنت کے تحفظ کے لیے نئی نئی ضرورتوں کا احساس ہوا۔ فکر ونظر کے جوہر کھلے، علم وادراک کے سینکڑوں دائرے حرکت میں آئے، نئے نئے فنون کی بنیادیں رکھی گئیں، تدوین حدیث کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مجتہدین امت کے بہت سارے حلقے وجود میں آئے اور سینکڑوں افراد اسلامی قوانین کی تدوین واستنباط کے کام میں شب وروز لگے رہے، تب جاکر ہزاروں مجلدات پر مشتمل اسلامی مسائل وقوانین کا ایک عظیم الشان ذخیرہ اسلامی تاریخ کو دستیاب ہوا۔ جو قیامت تک کے لیے امت کی دینی ضروریات کا کفیل ہے۔ اسی دور میں فقہ کے اصول مرتب ہوئے اور کتاب وسنت کے احکام کے لیے فرض، واجب، سنت اور مستحب اور مندوب کی اصطلاحات وضع ہوئیں۔

اس دور کے مشاہیر فقہاء: امام اعظم ابوحنیفہ، امام دار الہجرۃ امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی، امام احمد بن حنبل، حضرتِ سفیان بن سعید ثوری، حضرتِ شریک بن عبداللہ نخعی اور عمر بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ کے مشہور تلامذہ: امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی، امام زفر بن ہذیل بن قیس کوفی، اور امام حسن بن زیاد لولوی کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

فِقہ اِسلامی کے مآخذ: شرح مسلم الثبوت میں مآخذ کی تعریف یہ کی گئی ہے

هو علم بقواعد يتوصل بها الىٰ استنباط الاحكام الفقهية من دلائلها

اصول فقہ ایسے قواعد کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ احکام فقہیہ کو ان کے دلائل سے استنباط کیا جاتا ہے۔

اس تعریف سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ماخذ اس سرچشمہ کا نام ہے جہاں سے فقہی احکام اخذ کئے جاتے ہیں، ویسے حقیقی طور پر سارے احکام کا ماخذ قرآن مجید ہے، قرآن ہی کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوا کہ خدا کے احکام کی طرح اس کے رسول کے احکام کی اطاعت بھی ہم پر فرض ہے، اس لحاظ سے احادیث کو بھی شرعی احکام کے ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کرنا ضروری ہوا۔ فقہی احکام کے باقی مآخذ کی شرعی حیثیت بھی کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہے، اصول اور فقہی کتابوں کے مطالعہ سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ فقہی احکام کے بارہ مآخذ ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قرآن حکیم (۲) احادیث (۳) اجماع اُمت (۴) قیاس (۵) استحسان (۶) استدلال (۷) استصلاح (۸) مسلمہ اشخاص کی آراء (۹) تعامل (۱۰) عرف (۱۱) ماقبل کی شریعت (۱۲) ملکی قانون

لیکن عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں صرف چار مآخذ کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ بعض مآخذ بعض میں داخل ہیں، مثال کے طور پر قیاس کے عموم میں استحسان واستصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ اجماع کے عموم میں تعامل اور عرف داخل ہے، ماقبل کی شریعت قرآن یا احادیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قانون تعامل کے ذیل میں شمار ہوسکتے ہیں۔ مسلمہ اشخاص کی آراء اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار قیاس میں ہوگا اور اگر سماع پر مبنی ہیں تو حدیث کے ذیل میں آئے گی۔ استدلال بھی قیاس ہی کے زمرے کی چیز ہیں۔

اس طرح اصل مآخذ چار ہیں۔ (۱) قرآن (۲) احادیث (۳) اجماع (۴) قیاس۔ اب ان چاروں مآخذ پر ذیل میں الگ الگ مختصر نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ حکیم: قرآنِ کریم سے کس طرح کے احکام اخذ کیے جاتے ہیں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی گرانقدر تصنیف "الموافقات" میں تحریر فرماتے ہیں۔

القرآن علىٰ اختصاره جامع ولا يكون جامعا الا والمجموع فيه امور كليات لا ن الشريعة تمت بتمام نزوله لقوله تعالىٰ اليوم اكملت لكم دينكم وانت تعلم ان الصلوة والزكاة والجهاد و اشباه ذلك لم يبين جميع احكا مها في القرآن انما يبينها

السنة و کذلک العادیات من الانکحة والعقود و القصاص والحدود و غیرھا.

قرآن اپنے اختصار کے باوجود زندگی کے سارے مسائل کو حاوی اور سارے احکام کا جامع ہے اور جامع وہی ہوسکتا ہے جس میں امور کلیات بیان کیے جائیں، اس لیے کہ نزول قرآن کی تکمیل کے بعد شریعت مکمل ہوگئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آج تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا۔ اور تم اس بات کو جانتے ہو کہ نماز، زکوۃ، جہاد اور اس کے مثل دیگر عبادات کے سارے تفصیلی احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے ہیں۔ تفصیلات کا علم احادیث کے ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح معاملات جیسے نکاح، بیع وشراء اور قصاص وحدود وغیرہ کے تفصیلی احکام بھی قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ (الموافقات ج ۳ ص ۳۶۹)

اس عبارت سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ قرآن میں احکام کے اصول وکلیات ہیں ان کی تفصیلات کا علم احادیث کے ذریعہ ہوتا ہے قرآن سے احکام اخذ کرنے کے لیے جن علوم میں مہارت ضروری ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں۔

لا بد للفقیه ان یعلم ماھو ناسخ و منسوخ و ما ھو مجمل ومفسر وما ھو خاص و عام وما ھو محکم و متشابه (الموافقات)

ایک فقیہ کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کی کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے۔ کون سی آیت مجمل ہے اور کون سی آیت مفسر کون سا لفظ خاص ہے اور کون سا عام یونہی کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ

اور فقیہ کے لیے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ مامور بہ کس درجہ کا ہے۔؟ یعنی فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، مستحب ہے یا مندوب ہے؟ اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے منہی عنہ کس درجہ کا ہے کفر ہے، حرام ہے، یا مکروہ ہے، قرآن فہمی کے لیے شان نزول اور احکام کی علت وحکمت اور نزول قرآن کے وقت عرب کے معاشرہ کی جو حالت تھی اس سے بھی باخبر ہونا ضروری ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آیات کی تفسیر میں مرفوع احادیث اور صحابہ کے اقوال ماثورہ کا علم بھی ضروری ہے۔

قرآن فہمی کے لیے ان علوم لازمہ کی تفصیلات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ صرف ترجمہ دیکھ کر قرآن کے صحیح مطالب تک پہنچنا ناممکن ہے۔

سنت: سنت کے لغوی معنی ہیں "مروجہ طریقہ" اور اصطلاحی معنی یہ ہیں۔

السنة یطلق علی قول الرسول وفعله وسکوته وعلی اقوال الصحابة وافعالهم
(نور الانوار)

حضور ﷺ کے قول وفعل اور سکوت کو سنت کہا جاتا ہے، اور صحابہ کے اقوال وافعال کے لیے بھی سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن میں سُنّت کی بنیاد: مندرجہ ذیل آیتوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ قرآن کی طرح سنت بھی احکام کا ماخذ ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون (پ ۱۴، النحل، آیت ۴۴)

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو اُن کی طرف اُترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

انّا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین النّاس بما اراک الله (پ ۵، النساء، آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اُتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح اللہ تمہیں دکھائے۔

سنت کے بارے میں صحابہ کرام کا مسلک: اس سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل نقل کرتے ہوئے علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں۔

کان ابوبکر اذاورد علیه حکم نظر فی کتاب الله فان وجد فیه مایقضی به قضی به وان لم یجد فی کتاب الله نظر فی سنة رسول الله ﷺ فان وجد فیها مایقضی به قضی به فان اعیاه ذلک سئل الناس هل علمتم ان رسول الله قضی فیه قضاء فربما قام الیه القوم قضی فیه بکذا بکذا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ اس کا حکم کتاب اللہ سے تلاش کرتے اور اسکے مطابق فیصلہ صادر فرماتے اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملتا تو احادیث میں تلاش کرتے اور اس کے مطابق حکم صادر فرماتے، اگر خود اپنی معلومات جواب دے دیتی تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس طرح کے مسئلے میں حضور پاک ﷺ کا کوئی فیصلہ آپ لوگوں کو معلوم ہو تو بتائیں، لوگ جیسا بتاتے اس کے مطابق عمل فرماتے۔ (الموافقات جلد ۴، المسئلة الثالثة)

سنت سے دلیل جانے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہوتے اور فرماتے:

الحمدلله الذی جعل فینا من یحفظ علی سنن نبینا (حجة الله البالغة جلد نمبر ۱)

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن کے سینے میں احادیث رسول محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

سیاتی قوم یجادلونکم بشبهات القران فخذوه بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله ۔(میزان الشریعۃ الکبریٰ للشعرانی)

تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کی آیات متشابہات کے مطلب کے سلسلے میں تم سے جھگڑا کریں گے اس وقت تم حدیثوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا۔ اس لیے کہ حدیث سے جو لوگ باخبر ہیں وہی لوگ قرآن کو بہتر سمجھتے ہیں۔

سُنّت کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا مسلک: امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

لولا السنن مافهم احد منا القران (میزان الشریعة)

حدیثوں کے بغیر قرآن کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔

یہ قول بھی انہی کی طرف منسوب ہے۔

لم تزل الناس فی صلاح مادا م فهم من یطلب العلم بالحدیث فاذا طلبوا العلم بلا حدیث فسدوا (میزان الشریعة)

لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک علم کو حدیث کے ساتھ طلب کرتے رہیں گے، جب حدیثوں کو چھوڑ دیں گے تو لوگوں میں فساد پیدا ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک ان لفظوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اجمع المسلمون علی من استبان له سنة عن رسول لم یحل له ان یدعه بقول احد (اعلام الموقعین جلد ۲)

اس بات پر اہل اسلام کا اجماع ہے کہ کسی کو نبی پاک کی حدیث مل جائے تو اسے جائز نہیں ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے قول پر عمل کرے۔

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ما وافق الکتاب والسنة فخذوه وکل مالم یوافقه والسنة فاترکوه (جامع اہل العلم)

جو بات کتاب وسنت کے موافق ہو اسے قبول کرو اور جو موافق نہ ہو اسے چھوڑ دو۔

اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے

من رد حدیث رسول الله ﷺ فهو علی شفا هلكة (کتاب المناقب لابن الجوزی)

جس نے رسول اکرم ﷺ کی حدیث کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچ گیا۔

سُنّت کی افادیت: آیات قرآنی کے مفاہیم و معانی کے تعین اور احکام کے استنباط میں احادیث کریمہ کے افادات کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) مجمل احکام کی تفصیل

(۲) مطلق حکم کی تقلید

(۳) مبہم معانی کی توضیح وتفسیر

احادیث کے ذریعہ آیات قرآنیہ کی تفسیر کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) لَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ (پ۷، الانعام ۸۲) میں ظلم کی تفسیر شرک کے ساتھ کی گئی ہے۔

(ب) حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ (پ۲، البقرۃ، آیت ۱۸۷) میں خیط ابیض یعنی سفید ڈورے کی تفسیر دن کی سفیدی اور خیط اسود یعنی سیاہ ڈورے کی تفسیر رات کی تاریکی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اگر حدیث رہنمائی نہ کرتی تو "خیط ابیض" اور "خیط اسود" سے قرآن کی کیا مراد ہے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

(ج) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (پ۱۳، ابراہیم آیت ۲۴) میں شجر طیب کی تفسیر حدیث میں کھجور کے درخت سے کی گئی ہے، اگر حدیث معاونت نہ کرتی تو شجر طیب سے قرآن کی کیا مراد ہے یہ سمجھنا مشکل تھا۔

(د) لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ (پ۱۱، یونس، آیت ۲۶) میں زیادت کی تفسیر حدیث میں دیدار الٰہی سے کی گئی ہے۔ اگر حدیث نے عقدہ کشائی نہ کی ہوتی تو زیادت سے قرآن کی کیا مراد ہے کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

(ہ) قرآن میں اِدبارَ النُّجوم اور اَدْبَارَ السُّجُودِ کے الفاظ آئے ہیں حدیث میں کہا گیا ہے کہ ادبار النجوم سے قبل فجر کی دو رکعتیں اور ادبار السجود سے بعد مغرب کی دو رکعتیں مراد ہیں۔

(و) حدیث میں وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ (پ۱۳، الرعد، آیت ۱۳) کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ رعد سے مراد ایک فرشتہ ہے جو بادل پر مقرر کیا گیا ہے۔ وہ خدا کی تسبیح وتحمید کرتا ہے۔

اتباع صحابہ پر قرآن سے استدلال: رسول پاک ﷺ کے اتباع کے ساتھ ساتھ

صحابہ کرام کا اتباع بھی مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، اتباع صحابہ کے سلسلے میں قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعو هم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری تحتها الانهار خلدين فيها ابداً ذٰلِکَ الْفوزُ العظيم (پ ۱۱، التوبة، آیت ۱۰۰)

وجوہ اتباع پر روشنی ڈالتے ہوئے صاحب توضیح وتلویح ارشاد فرماتے ہیں۔

لان اكثر اقوالهم مسموع بحضرة الرسالة فرايهم اصوب لانهم شاهد وامورد النصوص

اس لیے کہ ان کے اکثر اقوال حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے سنے ہوئے ہیں اس لیے ان کی رائے اصوب ہے اور اس لیے بھی کہ انہوں نے آیاتِ قرآنی کے محلِ نزول کا مشاہدہ کیا ہے۔

قرآنِ کریم کے بعد احکام شریعت کا دوسرا سرچشمہ سُنّت ہے، اس کا ایک اجمالی تعارف پچھلے اوراق میں آپ کی نظر سے گزر چکا۔ اب احکام کے تیسرے سرچشمہ اجماع پر ذیل میں مختصر نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

اجماع: لغت میں اجماع کے معنی ہیں "عزم واتفاق" چنانچہ قرآن کی اس آیتِ کریمہ میں یہی معنی مراد ہیں فَاَجمعو آَمْرَ کم وشُرَکَآءَ کُمْ (پ ۱۱، یونس، آیت ۷۱)

لیکن اجماع کے اصطلاحی معنی جو اصول فقہ کی عام کتابوں میں شائع ہے یہ ہیں۔

هو اتفاق اهل الحل والعقد من امة محمد صلى الله عليه وسلم علىٰ امر من الامور

اجماع کہتے ہیں اُمتِ محمدی کے اصحاب حل وعقد کا کسی مسئلے پر متفق ہو جانے کو۔

کتاب وسنت کے بعد اجماع کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے صاحب تلویح ارشاد فرماتے ہیں۔

ولاشک ان الاحكام التي تثبت بصريح الوحي با النسبة الى الحوادث قليلة غاية القلة فلولم يعلم احكام تلك الحوادث من الوحي الصريح وبقيت احكامها مهملة لايكون الدين كاملا فلابد من ان يكون للمجتهدين ولاية استنباط احكامها

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ احکام جو وحی صریح سے ثابت ہیں وہ پیش آنے والے نئے

مسائل کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ اگر وحی صریح کے ذریعہ ان مسائل کے احکام معلوم نہ کیے جائیں تو ان کا اہمال لازم آ جائے گا اور دین میں نقصان پیدا ہو جائے گا اس لیے ضرورت ہے کہ مجتہدین کو ان مسائل کے احکام کے استنباط کا حق دیا جائیگا۔

قرآن میں اجماع کی بنیاد: اب ذیل میں وہ آیتیں ملاحظہ فرمایئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع امت کو بھی دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہے اور حرمت و وجوب اور حسن وقبح کے احکام اس سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔

۱. يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اَطِيعوا الله وَاَطِيْعُو الرَّسُوْلَ وَاُولِي الامرِ منكم (پ ۵، النساء، آیت ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

۲. وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِن بعد ماتبين له الهدٰى وَيَتَّبِع غَيْرَ سَبِيلِ المومنين نُوَلِّه ماتولىٰ ونصله جهنم (پ ۵، النساء، آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اسکے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔

۳. وَشَاوِرْهُمْ فِى الامرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ (پ ۴، ال عمران، آیت ۱۵۹)

ترجمہ: اور کاموں میں ان سے مشورہ لو، اور جب کسی بات کا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

۴. وَاَمْرُهُمْ شُوْرىٰ بَيْنَهُمْ (پ ۲۵، الشوریٰ، آیت ۳۸)

ترجمہ: اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے۔

توضیحات: پہلی آیت میں اولی الامر سے مراد علمائے امت ہوں یا اصحاب حل وعقد بہر حال ان کا فیصلہ مسلمانوں کے لیے واجب الاطاعت ہے، قرآن کی رو سے ان کی اطاعت کا وجوب ہی اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ احکامِ شریعت میں امت کے اَرباب حل وعقد کا اجماعی فیصلہ بھی مؤثر ہے۔

دوسری آیت میں سبیل المؤمنین سے مراد امت کا تعامل ہے اور یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اُمّت کا تعامل بھی عملاً اجماع ہی کی ایک شکل ہے، اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ اسلام کے لیے امت کے تعامل کی پیروی اس درجہ ضروری ہے کہ انحراف کی صورت میں عذاب جہنم کی وعید بھی ہے اور ضلالتِ عمل کی توثیق بھی۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں اُمت کے ارباب حل وعقد سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اور باہمی

مشاورت کو ایک دستور العمل کی حیثیت سے اسلامی نظام حیات میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اگر امت کے ارباب حل وعقد کی رائے کسی امر کے فیصلے میں مؤثر نہ ہوتی تو مشاورت کا حکم ہی کیوں دیا جاتا۔

نتیجے کے طور پر مذکورہ بالا آیات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اجماع اُمت بھی دلیل شرعی کی حیثیت سے اسلام میں واجب التسلیم ہے۔

اجماعِ اُمت حدیث کی روشنی میں: اجماع امت کا دلیل شرعی کی حیثیت سے قابل قبول ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے، ذیل میں پیغمبر اعظم ﷺ کی دو حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱. لا تجتمع أمتي على الضلالة (رواہ الترمذی) میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

اجماع امت کے سلسلے میں ایک شبہہ وارد کیا جاسکتا ہے کہ امت کے ارباب حل وعقد اگر کسی گمراہی پر متفق ہوجائیں تو کیا اس اجماع کے ذریعہ اس گمراہی کو بھی سند جواز مل سکتی ہے، حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر میری اُمت گمراہی پر کبھی مجتمع نہیں ہوگی، ہمیشہ کے لیے اس شبہہ کا سدّباب کر دیا، حضور کا یہ ارشاد گرامی بھی اسی غیبی قوت ادراک کا مظہر ہے جو خدائے قدیر وعلیم نے انہیں مستقبل کے احوال دریافت کرنے کے بارے میں عطا فرمائے ہیں۔

۲. ما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن (مشکوۃ المصابیح)

جس چیز کو جمہور مسلمین اچھا سمجھیں وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس حدیث پاک کے ذریعہ حضور ﷺ نے اس نکتے کو واضح فرما دیا کہ جمہور مسلمین کا کسی چیز کو اچھا سمجھنے کی بنیاد پر اسلام میں وہ چیز صرف اس لیے اچھی سمجھی جاتی ہے کہ خدا کے نزدیک بھی وہ اچھی ہے۔

اجماع کے سلسلے میں ایک ضروری وضاحت: اجماع امت کے سلسلے میں یہ سوال وضاحت طلب ہے کہ کن لوگوں کے اجماع کو دلیل شرعی کی حیثیت سے قبول کیا جائے گا، حصول المامول کے مصنف اس سوال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا اعتبار بقول العوام فی الاجماع لا وفاقا ولا خلافا عند الجمهور لا نهم ليسوا من اهل النظر فی الشرعيات ولا يفهمون الحجة ولا يعقلون البرهان

اجماع کے سلسلے میں عوام کالانعام کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ موافقت میں اور نہ مخالفت میں، اس لیے کہ شرعی مسائل میں انہیں کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، نہ وہ حجت شرعی سے واقف ہیں، اور

نہ برہان کو سمجھتے ہیں۔

اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ کسی مسئلے پر ناخواندہ عوام کا اتفاق اجماع امت نہیں کہلائے گا اور نہ اسے دلیل شرعی کی حیثیت حاصل ہوگی۔ اجماع کی یہ بنیادی شرط اگر نظر انداز کر دی جائے تو بہت سی وہ ناجائز رسوم وبدعات جو ناخواندہ عوام میں مقبول ورائج ہیں اجماع مسلمین کے نام پر سند جواز حاصل کر لیں گی۔ یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ تعامل مسلمین کو جو ایک شرعی حیثیت حاصل ہے اسے ناخواندہ عوام کا تعامل نہیں مراد ہے، بلکہ مسلمانوں کا وہ تعامل مراد ہے جس پر امت کے ارباب حل وعقد نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہو۔

قیاس: قیاس کے لغوی معنی ہیں اندازہ کرنا، دو چیزوں میں مطابقت پیدا کرنا، اور اصطلاح فقہ میں قیاس کے معنی ہیں، علت کو مدار بنا کر سابق نظائر کی روشنی میں نئے مسائل کا حل کرنا، نورالانوار میں قیاس کی یہ تعریف کی گئی ہے تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم و العلة۔ قیاس کی ایک اصطلاحی تعریف یہ بھی کی گئی ہے الحاق امر بامر فی الحكم الشرعي لا تحاد بينهما فی العلة.

قرآن حکیم میں قیاس کی بنیاد: فقہ کے چار اصولوں میں سے چوتھی اصل قیاس ہے، قیاس بھی دلیل شرعی کی حیثیت سے مسلمہ آئمہ اسلام ہے اور اس کی بنیادیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں، قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتیں قیاس کی مشروعیت پر بھرپور روشنی ڈالتی ہیں۔

۱. فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (پ ۲۸، الحشر، آیت ۲) ترجمہ: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

توضیح تلویح میں اعتبار کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں۔

معنی الاعتبار ردالشئ الى نظيره ای الحكم على الشئ بما هو ثابت النظيره

اعتبار کے معنی ہیں شئے کو اس کی نظیر کی طرف پھیر دینا یعنی کسی شے پر وہی حکم لگانا جو اس کی نظیر کے لیے ثابت ہے۔

۲. فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (پ ۱۱، التوبہ، آیت ۱۲۲)

ترجمہ: تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

اس آیت کریمہ میں "تفقہ فی الدین" کے لفظ سے قیاس کی بنیاد فراہم ہوتی ہے کیونکہ دین میں تفقہ کے معنی ہی غیر منصوص مسائل میں احکام کے استخراج واستنباط کے ہیں، اور یہ عمل قیاس کے بغیر انجام نہیں پاسکتا۔

حدیث میں قیاس کی بنیاد: صحاح کی کتابوں میں یہ حدیث شائع و ذائع ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نبی پاک ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو ان سے دریافت فرمایا۔

لم تقضی قال بما فی کتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ تعالیٰ قال اقضی بما قضی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد ماقضیٰ بہ رسول اللہ قال اجتھد برائی قال علیہ السلام الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ بما یرضی بہ رسولہ.

کس چیز سے تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو گے، عرض کیا قرآن کریم سے، فرمایا: اگر قرآن میں حکم نہ ملے تو، عرض کیا رسول اللہ کی حدیثوں میں اس کا حکم تلاش کروں گا اور اس کے مطابق فیصلہ کروں گا، فرمایا اگر حدیثِ رسول میں بھی حکم نہ ملے تو، عرض کیا قیاس کے ذریعہ حکم کا استخراج کروں گا۔ یہ جواب سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا شکر ہے خدا کا جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اپنے رسول کی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

۲۔ اسی طرح کا سوال حضور نبی کریم ﷺ نے حضرتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی فرمایا تھا جب کہ قاضی بنا کر انہیں یمن بھیج رہے تھے، انہوں نے جواب میں عرض کیا تھا۔

اذا لم اجدا لحکم فی السنۃ نفیس الامر بالامر فما کان اقرب الی الحق عملنا بہ فقال علیہ السلام اصبتما (منہاج الاصول)

جب ہم کسی مسئلہ کا صریح حکم حدیث میں نہیں پائیں گے تو ایک امر کا قیاس دوسرے امر پر کریں گے، تو ہماری نظر میں جو بات حق سے قریب تر ہوگی، اس پر عمل کریں گے، یہ جواب سن کر حضور نے اس کی توثیق فرمائی۔

ان دونوں حدیثوں سے واضح طور پر مندرجہ ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں۔

پہلا نکتہ تو احکام کے مآخذ کی ترتیب کا ہے کہ احکام کی تخریج میں سب سے پہلا مآخذ قرآن ہے، اس کے بعد سنت کا درجہ ہے، قیاس کا مرحلہ بالکل آخری ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قیاس کے ذریعہ اجتہاد میں اپنے رائے کا دخل ضروری ہے۔ اور یہ اسلام میں مذموم نہیں ہے ورنہ حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب پر حضور اس طرح اپنی خوشنودی کا اظہار نہ فرماتے، یہیں سے ان لوگوں کا اعتراض باطل ہوگیا جو آئمہ احناف کو اصحاب رائے کہہ کر مطعون

کرتے ہیں۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب میں نہایت صراحت کے ساتھ قیاس کا ذکر ہے۔ اور حضور نے اس کی توثیق فرما کر قیاس کو بھی دلیل شرعی کا مقام عطا فرمایا ہے۔

چند اُصول فقہ

آئمہ احناف نے کتاب و سنت اور اجماع امت کے فقہی احکام، شرعی قوانین اور مجموعہ قضایا و فتاویٰ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی روشنی میں کچھ فقہی اصول منضبط کیے ہیں جنھیں وہ ضوابط کلیہ کے طور پر احکام کی تخریج میں استعمال کرتے ہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' سے نمونے کے طور پر چند اصول ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں تا کہ اس کتاب کے قارئین کرام آئمہ احناف کی قانونی بصیرتوں، فکر و نظر کی وسعتوں اور تمدن و معاشرت اور انسانوں کے طبعی حالات و ضروریات پر ان کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا اندازہ لگا سکیں۔

۱۔ المشقۃ تجلب التیسر	مشقت آسانی کو چاہتی ہے۔
۲۔ الضرورات بتیح المحظورات	ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔
۳۔ مابیح للضرورۃ یتقدر بقدر ھا	جو چیز ضرورۃً مباح ہو وہ ضرورت ہی کی حد تک مباح رہے گی یعنی ضرورت کے دائرہ سے باہر اسے مباح نہیں سمجھا جائے گا۔
۴۔ ماجاز بعذر بطل بزوالہ	جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دی جائے عذر ختم ہو جانے کے بعد اس کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔
۵۔ الضرر لایزال بالضرر	ضرر کا ازالہ ضرر کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا۔
۶۔ یتحمل الضرر الخاص لا جل دفع الضرر العام	ضرر عام کے دفع کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا۔
۷۔ اعظم ضرر ایزال بالاخف	زیادہ ضرر والی چیز کم ضرر والی چیز کے

ذریعہ زائل کی جائے گی۔

٨. من ابتلی ببلیتین وھما متساویان یاخذ بایتھما شاء و ان اختلفا یختار اھونھما — جو کسی ایسی دو بلاؤں میں گھر جائے جو قباحت کے لحاظ سے مساوی ہوں تو دونوں میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔ اور اگر ایک میں قباحت کم ہے دوسرے میں زیادہ تو کم والی کو اختیار کرے۔

٩. درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح — حصول نفع، کے مقابلے میں نقصان سے بچنا زیادہ بہتر ہے۔

١٠. اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع — جب مقتضی اور مانع کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو مانع کو ترجیح دی جائے گی۔

١١. اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام — جب کسی مسئلے میں حلال وحرام دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرام کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

١٢. تصرف الامام علی الرعیۃ منوط بالمصلحۃ — عوام کے مسائل وحقوق میں سلطانِ وقت کے تصرفات مصلحت پر مبنی ہوں گے۔

١٣. الولایۃ الخاصۃ اقویٰ من الولایۃ العامۃ — ولایت خاصہ ولایت عامہ کے مقابلے میں زیادہ قابل ترجیح ہوگی۔

١٤. الامور بمقاصدھا — امور اپنے مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔

١٥. الیقین لایزول بالشک — یقین شک سے نہیں زائل ہوگا۔

١٦. ماثبت بیقین لا یرتفع الا بالیقین — جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی

کے ذریعہ مرتفع ہوگی۔

١٧. الاصل العدم — نہ ہونا ہی اصل ہے

نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق ان اوصاف سے ہے جو کسی چیز کو عارض ہوتے ہیں۔

١٨. الاصل الوجود — ہونا ہی اصل ہے

نوٹ: اس ضابطہ کا تعلق کسی چیز کی صفاتِ اصلیہ سے ہے۔

١٩. الحدود تندریء بالشبھات — شبہات حدود کے نفاذ سے مانع ہوتے ہیں۔

٢٠. التعزیر یثبت بالشبھۃ — شبہہ بھی تعزیر کے لیے کافی ہے

نوٹ: شبہ کہتے ہیں جو ثابت نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو (الشبھۃ مایشبہ بالثابت ولیس بثابت)

٢١. ماحرم اخذہ حرم اعطائہ — جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

٢٢. ماحرم فعلہ حرم طلبہ — جس کام کا کرنا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے۔

٢٣. لا عبرۃ بالظن البین خطاہ — اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں، جس کا غلط ہونا ظاہر ہو۔

٢٤. ذکر بعض مالا یتجزیٰ کذکر کلہ — کسی ایسے ٹکڑے کا ذکر جو کل سے الگ نہ کیا جائے کل کے ذکر کی طرح ہے۔

٢٥. اذا اجتمع المباشر والمسبب اضیف الحکم الی المباشر — جب کسی کام کا مرتکب اور سبب دونوں جمع ہو جائیں تو حکم کا تعلق مرتکب کے ساتھ ہوگا۔

٢٦. اعمال الکلام اولیٰ من اھمالہ — کسی کلام کو بامعنی بنانا اسے مہمل بنانے سے بہتر ہے

٢٧. التابع تابع — وجود میں تابع حکم میں بھی تابع ہوتا ہے۔

٢٨. التابع یسقط بسقوط المتبوع — متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ہے۔

٢٩. یسقط الفرع اذا سقط الاصل — اصل جب ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

۳۰. الحرب خدعة — جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھنے کا نام ہے۔

۳۱۔ الثابت بالعرف کالثابت بالنص — عرف کے ذریعہ جو چیز ثابت ہو اس کا نفاذ بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی چیز نص کے ذریعہ ثابت ہو۔

۳۲. مجرد الخبر لایصلح حجة — خبر محض حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

۳۳. العادة تجعل حکماإذالم یوجد التصریح بخلافه — عادت وعرف پر وہاں حکم لگایا جائے گا جہاں نص صریح اس کے مخالف نہ ہو۔

۳۴. البناء علی الظاهر واجب مالم یتبین خلافه — ظاہر پر حکم کی بنیاد رکھنا واجب ہے جب تک اس کے خلاف ثبوت نہ ہو۔

۳۵. الثابت بالبینة کالثابت بالمعاینه — شہادت سے ثابت شدہ، مشاہدہ سے ثابت شدہ امر کی طرح ہے۔

۳۶. المعلق بالشرط یثبت بوجود الشرط — کسی شرط پر معلق چیز اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ شرط پائی جائے۔

۳۷. المعلق بالشرط معدوم قبل الشرط — جو چیز کسی شرط پر معلق ہو وہ شرط کے وجود سے پہلے معدوم سمجھی جائے گی۔

۳۸. یسقط اعتبار دلالة الحال اذاجاء التصریح بخلافها — دلالت حال کا اعتبار ساقط ہو جائے گا جب کہ اس کا مخالف پہلو صراحت کے ساتھ ثابت ہو جائے۔

۳۹. یجب العمل بالمجاز اذاتعذر العمل بالحقیقة — مجاز پر عمل واجب ہے جب کہ حقیقت پر عمل متعذر ہو جائے۔

۴۰. الکتاب الی من نأی کالخطاب بمن دنی' دوروالے کے نام خط حکم کے لحاظ سے بالکل ایسے ہے جیسے سامنے والے سے خطاب

۴۱. الولد یتبع خیرالابوین دینا — بچہ اپنے ماں باپ میں سے اسی کے تابع قرار دیا

جائے گا جو دین کے اعتبار سے دونوں میں بہتر ہو

۴۲. مال المسلمین لا یغیر غنیمة للمسلمین بحال — مسلمانوں کا مال مسلمانوں کے لیے کسی حال میں بھی مال غنیمت نہیں ہوسکتا۔

۴۳. شرط صحة الصدقة التملیک — صدقہ واجبہ کے صحیح ہونے کی شرط مالک بنانا ہے۔

۴۴. من فی دار الحرب فی حق من فی دار الاسلام کالمیت — دارالحرب میں رہنے والا، اس شخص کے حق میں جو دارالاسلام میں رہتا ہے میت کی طرح ہے۔

۴۵. التبرع فی المرض وصیة — مرض الموت میں احسان وحسن سلوک وصیت کے حکم میں ہے۔

۴۶. خیر الامور اوساطها — ہر چیز میں بہتر وہی ہے جو درمیانی ہو۔

۴۷. السکران فی الحکم کالصاحی — نشے میں مدہوش حکم کے اعتبار سے باہوش کی طرح ہے۔

۴۸. عند اجتماع الحقوق یبداء بالاهم — مختلف حقوق کے اجتماع کے وقت سب سے اہم حق کو اولیت دی جائے گی۔

۴۹. لا یجوز ترک الواجب للاستحباب — کسی مستحب کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں ہے۔

۵۰. الاجتهاد لایعارض النص — اجتہاد نص کے معارض نہیں ہوسکتا۔

(یعنی حکم منصوص کے خلاف کوئی اجتہاد قابل قبول نہیں)

(الاشباہ والنظائر شرح السیر الکبیر)

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے لیے زمین کے حصول کے سلسلے میں شب وروز کی مصروفیات کے باعث وقت نہیں مل رہا ہے کہ اس مضمون کو پھیلاؤں ورنہ ارادہ یہ تھا کہ مختلف فقہی مذاہب کے ساتھ فقہ حنفی کا ایک تقابلی مطالعہ اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتا اور ثابت کرتا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کے دلائل سے مسلح ہونے کے ساتھ ساتھ فطرت انسانی اور عقل وحکمت کے تقاضوں سے کس درجہ ہم آہنگ

ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عجم کو اسلام کا گرویدہ بنانے میں جو گراں قدر خدمت فقہ حنفی نے انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم سنی حنفی مسلک پر ہمیں ہمیشہ قائم رکھے اور اس کی برکتوں سے دونوں جہان میں سرخرو فرمائے۔ آمین

آمده بوديم از دريا به موج
باز از موجے بلد ياسي رويم

ارشد القادری
(بانی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی ۱۳ انڈیا)

۲۷ ذوالقعدہ ۱۴۰۴ھ
۲۵ اگست ۱۹۸۴ء

نوٹ: زیر نظر کتاب کمپوزنگ کے مراحل میں تھی کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (۲۹ اپریل ۲۰۰۲ء ۱۶ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ) طویل علالت کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علامہ ارشد القادری کا وصال اہلسنّت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور خاص اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

☆☆☆☆☆

امام اعظم کا فقہی مقام (عرف تذکرہ ائمہ احناف)

از: مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے لخت جگر علامہ محمد سعید فاروقی سرہندی علیہ الرحمۃ

مترجم: مولانا عبدالقیوم قادری (شیخوپورہ)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مشہور کلمہ کی تشریح کے بارے میں جو کلمہ یہ ہے ''کہ تیرے مناقب و کمالات کے ذکر کے ساتھ جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے ہم نے پہچانا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو''

میرے عزیز بھائی میاں شیخ محمد نے پوچھا کہ ایک جماعت امام المسلمین امام ابوحنیفہ کے قول ''اے اللہ تو پاک ہے جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے ہم نے پہچانا'' پر اعتراض کرتی ہے کہ وہ معرفت میں جتنا بھی بلند مرتبہ رکھتے ہوں ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اور آپ نے ارشاد فرمایا'' تو پاک ہے جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے ہم نے نہیں پہچانا'' اے بھائی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ آیات ربانی جل وعلا کے ساتھ نصیحت حاصل کرنا بے شک دو قوتوں کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ یہ آیت کریمہ۔

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْدٌ. (پ ۲۶ ق آیت ۳۷)

بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔

سے یہی سمجھا جاتا ہے اور آثار سلف بھی اولی طریقہ سے اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ شخص جو ان دونوں قوتوں سے خالی ہے مخاطب کے لائق نہیں ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ معترض بات کی کہنہ تک نہیں پہنچا صرف بحث و مباحثہ کیا اور مناظرہ کی حدود میں سے نکل کر جھگڑا کے ساتھ پیش آیا ہے جاننا چاہیے کہ اس حدیث ''تو پاک ہے جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے ہم نے نہیں پہچانا'' کے صحیح ہونے کی تقدیر اور منسوخ نہ ہونے پر کہ ان دونوں مقدمات کا ثبوت محالات سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کی حصول معرفت سے مراد حیرت ہے اور مطلوب کے ادراک کو پانے سے عجز کا ثبوت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کمال معرفت اس میں غور و فکر ہے جیسا کہ اکابر میں سے ایک نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات میں ان میں سے معرفت کے لحاظ سے کامل جو اس میں ان میں سے زیادہ متحیر ہے اور اسی کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ادراک کو پانے سے ادراک ہے تو پھر ''ہم نے تجھے پہچانا جیسے پہچاننے کا حق ہے'' کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے تجھے اس طریقہ سے پہچانا کہ تیری معرفت کا اور راستہ نہیں ہے اور اس معرفت کے مناسب ادراک بسیط ہے اور اہل کمال

حضرات نے تحقیق کی اور فرمایا ہے۔

از حضرتِ ذاتِ بہرہ استہلاک است استہلا کے مجرد ادراک است
ادراک است بسیط کانجا چہ محل دانش ادراک است

ترجمہ: اس ذات کی بارگاہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے ایسی ہلاکت جو کہ خالص ادراک ہے ادراک ایک بسیط ہے کہ وہاں عقل کے علم کا کیا مرتبہ ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ حدیث میں نفی حق معرفت سے مراد ذات کہ کنہہ (حقیقت) معرفت کی نفی ہو اور امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے قول میں معرفت حق کے اثبات سے مراد اس کے علاوہ کمالات و آثار کی معرفت ہو لہٰذا یہاں کوئی اشکال (اعتراض) نہیں ہے اور نیز ممکن ہے کہ حدیث نبی علیہ الصلوۃ والسلام متکلم کی طرف نسبت کے لحاظ سے ہو اصل معرفت کی نفی نہ ہو جیسا کہ (یہ آیت) تو نے نہیں پھینکیں جب کہ پھینکیں اس کی دلیل ہے۔ یعنی تیری معرفت کا حق تیرے نور کے ساتھ ادا پاتا ہے اور سالک کو سوائے فنا حاصل نہیں ہے۔ تو پھر یہی اس آیت کریمہ سے مشہور ہے۔

پس جس کے سینہ کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ور ہے بھی اسی طرف اشارہ ہے اور یہ مقام اہل تحقیق کے نزدیک فنا سے تعبیر ہوتا ہے اور جن جمع اور جمع الجمع مشہور ہے اور اس فن کے لوگوں کی کتب میں بالتفصیل موجود ہے اور امام المسلمین سے حق معرفت کا اثبات حقائی وجود کے عطا ہونے کے اعتبار سے ہے نہ کہ فانی امکان وجود (کے اعتبار سے) اور اس تناقص کے دور کرنے کا خلاصہ معرفت کے مَوْرَدْ کا مختلف ہونا ہے اور نیز ممکن ہے کہ حق معرفت مختلف استعدادات کے اختلاف کے اعتبار سے ہو۔ اور دعاء (برتن) صدری کے وسعت کے اعتبار سے کئی قسم ہو ممکن ہے امام المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی استعداد کے انتہائی مقامات کو پہنچے ہوں اور جب سرورِ کائنات ﷺ کا سینہ مبارک

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔

کے خطاب کے ساتھ وسعت انشراح میں کمال مرتبہ کے ساتھ پہنچا ہوا ہے پھر بھی ہمیشہ

اَللّٰھُمَّ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً اے اللہ میرے علم کو زیادہ کر۔

کی نداء کے ساتھ مناجات کرنے والے ہیں اور کیا ہے آپ کے اعلیٰ اوقات کا وظیفہ اور استعدادی سیر کے پورا ہونے سے فیض کے دروازے کا بند ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ طبعی حرکت کے علاوہ قسری حرکت بھی اس راستہ میں ثابت ہے اور معیت کے راستہ سے جو محب کو محبوب کے ساتھ ہے اور یہ حدیث کہ

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔

اس کی دلیل ہے محب ہمیشہ اپنے محبوب کا شریک ہے کیونکہ خادم کو اپنے مخدوم کے خوشہ سے حصہ ہے اور تابع کو متبوع کے انعام سے بہت بڑا حصہ کیونکہ اس کا اصلی حصہ اس تبعی خط کے سامنے بہتے دریا کے ساتھ قطرہ کا حکم رکھتا ہے اور قرب الٰہی عزوجل میں اولیاء کرام کے مراتب کا تفاوت اس محبوب رب العزت کے ساتھ محبت کے تفاوت کے اندازہ سے ہے اور اس کی علامت دین و دنیا کے سردار ﷺ کی اتباع کی صحت کا خیال ہونا چاہیے اور آپ کی کمال متابعت اس سے معلوم کی جاسکتی ہے کہ بیس سال کی نمازیں" وا ب وضو میں ترک اولیٰ کے ظاہر ہونے کے ساتھ اعادہ فرمائیں اور ایک لحظہ بھی متابعت سے پیچھے نہ رہے۔

حنفی اولیاء وعلماء: اور اسی لیے امت کے سواد اعظم نے آپ کا مذہب اختیار کیا اور اکابر اولیاء کرام نے آپ کی شاگردی اور تقلید کو اختیار کیا اور ان تمام میں سے ابو یزید بسطامی' ابراہیم بن ادہم' فضیل بن عیاض' عبداللہ بن مبارک' بشر حافی' داؤد طائی' شفیق بلخی' حکیم ترمذی' حکیم ابوالقاسم سمرقندی' ابوسلیمان درانی اور یحییٰ بن معاذ رازی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین اور اہل سلاسل کی بہت بڑی جماعت جیسے ہمارے حضرات خواجگان اور حضرات چشت اور اکثر سہروردیہ' قادریہ' جمہور کبرویہ' عام کیسویہ اور شطاریہ نے آپ کی متابعت کو اختیار کیا ہے اور محققین اہل طریقت جیسے مولانا روی' شیخ فریدالدین عطار' حکیم سنائی غزنوی' شیخ علی ہجویری' اور شیخ زین الدین ابی تائبادی رحمتہ اللہ علیہم اور بجستانی قوم کے امیر اور امیر حسینی اور ان کے ماسوا کہ جن کی گنتی دشوار ہے نے آپ کی تقلید کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور بہت بڑے بڑے محدثین جیسے وکیع بن الجراح' یحییٰ بن معین' طحاوی' برق' معلیٰ اور صغانی وغیرہ اور جمہور فقہاء اور متکلمین جو کہ ہدایت کے سورج ہیں اور عقل کے مرکز اور ان کی تعداد سوائے طوالت کے کچھ نہیں ہے اور قدیم اور جدید اہل فقہ میں سے معتدین تمام آپ کے مذہب پر چلنے والے ہیں اور معتزلی شیوخ نے بھی اس قوت جدالیہ اور استدلالیہ کے باوجود دین کے فروعی مسائل میں آپ کی تقلید کو اختیار کیا ہے اور آپ کے افادات کے خاص خاکساروں سے ہوئے ہیں۔

جس طرح کہ حافظ وقاللہ اور مطرزی کی تالیفات اس پر دلالت کرتی ہیں آپ کے تھوڑے سے مناقب شریف انشاء اللہ سبحانہ رسالہ کے شروع میں لائے جائیں گے اس مقام اشغال میں اہم مہم سے مقصد کی تحقیق کے ساتھ بیان کی عنان اس کے ساتھ مصروف رکھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ علامہ ابن حجر شافعی جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں نے الخیرات الحسان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان میں کہا کہ آپ سے جو قول اگر صحیح ہو نقل کیا گیا ہے کہ جیسا تجھے پہچاننے کا حق ہے

ہم نے پہچان لیا آپ کے غیر کے قول کے ''تو پاک ہے جیسا تیرے پہچاننے کا حق ہے ہم نے نہیں پہچانا'' کے منافی نہیں ہے کیونکہ امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ میں نے تجھے اپنے لائق پہچانا جیسا تیرے پہچاننے کا حق ہے اور اس کی طرف میرا علم منتہی ہوتا ہے پس اس میں انحصار ہے اور آپ کے غیر کی مراد یہ ہے کہ بے شک حقیقت معرفت جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے کسی ایک کو لائق نہیں کہ اس کی طرف پہنچے اور یہی حقیقت ہے انتہی۔

(الخیرات الحسان ص ۱۴۲۔۱۴۳)

اس عبارت شریفہ سے چند معانی حاصل ہوئے ایک یہ کہ جو امام اعظم سے نقل کیا گیا ہے یقینی نہیں ہے دوسرا یہ قول کہ ''تو پاک ہے، تیرے پہچاننے کا حق ہے تجھے ہم نے نہیں پہچانا'' سبحانک ماعرفناک حق معرفتک پیغمبر ﷺ کی حدیث نہیں ہے۔ بلکہ دوسروں کا قول ہے اور اسی کے ساتھ مادۂ اشکال ختم ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ معرفت حق کا اثبات امام اعظم کے قول میں عارف کے اعتبار سے ہے پس اشکال رفع ہو گیا کیونکہ معرفت حق بشریت کے لاحق ہونے کے اعتبار سے ممکن ہے بلکہ واقع ہے اور حضرتِ قدس خداوند جل وعلا کی نسبت کے لحاظ سے محال ہے۔

اور نیز ممکن ہے کہ معرفت حق کے اثبات سے مراد معرفت قطعیہ استدلالیہ ہے جو کہ کدورات وشکوک واوہام سے مصفا ہے اور نور الٰہی جل وعلا سے تائید کیا گیا ہے جو کہ آیت کریمہ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (پ ۲۳، الزمر آیت ۲۲)

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

یہ ایک اشارہ سمجھو، اور یہ معرفت ایمان کی اعلیٰ قسم ہے کیونکہ اہل تقلید ظن سے یقین میں نہیں پہنچے اور سلامتی کے کنارے پر نہیں آئے اور عام لوگ اس خیال میں داخل ہیں اور اہل استدلال جو تائیدات الٰہی جل وعلا سے خالی تہذیب اخلاق کا نتیجہ اور تصفیہ باطن سے معرّیٰ ہیں اور نفسانی خواہشات اور شیطانی وساوس نے قوت عملیہ اور تربیت قوت شہودیہ اور غضبیہ کے مہمل ہونے کی وجہ سے غلبہ پایا ہے پریشان ہیں۔ اور اکثر علماء ظواہر جو کہ اہل قیل وقال ہیں اور خصومت وجدال والے ہیں جو اس گروہ میں داخل ہیں۔ اس معرفت سے بے نصیب ہیں اور اس سعادت سے محروم یعنی وہ معرفت جو ادراک کے معنی میں ہے کہ معرفت حق مرتبہ حق الیقین سے عبارت ہو کیونکہ معرفت اور یقین دو مساوی چیزیں ہیں بلکہ یقین اکمل ہے اور جب تحقیق نے یقین کو تین مرتبہ میں تقسیم کیا ہے علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین، پہلا یعنی (طالب علموں) مبتدیوں کا حصہ ہے اور دوسرے کے لیے متوسط بلکہ کامل بھی مقررہ ہیں اور تیسرے کو مکملین کا حصہ بنایا ہے ممکن ہے کہ امام المسلمین نے اس

تیسرے مرتبہ سے جو کہ اخص الخواص کا حصہ ہے خبر دی ہو اور اس آیت کریمہ

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

کے بموجب اس نعمت کبریٰ کو ظاہر کیا ہو اور یہ کہنے میں عرفاء سواد اعظم سے باہر نہیں آئے تو اشکال نہ ہوا۔

اور نیز ممکن ہے کہ معرفت حق سے مراد معرفت حقہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ حقہ کے ساتھ اپنی معرفت کے بارے میں مکرم بنایا اور باطل کی ملامت نہ کی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے کریم بندوں کا حصہ ہے ورنہ باطل کے خلط ملط ہونے اور خواہشات کے ملنے جلنے سے کامل خلاصی پانا کمال ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور نیز ممکن ہے کہ معرفت حق کے اثبات سے مراد ایک مقررہ معرفت ہو اور یہ بادلیل ایمان تفصیلی ہے اور اس کا حاصل کرنا خواص کا حصہ ہے کیونکہ شرعی فرائض کا سمجھنا اور ایمانی راستوں کو تفصیل کے ساتھ جاننا سوائے ماہر علم کے کسی کو میسر نہیں اور اسی لیے امام بیہقی نے شعب الایمان کو کئی جلدوں میں جمع کیا اور اس کے حصول اور تحقیق میں اچھی طرح کوشش کی اور نیز ممکن ہے کہ معرفت حق سے مراد استثناء کی قید کے بغیر ایمان کی تحقیق ہو اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میں سچا مؤمن ہوں جس طرح کہ کتب کلامیہ میں مفصل ہے اور بعض علماء کے قول ''اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَآءَ اللّٰهُ''۔

اگر اللہ نے چاہا تو میں مومن ہوں'' سے احتراز ہے کیونکہ دولت ایمان کے حاصل ہونے میں جو کہ کامل اتباع ہے اس میں وہم اور شک کو لانے والا ہے یہ آپ کے فضائل اور عظمت میں سے تھوڑا سا ذکر ہے جاننا چاہیے کہ حقائق کے پانے میں عمدہ نفسانی خواہشات اور شیطانی فریب سے باطن کا تخلیہ ہے کیونکہ ان کا نتیجہ عناد کے پردے اور فساد کی عصبیت کے ساتھ بصیرت کے راستوں کو بند کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عقل کے مراتب کا حصول جو کہ متعدی فعل ہے عقل ہیولانی کے ساتھ موقوف ہے جو کہ فیض رحمانی کے ساتھ استعداد کی قابلیت بخشنے والا ہے جو شخص کہ عقل مستقیم اور قلب سلیم کے ساتھ موصوف ہے۔

اگر تھوڑا اس مطلع انوار امام الابرار کے آثار واطوار میں غور وفکر کرے اور جان لے کہ اس قسم کے علم ونور والا اور کامل پرہیزگار اور ممکن فہم اور مکمل عقل والا اور ایسے شمائل نفیسہ اور فضائل شریفہ کا مالک اور زاہد اور تقویٰ اور صبر نور الٰہی کے ساتھ تائید کیا گیا ہے اور خداوندی عنایات کے ساتھ مکرم ہے تو ضرور آپ کے تمام احوال اور اقوال میں ادب کے بغیر راستہ نہیں پائے گا اور حسن ظن کے ساتھ پیش آئے گا کیونکہ معارض معارض کے مساوی کام میں ہے اور کس کو اس معرفت ولایت کے پہاڑ کے ساتھ اور اس نور اور ہدایت کے علم کے ساتھ برابر ہے۔

حضرتِ امام ابوحنیفہ کا فقہی مقام:

مسند امام مذکور میں ہے کہ پانچ لاکھ فقہی مسائل اور ایک روایت میں دس لاکھ مسائل استخراج کیے ہیں اور اس وقت اور غور وفکر کے ساتھ اور اس اصول کی رعایت کے ساتھ ان میں سے ایک مسئلہ کی حقیقت میں پہنچنا مشکلات میں سے ہے پھر جو شخص ان کے استخراج کیے ہوئے پانچ لاکھ مسائل کے درمیان سے ایک مسئلہ کی تحقیق میں عاجز ہو جائے اور آپ کے صوری اور معنوی آداب سے ایک ادب کی رعایت میں قاصر ہو تو اس سے معارضہ مکابرہ اور رفعت کا دعویٰ نہایت برا اور بہت ناپسند ہے۔ (بحوالہ کشف المحجوب ص ۲۱۶)

درست فکر سے کام کا حکم دینے والے کی اتباع عقل پر لازم ہے کیونکہ جو شخص عوام وخواص میں سے عموم مخلوق اور اکثر لوگوں کی سرکشی کے باوجود علماء وفضلاء کے دل میں ہے اور حکومت ومملکت کے باوجود تمام سلاطین و امراء میں ہے تو انہوں نے آپ کی تقلید کی رسی گلے میں ڈالنے سے سر نہیں پھیرا اور تسلیم کی گردن آپ کی قید میں رکھی ہوئی ہے تو اس قسم کا شخص کامل اولیاء اور اللہ کے خاص بندوں میں سے ہے اور کوتاہ ہمتوں کی تعبیر کی وجہ سے جو کہ نفسانی احکام کے محکوم اور شیطانی مکروفریب میں مغلوب ہیں کوئی نقص اس مکرم بارگاہ میں راستہ نہیں پائے گا آیتِ کریمہ

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. (پ ۲۸، الصف، آیت ۸)

ترجمہ: چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: **عَلَيْكُم بِسَوادِ الاعظم** کہ تم سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کو لازم پکڑ لو۔

(مشکوٰۃ شریف عربی ص ۳۰)

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس امت سے بڑی جماعت بلکہ صحابہ کرام اور تابعین کے بعد نوعِ انسانی سے ابوحنیفہ کے پیروکار ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) روم میں اس کثرت اور شان وشوکت سے اور اس عظمت کے ساتھ ماوراء النہر میں اور اس وسعت کے ساتھ ہندوستان میں کہ اکثر جنود اللہ (اللہ کے لشکر) اور کاشغر خوارزم اور بلاد ترک میں اس کثرت اور خالص اعتقاد کے ساتھ اور لطیف سیرت کے ساتھ چمکتے ہوئے اور خراسان اور عراق کے بہت سے شہروں میں اس شان اور عظیم دلیل سے ہیں اور دیارِ عرب میں بھی کچھ اس رفعت وعظمت کے ساتھ حنفی مذہب والے ہیں تو پھر نبی ﷺ کے اشارہ سے اس مذہب کو اختیار کرنا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء میں مذکور ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا عرض کیا میں آپ کو کہاں **تلاش** کروں؟ فرمایا ابوحنیفہ کے علم کے پاس اور نیز فرمایا کہ آپ جس

وقت سید المرسلین ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے امام المسلمین تجھ پر سلام ہو۔ (ص ۱۱۸ مترجم)

امام عدل ابوالفضل محمد بن خسرو بلخی نے مسند خلف بن ایوب میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم محمد ﷺ کے ذریعہ پہنچا اور آپ سے آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ اس کے تابعین پھر امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کے ذریعہ جو چاہے راضی رہے اور جو چاہے ناراض ہو۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۳۶)

اور مسند امام علیہ الرضوان میں علی بن میمون سے منقول ہے کہ میں نے حضرتِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں ضرور امام ابوحنیفہ کے ذریعہ برکت تلاش کرتا ہوں اور آپ کے مزار پر حاضر ہوتا ہوں اور اللہ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں اور میری دعا اجابت کے شرف کے قرین ہو جاتی ہے اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب **تبییض الصحیفۃ بمناقب الامام ابو حنیفۃ** میں کہا تحقیق آئمہ نے ذکر کیا ہے کہ میں بے شک نبی ﷺ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک حدیث میں بشارت دی" قریب ہے لوگ علم کی تلاش میں اونٹوں کے جگر پگلا دیں تو وہ مدینہ کے عالم سے کسی کو زیادہ علم والا نہیں پائیں گے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک حدیث میں بشارت دی گئی کہ تم قریش کو سب وشتم نہ کرو کیونکہ ان میں سے ایک زمین کو علم سے بھر دے گا۔ میں کہتا ہوں اور تحقیق آپ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس حدیث میں بشارت دی جسے ابونعیم نے الحلیہ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر علم ثریا کے پاس ہو تو قوم فارس سے ایک آدمی اسے حاصل کرے گا اور شیرازی نے الالقاب میں قیس بن سعید وہ نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ اگر علم ثریا کے پاس ہو تو ابناء فارس سے ایک جماعت اسے حاصل کرے گی اور حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جس کی اصل صحیح بخاری اور مسلم میں ہے اگر ایمان ثریا کے پاس معلق ہو تو ابناء فارس سے ایک جماعت اسے حاصل کرے گی۔

اور معجم طبرانی میں حضرتِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے اور اس میں ہے اگر دین (الی آخرہ یعنی بجائے علم وایمان کے لفظ دین ہے) اور علامہ ابن حجر نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض تلامذہ سے نقل کرتے ہوئے کہا جس کی شیخین نے تخریج کی ہے کہ بے شک اس حدیث سے مراد امام ابوحنیفہ ہی ہیں اس میں کوئی بھی شک نہیں ہے کیونکہ قوم فارس میں سے آپ کے زمانہ میں کوئی ایک بھی آپ کے علم کے مرتبہ کو نہیں پہنچا اور نہ ہی آپ کے شاگردوں کے مرتبہ علمی کو پہنچا ہے اور اس میں نبی ﷺ کا ظاہر معجزہ ہے کہ آپ نے رونما ہونے والے واقعہ کے بارے میں خبر دی پھر فرمایا اور ان میں سے جن کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی عظمتِ شان پر

استدلال کی صلاحیت ہے جو نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ہے بے شک آپ نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ایک سو پچاس برس کو اٹھالی جائے گی۔ امام شمس الآئمہ الکردری نے کہا کہ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محمول ہے کیونکہ آپ نے اسی سال میں وصال پایا۔

آپ کا تابعی ہونا: اور راجح دلائل میں سے ان کا مذہب یہ ہے کہ وہ تابعین کی جماعت میں سے ہیں کہ مخبر صادق ﷺ نے جس کے صدق و خیریت کی خبر دی ہے اور کسی ایک کو ان آئمہ متبوعین میں سے یہ میسر نہیں ہوا کیونکہ آپ نے حضرت انس بن مالک خادم پیغمبر ﷺ کو دیکھا اور ایک روایت میں ہے پانچ صحابہ کرام کو دیکھا اور ان سے روایت کی جیسا کہ مسانید میں بالتفصیل مذکور ہے۔

اور علامہ سیوطی اور ان کے علاوہ کئی محققین نے آپ کے تابعی ہونے کی تحقیق کی ہے اور راجح دلائل میں سے یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے کہا جب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بغداد میں داخل ہوئے تو نماز رفع یدین کے بغیر ادا کی حالانکہ یہ ان کے نزدیک سنن میں سے ہے اور نماز فجر میں قنوت کے مسنون ہونے کے باوجود ترک کی اور آپ نے فرمایا اس امام کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے کہ میں آپ کے سامنے آپ کے خلاف ظاہر عمل کروں۔

فضیل بن عیاض اور نا ہیک نے کہا کہ یہ آپ کی جلالت کی وجہ سے ہے۔

اور نیز امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں نے حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا وہ ایک ایسے شخص تھے کہ اگر کہہ دیتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو ضرور بضرور اس کی دلیل قائم کرتے اور ثابت کر دیتے'۔ اور نیز امام شافعی نے نقل کیا ہے کہ فرمایا کہ جو شخص فقہ کو پڑھنا چاہے تو امام ابوحنیفہ کا ساتھی بن جائے۔

خطیب بغدادی جو اکابر شوافع سے ہیں اور متقدمین اہل حدیث سے امام شافعی سے اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ تمام کے تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ اور علامہ ابن حجر مکی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ پوری رات عبادت کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے نصف رات عبادت کرتے اور کہا کہ مجھے اللہ سبحانہ سے شرم آتی ہے کہ عبادت کی وجہ سے میری ایسی تعریف ہو جو مجھ میں نہ ہو اور بعض نے کہا کہ میں نے مکہ شریف میں امام ابوحنیفہ کے سوا کسی کو طواف' نماز اور قیام پر صبر کرنے والا نہیں دیکھا کیونکہ دن اور رات میں آخرت کی طلب میں رہتے۔

عظیم بشارت: آپ نے خواب میں ایک غیبی آواز کو سنا اور آپ اس وقت کعبہ شریف میں تھے وہ کہہ رہا تھا اے ابوحنیفہ تو نے میری عبادت اخلاص سے کی اور اچھی طرح میری معرفت حاصل کی تحقیق میں نے

تجھے بخش دیا یعنی خدمت کے اس اخلاص کی وجہ سے جس پر تو تھا ہر رات کو عبادت کے لیے جاگتے رہنا اور اکثر دنوں میں روزہ رکھنا اور علم کے پھیلانے میں کامل طریقہ پر کوشش کرنا اور خوب معرفت حاصل کرنا اور ظاہری اور باطنی علوم کو محفوظ کرنا اور اس میں پورا پورا خلوص سے کام لینا اور دنیا کو چھوڑنا اور سرے سے ہی اس سے اعراض کرنا اور آخرت پر متوجہ ہونا اور مفید چیز کے حاصل کرنے میں کوشش و محنت کرنا اور تیرے مذکورہ احسان و اخلاص کی برکت کی وجہ سے قیامت تک تیری پیروی کرنے والوں کو بھی بخش دیا۔

اس میں آپ اور آپ کے ان متبعین کے لیے خوشخبری ہے جو اپنے امام کے آثار کے پیچھے اپنی قوت کو خرچ کرنے پر توفیق دیے گئے ہیں۔ ان چیزوں میں کہ وہ بلند اخلاق اور ظاہر پاک صفات پر تھے یہ صفات سوائے عارفین اور آئمہ مجتہدین کے اوروں میں کم پائی جاتی ہیں۔ اور بڑے بڑے مشائخ اور آئمہ مجتہدین علماء راسخین نے آپ کی شاگردگی کی جیسا کہ امام جلیل جس کے جلالت و تقویٰ و تقدیم پر اتفاق کیا گیا ہے۔

حنفی محدثین: حضرت عبداللہ بن مبارک اور جیسے امام لیث بن سعد امام مالک بن انس اور نا ہیک ان آئمہ کے ساتھ اور جیسے امام مسعر بن کدام زفر، ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ علیہم جیسے اور ان کے ماسواء اور قضاء کی ذمہ داری اور اسی طرح بیت المال کے خزانہ کی چابیاں قبول کرنے میں جو دکھ برداشت کیا عقوبت اور ضرب شدید اور عذاب دنیا کو عذاب آخرت پر ایثار کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ تم ایسے آدمی کا ذکر کرتے ہو جس پر دنیا اپنی رنگینیوں کے ساتھ پیش کی گئی مگر اس نے اعراض کیا اور باوجود شدید مطالبہ کے وہ ظالموں کے ساتھ شریک نہ ہوا اور ان سے کوئی چیز بھی قبول نہ کی اور اسی وجہ سے جب آپ کی طرف ابو منصور نے دس ہزار درہم بھیجے اور آپ کو اسے لوٹانا ممکن تو نہ ہوا تو اپنے صاحبزادے حضرت حماد کو وصیت کی بے شک وہ جب فوت ہو جائیں تو اسے لوٹا دیں تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔

دیدارِ حبیب و حکم حبیب: خواب میں اشارۂ نبویہ سے لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت کی طرف مشغول ہوئے تا کہ انہیں اپنے مذہب کی طرف بلائیں اپنی ذات کے لیے تواضع اور انکساری کا قصد کرنے کے بعد تو جب آپ کو اس کی حتمی طور پر اجازت ہوگئی تو لوگوں کو اس کی طرف بلایا حتیٰ کہ آپ کا مذہب غالب ہوا اور مشہور ہوا اور آپ کے متبعین کثرت سے ہوئے اور آپ کے حاسدین شرقاً و غرباً بہت ہی عرب و عجم میں رسوا ہوئے اور آپ کو اپنے پیروکاروں کا بہت بڑا حصہ عطا کیا گیا تو وہ آپ کے مذہب و مسائل کے لکھنے پر تیار ہو گئے اور اس کے مناسب ہونے میں غور و فکر سے دیکھا کہ بحمد اللہ سبحانہ آپ کا طریقہ مبارکہ کہ مضبوط قوانین اور فوائد کی معدن ہو گیا۔

دعائے مرتضیٰ: اور اس کی یہ بات تائید کرتی ہے جسے بعض اصحاب مناقب نے نقل کیا ہے کہ بے شک آپ کے دادا آپ کے والد حضرت ثابت کو بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے تو آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی تو کچھ امام ابوحنیفہ کو عطا کیا گیا یہ اسی دعا کی برکت سے ہے۔

آپ کسی مقروض کی دیوار کے سایہ میں کھڑے نہ ہوتے جس وقت اپنا قرض لینے کے لیے اس کے پاس آتے۔

تقویٰ: اپنا تمام مال صدقہ کر دیا جو آپ کے وکیل نے عیب کے مخفی ہونے کی حالت میں قیمت کو غلط ملط کر دیا تھا اور وہ تمام تمیں ہزار درہم تھے اور کوفہ میں آپ کی بکری گم ہوئی حتی کہ اس کے مرنے کا علم ہوا تو اس کے گوشت کو ترک کر دیا۔ کیونکہ بکری کی اکثر زندگی کے بارے میں آپ نے سوال کیا تو آپ کو سات سال بتائے گئے یہ آپ کی پرہیز گاری ہے کیونکہ اہل تقویٰ کے سوا کوئی ان چیزوں کی طرف سبقت نہیں لے جاتا سوائے نور قلب کے اور پردوں میں حاضر رہنے کے اہل ہونے کی وجہ سے اور اپنی طاقت کے اندازہ سے اس کی خدمت میں کھڑے رہنے اور جو کچھ اس امام کے مناقب میں ذکر کیا گیا ہے آپ میں خصوصیت کو زیادہ نہیں کرتا بلکہ وہ ایسے سمندر سے ایک قطرہ ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

عبادت: اور اس کے علاوہ یہ ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی تو آپ کو کہا گیا کس چیز نے آپ کو اس پر تقویت دی ہے؟ تو کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے معجم حروف کے اعتبار سے اس کے اسماء کے وسیلہ سے دعا کی اور وہ ان دو آیتوں میں جمع ہیں ایک آیت محمد رسول اللہ آخر سورہ فتح تک اور دوسری انزل علیکم من بعد الغم الآیۃ سورۃ آل عمران میں ہیں اور بے شک آپ رمضان شریف میں رات اور دن میں ساٹھ قرآن پاک ختم کرتے تھے۔

سنی کی پہچان: کنز خفی میں عبدالعزیز بن رواد سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ایک امتحان ہیں جو آپ کو دوست رکھے وہ سنی ہے اور آپ کے ساتھ کینہ رکھے وہ بدعتی ہے اور محک الرجال (حال راوۃ کو جاننے والے) یحییٰ بن معین سے حکایت ہے کہ میرے نزدیک قراءت حمزہ کی قراءت ہے اور فقہ ابوحنیفہ کی فقہ لوگوں کو میں نے اسی پر پایا ہے۔ ابو عاصم نبیل سے منقول ہے کہ مجھے امید ہے کہ ہر رات امام ابوحنیفہ کو ایک صدیق کا ثواب عطا ہوگا۔

محدث حسن بن عمارہ: امام احمد حنبل نے ابن مبارک سے نقل کیا کہ میں نے حسن بن عمارہ کو حضرت امام ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا اور وہ کہتے تھے اللہ کی قسم ہم نے کسی ایک کو فقہ میں آپ سے

زیادہ بلیغ کلام کرنے والا اور خبر رکھنے والا اور حاضر جواب نہیں پایا بیشک آپ کے وقت میں جس نے اس کے بارے میں کلام کیا آپ کسی مدافعت کے بغیر اس کے سردار ہیں۔

محدث محمد بن نصر مروزی: ابوالحسن بن علی وراق نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ محمد بن نصر المروزی سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں دو سو چھیا سٹھ ہجری میں سوال کیا تو انہوں نے کہا وہ فقہاء میں چکی کے کیل کی طرح ہیں جن پر فقہ کے امور کا دارومدار ہے اور وہ قیامت کے دن تک اس میں رہیں گے اور ابو العباس احمد بن عمرو بن شریح نے کہا کہ اگر بے شک قیامت قائم ہوئی اور منادی کرنے والے نے ندا دی کہ لوگوں میں سے جو زیادہ فقیہ ہے کھڑا ہو تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگردوں کے سوا کوئی کھڑا نہیں ہوگا۔ اور احمد بن حرب الزاہد نیشاپوری نے کہا کہ امام ابوحنیفہ علماء میں سے اس طرح ہیں جیسے امراء میں خلیفہ ہو۔ اور حضرت سفیان ثوری نے کہا کہ جو امام ابوحنیفہ کے بارے میں شروع ہو تو آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر تک ختم کرے۔

داؤد طائی: ابن مبارک نے کہا کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ابوحنیفہ کا ذکر کیا گیا تو فرمایا وہ ایک نور ہے جس سے راہ چلنے والا رہنمائی حاصل کرتا ہے اور ایک علم ہے جسے ایمان والوں کے دل قبول کرتے ہیں اور ہر وہ علم جو عمل سے نہیں تو وہ اس کے حامل کے ساتھ ایک مصیبت ہے۔

وکیع: امام سیوطی نے کہا کہ ابو عبداللہ بن خسرو بلخی نے اپنے مسند کے مقدمہ میں روایت کیا ہے کہ وکیع نے کہا اللہ کی قسم ابوحنیفہ عظیم امانت ہیں اور اپنے رب کی رضا کو ہر چیز پر فوقیت دیتے اور اگر اللہ کے حکم میں آپ کو تلواریں پڑیں تو آپ برداشت کریں گے۔

نضر بن شمیل: حسن وہ نضر بن شمیل سے راوی ہیں کہ لوگ فقہ میں سوئے ہوئے تھے حتی کہ ابوحنیفہ نے انہیں بیدار کیا' اور عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث پہنچ جائے تو میرے سر اور آنکھوں پر ہے اور اگر اصحاب نبی ﷺ سے ہو تو ہم ان کے قول سے نہیں نکلیں گے اور اگر تابعین سے ہو تو ہم ان سے مزاحمت کریں گے۔

محدث سفیان بن عیینہ: اسحٰق بن بہلول سے مروی ہے کہ میں نے امام شافعی کے استاد سفیان بن عیینہ کو سنا کہ میری آنکھ نے ابوحنیفہ جیسا مماثل نہیں دیکھا۔

حماد بن سلمہ: عفان بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے حماد بن سلمہ کو سنا اور آپ نے امام ابوحنیفہ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ فتویٰ کے لحاظ سے تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔ امام اوزاعی سے روایت ہے کہ بے شک امام

ابوحنیفہ فقہ کی مشکلات کو تمام لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

علی بن عاصم سے مروی ہے کہ اگر امام ابوحنیفہ کی عقل کا نصف اہلِ زمین کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ان سے زیادہ پایا جائے۔

حدیث پر عمل: اور نعیم نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو فرماتے سنا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں رائے کے ساتھ فتویٰ دیتا ہوں میں تو سوائے حدیث کے کسی سے فتویٰ نہیں دیتا۔ اور ابن خسرو نے کہا میں اپنی ذات کے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو قاضی ادیب ابوسعید محمد بن احمد نے اپنے اشعار میں کہی ہے۔

حسبنی من الخیرات ما اعد ته
یوم القیامة فی رضی الرحمن
دین النبی محمد خیر الوری
ثم اعتقادی مذہب النعمان

مجھے وہ نیکیاں کافی ہیں جنہیں میں اللہ کی رضا سے قیامت کے دن شمار کروں گا'
نبی کریم ﷺ کا دین پھر میرا نعمان کے مذہب کے مطابق اعتقاد

اور نوح سے ہے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ لوگوں نے اعراض اور جسام کے بارے میں جو کلام پیدا کیا ہے آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، فرمایا کہ فلاسفر کے مقالات ہیں لہذا تو حدیث اور صالحین کے طریقہ کو لازم پکڑ اور ہر نئی چیز سے پرہیز کر کیونکہ وہ بدعت ہے۔ اور تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ امام ابوحنیفہ عالم' عامل' زاہد، متقی، پرہیزگار' بہت خشوع کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف ہمیشہ زاری کرنے والے تھے۔

عہدۂ قضاء: منصور نے آپ کو قاضی بنانے کا ارادہ کیا تو آپ نے انکار کر دیا تو اس نے اس پر حلف اٹھایا کہ وہ ضرور ایسا کرے گا تو امام ابوحنیفہ نے قسم اٹھائی کہ وہ ایسا نہیں کریں گے تو آپ نے منصور کے دربان ربیع کو کہا کہ امیر المومنین مجھ سے زیادہ اپنی قسم کے کفارہ پر قادر ہے۔ جعفر بن ربیع نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے پاس پانچ سال قیام کیا تو میں نے آپ سے زیادہ طویل خاموشی والا کوئی نہیں پایا اور جب فقہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا جاتا تو وادی کی طرح بہہ نکلتے۔

حلیہ وصال: امام ابوحنیفہ گول چہرے والے حسین تھے اور کہا گیا کہ سُرخ رنگ والے جس پر گندم گوں رنگ غالب نہیں آتا تھا اور آپ کی ولادت اسی ہجری سال میں ہوئی اور رجب میں وفات پائی اور بعض

نے کہا کہ شعبان ایک سو پچاس ہجری سال میں اور بعض نے جمادی الاول کی گیارہ کو بعض نے کہا کہ جس دن امام شافعی پیدا ہوئے آپ نے اس دن وفات پائی اور آپ کی وفات بغداد میں ہوئی اور مقبرہ خیزران میں دفن کیے گئے اور وہاں آپ کی قبر مشہور زیارت گاہ ہے۔ اور آپ پر چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے عصر تک آپ کو دفن نہ کیا جا سکا۔

عبداللہ بن مبارک: سوید بن سعید المروزی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو کہتے ہوئے سنا

لقد زان البلاد و من علیها
امام المسلمین ا بوحنیفة
با ثا ر وفقهٍ فی حدیث
کاٰیات الذ بور علی الصحیفة
فما فی المشرقین له نظیر
ولا با لمضر بین ولا بکوفة
راءیت العا ئبین له سفا ها
خلاف الحق من حجج خصیفة

امام المسلمین ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے شہروں اور شہریوں کو زینت بخشی احکام قرآن آثار (حدیث) اور فقہ سے جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے، کوفہ بلکہ مشرق و مغرب میں ان کی نظیر نہیں ملتی (یعنی ان جیسا روئے زمین میں کوئی نہیں) کہ آپ کے نقطہ چیں کو میں نے بے وقوف حق کے مخالف اور کمزور دلائل والا پایا۔

ابوالقاسم شرقی نے کہا

وضع القیاس ابوحنیفة کله
فاتیٰ باوی ضح حجة وقیاس
وبنی علی الاثار ا س بنا ئه
فا ینت ما ضعوا علیٰ الاساس
والنا س متبعون فیها قوله
لمّا ا ستبا ن ضیاء للنا س

افدی الامام ابا حنیفۃ الذی
هو عالم باشرع والقیاس
سبق الائمۃ والجمیع عیاله
فما تحراه بحسن قیاس

امام اعظم ابوحنیفہ نے تمام قیاسات کو ان کے واضح عقلی نقلی دلائل کے ساتھ واضح کیا اور اس کی بنیاد آثار (حدیث) پر رکھی تو جس کی بنیاد رکھی اس سے (پودا) اُگا جب لوگوں کے سامنے آپ کی چمک ظاہر ہوگئی تو وہ آپ کے مذہب کے پیروکار بن گئے میں اس امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فدا ہوں جو قیاس اور شریعت کا عالم ہے آپ تمام آئمہ کرام سے سبقت لے گئے اور تمام آپ کے عیال ہیں تو جس کی آپ نے تحری کی وہ حسن قیاس ہے۔

علمِ شریعت کی تدوین: اور بعض نے کہا کہ بے شک سب سے پہلے جس نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے ابواب کی صورت میں مرتب کیا وہ آپ ہی ہیں۔ پھر امام مالک نے موطا کی ترتیب میں آپ کی اتباع کی اور امام ابوحنیفہ سے کوئی بھی سبقت نہیں لے گیا۔

علامہ ابن حجر نے کہا وہ فضائل جن کی وجہ سے آپ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں کثرت سے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا اور دوسرا آپ کے لیے جتنے لوگ متفق ہوئے اتنے کسی ایک کے لیے متفق نہیں ہوئے۔

وکیع: ایک آدمی نے حضرت وکیع کے پاس کہا کہ امام ابوحنیفہ نے غلطی کی تو آپ نے اسے جھڑک دیا اور وکیع نے فرمایا جو ایسا کہتا ہے وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بھولا بھٹکا ہوا ہے وہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس فقہ کے امام ابو یوسف، محمد اور زفر رحمہم اللہ اور آئمہ حدیث اور آئمہ لغت اور زہد تقویٰ کے امام فضیل و داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ اور ان اوصاف سے کہ بے شک سب سے پہلے آپ نے فقہ کی تدوین کی اور اس کی اس طریقہ پر ترتیب دی جیسے آج ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی اتباع کی اور اس سے پہلے لوگ فقط اپنی یادداشت پر اعتماد کیا کرتے تھے اور کتاب الفرائض اور کتاب الشروط کو بنانے والے پہلے آپ ہی ہیں اور ان میں سے یہ کہ آپ کے مذہب کا کئی ممالک میں پھیل جانا جہاں اس کے سوا دوسرا مذہب نہیں جیسے ہند اور سندھ روم اور ماوراء النہر اور آپ کا اپنے آپ پر اور کئی علماء پر اپنی کمائی سے مال خرچ کرنا اور آپ نے تنخواہ (معاوضہ) قبول نہیں کیا اور آپ سے یہ کہ کثرت عبادت زہد اور کثرت دلائل اور اعتماد کا تواتر

سے منقول ہونا اور یہ کہ آپ مظلوم محبوس فوت ہوئے۔

عبداللہ بن داؤد الخریبی: خطیب نے بعض آئمہ زہد سے یعنی (عبداللہ بن داؤد الخریبی وغیرہ) روایت کیا کہ اہل اسلام پر ضروری ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے لیے دعائیں کریں آپ نے ان کے لیے حدیث وفقہ کو محفوظ کیا۔

آپ کا وسیلہ: مسعر بن کدام نے کہا کہ جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام ابوحنیفہ کو وسیلہ بنایا مجھے امید ہے کہ اسے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ انہیں کہا گیا کہ آپ نے اپنے اکابر کی رائے کو چھوڑ کر آپ ہی کی رائے کو کیوں اختیار کیا ہے کہا اس کی صحت کی وجہ سے تم اس سے زیادہ صحیح ہو اس کو چھوڑ کر اس کی طرف رغبت کروں گا۔

مسعر: حضرت ابن مبارک نے کہا کہ میں نے حضرتِ مسعر کو حضرت امام ابوحنیفہ کے ساتھ مجلس میں دیکھا کہ آپ سے سوالات کرتے تھے اور استفادہ کرتے تھے اور کہا کہ میں نے آپ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

مسعر نے کہا میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر آدمی نہیں دیکھا جو علم فقہ میں گفتگو کر سکتا ہو اور قیاس کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور حدیث کی اچھی طرح سے تشریح کر سکتا ہو۔

سفیان ثوری: یحییٰ بن معین نے سوال کیا تو حضرت سفیان نے آپ کے بارے میں بیان کیا فرمایا ہاں وہ ثقہ تھے فقہ وحدیث میں صادق اور اللہ کے دین پر مامون (نگران محافظ) ہیں

عبادت: امام ذہبی نے کہا کہ رات کو آپ کا قیام اور تہجد عبادت تواتر سے ثابت ہے اور کثرت قیام کی وجہ سے آپ کو وقد (ستون) کہا جاتا تھا بلکہ تیس سال تک ایک رکعت میں قرآن کا ختم کرنا آپ سے ثابت ہے۔

ابو مطیع نے کہا کہ میں جب بھی طواف کے لیے حرم میں داخل ہوا تو وہاں میں نے امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کو پایا

فضیل نے کہا کہ میں نے تابعین اور بہت سے لوگوں کو دیکھا مگر امام ابوحنیفہ سے بہتر کسی کی نماز نہیں ہے۔

شریک نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ ایک سال رہا تو میں نے آپ کو اپنا پہلو بستر پر لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور اسد بن عمر نے کہا کہ رات کو آپ کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی حتیٰ کہ آپ کے پڑوسی آپ کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے۔ اور کئی ایک لوگوں نے کہا کہ بے شک آپ بہترین مہمان نواز تھے اور اپنے

دوستوں کی بہت عزت اور ان سے بہت الفت کیا کرتے تھے اور جو بھی آپ کے پاس بیٹھا کرتا تھا آپ اس کی بہت عزت کرتے تھے۔

امام ابو یوسف نے کہا کہ جس کسی کو آپ کوئی چیز عطا فرماتے تو وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ مغموم ہو جاتے اور فرماتے تو اللہ کا شکر ادا کر کیونکہ یہ رزق اس نے تیری طرف بھیجا ہے اور بیس سال تک میری نگہبانی فرماتے رہے ہیں میں نے آپ سے زیادہ کسی کو خصائل محمودہ کا مجموعہ نہیں پایا۔ اور لوگ کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ علم' عمل' سخاوت' ایثار اور اخلاق قرآن کا نشان ہیں۔

حضرت ابن مبارک نے کہا کہ میں جب کوفہ میں آیا تو میں نے ان میں سے زیادہ زہد والے کے متعلق پوچھا؟ تو انہوں نے کہا ابو حنیفہ ہیں۔

ہارون الرشید سے روایت ہے کہ ایک دن اس کے پاس آپ کا ذکر ہوا تو آپ کے لئے رحمت کی دعا کی اور کہا کہ وہ اپنی عقل کی آنکھ کے ساتھ وہ چیز دیکھ لیتے جو لوگ سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور حسن بن عمارہ نے آپ کی قبر مبارکہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ آپ اسلاف کے نائب تھے اور وہ علم جو انہوں نے آپ کو سکھایا آپ کو انہوں نے نائب پایا مگر آپ نے کوئی نائب نہیں چھوڑا اور تقویٰ میں بھی اللہ سبحانہ کی توفیق کے بغیر آپ کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

فضل بن خالد سے روایت ہے کہ کہا میں نے نبی کریم ﷺ کو (خواب میں) دیکھا عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو حنیفہ کے علم کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں فرمایا یہ وہ ہے کہ لوگ اس کے محتاج ہیں۔

مسدد بصری سے روایت ہے کہ وہ رکن (یمانی) اور مقام (ابراہیم) کے درمیان نماز فجر سے پہلے سو گئے تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا عرض کیا آپ اس آدمی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کوفہ میں نعمان بن ثابت کے نام سے مشہور ہے اس سے علم حاصل کروں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے علم سیکھ اور اس علم پر عمل کر وہ بہترین آدمی ہے تو میں کھڑا ہوا حالانکہ میں لوگوں سے زیادہ آپ کے بارے میں کچھ (برا) خیال کیا کرتا تھا اور اب بے شک میں جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا اس سے اللہ کی مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اور حضرت عبد اللہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیاس کے ساتھ منفرد نہیں بلکہ کئی شہروں کے فقہاء اسی طریقہ پر ہیں۔

کیا امام ابو حنیفہ مرجی تھے؟: اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرجیہ سے شمار کیا ہے اور یہ خلاف حق ہے بلکہ غسان مرجی نے اپنے باطل مذہب کی اشاعت کی وجہ

سے ایسے امام جلیل کے ساتھ شہرت پائی اور نیز معتزلہ اپنے مخالفین کو مرجیہ کہتے ہیں اور نیز ابو عمرو بن عبد البر جو اکابر محدثین سے ہیں میں نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کا حسد کیا گیا اور آپ کی طرف وہ اشیاء منسوب کی گئی جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور یہ اعلیٰ دلیل والی آپ کی شان ہے کہ گزشتہ بزرگوں کے ساتھ شرکت نصیب ہوئی اور اسی لیے دین کے سردار ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ تجھ میں دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے پہلا حد سے بڑھنے والا محب' دوسرا حسد کرنے والا' تو پھر کوتاہ ہمتوں کے طعنہ سے نقص آپ کی طرف نہیں لوٹتا اور کوتاہی و کمی آپ کے انصاف میں پہنچ سکتی ہے۔

امام علی بن المدینی نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے سفیان ثوری ابن مبارک حماد بن زید' ہشیم' وکیع' عباد بن عوام اور جعفر روایت کرتے ہیں اور وہ ثقہ ہیں۔ اور شعبہ کی اس بارے میں اچھی رائے ہے۔

جرح اور اس کا جواب: جو کچھ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اعتراضات اسباب نقل کیے ہیں اس سے خطیب کا مقصد یہ ہے کہ اکابر نے حاسدین کے حسد سے خلاصی نہیں پائی نہ کہ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں طعن کی وجہ سے نقل کیے ہیں اس لیے کہ اس کی اسناد یا تو مجروح ہے یا منکر اور اسی لیے امام المسلمین کی تعریف میں اتنے فضائل جلیلہ نقل کیے گئے ہیں کہ دوسروں کے اتنے نہیں اور مسند میں نقل کیا گیا ہے کہ یہ تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں۔

امام ابن شریح جو کہ اکابر اصحاب شافعی میں سے ہیں کہ انہوں نے ایک آدمی کو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عیب بیان کرتے ہوئے سنا تو ابن شریح نے کہا کہ تو اس شخصیت کے عیب بیان کرتا ہے جس کے لیے علم کے تین حصے تسلیم کیے گئے ہیں تو اس آدمی نے پوچھا وہ کیسے ہو سکتا ہے؟

فرمایا اس وجہ سے کہ علم سوال و جواب ہے اور امام ابو حنیفہ پہلا وہ شخص ہے جس نے سوالات کو وضع کیا تو گویا کہ نصف علم آپ کے لیے مسلم ہوا اور نصف کے آدھے کے ساتھ مخالفین کو جنہوں نے آپ کی مخالفت کی جواب دیا تو پھر حصے تین آپ کے لیے مسلم ہوئے' اور چوتھا متنازعہ فیہ ہے جس میں مخالفین حقیقت کا دعویٰ کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ انہیں تسلیم نہیں کرتے۔

آپ سب سے زیادہ حلیم ہیں: اور نیز مسند میں یزید بن ہارون سے حکایت کی کہا کہ میں نے کوئی آدمی امام ابو حنیفہ سے زیادہ حلم والا نہیں پایا' اور نیز مسند میں شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ میں ایک بار سفر میں امام ابو حنیفہ کے ہمراہ تھا تو ایک آدمی نے آپ کو دور سے دیکھا تو وہ شرمندہ ہو کر کھڑا ہو گیا جب امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو اس کے بارے میں پتا چلا تو اس سے حقیقت حال پوچھی تو اس نے عرض کیا کہ آپ کے

دس ہزار درہم میرے ذمہ قرض ہیں اور مہلت کا وقت گزر چکا ہے اور اس کے ادا کی طاقت نہیں ہے تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا تمام قرض تجھے بخش دیا اور میری وجہ سے جو خوف تیرے دل میں آیا مجھ سے درگزر کر۔

شقیق کہتے ہیں کہ مجھے اس وجہ سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واقعی حقیقی زاہد ہیں۔ اور نیز صاحب مسند نے خوارزمی سے روایت کی کہ اس نے اس طرح انشاء پردازی کی ہے۔

هذا مذهب النعمان خير المذاهب
كالقمر الوضاح خير الكواكب
تفقه في خير القرون مع التقى
فمذهبه لاشك خير المذاهب

ترجمہ: تمام مذاہب سے بہترین یہ (امام اعظم) کا مذہب ہے جیسا کہ چمکتا چاند تمام کواکب سے بہتر ہے۔ خیر القرون میں تقویٰ کے ساتھ علم فقہ حاصل کیا تو آپ کے مذہب کے خیر المذاہب ہونے میں شک نہیں۔

نیز جامع مسند میں کہا گیا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا آپ کی پیشانی مبارک پر لکھا ہوا دیکھا آیت کریمہ

يَاأيتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية. (پ ۳۰، الفجر، آیت ۲۸)

ترجمہ: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

اور آپ کے دائیں ہاتھ پر میں نے لکھا ہوا پایا

ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون. (پ ۱۴، النحل، آیت ۳۲)

ترجمہ: جنت میں جاؤ بدلا اپنے کیے کا۔

اور میں نے آپ کے بائیں ہاتھ پر لکھا ہوا دیکھا۔

انا لا نضيع اجر من احسن عملا. (پ ۱۵، الکہف، آیت ۳۰)

ترجمہ: ہم ان کے نیک (اجر) ضائع نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں۔

اور آپ کے شکم پر لکھا ہوا دیکھا۔

يبشرهم ربهم برحمة منه و رضوان و جنات لهم فيها نعيم مقيم خلدين فيها ابداً ان الله عنده اجر عظيم (پ ۱۰، توبہ، آیت ۲۲)

ترجمہ: ان کا رب انہیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی اور ان باغوں کی جن میں انہیں دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

اور جب آپ کو چارپائی پر لٹایا گیا تو غیب سے ایک آواز کو سنا جو یہ کہتا تھا۔

يا قائم الليل طول القيام
يا صائم اليوم خير الصيام
اباح لك الله ما تشرب
من جنة الخلا دار السلام

ترجمہ: اے رات کو طویل قیام کرنے والے! اے دن میں بہترین روزہ رکھنے والے دارالسلام جنت خلد کی نعمتیں اللہ نے تیرے لیے مباح کر دیں ہیں (جو تیرا جی چاہے کھالے)

اور نیز نقل کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اللہ رب العزت کو ننانوے بار خواب میں دیکھا جب سویں (۱۰۰) بار دیکھا تو پوچھا اے پروردگار تیری شان بلند ہے تیری برہان (دلیل) عظیم ہے تو کس چیز کی وجہ سے اپنی مخلوق کو اپنے عذاب سے نجات بخشے گا تو جواب فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات کہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْاَبَدِيِّ الْاَبَدِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْفَرْدِ الصَّمَدِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَافِعِ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا، سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ. (شامی بحوالہ، حدائق الحنفیہ، ص ۴۳)

ابراہیم شاہی میں منقول ہے کہ قطب مظفر قدس سرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب کل قیامت میں نفس و شیطان کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگا تو نفس کہے گا اے اللہ! میری استعداد کی زمین صاف تھی۔ شیطان نے اس میں معصیت کا بیج بویا تو حضرت جبار جل جلالہ کا حکم وارد ہوگا کہ میرے مفتی ابوحنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہما) کو طلب کرو تاکہ فیصلہ کریں تو ابوحنیفہ کہیں گے کھیتی کا مالک وہی ہے جس نے کاشت کی الزرع لمن زرع تو آپ فیصلہ کریں گے کہ آدمی کا گناہ شیطان پر لاگو ہے۔

امام شافعی کہیں گے ولرب الارض اجرة المثل یعنی زمین کا مالک برابر حق والا ہے تو حضرت قہار کا حکم ظاہر ہوگا کہ شیطان کی نیکیاں آدمی کو عطا کریں، یہ آخری ہے جو آپ کے مناقب میں وارد ہے اور وہ آپ کے اوصاف اور خصائل جمیلہ کے دریا سے صرف ایک قطرہ ہی تو ہے۔

آپ کے بعض اساتذہ اور تمام تلامذہ اور ساتھیوں کے ذکر میں مختصر ہے جامع مسند نے خطیب خوارزمی سے نقل کیا اس نے امام المحدثین امام ابوحفص کبیر سے روایت کیا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے ساتھیوں نے فضیلت مذہب کے بارے میں آپس میں مناظرہ کیا۔

امام ابوحفص نے کہا کہ امام شافعی کے شیوخ کو شمار کیا تو اسی کی تعداد ہوئی تو پھر امام ابوحنیفہ کے شیوخ شمار کیے تو چار ہزار ہوئے۔

آپ کا تابعی ہونا: علامہ سیوطی نے کہا کہ امام ابومعشر طبری شافعی نے ایک جزء صحابہ سے امام ابوحنیفہ سے روایت کے بارے میں تالیف کی کہا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ پیغمبر ﷺ کے اصحاب میں سے سات حضرات کی میں نے ملاقات کی حضرت انس بن مالک' عبداللہ بن انیس' عبداللہ بن جزیر' جابر بن عبداللہ' معقل بن یسار' واثلہ بن اسقع اور عائشہ بنتِ عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صاحب کنز حنفی نے اپنے اسناد کے ساتھ محمد بن سماعہ انہوں نے ابو یوسف انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی اور اس میں حضرت عبداللہ بن جریر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات اور سماع ثابت ہے اور اہل حدیث کی ایک جماعت نے اس روایت کی صحت میں توقف کیا جس طرح کہ دارقطنی شافعی نے کہا کہ آپ نے صحابہ میں سے کسی ایک کی ملاقات نہیں کی سوائے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ انہیں آپ نے بچشم سر دیکھا مگر آپ سے سماع ثابت نہیں۔

امام ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ صحابہ میں سے چار حضرات امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں تھے اور ان سے ملاقات اور اخذ حدیث ثابت ہے اور بہر حال ابن خسرو بلخی، قاضی مرسانی' حلوانی حنفی' ابومعشر شافعی اور ابن نجار صاحب تاریخ اور انکے ماسواء نے صحابہ کرام سے اخذ حدیث اور ملاقات ثابت کی ہے اور اس میں جرح و قدح نہیں کی و اللہ سبحانہ' اعلم بحقیقة الحال

آپ کے اساتذہ: علم فقہ کو امام حماد بن سلیمان جو کہ کبار فقہاء کرام میں سے ہیں حاصل کیا اور جامع اصول میں کہا کہ آپ ابراہیم نخعی کی رائے کو لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں اور کہا کہ آپ نے ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر سے سنا اور آپ سے منصور' مغیرہ' حکم' شعبہ ثوری نے روایت کی اور ایک سو بیس سال ہجری میں وفات پائی اور فقہ میں امام احماد کے استاد ابراہیم نخعی ہیں۔

جامع اصول میں کہا وہ ابوعمران ابراہیم بن یزید نخعی فقیہہ کوفی مشہور آئمہ اعلام میں سے ایک ہیں جلیل القدر تابعی ہیں اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کی اور آپ سے سماع ثابت نہیں اور حضرت علقمہ اور اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع ثابت ہے اور ان سے حکم' منصور' اعمش نے روایت کی اور

چھیانوے سال ہجری میں انچاس یا اٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی' اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور ابراہیم نخعی کے استاد حضرت علقمہ ہیں۔

جامع اصول میں کہا وہ حضرت علقمہ بن قیس بن مالک نخعی ہیں اور حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی اور ان سے ابراہیم شعبی اور ابن سیرین نے روایت کی اور یہ بہت بڑے تابعی ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اور صحبت کے ساتھ مشہور ہوئے اور اکسٹھ سال ہجری میں وفات پائی' اور حضرت علقمہ کے استاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں جو کہ اکابر صحابہ میں سے ہیں' اور اعلیٰ علماء فقہاء اور معتبر نجباء میں سے اور صاحب فضائل جمیلہ اور شمائل جلیلہ اور اعلیٰ مقام والے اور صاحب کرامات جلیلہ جو کہ کتب احادیث تاریخ میں مشہور ہیں'

جامع الاصول میں ہے حضرت عبداللہ حضرت عمر سے اسلام لانے میں مقدم ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ چھٹے ہیں اور نبی ﷺ نے انہیں حضرت عمر کے ساتھ ملایا اور وہ آپ کے خواص میں سے تھے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے لیے اس چیز پر راضی ہوا جس کے لیے ابن ام عبد یعنی ابن مسعود راضی ہوئے

۔(مستدرک للحاکم بحوالہ جامع الصغیر ج ۲،ص ۲۳)

بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی شہادت دی اور مدینہ منورہ میں بتیس سال ہجری میں ساٹھ سال سے زیادہ عمر میں وفات پائی اور ان سے حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد صحابہ و تابعین نے روایت کی اور نیز امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اساتذہ میں سے عطاء بن ابی رباح ہیں کہ انہیں سید التابعین کہا گیا ہے اور ابواسحٰق سبیعی' محارب بن دثار' محمد بن منکدر' نافع حضرت ابن عمر کا غلام اور سماک بن حرب ہیں۔

جس طرح امام ابن اثیر نے کہا ہے اور علامہ سیوطی نے حافظ جمال مزی سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابراہیم بن محمد المنتشر، اسمٰعیل بن عبدالملک' حارث بن عبدالرحمٰن صمدانی' حسن بن عبداللہ حکیم بن عینیہ' خالد بن علقمہ، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن' زبید یمانی' زیاد بن علاقہ' سعید بن مسروق ثوری' سلمہ بن کہیل، شداد بن عبدالرحمٰن' شیبان بن عبدالرحمٰن نحوی اور یہ آپ کے لیے کافی ہے اور طاؤس بن کیسان' جیسا کہ کہا گیا ظریف ابوسفیان سعدی' طلحہ بن نافع عاصم بن کلیب' عامر شعبی، عبداللہ بن ابی حبیبہ' عبداللہ بن دینار' عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج عبدالعزیز بن رفیع' عبدالکریم بن ابی امیہ بصری' عبداللہ بن عمیر' عدی بن ثابت انصاری عطاء بن ابی رباح' عطاء بن سائب' عتبہ بن سعد عوفی' عکرمہ ابن عباس کا غلام' علقمہ بن مرثد' علی

بن اقمر علی ازاز عمرو بن دینار عون بن عبداللہ قابوس بن ابی ظبیان قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود قتادہ بن دعامہ قیس بن مسلم محمد بن زبیر حنظلی محمد بن سائب کلبی ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم محمد بن قیس ہمدانی زہری محمد بن منکدر مخول بن راشد مسلم البطین منصور سوی بن ابی عائشہ اور یحیٰ بن سعید انصاری اوران کے سوا بہت سے لوگوں سے روایت کی انتہی ۔

صاحب جامع مسند نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیوخ کو حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کیا ہے جن کا ذکر طویل ہے اور میں ان میں سے ایک جماعت کا ذکر کرتا ہوں امام جعفر صادق حسن بن حسن بصری حسن بن حسن بن علی المرتضیٰ، حسن بن محمد بن علی مرتضیٰ حسن بن سعد و علی ابن ابی طالب کا غلام حمید الطویل داؤد بن زیاد علی مرتضیٰ کے شاگرد، زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، زید بن اسلم حضرت عمر بن خطاب کا غلام، زید بن ولید زید بن میسرہ حضرت ابن عباس کا غلام، زر بن جیش، اس کا بیٹا زید جس نے اٹھاراں صحابہ کو پایا سالم بن عبداللہ بن عمر سلیمان بن مہران اوراعمش، سعید بن مقبری، سعید حضرت حذیفہ کا غلام شریح بن ہانی الکوفی شریح قاضی طلحہ بن مصرف، عبدالرحمٰن الاعرج، عدی بن ثابت عاصم بن کلیب عبداللہ بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم

عمرو بن شعیب الاعاصم امام القراء جس سے امام صاحب نے روایت کیا اوراس نے امام صاحب سے روایت کیا اور آپ کے قول کو قبول کیا اور کہا اے ابوحنیفہ اللہ تجھے جزاء دے تو ہمارے پاس بچپن میں آیا اور ہم تیرے پاس بڑھاپے میں آئے اور عبداللہ بن حسن علی بن ابی طالب عمران ابن مسعود کا غلام اور ہاشم بن عروہ انتہی ۔ اور تمہارے لیے یہ اکابر کافی ہیں جس ذات کے اس اتقان فہم اور درایت (عقل و سمجھ) کے ساتھ ساتھ ایسے شیوخ ہوں وہ کب خطا کرسکتا ہے اور جو میں نے ذکر کیا ہے وہ ان سے بہت قلیل سی جماعت ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔

تلامذہ: اب میں آپ کے اصحاب کی جماعت کا ذکر اور آپ کے مذہب کے علماء میں سے بعض کا بیان شروع کرتا ہوں اور یہ بات گزر چکی ہے جو میں نے ابن حجر کے کلام میں نقل کی ہے کہ بے شک امام مالک آپ کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ (اس مسئلہ کی پوری تحقیق مناقب موفق اور اقوام المسالک از علامہ کوثری میں ملاحظہ فرمائیں) اور اسی طرح فقیہ عصر لیث بن سعد بھی اور علامہ ابن اثیر نے یحیٰ بن بکیر سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے لیث بن سعد سے زیادہ کامل نہیں دیکھا اور شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ وہ ثقہ ثبت مشہور امام اور فقیہ تھے ایک سو پچھتر سال ہجری شعبان میں وفات پائی اور چورانوے سال ہجری میں آپ کی پیدائش ہے ۔

اور اسی طرح یہ بھی گزر چکا ہے کہ بے شک مسعر آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، امام عسقلانی نے فرمایا ثقہ ثبت اور فاضل تھے ایک سو چھپن یا اٹھاون سال ہجری میں وفات پائی ۔

امام ابو یوسف: میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اکابر تلامذہ میں سے امام ابو یوسف قاضی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔ جامع الاصول میں ہے کہ وہ امام قاضی ابو یوسف بن ابراہیم امام ابوحنیفہ کے ساتھی کوفی ہیں جنہوں نے ابو اسحٰق سلیمان بن تیمی یحیٰ بن سعید انصاری اعمش ہشام بن عروہ عطاء بن محمد بن اسحٰق لیث بن سعد اور امام ابوحنیفہ سے سنا ۔ اور آپ سے امام محمد بن حسن الشیبانی بشیر بن ولید کندی علی بن جعد احمد بن حنبل یحیٰ بن معین احمد بن منیع اور ان کے ماسوا نے روایت کی بغداد میں سکونت رکھی اور (خلیفہ) ہادی نے آپ کو قضاء کے عہدہ پر مقرر کیا اور اس کے بعد رشید نے بھی آپ کو قاضی بنایا ۔

اور یہ اسلام میں پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے نام سے پکارے گئے یہ امام عالم حافظ بڑی قدر والے فقیہ فاضل فقہ و حدیث میں عظیم ذخیرہ والے تھے اور ایک سو تیرہ ہجری میں پیدا ہوئے اور ایک سو بیاسی ہجری میں وفات پائی اور تاریخ امام شافعی میں ہے کہ یحیٰ بن معین نے کہا قاضی ابو یوسف قاضی بننے کے بعد ہر دن میں سو رکعت (نفل) پڑھا کرتے تھے اور تین خلفاء کے عہد میں قضاء کے عہدے پر فائز رہے مہدی ہادی اور رشید بھی آپ کی عزت کرتا تھا ۔

یحیٰ بن معین نے کہا کہ میں نے آپ کو وفات کے وقت کہتے ہوئے سنا ہر وہ فیصلہ جس کے ساتھ میں نے فتویٰ دیا اس سے رجوع کیا سوائے اس کے جو کتاب و سنت کے موافق ہے اسے آئمہ کبار کی ایک جماعت نے سنا اور محمد بن ابی لیلیٰ کے ساتھ بھی مجالست کی ۔

امام محمد: پھر امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی امام ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا وہ ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد الشیبانی ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ کے ساتھی اور اہل رائے کے امام ہیں یہ دمشق کے قریب رہنے والے جس کا نام قریہ حرستا ہے ۔

انہوں نے امام ابوحنیفہ مسعر ثوری مالک بن مغول سے سنا اور حضرت امام مالک بن انس اوزاعی اور ابو یوسف کی طرف سے کتابیں لکھیں بغداد میں رہائش رکھی اور اس میں حدیث بیان کی اور ان سے امام شافعی ہشام بن عبیداللہ رازی اور ابوعبید قاسم بن سلام اسمٰعیل بن توبہ علی بن مسلم اور انکے ماسوا نے روایت کی ۔ اور ہارون الرشید نے انہیں قاضی بنایا تو اس کے ساتھ خراسان کی طرف نکلے اور مقام رے میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے ایک سو بتیس ہجری میں پیدا ہوئے اور وہ رے میں ہر ایک پر غالب رہے اور وہاں مشہور ہوگئے ۔ اور ایک

سوا نانوے ہجری میں اٹھاون سال کی عمر میں وفات پائی اور امام محمد نے کہا کہ میرے باپ نے تیس ہزار درہم ورثہ چھوڑا تو میں نے پندرہ ہزار علم نحو اور شعر پر خرچ کیے اور پندرہ ہزار علم حدیث وفقہ پر اور دس سال امام مالک کے دروازہ پر رہا۔

اور امام شافعی نے ان کی مدح وثناء میں بہت مبالغہ کیا' امام شافعی نے فرمایا کہ جب وہ اور امام کسائی فوت ہوئے یعنی ایک ہی سال میں تو ہارون الرشید نے کہا کہ ہم نے فقہ اور نحو کورے میں دفن کر دیا۔ اور فرمایا کہ انہوں نے نیز آئمہ اسلام کی ایک جماعت سے ملاقات کی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور امام ابو یوسف سے علم فقہ حاصل کیا اور امام ابوحنیفہ کے علم کو پھیلایا' اور الدین الجندی سے منقول ہے کہ امام محمد فقیہہ اور فقہ زہد اور تقویٰ میں محقق تھے اور آپ کی تمام علوم میں تصانیف پائی جاتی ہیں۔ اور ثوری کی صحبت میں بھی رہے اور کہا کہ علم اور عمل سعادت کی علامات میں سے ہیں اور نصف دیانت ہے اور آپ کے شاگردوں سے امام کرخی' طحاوی اور ابوحفص کبیر ہیں' اور امام کسائی جو کہ قاری اور نحوی ہیں ان کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔ انتہیٰ

امام زفر اور آپ کے تلامذہ اور خاص ساتھیوں سے امام زفر بن ہذیل کامل عقل اور غالب فہم والے ہیں جو کہ شیخ کبیر مشہور ولی شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔

یافعی نے کہا کہ وہ ایک سو اٹھاون ہجری میں فوت ہوئے اور امام صاحب اور آپ کے صاحبین (امام ابو یوسف ومحمد) کے جس کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان میں سے ایک یہ تھے اور ان میں سے ایک فقیہہ الفقہاء امام حسن بن زیاد لؤلؤئی ہیں۔

امام ابن اثیر نے کہا کہ حسن بن زیاد امام ابوحنیفہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہیں اور امام ابوحنیفہ سے حدیث بیان کی اور ان سے محمد بن سماعہ اور محمد بن شجاع کوفی نے روایت کی' بغداد میں نزول فرمایا تو کہا کہ میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث لکھی ہیں اور یہ تمام وہ احادیث ہیں جن کے تمام فقہاء محتاج ہیں اور دو سو چار ہجری میں فوت ہوئے۔

یافعی نے کہا کہ یہی امام شافعی کے فوت ہونے کا سال ہے امام ذہبی نے کہا کہ وہ فقہ کے رئیس تھے اور ان میں سے امام ابن امام حماد بن امام ابوحنیفہ ہیں اپنے والد سے بھی روایت کی یافعی نے کہا کہ صلاح وخیر کے مالک تھے۔ ایک سو چھتر ہجری میں فوت ہوئے۔

علامہ سیوطی نے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایات کیں کہا ابراہیم الطہمان

ہیں' میں کہتا ہوں وہ ابو سعید خراسانی نیشاپور کے رہنے والے تھے شیخ ابن حجر نے کہا کہ امام طہمان ثقہ ہیں اور ساتویں طبقہ کے محدث ہیں ایک سو اڑسٹھ ہجری میں وفات پائی اور انہیں (اصحاب صحاح) ستہ کے شیوخ سے شمار کیا۔ علامہ سیوطی نے کہا کہ ابیض بن اغر بن صباح المنقری ہے میں کہتا ہوں وہ ان کے سردار تمیمی ہیں۔

علامہ عسقلانی نے کہا وہ ثقہ ہیں اور چھٹے طبقہ سے ہیں اور انہیں امام ابوداؤد' ترمذی اور نسائی کے شیوخ سے شمار کیا۔ سیوطی نے کہا اور اسباط بن محمد قرشی ہیں میں کہتا ہوں وہ ابو محمد قرشی ان کے سردار ہیں۔ تقریب التہذیب میں ان کو ثقہ کہا اور ثوری نے انہیں ضعیف کہا ہے اور یہ نوویں طبقہ سے ہیں۔ دو سو ہجری میں فوت ہوئے اور اصحاب صحاح ستہ کے مشائخ سے انہیں شمار کیا۔

سیوطی نے کہا اور اسحٰق بن یوسف ازرق میں کہتا ہوں کہ وہ اسحٰق مخزومی واسطی ہیں' عسقلانی نے کہا وہ نوویں طبقہ سے ہیں ایک سو پچانوے سال ہجری میں فوت ہوئے اور انہیں اصحاب صحاح کے شیوخ سے شمار کیا۔ سیوطی نے کہا اور اسد بن عمرو النخعی ذہبی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں رہے اور آپ سے علم فقہ حاصل کیا۔ بغداد میں آئے تو مشرقی حصہ کے قاضی بنے' نسائی نے کہا کہ قوی نہیں دار قطنی نے کہا کہ معتبر ہیں۔

ابن عدی نے کہا کہ میں ان کے لیے منکر (ناپسندیدگی) نہیں دیکھتا اور مجھے امید ہے اسے کوئی خوف نہیں۔ ابن عمار نے کہا کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں یحیٰی سے ہے لا بـاء س بـہ امام احمد نے کہا کہ سچے ہیں مرو نے کہا صالح الحدیث ہیں ١٩٠ھ میں فوت ہوئے۔ سیوطی نے کہا اور اسمٰعیل بن یحیٰی صیرفی میں کہتا ہوں وہ اسمٰعیل شیبانی ہیں جنہیں شیخ ابن حجر نے آٹھویں طبقہ کے مرتبہ سے شمار کیا ہے اور اسے ضعیف کہا اور ترمذی کے مشائخ سے شمار کیا۔ واللہ سبحانہ اعلم

علامہ سیوطی نے کہا اور ایوب بن ہانی الجعفی میں کہتا ہوں وہ کوفی ہیں' عسقلانی نے کہا کہ وہ سچے ہیں اس میں نرمی پائی جاتی تھی چھٹے طبقہ سے ہیں' اور اسے ترمذی کے شیوخ سے شمار کیا۔

سیوطی نے کہا اور جارود بن یزید بن یزید نیشاپوری ذہبی نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ اس کی کنیت ابوالضحاک ہے۔ ابوداؤد نے کہا ثقہ نہیں ٢٠٣ھ سال میں فوت ہوئے اور جعفر بن عون' میں کہتا ہوں وہ مخزومی ہیں تقریب التہذیب میں کہا کہ سچے ہیں اور نویں طبقہ سے ہیں' ٢٠٦ھ یا ٢٠٧ھ میں فوت ہوئے اور ان کی پیدائش ١٢٠ھ یا ١٣٠ ہجری ہے۔

علامہ سیوطی نے کہا اور حبان بن علی میں کہتا ہوں وہ الغزی عین اور نون کے فتحہ کے ساتھ پھر زاء ہے ابوعلی

کوفی ہیں تقریب التہذیب میں کہا کہ ضعیف کہا اور اس لیے فقہ وفضیلت ثابت ہے اور آٹھویں طبقہ سے ہیں اور ستر سال کی عمر میں ایک ۱۶۱ھ ایک سو اکسٹھ یا باسٹھ میں فوت ہوئے اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا، ذہبی نے کہا کہ حجر بن عبدالجبار نے کہا کہ میں نے کوفہ میں حبان سے افضل فقیہ نہیں دیکھا اور ابن معین نے کہا حبان صدوق ہے اکہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔

علامہ سیوطی نے کہا کہ حسن بن زیاد میں کہتا ہوں کہ وہ حسن بن فرات قز ان ہیں تیمی کوفی ہیں' تقریب التہذیب میں کہا کہ صدوق ہیں اور وہم کیا کرتے تھے اور انہیں امام مسلم اور ترمذی کے شیوخ سے شمار کیا اور سیوطی نے کہا حسین بن حسن بن عطیہ العوفی روساء شیعہ سے تھا ابن عدی نے کہا کہ اس کی حدیث ثقات کی حدیث کے مشابہ نہیں۔ اور حفص بن عبدالرحمٰن البلخی میں کہتا ہوں وہ فقیہ نیشاپوری وہاں کے قاضی تھے اور شیخ ابن حجر نے کہا صادق وعابد تھے مرجیہ ہونے کی طرف منسوب کیے گئے نوویں طبقہ میں سے تھے۔ ۱۹۹ھ میں فوت ہوئے اور انہیں ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا۔

ذہبی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ سے فقہ سیکھی اور اس سے محمد بن رافع اور مسلم بن شعیب اور ایک جماعت نے روایت کی ہے، نسائی نے کہا صدوق ہے کہا گیا ہے حضرت ابن مبارک اس کے دین وعبادت کی وجہ سے اس کی زیارت کیا کرتے تھے حکم نے کہا کہ حفص امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے زیادہ فقیہ ہیں عہدہ قضاء کو قبول کیا پھر ندامت ہوئی تو عبادت کی طرف رجوع کرلیا اور ۱۹۹ھ میں فوت ہوئے۔

سلیمانی نے کہا اس میں نظر ہے سیوطی نے کہا اور حکام بن مسلم رازی میں کہتا ہوں کہ وہ عبدالرحمٰن الناقی (دونوں کے ساتھ) ہے عسقلانی نے کہا کہ وہ ثقہ ہے جس کے عجیب وغریب واقعات ہیں۔ ۱۹۰ھ میں وفات پائی اور اسے صحاح اربعہ کے شیوخ سے شمار کیا۔ اور سیوطی نے کہا ابو مطیع حکم بن عبداللہ برخی میں کہتا ہوں کہ وہ آپ کے اکبر تلامذہ میں سے ہیں اور آپ سے فقہ اکبر کی روایت کی ۱۹۹ھ میں فوت ہوئے اسی طرح بعض تواریخ میں ہے۔

ذہبی نے کہا ابو مطیع بلخی امام ابوحنیفہ کے ساتھی ابن عون اور ہشام سے روایت کی اور اس سے احمد بن منیع اور خلاد الصفاء اور ایک جماعت نے روایت کیا اور ان شہروں کے باشندوں نے ان سے علم فقہ سیکھا اور اہل رائے سے دیکھے جاتے تھے اور علامہ کبیر الشان اور لیکن ضبط حدیث میں مست تھے۔

ان کے کمال زہد واستقامت پر جو چیز دلالت کرتی ہے منتہی ہوئی اس حیثیت سے اللہ کی ذات میں کسی ملامت کرنے والے ملامت کا خوف نہیں کرتے۔ سیوطی نے کہا اور حماد بن ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کہتا

ہوں کہ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور حمزہ بن حبیب الزیات میں کہتا ہوں کہ قراء سبعہ میں سے جن کی قراءت مشہور ہے ایک معروف قاری ہیں جن کی جلالت وامارت پر اتفاق ہے اور یہ قراءت میں کسائی کے استاد عاصم کے شاگرد ہیں اور سفیان ثوری کے شیخ ہیں کہتے ہیں کہ ہر ماہ میں پچیس قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ تقریب التہذیب میں کہا کہ ایک سو چھپن یا اٹھاون میں وفات پائی اور ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

ذہبی نے کہا کہ وہ اور امام ابوحنیفہ ایک ہی سال میں پیدا ہوئے۔ ابن فضیل نے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ جو بھی تکلیف دور کرتا ہے وہ حمزہ کے صدقہ سے ہے اور ابن معین نے انہیں ثقہ کہا اور نسائی نے کہا اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں' ساجی نے کہا صدوق میں متقن نہیں۔

اور تحقیق یہ گزر چکا ہے کہ بے شک عاصم قاری بھی ان میں سے ہیں' جنھوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا اور خارجہ بن مصعب سرخسی میں کہتا ہوں کہ اس کی کنیت ابوالحجاج ہے عسقلانی نے اسے ابن ماجہ اور ترمذی کے شیوخ سے شمار کیا اور ضعیف کہا اور آٹھویں طبقہ سے رکھتے ہیں۔ اور ۲۶۸ھ میں وفات پائی ذہبی نے کہا کہ خارجہ بن مصعب فقیہ ہے اور امام احمد نے اسے مست کہا ابن عدی نے کہا وہ ان میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے اور خراسان میں ان کی جلالت علمی پائی ہے۔

سیوطی نے کہا اور داؤد بن نصیر طائی میں کہتا ہوں وہ داؤد بن نصیر (نون کے ضمہ کے ساتھ) ابوسلیمان طائی کوفی ہے۔ بعض نے اس کے ذکر میں کہا کہ فقیہ الفقہاء عالم زہد وتقویٰ میں فوقیت واحد اور اس کے زمانہ میں اس کے برابر نہیں تھا۔ اور یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد حبیب عجمی کے معتقد معروف کرخی کے استاد خلوت و علیحدگی کو اختیار کیا۔ اور شان وشوکت کو ترک کیا اور روٹی کو توڑ کر ہاتھ سے باریک کرتے پھر پانی کے ساتھ تر کرتے اور اسے پی لیتے اس کے پینے اور روٹی کھانے کے درمیان پچاس آیات پڑھتے ان کے بے شمار فضائل ہیں بہت بڑے امام' عارف مشہور جلیل القدر' علم ومعروف میں عظیم المرتبت' عسقلانی نے کہا ثقہ فقیہ آٹھویں طبقہ سے ہیں ایک سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ سال ہجری میں وفات پائی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے مشائخ سے انہیں شمار کیا۔

سیوطی نے کہا اور زفر میں کہتا ہوں تحقیق ان کا ذکر ہو چکا ہے کہا اور زید بن حباب عسکلی (عین مہملہ کے ضمہ اور کاف کے سکون کے ساتھ) خراسان کے رہنے والے تھے' پھر کوفہ میں رہنے لگے اور حدیث میں ایک مقام حاصل کیا اور ان سے کثرت سے روایات مروی ہیں' تقریب التہذیب میں کہا صادق اور حدیث ثوری میں نوویں طبقہ سے ہیں۔ ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

ذہبی نے کہا زید میں حباب عابد فقیہہ صدوق اور مقامات علیہ کو طے کرنے والا اور بے سک ابن
معین اور ابن المدینی نے انہیں ثقہ کہا ابو حاتم نے کہا وہ صدوق ہے ابن عدی نے کہا کوفیوں کے ثبت
لوگوں میں سے ہے جس کے صدق میں شک نہیں۔

سیوطی نے کہا اور الرقی میں کہتا ہوں وہ سابق بن عبداللہ ہے ذہبی نے کہا کہ اس نے ابو خلف سے
روایت کی اور اس سے ایک جماعت نے روایت کی سیوطی نے کہا اور سعد بن ابی شیراز کا قاضی اور سعید
ابو الجہیم القابوسی، اور سعید بن سلام بصری اور سلام بن سالم بلخی اور سلیمان بن عمرو نخعی، اور سہل بن مزاحم اور
شعیب بن اسحاق دمشقی میں کہتا ہوں وہ سعیب اموی جن کا مالک بصری پھر دمشقی تقریب التہذیب میں
کہا ثقہ ہے مرجیہ ہونے کی طرف منسوب کیا گیا نوویں طبقہ کے کبار میں سے ہیں اور اسے بخاری، مسلم،
ابوداؤد اور نسائی کے مشائخ سے شمار کیا۔

سیوطی نے کہا اور صباح بن محارب میں کہتا ہوں وہ بھی تمیمی کوفی رائے کا رہنے والا، شیخ ابن حجر نے
کہا صدوق ہے اور کئی بار مخالفت بھی کی آٹھویں طبقہ سے ہے اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا۔ سیوطی
نے کہا اور صلت بن حجاج، اور ابو عاصم ضحاک بن مخلا وہ ابو عاصم النبیل بصری شیبانی، تقریب التہذیب میں
کہا ثقہ مضبوط آٹھویں طبقہ سے ہے ۲۱۲ھ کے بعد فوت ہوا۔

سیوطی نے کہا اور عامر بن فرات قسری اور عائذ بن حبیب میں کہتا ہوں وہ ابو احمد کوفی ہے اور ابو
ہشام بیاع الہروی (مضاف الیہ کی تقدیر پر) بھی کہا جاتا ہے۔ شیخ ابن حجر نے کہا صدوق ہے تشیع کی
طرف منسوب ہے نوویں طبقہ سے ہے اور اسے نسائی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا سیوطی نے کہا اور
عباد بن عوام میں کہتا ہوں وہ ابو سہل واسطی ہے تقریب التہذیب میں کہا وہ ثقہ ہے آٹھویں طبقہ سے تقریبا
ستر سال کی عمر میں ۱۸۶ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ اور سیوطی نے کہا (اور عبداللہ بن مبارک) میں کہتا
ہوں وہ عبدالرحمٰن سے عبداللہ بن مبارک حنظلی ان کا مقدم ہے، ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ وہ
(علماء) ربانی سے تھی امام، فقیہہ، حافظ زاہد و پرہیزگار، سخی اور مضبوط اور اسمٰعیل بن عیاش سے منقول ہے
کہ روئے زمین پر عبداللہ بن مبارک جیسا کوئی نہیں اور میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی خصائل
حمیدہ سے کوئی خصلت پیدا فرمائی اسے اس میں نہ رکھا کئی بار بغداد میں آئے اور حدیث بیان کی ۱۱۸ھ یا
۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں وفات پائی اور تاریخ امام یافعی میں ہے کہ انہوں نے کتابیں تصانیف
فرمائیں اور بیس ہزار کے برابر ان سے احادیث مروی ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ابن

مبارک کے زمانہ میں ان سے زیادہ کوئی بھی علم کی طلب رکھنے والا نہیں تھا اور شعبہ نے کہا کہ اس جیسا
ہمارے پاس کوئی نہیں آیا، ابو اسحٰق فزاری نے کہا ابن مبارک امام المسلمین ہے، شعیب بن حرب سے
مروی ہے کہ ابن مبارک نے اپنے برابر والے سے ملاقات نہیں کی اور ان کے غیر نے کہا کہ ان کی وسیع
تجارت تھی اور ہر سال میں فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کیا کرتے تھے اور ایک سال حج کرتے اور ایک
سال جنگ اور ثوری سے منقول ہے۔ کاش کہ میری تمام عمر ابن مبارک کے دنوں میں سے ایک دن ہو اور
عسقلانی نے اسے اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ سے شمار کیا ہے، کہا وہ تمیں یا ساٹھ سال کی عمر میں وفات
ہوئے۔

سفیان بن عیینہ، معتمر بن سلیمان، یحییٰ بن سعید قطان، ابن مہدی، ابن وہب عبدالرزاق کی مکی بن
ابراہیم اور یحییٰ بن معین سے روایت کی اور یہ تمام آئمہ، علیاء میں سے ہیں اور عبداللہ بن مبارک امام ابو
حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انتہائی محبت کیا کرتے تھے اور مدح سرائی کرتے اور مخالفین پر شدت کرتے جیسا کہ
مقدمہ میں گزر چکا ہے۔

سیوطی نے کہا اور عبداللہ بن یزید میں کہتا وہ عبداللہ بن یزید کی ابو عبدالرحمٰن المقری ہے بصرہ اور
اہواز کے رہنے والے البحر المدقق ابن حجر نے کہا وہ ثقہ فاضل ہے ستر سال سے زیادہ عمر میں قرآن پاک
پڑھا نوویں طبقہ سے ہے۔

۲۱۳ھ میں وفات پائی اور اس وقت ان کی عمر سو سال کے قریب تھی اور وہ بخاری کے کبار شیوخ
میں سے ہے اور تحقیق علامہ سیوطی نے کہا کہ جب وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث بیان کرتے تو
حدثنا شاہنشاہ۔ ہمارے شاہنشاہ نے ہم سے حدیث بیان کی کہتے سیوطی نے کہا عبدالکریم بن محمد الجرجانی
میں کہتا ہوں تقریب التہذیب میں ہے وہ نوویں طبقہ سے ہے اور ایک سو اسی ۱۸۰ھ کے قریب وفات پائی۔
سیوطی نے کہا اور عبدالمجید بن عبدالعزیز ابی رو اد میں کہتا ہوں روّاد (راء کے فتح اور واو کے تشدید
کے ساتھ ہے) عسقلانی نے کہا صدوق تھا خطا بھی ہو جاتی ہے اور اصحاب اربعہ کے شیوخ سے شمار کیا
سیوطی نے کہا اور عبدالوارث بن سعید میں کہتا ہوں وہ ابو عبیدہ والستوری عنبری کا غلام بصری ہے۔
ابن حجر نے کہا ثقہ مضبوط ہے آٹھویں طبقہ سے اور ۱۸۰ھ میں وفات پائی سیوطی نے کہا اور عبداللہ
بن زبیر قرشی اور عبداللہ بن عمر الزراقی، میں کہتا ہوں وہ ابو وہب اسدی ہے تقریب التہذیب میں کہا ثقہ
فقیہہ ہے کئی بار وہم میں پڑ جاتا تھا آٹھویں طبقہ سے ہے اور ۷۹ سال کی عمر میں ۱۸۰ھ میں وفات پائی اور

اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ سے اسے شمار کیا اور سیوطی نے کہا اور عبداللہ بن موسیٰ میں کہتا ہوں وہ ابو محمد کوفی العبسی ہے شیخ ابن حجر نے کہا ثقہ فقیہہ ہے کئی بار وہم بھی ہو جاتا تھا آٹھویں طبقہ سے ہے ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔

سیوطی نے کہا اور عتاب بن محمد اور علی بن ظبیان میں کہتا ہوں وہ علی بن ظبیان (ظاء معجمہ مفتوحہ کے ساتھ ہے پھر باء موقد ساکنہ) بن ہلال العبسی بغداد کا قاضی نوویں طبقہ سے ایک سو یا نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ عسقلانی نے ابن ماجہ کے شیوخ سے اسے شمار کیا۔ سیوطی نے کہا اور علی بن عاصم میں کہتا ہوں وہ علی بن عاصم تیمی ہے آٹھویں طبقہ سے ہے نوے سال سے زائد عمر میں ۲۰۱ھ میں وفات پائی اور ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے اسے شمار کیا گیا ہے۔

سیوطی نے کہا اور علی بن مسہر اور عمرو بن محمد عنقزی اور ابو قطن عمرو بن ہشیم القطعی میں کہتا ہوں کہ وہ نوویں طبقہ کے صغار میں سے ہیں ۲۰۰ھ میں فوت ہوئے۔ سیوطی نے کہا اور فضل بن موسیٰ میں کہتا ہوں وہ فضل بن موسیٰ السنائی (سین مہملہ مکسورہ اور دونوں کے ساتھ) المروزی، عسقلانی نے کہا ثقہ مضبوط ہیں نوویں طبقہ کے کبار سے ہیں۔ ماہ ربیع الاول ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے اور اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ سے شمار کیے گئے سیوطی نے کہا اور قاسم بن حکم میں کہتا ہوں وہ قاسم العرنی (عین مہملہ کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ اس کے بعد نون ہے) ابو احمد کوفی ہمدان کا قاضی ہے۔

عسقلانی نے کہا صدوق ہے اور اس میں نرمی ہے اور صحاح ستہ کے شیوخ سے شمار کیا گیا ہے ۲۰۸ھ میں وفات پائی۔ سیوطی نے کہا قاسم بن معین، میں کہتا ہوں وہ قاسم بن مَعن (میم کے فتحہ اور عین مہملہ کے سکون کے ساتھ) ابن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود الکوفی ابو عبداللہ قاضی، حافظ ابن حجر نے کہا ثقہ فاضل ساتویں طبقہ میں سے ہے ۱۷۵ھ میں فوت ہوا، ابوداؤد اور نسائی کے شیوخ میں سے ہے۔

علامہ سیوطی نے کہا اور قیس بن ربیع میں کہتا ہوں وہ ابو محمد کوفی ہے جس نے ایک سو ساٹھ سے زیادہ ہجری میں وفات پائی۔ عسقلانی نے کہا صدوق ہے جب بوڑھا ہو گیا تو حافظہ متغیر ہو گیا اور اس کے بیٹے نے جو اس کی مروی احادیث نہیں تھیں وہ مروی احادیث کے ساتھ ملا دیں اور اس کے ساتھ حدیث بیان کی۔

سیوطی نے کہا اور محمد بن ابان اور محمد بن بشیر عبدی میں کہتا ہوں وہ ابو عبداللہ کوفی ہے عسقلانی نے کہا ثقہ حافظ نوویں طبقہ سے ہیں ۲۰۳ھ میں وفات پائی اور اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ سے شمار کیا گیا

سیوطی نے کہا اور محمد بن الحسن الشیبانی، میں کہتا ہوں اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور کہا محمد بن خالد وہبی، محمد بن عبداللہ انصاری، میں ہیں کہتا ہوں شاید وہ ابو مسلمہ بصری آٹھویں طبقہ سے ابن ماجہ کے شیوخ سے ہے۔

سیوطی نے کہا اور محمد بن فضل بن عطیہ میں کہتا ہوں وہ محمد بن فضل کوفی بخارا کے رہنے والے آٹھویں طبقہ سے ہیں اور ابوداؤد اور ابن ماجہ کے شیوخ سے ہیں سیوطی نے کہا اور محمد بن قاسم اسدی! میں کہتا ہوں وہ محمد بن قسم کوفی ہے۔ تقریب التہذیب میں کہا صدوق ہے ساتویں طبقہ سے ہے اور سیوطی نے کہا اور محمد بن مسروق کوفی محمد بن یزید واسطی میں کہتا ہوں وہ ابو سعید، ابو یزید اور ابو اسحٰق شامی الاصل ہیں۔ عسقلانی نے کہا ثقہ، مضبوط، عابد نوویں طبقہ کے کبار آئمہ سے ہیں اور ۱۹۰ھ یا اس سے پہلے یا بعد وفات پائی۔ سیوطی نے کہا اور مروان بن سالم میں کہتا ہوں شاید وہ مروان بن سالم غفاری۔ ابو عبداللہ بن جذری نوویں طبقہ کے کبار میں سے ہیں اور ابوداؤد کے شیوخ میں سے ہے۔

اور سیوطی نے کہا اور مصعب بن مقدام اور معاصی بن عمران موصلی اور مکی بن ابراہیم میں کہتا ہوں وہ ابو السکن تمیمی بلخی ہے حافظ ابن حجر نے کہا ثقہ مضبوط ہے نوویں طبقہ سے اور نوے سال کی عمر میں ۲۱۰ھ میں وفات پائی سیوطی نے کہا اور ابو سہل نصر بن عبدالکریم بن بلخی جو صیقل کے ساتھ مشہور ہیں اور سیوطی نے کہا نضر بن عبدالملک عسکری نضر بن عبداللہ ازدی! میں کہتا ہوں وہ ابو غالب کوفی اصبہان کے رہنے والا نوویں طبقہ سے ہے۔

سیوطی نے کہا اور النضر بن محمد مروزی میں کہتا ہوں وہ ابو محمد اور ابو عبداللہ بنی عامر کا غلام! عسقلانی نے کہا صدوق ہے کئی بار وہم میں پڑا آٹھویں طبقہ سے اور نسائی کے شیوخ سے ہے سیوطی نے کہا اور نعمان بن عبدالسلام! میں کہتا ہوں وہ ابو المنذر اصبہانی تیمی، حافظ ابن حجر نے کہا ثقہ عابد، فقیہہ نوویں طبقہ سے اور ابوداؤد اور نسائی کے شیوخ سے ہیں۔

سیوطی نے کہا اور نوح بن دراج قاضی! میں کہتا ہوں وہ نوح بن دراج نخعی جن کا گلام ابو محمد کوفی آٹھویں طبقہ سے ہے اور ابن ماجہ کے شیوخ سے ہے، سیوطی نے کہا اور نوح بن ابی مریم! میں کہتا ہوں وہ ابو عصمہ المروزی قرشی اور جامع میں جامع علوم سے معروف ہے لیکن محدثین نے اسے ضعیف کہا اور ساتویں طبقہ سے ہے ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔ سیوطی نے کہا مریم بن سفیان اور حوزہ بن خلفیہ! میں کہتا ہوں۔ وہ ابو الاشہب ثقفی کبریٰ، بصری الاصم بغداد کا رہنے والا حافظ ابن حجر نے کہا صدوق ہے نوویں طبقہ سے اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

سیوطی نے کہا اور ہیاج میں کہتا ہوں وہ ہیاج بن بسطام تمیمی برجمی (باء مضموم اور جیم کے درمیان راء ساکن کے ساتھ) ابوخالد سہروی ساتویں طبقہ سے ہے ۱۷۷ھ میں وفات پائی۔

سیوطی نے کہا اور وکیع بن جراح میں کہتا ہوں کہ امام ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا ہے کہ ابو سفیان وکیع بن جراح بن ملیح بن عبدالرواسی کوفی قیس غیلان کے قبیلے سے ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کی اصل یہ ہے کہ وہ نیشاپور کی آبادی سے ایک بستی ہے۔ اس نے اسمٰعیل بن ابی خالد اور ہشام بن عروہ، سلیمان بن اعمش، ابن جریج، اوزاعی اور شعبہ سے سماع کیا، اور اس سے ابن مبارک، قتیبہ بن سعید، احمد بن حنبل یحییٰ بن معین، علی بن مدینی اور ان کے ماسوا بہت سی مخلوق نے روایات کیں، بغداد میں آیا اور وہاں حدیث بیان کی اور یہ ثقہ اصحاب حدیث کے مشائخ میں سے ہے جن کی حدیث پہ اعتماد اور جن کی بات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے بہت بڑی قدر والا یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں نے وکیع سے بہتر کوئی نہیں دیکھا اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور تحقیق آپ سے بہت سی باتیں سنی تھیں ۱۲۸ھ یا ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے اور عاشورہ کے روز ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ اور عسقلانی نے انہیں اصحاب صحاح ستہ کے مشائخ سے شمار کیا ہے۔

اور کہا ثقہ، حافظ، عابد کبار میں سے نوویں طبقہ سے ہے۔ اور کرمانی شرح بخاری میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ میں وکیع سے زیادہ علم کی جستجو کرنے والا اور حفظ کرنے والا نہیں دیکھا اور یحییٰ بن معین نے کہا کہ وہ تمام عمر روزہ رکھا کرتے تھے، اور ہر رات کو قرآن ختم کرتے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیتے انتہی۔

سیوطی نے کہا اور یحییٰ بن ابوایوب مصری اور یحییٰ بن نظر بن صاحب اور یحییٰ بن یمان، اور یزید بن زریع میں کہتا ہوں وہ ابومعاویہ بصری ہے تقریب التہذیب میں کہا ثقہ، مضبوط آٹھویں طبقہ سے ہے ۱۸۲ھ میں وفات پائی اور اصحاب صحاح ستہ کے مشائخ سے شمار کیے گئے ہیں۔

اور سیوطی نے کہا اور یزید بن ہارون! میں کہتا ہوں وہ ابوخالد الواسطی سلمی جن کا غلام ہی؟ حافظ ابن حجر نے کہا ثقہ، پرہیزگار، عبادت گزار نوویں طبقہ سے ہے نوے سال کی قریب عمر میں ۲۰۶ھ میں وفات پائی اور جامع اصول میں ہے اس سے امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، احمد بن منیع، حسن بن عرفہ اور ان کے ماسوا نے روایات کیں بغداد میں آئے حدیث بیان کی ۱۱۸ھ پیدا ہوئے ابن مدینی نے کہا کہ میں نے ابن ہارون سے احمد کو زیادہ حافظ نہیں پایا۔

وہ عالم بالحدیث تھا اور حافظ، ثقہ، عابد، عالم، زاہد تھا زعفرانی نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون سے بہتر احمد کو نہیں دیکھا۔ سیوطی نے کہا اور یونس بن بکیر شیبانی! میں کہتا وہ ابوبکر الجمال کوفی نوویں طبقہ سے ہے ۱۹۹ھ میں وفات پائی اور وہ بخاری مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کے شیوخ میں سے ہے۔

سیوطی نے کہا اور ابواسحٰق فراری! میں کہتا ہوں وہ ابراہیم بن محمد بن حارث الامام ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا وہ ثقہ حافظ، اس کی کئی تصانیف ہیں آٹھویں طبقہ سے ہے ۱۸۵ھ میں وفات پائی اور یا اس کے بعد وفات پائی۔ سیوطی نے کہا اور ابوحمزہ یشکری میں کہتا ہوں وہ محمد بن میمون المروزی ہے، ابن حجر نے کہا ثقہ فاضل ہے ساتویں طبقہ سے ہے ۱۶۷ھ یا ۱۶۸ھ میں وفات پائی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا گیا ہے۔

سیوطی نے کہا اور ابوصغیر الصغانی اور ابوشہاب الحناط الکبیر اور اس کا نام موسیٰ بن نافع اسدی ہے اور ہذلی بھی کہا جاتا ہے تقریب التہذیب میں کہا صدوق ہے، اور چھٹے طبقے سے ہیں اور بخاری مسلم اور نسائی کے شیوخ سے شمار کیا گیا ہے۔

سیوطی نے کہا اور ابومقاتل سمرقندی! میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے کہا کہ وہ مقبول ہے آٹھویں طبقہ سے ہے اور امام ترمذی کے شیوخ میں شمار کیا ہے۔ اور سیوطی نے کہا قاضی! یوسف! میں کہتا ہوں وہ امام فقیہہ الفقہاء، قدوۃ العلماء، یعقوب بن ابراہیم ابویوسف قاضی ہیں جن کا ذکر پہلے شروع میں گزر چکا ہے علامہ سیوطی کا کلام مختتم ہوا۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ بے شک جو کچھ علامہ کا ذکر کیا ہے یہ بہت قلیل ہے اور اب میں اپنے معتمد اصحاب سے ایک جماعت کا ذکر کرتا ہوں، علامہ ابن حجر نے اپنے رسالہ مسلمی خیرات الحسان میں کہا کہ بے شک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں سے ایک عبدالرزاق بھی ہے میں کہتا ہوں کہ جامع الاصول میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ابوبکر عبدالرزاق بن نافع بن حمیدی جن کا غلام یمنی صنعانی ہے اور وہ مشہور کثرت سے روایات کرنے والوں سے ہیں اور صاحب تصانیف کثیرہ اور زمین کے چاروں طرف سے لوگ ان کی طرف آتے انہوں نے معمر اور ثوری اور ان کے ماسوا سے سماع کیا۔

اور ان سے امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، احمد بن منصور اور ان کے ماسوا نے روایت کی ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر نے کہا وہ نوویں طبقہ سے اور ۸۵ سال عمر پائی اور ان میں سے یحییٰ بن ذکریا بن ابی زائدہ جیسا کہ مسند امام ابی حنیفہ میں منقول ہے۔

عسقلانی نے اسے اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ سے شمار کیا ہے اور کہا وہ مضبوط نوویں طبقہ کے کبار سے ہیں ۱۸۳ھ یا ۱۸۴ھ میں وفات پائی امام شافعی نے کہا صحیح روایت کی بنا پر ۱۸۲ھ میں اہل کوفہ

کے عالم یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ الحافظ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابن مدینی نے کہا کہ اس کے زمانہ میں علم اس پر منتہی تھا اور ثوری کے بعد زیادہ مقام والا تھا اور امام جوزی نے انہیں حمزہ کی روایت سے طبقات قراء سے شمار کیا ہے اور ان میں سے ابو یحییٰ حمانی اور وہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کوفی مشہور ثقہ ہے۔ نوویں طبقہ سے ہے ۲۰۳ھ میں فوت ہوا اور عسقلانی نے اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا اور ان میں سے ابوداؤد والطیالسی اس بنا پر جو امام ابومعشر نے اپنے استاد کے ساتھ ابوداؤد والطیالسی اس نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہا کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔

اور عبداللہ بن انیس کوفی ۹۴ھ میں آئے تو میں نے انہیں سنا اور اس وقت میں دس سال کا تھا کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس چیز کی محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے اور ابوداؤد اور یہ سلیمان بن داود بن جارود الطیالسی بصری ہے حافظ ابن حجر نے کہا ثقہ، حافظ، نوویں طبقہ سے ہے ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے اور یہ امام بخاری اور مسلم اور ان کے ماسوا کے شیوخ میں سے ہے اور آپ سے ان تمام نے روایت بھی لیں ہیں۔

اور انہی میں سے جرح و تعدیل کے امام، حافظ، ناقد عظیم المرتبت، کبیر المنزلت آئمۃ الاسلام امام یحییٰ بن معین ہیں۔ اس بنا پر جو ابوحشر نے اپنے استاد کے ساتھ یحییٰ بن معین اس نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا کہ آپ نے عائشہ بنت عجرہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین میں اللہ کا بڑا لشکر ٹڈی ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام کرتا ہوں۔

حافظ ابن حجر نے کہا کہ یحییٰ بن معین عظفانی ان کے سردار ابو ذکریا بغدادی ثقہ حافظ۔ جرح و تعدیل کے امام دسویں طبقہ سے ہے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اور اس تختہ پر انہیں غسل دیا گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس ہاتھ سے چھ لاکھ احادیث لکھی ہیں امام شافعی نے کہا کہ ان سے آئمہ کبار نے روایت کیں ہیں جن میں سے امام مسلم، بخاری، اور ابوداود ہیں اور امام ابوحنیفہ کے تابعین اور آپ کے آثار پر چلنے والے امام یحییٰ بن سعید قطان ہیں اور دلالت کرتی ہے اس پر وہ جسے خطیب نے یحییٰ بن معین سے روایت کیا کہا کہ میں یحییٰ بن سعید کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر کسی کی رائے نہیں سنی اور بے شک ہم نے آپ کے اکثر اقوال اختیار کیے ہیں۔

یحییٰ بن معین نے کہا اور یحییٰ بن سعید فتویٰ میں کوفیوں کی طرف مائل تھے اور ان کے اقوال سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرتے اور آپ کے ساتھیوں کے درمیان سے آپ کی رائے پر چلتے۔

امام ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا کہ یحییٰ بن سعید قطان سے عبدالرحمٰن بن مہدی عفان بن مسلم، علی بن معینی، مسدد، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، محمد بن مثنی اور ان کے ماسوا نے روایات کیں، بغداد میں آئے اور حدیث بیان کی اور وہ امام کبیر، ثقہ حافظ، عالم، عارف بالحدیث مشہور کثیر روایات والے ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور صفر میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ میری آنکھ نے یحییٰ بن سعید جیسا نہیں دیکھا اور ابراہیم بن محمد تمیمی نے کہا کہ میں نے علم رجال کا واقف یحییٰ بن سعید قطان سے زیادہ نہیں دیکھا۔

علامہ ابن حجر نے کہا کہ ابن معین سے پوچھا گیا کیا صفوان نے ان سے روایات کی ہے؟ کہا ہاں سفیان ثوری اور امام ابویوسف سے منقول ہے میری نسبت سفیان ثوری امام ابوحنیفہ کے زیادہ پیروکار ہیں۔

علامہ ابن حجر نے کہا کہ سفیان ثوری نے کہا کہ جب کہا جاتا کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو کہتے تحقیق میں روئے زمین کے زیادہ فقیہہ کے پاس سے آیا ہوں اور نیز کہا کہ بے شک جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ اس چیز کا محتاج ہے کہ آپ سے قدر و مرتبہ اور وافر علم میں اعلیٰ ہو اور اس کی اس واقعہ سے تائید ہوتی ہے کہ جب ان دونوں نے حج کیا تو وہ ان کے آگے چلتے تھے اور وہ آپ کے پیچھے پیچھے اور جب کوئی سوال کیا جاتا تو وہ جواب نہ دیتے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی جواب دیتے انتہیٰ۔

پھر جو بعض مؤرخین نے روایت کیا ہے آپ پر کوئی عیب نہیں ممکن ہے کہ وہ آپ کے حاسدین کی اختراع و وضع ہو جامع الاصول میں سفیان ثوری کے تذکرہ میں کہا وہ ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی ہیں جو کہ مسلمانوں کے امام، اللہ کی تمام مخلوق پر اس کی دلیل، علم، اجتہاد، حدیث، زہد و تقویٰ اور فقہ میں بلند مرتبہ اور علم حدیث اور اس کے علاوہ دوسرے علوم آپ کی طرف منتہی ہوتے ہیں اور وہ آئمہ مجتہدین میں سے ایک ہیں اور اسلام کے احکام اور دین کے ارکان میں سے ایک ہیں۔

سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اور مہدی کی بادشاہی کے وقت ۱۶۱ھ میں بصرہ میں وفات پائی اور ان سے معمر، اوزاعی ابن جریج، سعبہ، ابن عینیہ، فضیل بن عیاض، یحییٰ قطان، وکیع، ابن مبارک اور ان کے ماسوا نے روایات کیں اور انہوں نے ابواسحٰق، عمرہ بن مرہ، منصور اور ان کے

ماسوا سے سماع کیا۔

امام مالک اور یہ کئی بار گزر چکا ہے کہ بے شک امام مالک بن انس امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام ابن اثیر نے کہا اور وہ امام ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر، بنی حمیر بن سباء اکبر پھر بنی یشحب بن قحطان سے ہیں اور ان کے نسب میں اس کے سوا بھی اختلاف ہے ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۴ سال کی عمر میں ۱۷۹ھ مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ واقدی نے کہا کہ وہ نوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اور یحییٰ نامی ان کا ایک لڑکا ہے اور اس کے سوا دوسرے کا علم نہیں اور وہ حجاز کے امام بلکہ فقہ و حدیث میں بلند مرتبہ والے اور انہیں یہی فخر کافی ہے کہ امام شافعی ان کے ساتھیوں میں سے ہیں محمد بن شہاب، یحییٰ بن سعید انصاری، نافع حضرت ابن عمر کا غلام، محمد بن منکدر، ہشام بن عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، سعید مقبری اور ان کے سوا بہت سے لوگوں سے علم حاصل کیا، اور ان سے بے شمار لوگوں نے علم حاصل کیا اور وہ آئمہ بلاد ہیں اور ان میں سے امام شافعی، محمد بن ابراہیم بن دینار، ابو ہشام بن مغیرہ، عبدالعزیز بن ابی حازم اور عثمان بن عیسیٰ اور یہ ان کے ساتھیوں کی طرح ہیں۔

اور معین بن عیسیٰ، یحییٰ بن یحییٰ، عبداللہ بن مسلمہ قعنبی، عبداللہ بن وہب، اصبغ اور ان کے ماسوا اور بھی بے شمار لوگ ہیں اور یہ بخاری، مسلم، ابی داؤد، ترمذی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ان کے سوا بھی آئمہ حدیث کے مشائخ ہیں۔

امام مالک نے کہا کہ بہت کم لوگ ہیں کہ جن سے ہم نے علم سیکھا وہ فوت ہونے تک میرے پاس آتے رہے اور استفادہ کرتے رہے اور امام مالک علم و دین کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے حتی کہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو وضو کرتے اور اپنی مسند کے اوپر بیٹھ جاتے اور داڑھی میں کنگھی کرتے اور خوشبو لگاتے اور بہت وقار اور رعب کے ساتھ بیٹھتے پھر حدیث بیان کرتے تو اس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کروں۔

یحییٰ بن قطان نے کہا کہ لوگوں میں امام مالک سے زیادہ صحیح حدیث نقل کرنے والا کوئی نہیں، امام شافعی نے کہا کہ جب علماء کا تذکرہ ہو تو امام مالک ستارہ ہیں اور امام شافعی نے کہا کہ میں نے امام مالک کی دروازہ پر خراسان کے گھوڑے اور مصر کے خچر دیکھے، ان سے زیادہ اچھے میں نے نہیں دیکھے، میں نے انہیں کہا کہ یہ کتنے حسین ہیں تو آپ نے کہا کہ اے اباعبداللہ یہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہوں تو میں نے کہا آپ اپنے لئے ایک جانور رکھ لیں جس پر سوار ہو لیا کریں تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی

ہے کہ میں اس زمین کو اپنے جانور کے پاؤں کے ساتھ روندوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور اس جیسے اس بلند پہاڑ بحر زاخر کے مناقب ہیں۔

حافظ ابن حجر نے امام بخاری سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے یہ ساتویں طبقہ سے ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، علامہ جزری نے انہیں طبقہ قراء میں سے ذکر کیا ہے کہا آپ نے حضرت نافع سے روایات لیں ہیں اور آپ سے اوزاعی، یحییٰ بن سعید اور حلوانی نے روایت لیں۔ اور امام صاحب کے تمام ساتھیوں میں سے ایک شیخ، زاہد، فقیہہ ابن ایوب عامری ابوسعید بلخی حنفی ہیں۔

ذہبی نے کہا کہ بلخ میں فقہاء اسلام میں سے ایک خلف بن ایوب ابوسعید بلخی ہیں، عوف اور معمر سے اور ایک جماعت سے روایت کی اور ان سے احمد، ابوکریب اور خلف نے روایت کی ابن حبان نے کہا ثقہ ہیں، ابن معین نے ضعیف کہا۔ میں کہتا ہوں اور وہ علم و عمل والے اور خدا پرست تھے صحیح روایت کی بنا پر ۲۰۵ھ میں فوت ہوئے اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی انتہی۔

اور ان میں سے بعض نے کہا کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا اور امام ابویوسف کے شاگرد ہیں اور کہا وہ امام فقیہہ، دیانت صلاح و تقویٰ میں تمام شہروں سے ممتاز تھے اور سفیان ثوری کی صحبت میں بھی رہے اور تقریب التہذیب میں امام ترمذی کے شیوخ سے شمار کیا اور کہا کہ وہ نویں طبقہ سے ہیں ۲۱۵ھ میں فوت ہوئے کنز المخفی میں ہے کہ بے شک خلف بن ایوب علماء کبار جو اپنے علم پر عمل کرنے والے زہد و تقویٰ کی انتہا کو پہنچے ہوئے جس سے ان کے ساتھی اور جیسے ان قاصر رہے اور اللہ کے حق کے لئے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور کہا کہ ابراہیم بن یوسف ایک دن مجلس سے کھڑے ہوئے اور اپنی مسکن میں داخل ہوئے تو ایک عورت آپ کے سامنے کھڑی ہوگئی تو آپ نے اسے فرمایا کہ اپنی ضرورت کے بارے میں بات کر تو اس نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ بے شک علماء کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے تو ابراہیم رو پڑے حتی کہ آنسو کی قطار لگ گئی کہ تو نے غلط کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اتنے عرصہ سے اندھیریوں کے طبقات میں چلے گئے ہیں اگر تیرا ارادہ ہو تو دونوں خلف بن ایوب اور شفیق بن ابراہیم کی قبریں ہیں پھر بہت طویل حضرت خلف کی کرامات کا تذکرہ کیا۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے ان تمام راویوں میں سے ایک حماد بن زید ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے عسقلانی نے کہا حماد بن زید بن درہم ازدی جہضمی ابواسمٰعیل بصری ثقہ، ثبت، فقیہہ ہے بعضوں نے کہا

کہ وہ نابینا تھا اور شاید یہ اس پر عیب لگایا گیا ہو کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ لکھا کرتا تھا اور نوویں طبقہ کے کبار میں سے ہے ۸۱ سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور اسے اصحاب صحاح ستہ کے مشائخ سے شمار کیا گیا ہے۔

اور جامع الاصول میں ہے کہ حماد بن زید وہ عمدہ آئمہ اعلام سے ہے اس سے ابن مبارک، یحیٰی بن سعید بن مہدی نے روایات کیں اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور آپ سے روایت کرنے والوں سے اسمٰعیل بن عیاش ہے جیسا کہ ابو معشر نے اپنی اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور وہ ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کے شیوخ میں سے ہے اور امام عبدالعظیم المنذری نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ بیشک وہ ثقہ ہے، ابن حجر نے کہا کہ وہ آٹھویں طبقہ سے ہے اور ۹۹ سال کی عمر میں ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

اور امام کبیرہ ولی مشہور صاحب مناقب علیاء اور مقامات جلیلہ کے اصحاب میں سے ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ ہے، منقول ہے کہ وہ بے شک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں حاضر ہوا کرتے تھے اور لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور کہتے اے ہمارے سردار ابراہیم اور شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے انہیں مشائخ صوفیہ کے پہلے طبقہ سے شمار کیا ہے اور آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

اور ۱۲۶ھ شام میں وفات پائی۔ اور ان میں سے شیخ جلیل، امام نبیل ابو علے فضیل بن عیاض خراسانی ہیں اور کتب میں ان کی بلند وبالا اور ظاہر کرامات ومقامات منقول ہیں اور شیخ ابوعبدالرحمٰن نے انہیں اکابر صوفیہ کے پہلے طبقہ سے شمار کیا ہے ابراہیم شماس نے کہا کہ میں نے فضیل بن عیاض کو کہتے سنا کہ میں اور ابو وردا ایک ساتھ اکٹھے پیدا ہوئے اور عبداللہ بن محمد نے کہا کہ وہ بخاری الاصل ہیں۔ ۱۸۷ھ یا اس سے پہلے ماہ محرم میں وفات پائی اور ان میں سے قطب الاولیاء قدرۃ الاتقیاء، محبوب صمدانی، ابو یزید بسطامی ہیں جیسا کہ تاریخ مشاغدۃ الاصفیاء لاخوان العلم والصفاء میں بعض سے نقل کرتے ہوئے مذکور ہے اور آپ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی اور میں نے حسین بن یحیٰی سے سنا کہ بے شک وہ ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ واللہ اعلم۔

اور ان میں سے شقیق بلخی ہیں اور ان میں سے شقیق بن ابراہیم ابوعلی ازدی اہل بلخ میں سے ہیں جو از روئے توکل اچھی عادت والے اچھے کلام والے اور وہ خراسان کے مشاہیر میں سے ہیں اور میں گمان کرتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے ہیں جنہوں نے خراسانی طریقہ میں علوم احوال کے ساتھ کلام کیا اور خاتم

اصم کے استاد، ابراہیم بن ادہم کے ساتھی اور ان سے میں طریقہ (سلوک) کو حاصل کیا انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ وہ امام زفر کے شاگرد ہیں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بھی رہے اور ان ہی کے واسطے سے امام ہمام، حجۃ اللہ علی الانام محمد بن علی ابوعبداللہ کلیم ترمذی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ جو کہ نوادر اصول کے مصنف، مقامات علیاء اور کرامات جلیلہ کے مالک ہیں ۲۵۵ھ میں فوت ہوئے شیخ سلمی نے کہا کہ انہوں نے ابو تراب نخشی سے ملاقات کی اور یحیٰی بن جلا، اور احمد حضرویہ کی صحبت میں رہے اور خراسان کے مشائخ کبار میں سے ہیں اور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں اور آپ نے بہت سی حدیثیں لکھیں ہیں کہتا ہوں کہ انہوں نے اپنے باپ محمد بن حسن سے بھی روایت کی ہے اور ان کے واسطہ سے ہی جیسا کہ میرا خیال ہے ابوحمزہ بغدادی سے بھی روایت کی ہے۔

شیخ سلمی نے کہا کہ وہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے اور ابو تراب نخشی کے بعض سفروں میں ان کے بھی ساتھی رہے اور وہ عیسیٰ بن ابان کی اولاد میں سے ہیں اور نیز حضرت بشر (حافی) رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے ۲۸۹ھ میں فوت ہوئے میں کہتا ہوں کہ عیسیٰ بن ابان امام ابوحنیفہ کے فقہاء کے سرداروں میں سے ہیں اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے وفات پائی۔

تتمہ: آپ کے مذہب کے آئمہ فقہاء، محدثین، علماء معتقدین میں سے ایک جماعت کے ذکر میں، ان میں سے امام فقیہہ، محدث، قاری، ابو یعلی، معلّٰی بن منصور قاضی بخاری بغداد کے قریب کے رہنے والے اور حافظ ابن حجر نے انہیں امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا ہے کہا ثقہ، سنی، فقیہہ تھے قاضی بننے کا آپ سے مطالبہ کیا گیا مگر انکار کر دیا اور دسویں طبقہ سے ہیں ۲۱۱ھ میں وفات پائی۔

امام جزری نے انہیں طبقات قراء میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا کہ بے شک معلّٰی بن منصور فقیہہ، حنفی، ثقہ مشہور ہیں ابوبکر سے قراءت کی روایت کی اور امام ابو یوسف کے ساتھیوں میں سے تھے، اور امام مالک بن انس اور لیث سے حدیث روایت کی اور محمد بن سعدان سے قراءت کی روایت کی اور علی بن مدینی اور ابو بکر بن ابی شیبہ سے سماع کیا۔ عجلی نے کہا وہ ثقہ، عمدہ رائے والا، سنت پر چلنے والا ہے کئی بار قاضی بننے کا آپ سے مطالبہ کیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ کتب حدیث معلّٰی عن ابی یوسف کی روایت کے ساتھ بھری پڑی ہیں اور ان میں سے ان کے بیٹے یحیٰی بن معلّٰی بن منصور ابو عوانہ الرازی بغداد کے قریب کے رہنے والے تھے۔

عسقلانی نے اسے ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا ہے اور کہا صدوق، صاحب حدیث ہے گیارویں طبقہ سے ہے اوران میں سے بشر بن ولید کندی امام ابو یوسف کا شاگرد اس سے بغوی، ابویعلی، حامد بن سعیب نے روایات کیں ذہبی نے کہا کہ امام ابو یوسف سے علم فقہ حاصل کیا، وسیع علم فقہ والے اور عبادت گزار تھے دن رات میں ۲۰۰ رکعت ان کا وظیفہ تھا بڑھاپے اور فالج کے بعد بھی ان پر مداوت کی صالح نے کہا صدوق ہے۔ لیکن اتنا عاقل نہیں۔

اور دار قطنی نے ثقہ کہا ہے آٹھویں طبقہ سے ہے۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ ابن حجر نے کہا کہ وہ فقہاء حنفیہ میں سے ہے، اوران میں سے امام محمد بن کثیر بن رفاء بن سماع رفائی کوفی ہیں۔ بغداد کے قاضی بنے اور حفص بن غیاث، عبداللہ بن ادریس اور ابی بکر بن عیاش سے روایت کی اوران سے بخاری، مسلم اوران کے ماسوا نے روایات کیں ۲۴۸ھ میں وفات پائی۔ (رِفَاعَۃ واو کے کرہ اور فاء اور عین کی تخفیف کے ساتھ) دااور سَمَاعہ، سین کے فتحہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے (یعنی دونوں میں شد نہیں)۔

محمد بن سماعہ عبداللہ بن ہلال تمیمی کوفی، قاضی، حنفی، صدوق دسویں طبقہ سے ہیں ۲۳۳ھ میں ۱۰۰ سوسال سے زیادہ عمر میں وفات پائی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ امام حسن بن زیاد لؤلؤی کے شاگرد ہیں اوران میں سے حارث بن مرہ ابو مرہ حنفی یمانی ثم بصری ہے ابن حجر نے کہا کہ صدوق نوویں طبقہ سے ہیں۔

ابن اثیر نے کہا کہ اسمٰعیل بن ہشام حنفی سے روایت کی اوران میں سے امام عالم، صالح فقیہ محمد بن شجاع فقیہ عراق امام حسن بن زیاد کے شاگرد تھے امام یافعی نے کہا کہ ۲۶۶ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر نے کہا کہ گیارویں طبقہ سے ہیں اور ۸۵ سال عمر پائی اور امام جزری نے انہیں قراء کے طبقہ سے شمار کیا اور کہا کہ محمد بن شجاع ابوعبداللہ بلخی بغدادی جو کہ فقیہ حنفی عالم مشہور صالح اور امام احمد سے حاصل کرتے اور امام شافعی کی تنقیص کرتے اور جب وفات کے وقت قریب ہو تو ان تمام سے رجوع کر لیا اوران سے مناقب کو ذکر کیا اور عرفہ کے روز عصر کی نماز کے آخری سجدہ میں ۲۶۴ھ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو وفات پائی اوران میں سے امام طحاوی ہیں۔

(امام طحاوی) امام ابن اثیر نے کہا وہ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی ہیں۔ مصر میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ریاستف وعلمیہ) ان پر منتہی ہوتی ہے۔ جعفر بن عمران اور ابی حازم عبدالحمید بن عبدالعزیز سے علم حاصل کیا۔ شافعی المذہب تھے اور مزنی سے علم فقہ حاصل کیا تو اس سے جعفر بن عمران کی طرف منتقل ہوئے اور علم کی انتہاء کو پہنچے اور کئی کتابیں تصنیف کیں ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۱ھ میں

وفات پائی امام یافعی نے کہا کہ انہوں نے مفید کتابیں تصنیف کیں ان میں سے احکام قرآن، اختلاف العلماء، معانی الآثار، شروط، تاریخ کبیر اور انکے ماسوا بھی اوران کی نسبت مصر کے قریب ایک بستی کی طرف ہے۔

امام جزری نے کہا کہ امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کو محمد بن سنان سے یعنی شیرازی کی نسبت سے حاصل کیا ہے اور وہ محمد بن حسن شیبانی سے ہیں اور علم قراءت موسیٰ بن عیسیٰ سے اس نے خلف سے اس نے یحییٰ سے اس نے حمزہ سے جن کو میں امام طحاوی کے شیوخ خیال کرتا ہوں اوران کے ماسوا جعفر بن عمران سے بھی عسقلانی نے کہا کہ وہ جعفر بن محمد بن عمران ثعلبی کوفی اپنے دادا کی طرف بھی منسوب کہا جاتا ہے صدوق ہے اور گیارویں طبقہ سے اور اسے امام نسائی اور ابن ماجہ کے شیوخ سے شمار کیا ہے۔

اوران میں سے طحاوی کے علاوہ ابو حازم عبدالحمید بن عبدالعزیز حنفی ہے امام یافعی نے کہا کہ وہ قاضی القضاۃ تھے اوراس سے کئی روایات مروی ہیں اور صاحب محاسن ہیں اور ۲۹۵ھ میں وفات پائی اور ان میں سے امام عصمہ عصام بن یوسف بلخی شیخ الحنفیہ ہیں ابومطیع نے کہا کہ اگر عصام حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوتا تو آپ اس سے مشورہ کرتے ۸۴ سال کی عمر میں ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ اور ان میں سے امام آئمہ الہدیٰ فقیہ الفقہاء عمدۃ المحدثین شیخ شہیر ابوحفص کبیر بخاری ماوراء النہر کے شیخ ہیں امام ربانی محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد ہیں اور بخارا میں ۷۲ سال کی عمر میں ۲۱۷ھ میں وفات پائی۔ اور امام بخاری سے ایک مسئلہ پر کہ بچے کو غیر آدمی سے دودھ پلانے سے رضاعت کے ثابت ہونے میں اختلاف کرتا اوراس وجہ سے امام بخاری کا انہیں نکال دینا ثابت ہے جیسا کہ کتب میں مشہور ہے۔

اوران میں سے قاضی بکاء بن قتیبہ امام طحاوی اوران کے ماسوا کے استاد ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ جہان میں اللہ کی کتاب کے لئے رونے والوں میں تھے۔ اور کئی سال قید میں رہے اور قید میں ہی احادیث بیان کیا کرتے تھے اور ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ اوران میں سے عبداللہ بن بارق حنفی کوفی امام ابوعبداللہ کوفی جو کہ امام ترمذی کے شیوخ میں سے ہیں کہ شیخ ہیں اور آٹھویں طبقہ سے ہیں جیسا کہ تقریب التہذیب میں مذکور ہے۔

اوران میں سے عمدۃ المحدثین حافظ قاضی ابوالعباس احمد بن محمد بن عیسیٰ برقی فقیہ حافظ صاحب مسند ہیں امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ فقہ کی بصیرت رکھنے والے اور حدیث کو پہچاننے والے تھے اور

یہ زاہد، اعیان حنفیہ میں سے بڑی قدر و منزلت والے ہیں ۲۸۰ھ میں وفات پائی اور ان میں سے شیخ عالم حکم بن معبد خزاعی فقیہہ اصفہانی میں امام یافعی نے کہا کہ وہ اکابر حنفیہ اور ثقات میں سے ہیں ۲۹۵ھ میں فوت ہوئے اور البرقی یہ برق کی طرف منسوب ہے اور یہ خوارزم کے علاقہ میں بہت بڑا مقام ہے اور وہ لوگ بخارا میں منتقل ہوگئے اور برق اس کی اصل بَرۃ‘‘ ہے ایسا ہی الانساب میں ہے اور ان میں سے ابوالحسن علی بن موسیٰ قمی صاحب احکام قرآن، اور امام حنفیہ محمد بن شجاع کے شاگرد اور احمد بن سعدون کے شیخ اسی طرح الانساب السمعانی میں ہے۔ ۳۰۵ھ میں وفات پائی اور ان میں سے قاضی اسمٰعیل بن حماد بن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں امام یافعی نے فرمایا کہ وہ زاہد، عبادت اور دل فی الاحکام کے ساتھ موصوف تھے بغداد کے قاضی بنے پھر بصرہ کے اور ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

امام عسقلانی نے کہا کہ وہ نویں طبقہ سے ہیں اور مامون الرشید کی خلافت میں فوت ہوئے۔ امام ذہبی نے کہا کہ انہوں نے عمر بن ورد، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب اور طائفہ سے روایات کیں اور ان سے سہل بن عثمان عبدالمؤمن رازی اور ایک جماعت نے احادیث نقل کیں اور وہ کبار فقہاء میں سے ہیں اور محمد بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک کوئی بھی اسمٰعیل سے زیادہ علم والا مضبوط قضا کا والی نہیں ہوا۔ کہا گیا ہے اور نہ حسن کہا اور نہ ہی حسن بصری۔

اور ان میں سے شیخ فقیہہ عبدالکبیر بن عبدالمجید بصری ابوبکر حنفی ہیں امام عسقلانی نے کہا کہ وہ ثقہ نویں طبقہ سے ہیں اور وہ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ کے شیوخ میں سے ہیں ۲۰۴ھ میں وفات پائی اور ان میں سے محمد بن خالد بصری حنفی امام ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کے شیوخ میں سے ہیں حافظ ابن حجر نے انہیں دسویں طبقہ سے شمار کیا ہے۔

اور ان میں سے محمد بن مبشر ابوسعید صاغانی بلخی حنفی ہیں امام ابن حجر نے کہا کہ وہ نویں طبقہ اور امام ترمذی کے شیوخ میں سے ہیں اور ان میں سے شیخ ایوب بن نجار ابواسمٰعیل حنفی ہیں حافظ ابن حجر نے کہا کہ وہ ثقہ اور مدلس آٹھویں طبقہ سے ہیں اور یہ ابوداؤد مسلم اور نسائی کے شیوخ سے ہیں اور انہی میں سے یونس بن قاسم ابوعمر یمانی حنفی ہیں۔

تقریب التہذیب میں کہا کہ وہ ثقہ آٹھویں طبقہ سے ہیں اور وہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور انہی میں سے فقیہہ ابوجبہ محمد بن مقاتل رازی اعیانِ حنفیہ میں سے ہیں عسقلانی نے انہیں محدثین کے گیارویں طبقہ سے شمار کیا ہے۔ اور انہی میں سے امام احمد بن حسین بغداد میں شیخ الحنفیہ ہیں۔ اور امام

یافعی نے کہا کہ داؤد ظاہری نے ان سے ایک بار مباحثہ کیا تو وہ آپ سے شکست کھا گیا؟ اور ۳۱۷ھ میں وفات پائی۔

اور ان میں سے فقیہہ صالح محمد بن عبداللہ بن دینار نیشاپوری ہیں۔ تاریخ یافعی میں امام حاکم سے روایت ہے کہ وہ دن میں روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے اور فقر پر اصرار کرتے، میں نے اپنے مشائخ میں اصحاب رائے میں ان سے زیادہ عبادت کرنے والا نہیں دیکھا ۳۳۸ھ میں فوت ہوئے۔ اور انہی میں سے اہل معقلو کے معتمد بشر مریسی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں ۲۱۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے عارف کبیر، ولی شہیر یحییٰ بن معاذ رازی ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا ابوحنیفہ کے علم کے پاس۔ سلمی نے کہا کہ امام یحییٰ بلخ کی طرف گئے اور ایک مدت تک وہاں مقیم رہے پھر نیشاپور کی طرف چلے گئے اور وہاں ۲۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ ان کے بے شمار محاسن ہیں تو جو ان پر مطلع ہونا چاہئے تو وہ مطولات کی طرف رجوع کرلے اور انہی میں سے حنفی اصول و فروع میں اہل لغت کے مقتداء حافظ مصری ہیں اور تواریخ میں مذکور ہے کہ فنون ادبیہ میں ان کے کمالِ علمی کو دیکھنے والا حیران ہو جاتا ہے اور علم عربیہ میں اسے بہت اعلیٰ مقام حاصل ہے، ۲۵۵ھ میں وفات پائی۔

اور انہی میں سے فقیہہ ابوبکر یحییٰ بن نصر بلخی قرشی ہے ۲۶۸ھ میں وفات پائی اور انہی میں سے علامہ شیخ ماوراء النہر ہیں اور حنفیہ کے شیخ ابومحمد عبداللہ بن محمد بخاری ہیں امام یافعی نے کہا کہ وہ محدث فقہ کے سردار کئی کتابیں تصنیف کیں۔ اور ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور ان میں سے امام علی الاطلاق عراق میں حنفیہ کے شیخ ابوالحسن عبداللہ بن حسین کرخی ہیں، امام یافعی نے کہا کہ اس کے آئمہ کے ساتھیوں نے اس سے احادیث کی تخریج کی ہے اور وہ امام قناعت پسند، پاک دامن، عامل، روزہ دار، قیام کرنے والا بہت بڑی قدر والا تھا ۸۰ سال کی عمر میں ۳۴۰ھ میں وفات پائی اور ان میں سے حرمین کے قاضی اپنے وقت میں احناف کے شیخ ابوالحسن احمد بن محمد نیشاپوری ہیں۔

امام یافعی نے کہا کہ امام ابوالحسن کرخی کے پاس علم فقہ حاصل کیا اور فقہ میں خوب کمال حاصل کیا اور ۳۵۱ھ میں وفات پائی اور انہی میں سے امام فقیہہ، محدث پرہیزگار بدعت کو ختم کرنے والے ابوبکر محمد فضل

بخاری حنفی ہیں ۳۲۵ھ میں وفات پائی۔

اور انہی میں سے امام عابد اور فقیہ زاہد ابوبکر طرخان بخاری ہیں ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام ہدایت کے نسان، اہل معقول و منقول کے مقتداء ابو منصور ماتریدی، متکلم، فقیہ، حنفی، مشہور مفسر ہیں اور ماوراء النہر اوران کے علاوہ حنفی باشندے ان کی اتباع کی وجہ سے اہل سنت کہلاتے ہیں اور کلام میں آپ کے مذہب کی پیروی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ امام ابو منصور امام ابوحنیفہ کی بہت پیروی کیا کرتے تھے۔ سمرقند میں ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔

امام صدر الاسلام نے آپ کے عقائد کے بارے کہا کہ امام ابو منصور، تریدی سمرقندی اہل سنت کے روسا اور صاحب کرامت تھے میرے والد شیخ امام نے اپنے دادا شیخ امام زاہد عبدالکریم بن موسیٰ سے آپ کی کرامات نقل کی ہیں اور کہا کہ ہمارے دادا نے ہمارے اصحاب کی کتب کتاب التوحید اور کتاب التاویلات کے معانی شیخ ابو منصور سے حاصل کئے ہیں انتہی۔

اور یہ دونوں کتابیں شیخ ابو منصور کی تالیفات میں سے ہیں اور ان میں سے فقیہ زاہد محمد بصری، پرانی حنفی ہیں بخارا میں ۳۳۵ھ میں وفات پائی اور ان میں سے علامہ فقیہ زاہد محمد بن یعقوب حنفی بخاری ہیں ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔

انہی میں سے علامہ وجیہ ابوعمرو بصری امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں کتابیں جامع صغیر اور جامع کبیر کے شارح ہیں ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے علی بن محمد ہیں علامہ جزری نے طبقات قراء میں کہا کہ علی بن محمد بن کاس نخعی بغدادی حنفی دمشق کے قاضی اور مطلقاً احناف میں سب سے پہلے قاضی ہیں اور قراءت محمد بن علی بن عفان، محمد بن حسن عطیہ، سہل بن سعد اور محمد بن خلف سے روایت کی اور ان سے قراءت عبدالواحد بن عمر اور حافظ ابوالحسن علی بن عمر نے روایت کی اور ان میں سے شیخ ثقہ، فقیہ، محدث قاری عیسیٰ بن سلیمان ابوموسیٰ حجازی المعروف شیرازی ہیں۔

جزری نے کہا عیسیٰ بن سلیمان حنفی قاری عالم نحوی مشہور ہیں، سبط خیاط نے کہا کہ وہ حجازی تھے پھر شیراز کی طرف منتقل ہوگئے اور فوت ہونے تک وہیں مقیم رہے اور اس سے کسائی نے سماعاً اور عرضاً علم قراءت حاصل کیا اور اسی لئے اس کی منفرد اشیاء ہیں اور علم فقہ محمد بن حسن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی سے حاصل کیا اور قراءت اسمٰعیل، نافع، ابوجعفر اور شیبہ سے روایت کی اور اس سے محمد بن عفان شیرازی، موسیٰ بن شعیب اور محمد بن عامر قرشی اور حارث بن سعید بزری نے روایت کی اور کسائی کے قدماء ساتھیوں

میں سے تھے اور نحوی عالم اور قراءت کے کئی وجوہ کو جاننے والے تھے اور محدث تھے پہلے عراق میں داخل ہوئے اور ان سے (روایت کر کے) کتابیں لکھیں۔ پھر شام کی طرف کوچ کیا۔

تو انہوں نے ان سے علم کثیر حاصل کیا اور ان میں سے ابن سنان بن سرج ابوجعفر تنوخی، شیرازی، ضریر، شیراز کے قاضی ہیں، علامہ جزری نے کہا کہ صاحب ضبط قاری تھے اور علم قراءت عیسیٰ شیرازی صاحب کسائی، احمد انطاکی وغیرہ سے حاصل کیا اور علم قراءت ابن شنبوذ، ابراہیم بن عبدالرزاق، محمد بن عبداللہ رازی، عبدالصمد بن سعید حنفی، محمد بن احمد بن محمد ہروی سے روایت کیا اور طحاوی اور طبرانی نے روایت کی اور انہی سے امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب حاصل کیا اور انہوں نے عیسیٰ شیرازی سے اور اس نے امام محمد بن حسن سے! اور ۳۱۷ھ میں وفات پائی اور انہی میں سے محمد بن احمد بن صاعد ابوسعید نیشاپوری قاضی حنفی ہیں۔

علامہ جزری نے کہا کہ انہوں نے حروف احمد بن ابراہیم ابن مہران کے ذریعہ سے روایت کئے اور اس سے حافظ ابوعلاء ہمدانی نے روایت کئے اور انہی میں سے شیخ فقیہ محمد بن عامر ابوعلی قرشی اعیانِ حنفیہ اور ثقات میں سے ہیں اور طبقات قراءت میں ہے کہ یہ قاری ہیں عیسیٰ بن سلیمان شیرازی سے علم قرأت حاصل کیا اور ان سے ان کے بیٹے نے قراءت سیکھی اور انہی میں سے علی بن محمد عامر قرشی ہے۔

جزری نے کہا کہ اس سے اسمٰعیل بن حسن خاشع عسقلانی نے قراءت حاصل کی اور انہی میں سے شیخ قاری محمد بن حفص حنفی کوفی ہیں طبقات قراء میں کہا کہ انہوں نے حمزہ سے اور اس نے اس احمد سے جسے کوفہ میں علم قراءت سکھانے کے لئے چھوڑا اس سے قراءت حاصل کی اور حروف کو حفص سے اس نے عاصم سے روایت کئے اور اس سے عرضاً غلبہ ضرآ لاحمری نے روایت کئے اور محمد بن علی بن خصالہ کوفی جو کہ حفص ابوعبداللہ حسن بن جامع اور یحییٰ بن زکریا کے کبار ساتھیوں میں سے ہیں سے بھی حروف کو سنا، اور انہی میں سے محمد بن عبداللہ بن حسین کوفی حنفی قاضی اور فقیہ ہیں۔

طبقات قراء میں کہا کہ یہ نحوی، قاری، ثقہ اور ہروانی کے ساتھ مشہور ہیں (ہروانی ہاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے) اور قراءت محمد بن حسن بن یونس وغیرہ سے حاصل کی اور ان سے عرضاً ابوعلی بغدادی، ابوعلی غلام ہراس، محمد بن علی بن حسن علوی اور ابوالفضل خزاعی نے قراءت حاصل کی۔ خطیب نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں اور بغداد میں حدیث بیان کی اور جس نے اسے کوفہ میں مقرر کیا تھا وہ کہتا تھا کہ کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد سے لے کر اس وقت تک کوئی بھی اس سے زیادہ فقیہ نہیں ہے۔

اور عقیقی نے کہا کہ میں نے اس جیسا کوفہ میں کوئی نہیں دیکھا اور ابو علی ملکی نے کہا کہ یہ اجلّہ اصحاب حدیث میں سے تھا اور اہل عراق کے مذہب پر جلیل القدر فقیہہ ابو اخرص علی واسطی نے کہا کہ حنفی اپنے زمانہ میں جلیل القدر تھا اور قرآن و حدیث حاصل کرنے کے لئے لوگ اس کے پاس ہر شہر سے آیا کرتے تھے اور یہ وہ ہے جو ختم قرآن کے وقت سورہ اخلاص تین بار لوٹایا کرتا تھا اور اعشیٰ کی روایت ہے کہ وہ اس کے ساتھ منفرد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ اس کا اپنا پسندیدہ کام ہے۔ اور ان میں سے شیخ جلیل محمد بن ہارون بن نافع بن ابی بکر حنفی بغدادی جو کہ تمار کے ساتھ مشہور اور بصرہ کے قاری ہیں۔

طبقات قراء میں کہا کہ مشہور ضبط کرنے والے ہیں حضرت اولیس سے علم قراءت حاصل کیا، دانی نے کہا کہ وہ ان کے ساتھیوں سے بڑی قدر والے اور زیادہ ضبط والے ہیں اور اس کے ماسوا نے کہا کہ اولیس کے پاس سے ۲۴ بار قرآن ختم کیا اور ۲۳ بار منقطع طریقہ پر اور نیز حضرت ذزہ، اثرم، ابن فتح نحوی اور ان کے ماسوا سے روایات کیں اور ان سے احمد بن محمد یقطینی، ابو بکر نقاس، ابو بکر بن انباری عبداللہ بن نحاس، ابو الفرج شنبوذی اور ان کے علاوہ کئی اکابر نے عرضا اور سماعا روایات کیں، اور انہیں میں سے حافظ فقیہہ نصر بن قسم بن نضر بن زیاد ابو لیث فرائضی حنفی ہے اور یہی ان کی نسبت کے بارے میں صحیح ہے جیسا کہ خطیب نے ذکر کیا اور کہا کہ وہ نیشاپوری ہیں ابو لیث قراری، ابو ہمام، ابو بکر بن ابی شیبہ اور ان کے علاوہ سے سماع کیا اور اس سے ابو الحسن منقری، عمرو بن محمد بن سنیک، ابو حفص بن شاہین اور انکے علاوہ نے روایت کی اور وہ ثقہ مامون تھے۔

امام فرائضی علم میں بڑے مرتبہ والے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے فقیہہ تھے، اور ابو عمرو کی قراءت پر بہت بڑے قاری تھے اور ابن غالب شجاع بن نصر اور ابو عمر کو قراءت سکھائی اور امام ابو لیث نے جمعرات ۲۳ ربیع الثانی ۳۱۴ھ میں وفات پائی اور ان میں سے امام ربانی فقیہہ ابو جعفر صدوانی بلخی ہیں امام یافعی نے فرمایا کہ انہیں چھوٹا ابو حنیفہ کہا جاتا ہے، بخارا میں فوت ہوئے اور اپنے وقت میں علاقہ کے شیخ تھے اور ۳۲۶ھ میں فوت ہوئے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ فقہ اور حدیث میں فقیہہ ابو لیث سمرقندی کے استاذ ہیں اور علی بن محمد وراق، ابو القاسم احمد بن صومہ، محمد بن عقیل بلخی کندی سے روایت کی اور ان میں سے امام احمد بن علی بغداد میں شیخ حنفیہ اور امام ابو الحسن کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی امام یافعی نے کہا کہ مذہب کی بادشاہی ان پر ختم ہوئی اور وہ زہد کے ساتھ مشہور تھے اور ان کی کئی تالیفات ہیں ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔

ان میں سے شیخ علامہ ابو سعید عبدالرحمٰن بن محمد بن خشکی حنفی نیشاپور کے حاکم ۳۷۴ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے فاضلِ ادیب اور فنون میں ماہر قاضی ابو القاسم علی بن محمد تنوجی حنفی ہیں امام یافعی نے کہا کہ جہاں کے اذکیاء میں سے اور اشعار میں دعاؤں والے مشہور، اور کلام اور نحو کو جاننے والے اور ان کا ایک دیوان بھی ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن اور رات میں چھ ہزار اشعار یاد کر لئے تھے ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ محمد بن عمران مرزبانی اور ان کے علاوہ سے روایت کی اور انہی میں سے محسن بن علی بن ابو القاسم تنوجی المقدم جس کے بارے میں ابو عبداللہ نے کہا ہے

اذا ذكر القضاة وانت فيهم تحيرت الشباب على الشيوخ

جب قاضیوں کا ذکر ہو اور تو ان میں ہے (تو یہ ایسا ہی ہے) کہ جوانی بوڑھوں پر حیران ہو۔ اور ان کی تالیفات کتاب فرج بعد شدۃ۔ نشوان المحاضرہ کتاب المستجاد، اور دیوان شعر جو کہ دیوان ربیہ سے بڑا ہے اور بصرہ میں ابو العباس اصوم الاصوم سے سماع کیا اور ان کے طبقہ سے ہے۔ بغداد میں تشریف لائے اور اپنی وفات تک وہیں حدیث بیان کرتے رہے۔

اور ان کا ایک لڑکا صاحب فضیلت تھا جو کہ علاء مقری میں صحبت میں رہتا تھا اور اس سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا اور یہ کثرت سے اشعار روایت کرتے یہ تمام اہل بیت ادیب، دانا، صاحب فضیلت ہیں اسی طرح تاریخ یافعی میں ہے اور ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔ اور انہی میں سے ابو لیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی بلخ کے رہنے والے، امام ابو جعفر ہندوانی جو کہ آئمہ اعلان میں سے ایک ہیں کہ شاگرد اور صاحب تصانیف مفیدہ ہیں اور ابو جعفر سے روایت کی اس نے احمد بن عصمہ سے اس نے نصر بن یحییٰ سے اس نے ابو مطیع سے جو کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور اس نے اپنے باپ محمد بن ابراہیم اور اس نے ابو الحسن فراء فقیہہ سمرقندی سے اور اس نے ابو بکر جوزجانی سے جو کہ امام ربانی محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد ہیں اور اس نے منصور بن جعفر ابو نصر دبوی جو کہ مشہور امام ہیں سے اور اس نے احمد بن عصمہ سے اور اس نے عیسیٰ بن احمد سے اور اس نے علی بن عاصم کہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں سے روایت کی۔

اور نیز ابو القاسم عبدالرحمٰن بن محمد سے روایت کرتے ہیں وہ فارس بن مردویہ سے وہ محمد بن فضل سے وہ علی بن عاصم مذکورہ سے۔ اور نیز محمد بن فضل اور خلیل بن احمد اور ان کے علاوہ کئی علماء سے روایت کرتے ہیں ۳۵۰ھ یا ۳۷۰ھ میں وفات پائی۔ اور ان سے ابو القاسم بن یونس سمرقندی اور ان کے علاوہ کئی سرکردہ افراد نے روایت کی اور انہی میں سے فقیہہ حنفی ابو القاسم نصر آبادی ہیں جو ۳۷۰ھ میں فوت

ہوئے۔ اور انہی میں سے امام نبیل ابوبکر احمد بن محمد اسمٰعیل صاحب روایت ودرایت، فقیہہ حنفی، شیخ امام زندویستی، صاحب روضۃ العلماء، ہیں ۳۸۶ھ بخارا میں وفات پائی اور انہیں میں سے ولی کبیر عارف شہیر ابوالقاسم سمرقندی فقیہہ عالم حنفی ہیں۔

اور فصل الخطاب میں ہے کہ شیخ ابوالقاسم حکیم شیخ ہدایت کے نسان، اہل سنت والجماعت کے رئیس ابومنصور ماتریدی کے ساتھی تھے وفات تک وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور تحقیق لوگوں نے شیخ ابوالقاسم حکیم کی تعریف میں کہا ہے کہ ان کی نظر عرش سے تحت الثریٰ تک اللہ عزوجل کے سوا کسی طرف نہیں ہوتی تھی اور مخلوق کے ساتھ ان کا معاملہ ان کے حقوق کی تلاش کے لئے تھا نہ کہ اپنے حصہ کے لئے اور الانساب میں ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ اور وہ ان میں سے ہیں جنہیں بطور مثالی پیش کیا جاتا ہے، اور بیشک ان کی حکمت کی تدوین کی گئی اور اس کا تذکرہ زمین کے مشرق ومغرب میں پھیل گیا۔

اور بیشک محرم یوم عاشورہ ۳۴۲ھ سمرقند میں وفات پائی اور جاگرویزہ کے مقبرہ میں دفن کیے گئے اور میں نے ایک بار ان کی قبر کی زیارت کی ہے اور التعرف میں ہے کہ باب کو ان کے ذکر کے ساتھ ختم کیا ہے اور انہی میں سے امام آئمہ اسلام کے مقتداء ابوالحسین احمد بن محمد فقیہہ حنفی قدوری ہیں۔

امام یافعی نے کہا کہ عراق میں احناف کی ریاست ان پر منتہی ہوتی ہے اور نظر میں عبارت کو حسین بنا دیتے اور حدیث کی سماعت کی۔ ان سے خطیب ابوبکر قدوری نے روایت کی۔ ہانڈیوں کے بنانے کے عمل کی طرف منسوب ہیں ۴۲۸ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام صاحب ولایت فقیہہ محدث ابو شعیب صالح بن محمد بخاری شمس الآئمہ حلوانی کے استاد ۴۰۰ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام ابوبکر خوارزمی ہے۔ امام ابن اثیر نے کہا کہ وہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن محمد خوارزمی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے امام فقیہہ ہیں، بغداد میں سکونت رکھی اور اس میں ابوبکر شافعی اور ان کے علاوہ سے سماع کیا۔ اور ابوبکر احمد بن علی رازی سے درس فقہ حاصل کیا اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ریاست ان پر منتہی ہوتی ہے۔

اور ان سے ابوبکر برقانی نے حدیث بیان کی وہ عالم، اچھے اعتقاد والے اور اچھی طریقت والے تھے ۴۰۳ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام فخر الدین ہیں۔ ابن اثیر نے کہا وہ قاضی امام فخر الدین محمد بن علی ارسابندی، مروزی، امام ابوحنیفہ کے مذہب کے فقیہہ ہیں اور پانچویں صدی کے آخر میں ان کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

اور ان میں سے قاضی ابوالہیثم تمیمی خراسان میں حنیفہ کے شیخ ہیں ۴۰۶ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے امام ابوعبداللہ جعفی امام ابوحنیفہ کے مذہب کے آئمہ اعلام میں سے ایک ہیں ۴۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

اور انہی میں سے امام الہدیٰ ابوعبداللہ ترمذی حنفی ہیں اور ۴۴۶ھ میں فوت ہوئے۔ اور ان میں سے میرے گمان کے مطابق حافظ ابوسعید مسمان اسمٰعیل بن علی رازی ہیں۔ کتانی نے کہا کہ وہ حافظ کبیر، عابد، زاہد تھے اور چار ہزار شیوخ کبار سے سماع کیا اور قراءت فقہ اور حدیث سردار تھے۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے مذاہب کو جانتے تھے۔ لیکن معتزلہ کے رؤسا میں سے ہیں ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے اور اسی طرح تاریخ یافعی میں ہے اور ان میں سے فقیہہ کبیر ابوالقاسم بن یونس امام فقیہہ ابولیث سمرقندی کتاب البہجہ فی مناقب ابی حنیفہ کے مصنف کے شاگرد ہیں اور ۴۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ اور ان میں سے شیخ امام ابوزید دبوسی اسرار وتقویم الادلۃ الاقصیٰ اور ان کے علاوہ کئی تصانیف جلیلہ کے مصنف ماوراء النہر میں حنیفہ کے شیخ ہیں۔

کہا گیا ہے کہ یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اختلاف کو نکالا اور بخارا میں ۶۳ سال کی عمر میں ۴۳۰ھ میں وفات پائی اور امام ابوبکر طرخان کے قرب میں دفن کیے گئے اور ان میں سے قاضی القضاء ابو عبداللہ دامغانی خراسان میں علم فقہ حاصل کیا پھر بغداد میں علامہ قدوری سے اور صوری اور ایک جماعت سے بھی سماع کیا اور مرتبہ میں امام ابویوسف کے مماثل تھے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں آپ کے قبہ میں مدفون ہوئے ۴۷۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے احمد بن صاعد ابونصر حنفی ہیں اور انہیں شیخ الاسلام بھی کہا جاتا تھا ۴۸۲ھ میں وفات پائی۔

اور ان میں سے امام ابوبکر ناصحی ہیں اور وہ اپنے زمانے میں احناف میں افضل اور مذہب کو ان سے زیادہ جاننے والے اور ادب اور طب میں وافر حصہ کے ساتھ ساتھ مناظرہ میں صاحب وجاہت تھے ۴۰۴ھ یا ۴۰۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے عالم فاضل ابوالحسن علی بن محمد طالقانی بلخ میں احناف کے شیخ ہیں جو ۴۳۲ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے فقیہہ مذکرہ امام معز ابو مالک نصر بن حمزہ حنفی صاحب کتاب واللطائف وغیرہ ہیں ۴۰۲ھ یا ۴۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

اور انہی میں سے امام، امام الآئمہ، ماوراء النہر میں شیخ حنفیہ ابومحمد عبدالعزیز ملقب بہ شمس الآئمہ حلوانی، امام فخر الاسلام سرخسی کی استاد ہیں بخارا میں ۴۴۹ھ میں وفات پائی اور ان میں سے عالم، مقتداء،

حنفیہ کے مقتداء اور ابو سعید عبدالرحمٰن زوزنی جو کہ ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے اور امام قوتی ابو غالب واسطی، معروف بہ ابن خالہ حنفی جو کہ ۴۶۲ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے ابوالقاسم عبدالواحد بن برہان باء کے فتحہ کے ساتھ، نحوی صاحب تصانیف ہیں۔

خطیب نے کہا کہ وہ علوم کثیرہ کے ساتھ کامل سیر شدہ تھے جس میں سے علم نحو لغت اور نسب ہیں۔ اور انہیں علم حدیث میں بہت اُنس تھا۔ حنفی فقیہہ تھے حضرت ابوالحسن بصری سے علم کلام حاصل کیا اور انہی میں سے عارف کبیر، ولی شہیر علی بن عثمان، غزنوی ہجویری صاحب کتاب کشف المحجوب وغیرہ ہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی گود میں ایک آدمی کو اٹھائے ہوئے ہیں جیسا کہ بچے کو اٹھایا جاتا ہے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون ہیں؟

فرمایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں اور تیرے علاقے کے امام ۴۶۴ھ لاہور میں وفات پائی اور آپ کا مزار وہاں مشہور ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ برکت اور آپ کا مزار وہاں مشہور ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ برکت حاصل کی جاتی ہے اور انہی میں سے شیخ متقی عبدالکریم ازرقی فقیہہ حنفی جلوانی کے شاگرد ۴۸۱ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے آئمہ اعلام کے امام کامل پرہیزگار فخر الاسلام ابوالحسن علی بزدوی صاحب اصول معروف الحصول اور لباب۔ حلوائی کے شاگرد اور وہ امام صدر الاسلام کے بھائی ہیں اور فخر الاسلام کی ان کے کلام کے دشوار ہونے کی وجہ سے ابوالعسر کنیت تھی اور ان کے بھائی صدر الاسلام کی کنیت ان کے کلام کے آسان ہونے کی وجہ سے ابوالیسر تھی۔

۵ رجب بروز جمعرات ۴۸۲ھ کو سمرقند میں وفات پائی، بخارا کے علاقہ ویزہ میں مدفون ہوئے اور انہی میں سے فقیہہ جلیل امام ابوبکر ابن محمد بخاری کے بھانجے ہیں جو کہ ۴۸۳ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے امام ابوالحسن یحییٰ بن علی بخاری زندوتی صاحب کتاب دومعتہ العلماء، امام ابوبکر محمد بن فضل بخاری اور امام ابوبکر اسمٰعیل وغیرہ سے روایت کی اور وہ تقریباً ۵۰۶ھ کے قریب فوت ہوئے ہیں اور ان میں سے علامہ محمد بن یوسف، علامہ جزری نے کہا کہ محمد بن یوسف بن علی ابوالفضل غزنوی حنفی، قاری، ناقد مفسر، فقیہہ ۵۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے بچپن میں ابوبکر قاضی مارستان اور ابی منصور خیرون سے سماع کیا۔

ابو محمد سبط الخیاط اور ابی الکرم شہزوری سے روایات پڑھیں اور ان سے علامہ ابوالحسن بخاری اور علامہ ابوعمر بن صاحب نے روایات حاصل کیں اور ان سے کمال ضریر، حافظ ابن خلیل، ضیاء، اور رشید عطاء نے روایت کی قاہرہ میں ۱۵ ربیع الاول ۵۹۹ھ میں وفات پائی اور ان میں سے امام کبیر

الشان نصر اللہ ہیں۔

جزری نے کہا کہ نصر اللہ بن علی منصور ابوالفتح بن کیال واسطی حنفی، استاذ، عارف فقیہہ، امام ہیں، واسط میں ابن شراق سے علم حاصل کیا اور بغداد میں ابو عبداللہ بارع کے پاس سے اور علم قراءت ابراہیم بن محمد صلحی سے روایت کیا اور قاری ابوعلی عارفی کے پاس سے علم فقہ حاصل کیا پھر حسن بن سلامہ منجی کے پاس اور اختلافی مسائل کو بھی پڑھا مناظرہ کیا اور فتویٰ دیا۔ اور ابوالقاسم حسین سے سماع کیا۔

پہلے بصرہ کے قاضی بنے پھر واسط میں، ابو عبداللہ حافظ نے کہا کہ وہ ثقہ تھے میں نے ان سے بہت کچھ سنا ہے، واسط میں جمادی الآخری ۵۸۶ھ ۹۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور شعر میں ان کی ایک مفید کتاب ہے۔ اور انہی میں سے حافظ عمر بن محمد نسفی، ملقب بہ مفتی الثقلین، شیخ حنفیہ اور ملّتِ حنفیہ کے امام۔ امام یافعی نے کہا کہ وہ سو کتابوں کے مصنف ہیں ۸۴ سال کی عمر میں ۵۳۷ھ میں وفات پائی۔

ان میں سے امام ربانی، قطب صمدانی، ابویعقوب یوسف بن ایوب صمدانی، حنفی ہیں جو کہ طریقت و حقیقت کے جامع ہیں صاحب کمالات عالیہ فاخرہ جو کہ معروف و مشہور ہیں ۹۵ سال کی عمر میں ۵۳۵ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے امام سعید، صدر الشہیر، صاحب تصانیف علیاء شہیرہ جلیلہ ہیں۔ ۵۳۶ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے علامہ جار اللہ زمخشری،

امام ابن اثیر نے کہا کہ وہ ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری خوارزمی، حنفی المذہب ہیں صاحب تصانیف عجیبہ اور تالیفات عزیبہ ہیں، مثلاً الفائق فی غریب الحدیث الکشاف فی تفسیر القرآن، المفصل فی النحو اور وہ علوم ادب میں ید طولیٰ اور زبان فصیح رکھتے تھے اور یہ فضائل ان پر ختم ہوتے ہیں۔ ۵۳۸ھ میں وفات پائی امام یافعی نے کہا کہ وہ ۷۱ سال زندہ رہے اور تفسیر، حدیث، نحو، لغت، اور بیان میں مضبوط تھے اور فنونِ علیہ میں اپنے زمانے کے امام اور آپ کی بہت عجیب اچھی مشہور تصانیف ہیں۔

بعض نے ۳۰ کی مقدار میں آپ کی تصانیف کا شمار کیا ہے، علم تفسیر، حدیث، دوات علم فرائض، نحو، فقہ، لغت، امثال، اصول، عروض اور شعر میں اور المفصل کی تالیف کی ابتداء ماہ رمضان ۵۱۳ھ میں ہوئی، اور اس سے ماہ محرم ۵۱۵ھ میں فارغ ہوئے اور کچھ عرصہ مکہ مکرمہ میں رہے تھے تو اسی لیے آپ کا جار اللہ کہا جانے لگا۔ حتیٰ کہ یہ لقب ہی آپ کا نام ہو گیا اور آپ کا ایک پاؤں نہیں تھا اور لکڑی کے سہارے چلتے تھے، اور پاؤں کے نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی سفر میں سخت ٹھنڈک اور بہت برف پڑھی جس کا آپ پر اثر ہوا انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معتزلہ کے قدماء میں سے ہے۔ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منسوب ہوئے اور اس پر علمِ فقہ حاصل کیا جیسا کہ شرح مواقف میں ہے اور انہی میں سے امام قدوۃ انام شیخ برہان الدین علی بن ابی بکر حنیف صدیقی مرغینانی صاحب کرامات ومقامات، علم فقہ میں ہدایہ کے مصنف کہ زمانہ کی آنکھ نے اس جیسا نہیں دیکھا، آئمہ فقہاء اور محدثین اس کی شرح اور تفسیر میں مشغول ہوئے اور ابھی لطیف راز اشارہ کے نیچے پوشیدہ ہیں اور اس کے باریک نقطے مستور ہیں سمرقند میں سو سال کی عمر میں ۵۹۳ھ میں وفات پائی اور انہی میں سے ابوالفضل ترکستانی احمد بن مسعود عراق میں شیخ حنیفہ اور مسند امام ابوحنیفہ کے پڑھانے والے ۶۱۰ھ میں فوت ہوئے اسی طرح تاریخ یافعی میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ مسانید جنہیں بہت سے آئمہ نے روایت کیا ہے کہ کثیر میں اور بعض فاضل نے ان سے ۱۵ مسند جمع کیے اور ان کی اسناد کو حذف کر کے ایک ہی مسند بنا دیا اور اس میں آپ کے بعض مناقب کو زیادہ کر دیا اور آپ کے شیوخ کی ایک جماعت کو ذکر کیا تو پہلا مسند امام ابویوسف کا نسخہ ہے، اور دوسرا مسند امام محمد کا نسخہ، اور تیسرا بھی آپ کا ہی ہے، اور یہی آثار ہیں اور چوتھا مسند امام حسن بن زیاد کے پانچویں مسند کی طرح ہے چھٹا مسند حارثی کا ساتواں ابن خسرو کا اور آٹھواں مسند ابن مظفر کا اور نوواں مسند اشنانی کا، دسواں مسند طلحہ کا اور گیارواں مسند فرحی مرشانی کا۔ اور بارواں مسند ابن خلی کا اور تیراواں مسند ابن ابی عوام کا اور چودواں مسند ابن عدی کا اور پندرواں مسند ابونعیم اصفہانی کا۔ (اس مجموعے کا نام جامع المسانید ہے پہلی مرتبہ حیدر آباد دکن میں شائع ہوا ۱۳۳۲ھ میں اور اس کے بعد ۱۳۹۶ھ میں مکتبہ اسلامیہ سمندری فیص آباد میں شائع ہوا جو کہ آج بھی دستیاب ہے۔

ان میں سے علامہ ابوالفتح ناصر بن ابی المکارم مطرزی فقیہ، نحوی، ادیب حنفی، خوارزمی، امام یافعی نے کہا کہ انہیں نحو، لغت، شعر اور ادب کی تمام اقسام میں کامل مہارت تھی، ایک جماعت سے علم قراءت حاصل کیا اور ایک گروہ سے حدیث کو سنا اور معتزلہ کا سردار تھا اور اس کی طرف بلانے والا اور فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منسوب، فصیح، فقہ میں صاحبِ فضیلت اور اس کی کئی مفید تصانیف ہیں جن میں سے مقامات حریری کی شرح اور اس کے مختصر ہونے کی وجہ سے مفید اور مقصود مہیا کرنے والا ہے۔

ان کی ایک کتاب مغرب میں ہے جس میں ان الفاظ کے بارے میں کلام کیا ہے جنہیں فقہاء غریب کی تشریح کے متعلق استعمال کرتے ہیں اور وہ احناف کے لیے ایسی ہے جیسا کہ شوافع کے لیے

کتاب ازہری ہے اور اس میں کمی نہیں کی کیونکہ وہ اسے تمام مقاصد کو جمع کرنے والا لایا ہے اور ان کے علاوہ بھی اس کی کئی تالیفات ہیں اور لوگوں نے اس اور کی کتابوں کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے اور حج سے فارغ ہو کر بغداد میں داخل ہوا اور اس کے ساتھ وہاں فقہاء کی ایک جماعت سے مباحثہ ہو گیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خوارزم میں زمخشری کا خلیفہ ہے اور المطرزی اس شخص کی طرف نسبت ہے جو کہ کپڑوں پر تصاویر بنایا کرتا اور انہیں نشان لگاتا تھا یا تو وہ خود یہ کام کرتا تھا، یا اس کے آباؤ اجداد میں سے کوئی کرتا تھا، انجی اور ۶۱۰ھ میں وفات پائی۔

انہی میں سے امام محبوبی الفقیہہ جمال الدین بخارا میں ۶۳۰ھ میں فوت ہوئے۔ اور انہی میں سے امام زاہد، فقیہہ، عابد مولانا جمال الدین الکبیر بخارا میں ۶۳۱ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام بقیۃ السلف جمال الدین احمد الحصیری، اور فصل الخطاب میں ہے کہ وہ دمشق کے مقبرہ میں مدفون ہیں اور وہ شام کے بادشاہوں کے استاد تھے اور ان کے کتاب لکھنے کی ابتداء کتاب المناسک ہے جو کہ حضرت بریدہ اور حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ ﷺ کے دونوں صحابیوں کے مزارات کے پاس تھی۔

شیخ امام اجل، زاہد، شمس الائمہ ابوبکر محمد بن ابی سہل سرخسی کی کتاب شرح بسوط کے بروز اتوار، شہر مبارک رجب کی بیس ۵۳۷ھ اور المملی شیخ امام، عالم ربانی ناصح امت، حافظ دین بخاری کے اختتام کے بعد کی اور انہی میں سے سلطان الشام، کامل بادشاہ شرف الدین عیسیٰ بن ایوب امام مہمد بن حسن جو کہ کتاب المناقب الامام ابی حنیفہ کے مؤلف کی جامع کبیر کے شارح ہیں وہ ۶۳۴ھ میں فوت ہوئے۔ اور انہی میں سے امام کمال الدین محمود بن احمد حصیری شام میں احناف کے سردار ۶۳۶ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام، فقیہہ، زاہد شمس الدین محمد بن عبدالستار کردری ۸۸ سال کی عمر میں ۶۴۲ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے فقیہہ ابوحامد محمد بن محمد بن محمد عمیدی، حنفی سمرقندی، اختلافی مسائل کے فن میں امام تھے اور یہ سب سے پہلا ہے جس نے اسے علیحدہ تصنیف کیا حالانکہ اس سے پہلے ملے جلے تھے اور اس کی تصانیف سے کتاب النفائس بھی ہے جسے شمس الدین احمد شافعی نے مختصر کیا اور عرائس النفائس اس کا نام رکھا اور وہ اچھے اخلاق والے، بہت تواضع والے اچھے میل ملاپ والے تھے ۶۱۵ھ میں فوت ہوئے۔

انہی میں سے عیسیٰ بن علی بن کجا ابوالروح سیف الدین جبی پھر بعلبکی حنفی ہیں، علامہ جزری نے کہا کہ وہ عمدہ اور ماہر قاری، حلب میں شیخ ابوعبداللہ نامی سے قراءت سبعہ کی ابتداء کی اور دمشق میں علامہ

سخاوی کے پاس ۶۳٦ھ میں آئے اور بعلبک کے والی بنے اور اس کام کے ساتھ یکتا ہوئے اور ان سے یونس بن یونس طنبوری نے قراءت پڑھی اور ۶۹۰ھ کے بعد تک زندہ رہے اور انہی میں سے امام محمد بن حسن بن محمد بن یوسف ابوعبداللہ فاسی ہیں طبقاتِ قراء میں کہا کہ وہ امام کبیر، استاد کامل اور علامہ ہیں فاس میں ۵۸۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ابوالقاسم عبدالمہیمن بن سعید شافعی اور ابوموسیٰ بن عیسیٰ مقدسی سے وہ طریقہ نحویہ حاصل کیا جوکہ مشاطی اور قاضی یوسف بن رافع سے منقول ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پر علم فقہ حاصل کیا ذہبی نے کہا کہ امام، راسخ، پاکباز اور وسعتِ علمی کے مالک تھے۔ علمِ قراءت پر نظر رکھنے والے اور اس کی علل اور شاذ کو جاننے والے اور علمِ لغت کے ساتھ خبر رکھنے، تیزی سے کتابت کرنے والے اور بہت بڑے فضائل والے، اکناف، عالم کی سیر کرنے والے بہت دیانت والے، اور دلیل والے حلب میں ریاست ان پر منتہی ہوتی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا جن میں سے شیخ بہاؤالدین محمد بن نحاس، شیخ علی بن منجی، شیخ بدرالدین محمد بن ایوب تاونی، ناصح ابوبکر بن یوسف، جمال الدین ظاہری اور حافظ وغیرہ ہیں۔

اور ان کی شرح شاطبیہ بہت ہی اچھی ہے اور شیخ ابوالحسن اشعری کے طریقہ پر کلام کو جانتے تھے، ماہ ربیع النور یا ربیع الثانی ۶۵٦ھ میں فوت ہوئے اور ان کا جنازہ مشہور ہے اور ان میں سے محقق کامل محمد بن ایوب بن عبدالقاہر ابوعبداللہ تارفی حلبی حنفی ہیں۔

علامہ جزوی نے کہا کہ استاد ماہر، محقق کامل تھے قصبہ نارف میں ۶۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور امام ابوعبداللہ فاسی کے ساتھ رہے حتی کہ ان سے قراءت اور اس کی علل کو حاصل کیا اور اس سے بہت سے لوگوں نے سنا اور صاحب اور محمد بن باقی صفار سے بھی علم حاصل کیا پھر مصر کی طرف روانہ ہوئے پھر کنارے بنانے کا طریقہ سیکھا اور شاطبیہ کو ابنِ ارزق سے حاصل کیا اور اتفاق کے ساتھ شہرت پائی اور لوگوں کو ایک زمانہ تک علم قراءت پڑھایا اور عربی کو مضبوط کیا اور لغت حدیث کو مشارک کیا اور ۸۰ سال کے بعد سال کے بعد دمشق میں آئے، تو امام عبدالرحمٰن سے سنا اور ایک جماعت کو پڑھایا پھر حماد کی طرف منتقل ہوگئے اس سے کئی بار علم قراءت پڑھا۔

ذہبی نے کہا کہ میں ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے لکھا اور ان پر یقین کی وجہ سے جمع نہیں کیا اور وہ اپنے فن کے ماہر تھے پھر حماد کی طرف منتقل ہوگئے اور اس میں پڑھاتے اور درس و تدریس کرتے رہے حتی کہ ماہِ رمضان ۶۹۵ھ میں فوت ہوئے اور انہی میں سے امام، عالم، عارف، محمد بن حسن بن فضل

المعروف مولانا جمال الدین سانجی، فقیہہ حنفی، بخارا میں ۶۴۴ھ میں فوت ہوئے۔

فصل الخطاب میں ایسا ہی ہے اور انہی میں سے فاضل ادیب، فقیہہ نجیب محدث نبیل، شیخ جلیل، امام ربانی حسن بن محمد صفانی حنفی صاحب تصانیف کثیرہ مشہور ہیں جن میں سے مشارق الانوار، مجمع البحرین، عباب اور لباب ہیں بغدادمیں ۷۳ سال کی عمر ۶۵۰ھ میں وفات پائی پھر مکہ معظمہ کی طرف منتقل ہوگئے اور ان میں سے فقیہہ وجیہ بدرالدین کُردری ۶۵۱ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے علامہ، مؤرخ ابوالمظفر یوسف ترکی حنفی سبط ابن جوزی، صاحب تفسیر شرح جامع، مقامات ابی حنفیہ اور تاریخ مرآتِ زمان کے مؤلف ۶۵۴ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے امام جلیل ابوالحسن یحیٰی بن عبدالمعطی بن عبدالنور زوادی فقیہہ حنفی، نحوی صاحب! الفقیہ ہیں عربی کو حاصل کیا دمشق میں اقامت رکھی پھر مصر میں اور ابنِ عساکر سے روایت کی اور مصر میں فوت ہوئے۔

علمِ نحو اور لغت میں اپنے زمانے کے آئمہ میں سے ایک ہیں اور بہت سے لوگوں نے ان کی طرف رغبت رکھی اور ان سے نفع حاصل کیا اور مفید کتب تصانیف کیں اور وہاں ۶۲۸ھ میں فوت ہوئے اور امام شافعی کی قبر کے نزدیک دفن کیے گئے، اور ان کی قبر وہاں ظاہر ہے اور زرواوی زوارۃ کی طرف منسوب ہے اور ظاہر تجابت میں بہت بڑا قبیلہ ہے، بہت بڑے پیٹ اور رانوں والے افریقی کارندوں میں سے ہیں،

تاریخ یافعی میں ایسا ہی ہے اور انہیں میں سے عالم کامل، ابوالبرکات مبارک بن ابوالفتح ملقب بہ ابن المستوفی حنفی اربلی، امام یافعی نے کہا کہ وہ رئیس، جلیل القدر بہت تواضع والے، وسیع کرم والے، فضلاء میں سے جو بھی اربل میں گیا تو ان کی زیارت کے لیے ضرور گیا اور جو ان کے حال کے مناسب تھا ساتھ لے گیا اور یہ طریقہ سے ان کے دل کی طرف قریب ہوئے خاص کر صاحب ادب لوگ، پس تحقیق ان کا شوق ان کے پاس نفع بخش تھا اور وہ بہت فضائل والے کئی ایک فنون سے واقف جن میں سے حدیث، علم الرجال اور جو علم بھی ان کے ساتھ متعلق ہوا وہ اس میں امام تھے اور نحو، لغت، اعروض، قوافی، علمِ معانی، عرب کے اشعار، ان کی خبریں دن، واقعات، کہاوت کے فنون ادب میں ماہر تھے اور علمِ دیوان، حساب اور معتبر طریقہ پر ان کے قوانین جو ان کے پاس تھے جاننے والے تھے اور چار جلدوں میں ایک تاریخ مرتب کی اور ان کی ایک کتاب ہے جن میں ابیات مفصل کے بارے میں کلام کیا ہے اور ۶۳۷ھ میں فوت ہوئے۔

انہیں میں سے امام فقیہہ حافظ الدین بخاری صغیر شیخ حنفیہ بخارا میں ۶۹۳ھ میں فوت ہوئے اور

انہیں میں سے فقیہہ امام مظفر الدین احمد بن علی المعروف بہ ابن ساعاتی شیخ حنفیہ ہیں امام یافعی نے کہا کہ انہیں ذکاوت، فصاحت اور حسنِ خط میں بطورِ مثال پیش کیا جاتا تھا اور فقہ اور اصول فقہ میں ان کی کئی تصانیف ہیں، اور علمِ ادب کے بارے میں مفید مباحثہ اور بغداد شریف میں مستنصری حنفی جماعت کو پڑھانے والے اور ۶۹۴ھ میں وفات پائی اور انہیں میں سے امام علامہ برہان الدین محمد نسفی متکلم حنفی ۶۸۵ھ میں فوت ہوئے۔

انہیں میں سے الملک الناصر، داؤد بن معظم بن عادل صاحب کرخ، مؤید الدین نے انہیں اجازت دی اور بغداد میں سماع کیا اور حنفی، فاضل، مناظر، ذکی، علمِ ادب سے باخبر اور بہترین شاعر اپنے باپ کے بعد دمشق کے والی پھر اس سے اس کے چچا اشرف نے حکمرانی چھین لی تو وہ شہر کرخ کی طرف چلے گئے اور ۲۱ سال تک اس پر حکومت کی اور وہ سخی، ممدوح تھے ۶۵۶ھ میں وفات پائی ایسا ہی تاریخ یافعی میں ہے اور انہیں میں سے فقیہہ عمر ابوبکر بن ہلال اربی جو کہ ۶۷۹ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے فقیہہ متقی ابوالعلا محمود بن ابی بکر بخاری حنفی ۷۰۰ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے فقیہہ متقی ابوالعلا محمود بن ابی بکر بخاری حنفی ۷۰۰ھ میں فوت ہوئے۔

انہیں میں سے علامہ سند المحققین، برہان المدققین، قطب الدین محمود بن ضیاء الدین شیرازی حنفی صاحب تصانیف و توالیف کثیرہ مشہور ہیں فنون علوم معقول و منقول کے بارے میں اور محقق طوسی کے شاگرد تبریز میں ۷۱۰ھ میں وفات پائی، اور انہیں میں سے مسند عالم، کمال الدین اسحاق بن ابی بکر حلبی ابن نحاس حنفی، ابن یعیش، ابن مہیرہ اور ابن رواحہ سے سماع کیا ماہ رمضان ۷۰ یا ۸۰ سال سے زیادہ عمر میں ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

اسی طرح امام یافعی نے ذکر کیا ہے اور انہیں میں سے امام علامہ قاضی القضاۃ حنفی متقی علامہ، مناظر، جن کے ذہانت و مناظرہ کی مثال بیان کی جاتی ہے، امام متقی، مضبوط کئی اصحاب نے اس کے ساتھ تخریج (حدیث) کی ہے، حنفی اور شافعی دونوں مذاہب کو پہچانتے تھے انہیں پڑھا اور ان میں کتابیں لکھیں اور بہرحال اصول اور معقول ان میں تو وہ منفرد مقام والے ہیں اور ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں سے فقیہہ شافعی میں شرح عابہ، شرح منہاج، بیضاوی، شرح مصباح امالی، تعالی ق، تبریز اور اس کے اردگرد کے فوت ہونے تک والی رہے اور وہ اپنے وقت استاد والا استاذہ تھے ۷۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

انہیں میں سے علامہ شمس الدین محمد حنفی قراءات و عربی کے استاذ ۷۹۶ھ میں فوت ہوئے اور انہیں

میں سے قاضی القضاۃ اشرف الدین احمد حنفی، علامہ جزوی نے کہا کہ استاد کی حیثیت میں لوگوں سے اعلم تھے۔ ۷۵۹ھ میں وفات پائی اور انہیں میں سے شیخ محقق فقیہہ، حنفی، فخر الدین، ابو محمد عثمان بن علی زیلعی، صاحب تبیان اور شرح کنز وغیرہ قاہرہ میں ۷۴۳ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے امام علامہ معقول و منقول کے حاوی، عبیداللہ صدر الشریعت، صاحب تنقیح و توضیح، شرح وقایہ اور اس کے ماسوا کئی ایک تصانیف والے، بخارا میں ۷۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

اور انہیں میں سے محمد بن علی بن صلاح ابو عبداللہ مصری، تقی المعروف بہ حریری طبقات قرار میں کہا کہ اس کے قاری کہنے میں کوئی حرج نہیں ۷۳۰ھ میں پیدا ہوئے، مدرسہ خرغتیہ کے امام ہوئے اور قضاء میں مشغول ہوئے جو پڑھانے کے لیے صادر کیا جاتا ہے اور ۸۰۷ھ یا ۹۰۷ھ کے قریب جیسا کہ میرا خیال ہے فوت ہوئے اور ان میں سے شیخ قاری بدر الدین حنفی علامہ جزری کے استاذ ۷۷۸ھ میں فوت ہوئے ان میں سے فقیہہ کبیر، استاذ العلماء مولانا حمید الدین شاشی حنفی بخارا میں ۷۸۱ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے شیخ مکرم، معظم، ہادی، زین الدین ابوبکر تائبادی حنفی مشہور ولی جس کے بارے قطب الاولیاء شیخ بہاؤ الدین النقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بے شک وہ علم کے ذریعہ اللہ سبحان تعالی تک واصل ہوئے منقول ہے کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے اور انہیں میں سے عالم کامل عبدالرحمٰن حنفی زبیدی ۸۰۳ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے فقیہہ ابن رضی صاحب عالم مدرس، شیخ صدر الدین محمد بن علی بن منصور سے علمِ فقہ حاصل کیا اور اس میں کمال پایا اور تمام علوم میں شریک ہوئے پھر قراءات پر متوجہ ہوئے اور وہ بہت بڑے ہیں، ماہ ذی الحجہ ۸۰۱ھ میں بڑھاپے کی حالت میں خط شبیہ میں وفات پائی اور اقراء کی جامع مسجد کے قرب میں دفن کیے گئے اور انہیں میں سے محمد بن عبدالرحمٰن ہیں۔

جوزی نے کہا کہ محمد بن عبدالرحمٰن ہمارے شیخ امام علامہ شمس الدین بن صائغ حنفی میں نے ان کی پیدائش کے بارے میں سوال کیا تو مجھے خبر دی کہ بے شک وہ ۷۰۴ھ قاہرہ میں پیدا ہوئے اور قراءات سبعہ اور عشرہ شیخ تقی الدین صائغ سے افراد اور جمعا شیخ محمد مصری کے بعد حاصل کی، پھر عربیہ کو شیخ ابن حبان سے حاصل کیا اور شیخ علاؤ الدین قونوی اور قاضی جلال الدین قزوینی سے علم معانی اور بیان حاصل کیا اور قاضی برہان الدین سے فقہ حاصل کیا اور علوم میں مہارت حاصل کی اور خوب چھان بین کی اور ادب میں اعلی مقام پایا اور ان کے عزانہ میں ان سے زیادہ عالم فضیلت۔ تدقیق، فہم، تقریر اور ادب میں

زیادہ مجمع علیہ کوئی نہیں تھا اور دمشق کی طرف روانہ ہوئے تو سنا گیا کہ وہ ۸۶۰ھ میں فوت ہوئے اور انکی مثل ان کے بعد پیدا نہیں ہوا اور کئی جگہوں میں درس دیا اور دار عدل (عدالت) میں فیصلہ کرنے والے ہوئے پھر لشکر کے فیصلے کیے اور انہیں میں سے فاضل کامل، محمد بن ابراہیم ابوعبداللہ زنجیل دمشقی حنفی تقیب زنجیلہ کے مدرس اور عدلیہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ کے والی ہوئے اور اس کے ساتھ پڑھایا اور محمد بن احمد بن حسن البنان نے پڑھا اور مکمل نہ کر سکے ۷۴۹ھ میں ان کی پیدائش تھی۔

انہیں میں سے علامہ مولانا شمس الدین انصاری حنفی صاحب تصانیف جن میں سے اصول مذاہب اربعہ اسی طرح ایک کتاب تاریخ مشاہدۃ الاصفیاء ۸۳۴ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے شیخ زاہد، ابویزید نورانی اور وہ ہیں ۸۶۲ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے علامہ سند المحققین، سید المدققین اسید شریف جرجانی سمرقند کے رہنے والے حنفی نقشبندی جس طرح کہ میں نے بعض ثقات سے سنا ہے اور ان کی شرح سراجیہ جو کہ فقہ حنفیہ پر دلائل کے ساتھ دلالت کرتی ہے اور مذہب حنیفہ کی تائید کرنے والی ہے۔

علامہ تفتازانی کی (کتاب) تلویح کی طرح نہیں اور بے شک وہ اگرچہ اصول حنفیہ کی شرح ہے لیکن وہ دلائل حنیفہ کے درپے ہوتے ہوئے مذہب شافعیہ کی تائید کرتی ہے اور یہ شارح کے شافعی ہونے پر واضح دلیل ہے اور یہ بات دونوں کتابوں میں نظر کرنے والے پر مخفی نہیں رہتی اور اسی طرح جو اس کے بارے میں واقع ہوا۔ اور علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی، ۷۰ سال کی عمر میں سمرقند میں ۷۹۲ھ میں فوت ہوئے اور علامہ سند المحققین شیراز ہیں ۸۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ اور سید المحقق کے فضائل تذکرہ میں سے لانے سے زیادہ مشہور ہیں اور ان کی بہت ہی پسندیدہ تالیفات فنون علمیہ معقول و منقول، فروع و اصول، لغت، عربیہ بیان، ادب کے بارے میں مخفی ہونے سے زیادہ ظاہر ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہم سے تمام علم حاصل کرنے والوں سے بہتر جزاء دے۔

پھر میں نے طبقات میں ان کے مناقب میں دیکھا اور ان کا حنفی مسلمان ہونا ظاہر ہوتا ہے تو میں فائدہ کو پورا کرنے کے لئے ایک فصل لایا ہوں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کی بہت سی تالیفات ہیں کچھ ان میں سے تو مشہور متداول ہیں اور کچھ ان میں سے مشہور متداول نہیں اور ان میں سے تفسیر زہراوین شرح فرائض سراجیہ شرح وقایہ۔ شرح مواقف۔ شرح مفتاح سکاکی اور نصیر طوسی کے تذکرہ کی شرح علم ہیئت میں چغمینیہ کی شرح اور فارسی میں شرح کافیہ اور حواشی میں سے حاشیہ کشاف اور حاشیہ مشکوٰۃ علامہ طیبی کا خلاصہ، عوارف اور علم فقہ میں ہدایہ پر حاشیہ اور اس کے اوائل میں التجرید للاصفہانی کی شرح اور شرح

طوالع، مطالع، قطب رازی پر شرح شمسیہ اور مطول مختصر، شرح ہدایۃ الحکمۃ العین حکمۃ الاشراق، تحفہ علم نحو میں رضی اور کہا جاتا ہے کہ علم نحو میں رضی انہوں نے بھی تحریر کی ہے اور مسودہ میں بہت ہی سقم کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی جن پر میں واقف ہوا ہوں اور ان کا حاشیہ شرح نقرہ کا رد علی المتوسط پر اور تلخیص التلخیص اور عوامل جرجانی رسالۃ الوضع شرح اشارات للطوسی، التلویح والتلویح والتوضیح، نصاب فارسیہ، اشکال تاسیس شرح عضد۔ تحریر اقلیدس للطوسی اور قصیدۂ کعب بن زہیر پر حواشی ہیں۔

اور فارسی میں علم صرف کے بارے ایک مقدمہ، اور سلطان سکندر صاحب تبریز کے سوالوں کے جوابات اور فارسی میں رسالہ وجودیہ اور دوسرا رسالہ معقلی تقسیم کے اعتبار سے الموجود فی الوجود کے بارے میں اور دوسرا علم حروف اور آواز اور ایک رسالہ علم ادوار کے بارے ہے اور علم منطق میں صغریٰ، کبریٰ اسی کی تصنیف ہیں اور یہ دونوں فارسی میں تھیں اور ان کے لڑکے سید محمد نے انہیں عربی زبان میں نقل کیا اور ان کا ایک رسالہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں اور رسالہ شہب البینۃ فی الوجود والعدم۔ یعنی وجود اور فناء کے بارے۔ اور دوسرا الافاق والانفس کے بارے ان کی یہ تالیفات حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں ذکر کی ہیں۔

اور کہا وہ امام، علامہ، زاہد، اور انتہائی فہم و ذکاء کے مالک اور روانگی کے ساتھ عبارت کو بیان کرنے والے شیخ، سفید ریش، فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ اور ان کی عبارت طریقہ مناظرہ، مباحثہ اور دلیل بنانے میں عقل تام والے اور اشتغال، اشغال پر ہمیشگی کرنے والے کے لئے مزین اور پورا کرنے والی ہے اور ان کا لڑکا محمد جس نے کئی علوم میں شروح تحریر کیں اور وہ فوت ہوا تو چالیس کے قریب اس کی تصانیف تھیں اور اس کے والد اس وقت تک زندہ رہے کہ تمام علاقہ کے اکثر شہروں کے فضلاء ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ میں سے تھے اور ان کی کتب مدارس عربیہ میں پڑھی جانے لگیں اور علماء نے ان کی خدمت کی اور لوگ ان کے کلام کی خوبی اور عمدگی کی وجہ سے دلوں کے قریب ہونے کے لئے متوجہ ہو گئے یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ سید کا کلام۔ کلاموں کا سردار ہے ان پر اور تمام علماء پر اللہ کی رحمت ہو اس کا کلام منتہی ہوا۔ اور ان میں سے علامہ حماد ماروفی حنفی، اصول و حدیث میں ابن صلاح کی مختصر کے شارح ۸۱۹ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے ولی کامل، عالم فاضل، امیر قوام الدین خانی صاحب جنون الجانین ۲۶ سال کی عمر میں ۸۲۰ھ میں فوت ہوئے اور ان کے فضائل بے شمار اور ان کے مناقب مشہور ہیں اور ان میں علامہ واعظ احمد بن محمد شاذلی حنفی ۸۶۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے علامہ تمیمی اسکندری صاحب تصانیف

جلیلہ ان میں سے حاشیہ تفسیر بیضاوی، مواقف، عضدی، مطول شرح مختصر وقایہ ہیں۔

۸۷۲ھ میں فوت ہوئے اور انہیں سے علامہ مرغشی احمد حلبی حنفی، صاحب قانون فقہ وغیرہ، ۸۷۲ھ میں فوت ہوئے اور ان میں علامہ حسن چلپی انصاری صاحب حاشیہ مفید مشہورہ جن میں سے حاشیہ مطول، تلویح، اور شرح مواقف ۸۸۶ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے فاضل مولانا عبدالرزاق سمرقندی صاحب حاشیہ تلویح، مطلع السعدین، ۸۸۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے علامہ حسین الخلب اور علامہ احمد بن جندی ۸۸۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے علامہ احمد شرجی صاحب کتاب الفوائد اور نزہۃ الاحباب ۸۹۳ھ میں وفات پائی اور ان میں سے علامہ کرکی ابراہیم حنفی، صاحب حاشیہ توضیح ۹۲۲ ہجری میں فوت ہوئے۔

اور ان میں سے علامہ ابراہیم طرابلسی صاحب کتاب الاسعاف، مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح مسمّی بہ البرہان ۹۲۲ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے فاضل کامل ثقہ احمد بن حسن طرابلی حنفی صاحب کتاب مختار الاختیار ۹۲۸ھ میں فوت ہوئے اور ان میں سے علامہ قدوۃ الفحول، جامع منقول ومعقول مولانا عبدالعلی برجندی حنفی، صاحب تصانیف جلیلہ، جن میں سے شرح تذکرہ، شرح تحریر، شرح شمسیہ، شرح مختصر وقایہ فاضل شیروانی کے شاگرد اور ان میں سے علامہ تحریر، مولانا احمد جندی صاحب تحقیقات وتدقیقات اور تصانیف عمدہ اور تالیفات عجیبہ ۹۶۱ھ میں سمرقند میں فوت ہوئے اور جان لیجئے کہ بے شک آئمہ حنفیہ کی مثال آسمان میں ستاروں کی مانند ہیں جنہیں دیکھنے والا پردوں کو دیکھتا ہے جن کا شمار ممکن نہیں اور ان کی گنتی محال ہے اور ان میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے تو وہ بحر ذخار میں سے ایک قطرہ ہے۔

ورنہ ماوراء النہر، بدخشاں، ہند، روم، کاشغر، خوارزم اور بخارا کے شہروں زمانہ زمانہ میں ہزار ہزار علماء عرفاء پائے جاتے ہیں اور ان سے فتاویٰ لئے جاتے ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور اب میں تبرکا ماوراء النہر اور ہند میں اکابر اولیاء سے ایک جماعت کا ذکر کرتا ہوں اور اب اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں، تو ان میں سے امام ربانی، قطب صمدانی عبدالخالق، غجدوانی قدس سرہ سلسلہ عالیہ معروفہ بہ سلسلہ، خواجہا قدس اسرارہم کے رئیس ان کے مناقب بے شمار، معارف مخفی نہیں اور وہ شیخ امام ابو یعقوب یوسف ہمدانی قدس سرہٗ کے مرید جن کا ابھی ذکر گزر چکا ہے۔

اولیاء کبار کے شیخ جن میں سے عارف کامل، خواجہ عارف ازیوکری اور خواجہ احمد صدیق، خواجہ اولیاء کلاں ہیں اور انہیں میں سے مشہور ولی خواجہ محمود خیر فغنوی شیخ ازیوکری کے مرید، اور انہیں میں سے شیخ

جلیل، ولی نبیل صاحب مقامات وکرامات خواجہ علی رامیتنی المعروف بہ عزیزاں اور وہ شیخ محمود خیر فغنوی مذکور کے مرید ہیں اور انہیں میں سے امام مقتداء خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہٗ جو کہ شیخ رامیتنی مذکور کے مرید، اور ان میں سے سید صاحب کمال واکمال، امیر کلال جو کہ خواجہ محمد بابا، مذکور کے مرید، اور شیخ قطب الاولیاء، امام العرفاء، بہاء الحق والدین المعروف بہ نقشبند رضی اللہ عنہ ۷۹۲ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے قطب الآفاق، ولی علی الاطلاق حجۃ الاولیاء برہان العرفاء والاذکیاء جو کہ نقشبندی بخار کے ساتھ مشہور ہیں۔ قدس سرہٗ۔ ان کے مقامات جلیلہ رفیعہ، جن کے بیان سے عقلیں عاجز ہیں اور زبانیں ان کے بیان سے قاصر ہیں بروز پیر ۳ ربیع الاول بخارا میں ۷۳ سال کی عمر میں ۷۹۱ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے قطب الابرار ولی مختار، علاء الدین عطار محمد بخاری، جو کہ شیخ امام بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کے مرید، جو کہ اللہ تعالیٰ کے اکابر اولیاء میں سے ہیں، رجب کی ۲۰ تاریخ بدھ کی رات ۸۰۲ھ میں فوت ہوئے اور ان کی قبر منورہ صفانیاں میں ہے۔

اور انہیں میں سے قدوۃ العرفاء المحققین اسوۃ العلماء المدققین، سند المحدثین محمد بن محمود حافظی بخاری المعروف بہ پارسا قدس سرہٗ جو کہ شیخ امام بہاء الحق والدین نقشبند قدس سرہٗ کے اکابر ساتھیوں میں سے ہیں اور ان کی بہت بڑی تصانیف ہیں جن میں سے فصل الخطاب، التحقیقات، الفصول الستہ اور تفسیر مدینہ طیبہ میں ۸۲۲ھ میں فوت ہوئے اور انہیں میں سے ولی ابن ولی حافظ الدین ابونصر بن محمد پارسا البخاری جو کہ علم شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ اسرار حقیقت پر آواز دینے والے ۸۶۵ھ میں فوت ہوئے اور ان کی قبر مبارک بلخ میں ہے۔

اور انہیں میں سے ولایت کے شجر اور ہدایت کے ثمر عارف ابن عارف حسن بن علاء الدین العطار صاحب احوال غریبہ اور مقامات عجیبہ علیاء تھے پیر عید الاضحیٰ کی رات شیراز میں ۸۲۶ھ میں فوت ہوئے اور اپنے باپ قدس سرہٗ کے پاس صفانیان میں منتقل کئے گئے اور انہیں میں سے عارف کامل مولانا یعقوب چرخی جو کہ امام خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ کے ساتھیوں میں ہیں۔

اور امام خواجہ علاء الدین عطاء قدس سرہٗ کے پاس درجات کمال کو حاصل کیا۔ اور وہ ہمارے شیخ ناصر الدین خواجہ عبیداللہ ملقب بہ احرار قدس سرہٗ کے شیخ ہیں اور ان میں سے شیخ محقق، قدوۃ العرفاء مولانا نظام الدین خاموش محی الملۃ والدین عطاء قدس سرہٗ تصرفات عظیمہ اور بلند وحسین مقامات کے مالک ۸۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے اور سید، سند، علامہ محقق سید شریف آپ کے ساتھیوں اور مریدین میں سے ہیں اوران میں سے شیخ کامل مولانا سعد الدین کاشغری قدس سرہ اور محققین مولانا سعد الدین نماز ظہر کے درمیان میں ۷ جمادی الاخری ۸۸۶ھ میں فوت ہوئے۔

سبحان ربک رب العزتِ عما یصفون والسلام علی المرسلین

والحمد الله رب العلمین

۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مترجم

محمد عبدالقیوم قادری

خادم طلبہ دارالعلوم غوثیہ رضویہ وخطیب جامع مسجد بلال حنفیہ اہل سنت وجماعت مرید کے ضلع شیخوپورہ۔

☆☆☆☆☆

امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی

از: حضرت علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذی فتح قلوبَ العلماء بمفاتیح الایمان وشرح صدور العرفاء بمصابیح الایقان وافضل الصلوٰة واکمل التحیات علیٰ صاحب الموجودات و بدر المخلوقات محمد المحمود فی اقوالہ وافعالہ احوالہ وعلی الہٖ واصحابہ وتابعیهم ومتبعهم خصوصاً علیٰ آئمة المجتهدین لاسیماً علی الائمة الامام عظم ابی حنیفة النعمان الذین هم حملةُ علومه ونقلة آرابه.

امابعد! امام الائمہ سید الفقہاء ذکی الامت راس الاتقیاء مجاہد کبیر حضرت نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ میں جہاں خالق کائنات نے اور بہت سی خوبیاں اور بھلائیاں ودیعت رکھی تھیں وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ فن روایت اور علم حدیث میں ان کا رتبہ اور پایہ بحوالہ عرض کرتے ہیں تا کہ ہر ایک منصف مزاج کو صحیح حقیقت معلوم ہو سکے اور متعصب وغلط کار لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر خدا تعالیٰ کے نیک اور پارسا بندہ سے عداوت اور دشمنی اختیار کر کے محاربت خداوندی کا شکار ہو کر کہیں وہ اپنی آخرت ہی کو ضائع نہ کر دے۔

ابتدائی تعارف: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ۸۰ھ میں پیدا ہوئے نعمان نام ابوحنیفہ کنیت (یہ کنیت حقیقی ہے اس لیے کہ امام اعظم کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہیں تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابوالملۃ الحنیفیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے)

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا "تو سب ابراہیم کے دین پر چلو" (پ ۴ آل عمران آیت ۹۵)

امام صاحب نے اسی نسبت کی وجہ سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار فرمائی) اور امام اعظم لقب ہے۔ آپ کے دادا علوی دور خلافت میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے اسلامی نام نعمان رکھا گیا۔ اپنے وطن سے ہجرت کر کے اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کوفہ پہنچے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری دی اپنے وطن کا تحفہ "فالودہ" نذر گزاری اور اپنے بچے ثابت کے لیے دعا چاہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دعائے خیر دی۔ ثابت جب پینتالیس برس کے ہوئے تو ۸۰ھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بابرکت فرزند عطا فرمایا دادا کے نام پر نام رکھا گیا آپ کی عمر جب ۱۲ تا ۱۳ سال کی ہوئی تو آپ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ۱۷ سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے ۱۰۰ھ میں امام حماد کی درس گاہ میں حاضر ہوئے اور جب تک استاد محترم زندہ رہے آپ

(تقریباً بیس سال) ان سے علمی استفادہ کرتے رہے امام حماد کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بہت سے مشاہیر اساتذہ سے استفادہ کیا جن میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی شامل ہے۔

امام اعظم مکثر فی الحدیث تھے: رئیس المحدثین شیخ الاسلام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس ہستی نے مجھے محدث بنایا ہے وہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ اور محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں (یعنی ان مسائل میں جو آپ اپنے شاگردوں سے لکھواتے اور املا کرواتے تھے) ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ اور اپنی کتاب الآثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا تھا اور حافظ الحدیث محدث کبیر یحیی بن معین کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کو ہم محدث وکیع بن الجراح پر ترجیح دے سکیں اور وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے موافق فتویٰ دیتے اور آپ سے تمام احادیث مبارکہ کو یاد کرتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کثیر حدیثیں سنی تھیں!! اب اس سے واضح ہوا کہ خود امام اعظم مکثر فی الحدیث تھے نہ کہ ایسے جیسا کہ بعض متعصبین نے یہ گمان کیا ہے کہ آپ کو صرف سولہ یا سترہ حدیثیں ہی معلوم تھیں ابن قیم اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن آدم نے فرمایا ہے کہ امام ابی حنیفہ نعمان نے اپنے شہر کے جملہ علماء حدیث سے احادیث کو جمع کرلیا تھا۔ (ماخوذ من اعلاء السنن مقدمہ ص ۱۹۲)

(یحییٰ بن آدم حضرت امام بخاری کے شیوخ کے شیوخ میں سے تھے اور امام بخاری نے ان کی روایت سے حدیث اپنی "صحیح بخاری" میں روایت فرمائی ہے اور یہ حضرت امام ابوحنیفہ کے ہم عصر لوگوں میں سے تھے۔ (حاشیہ اعلاء السنن مقدمہ ص ۱۹۲)

امام اعظم علمائے محققین کی نظر میں

شیخ الاسلام ابن عبدالبر مالکی تحریر فرماتے ہیں۔

وروی حماد بن زید عن ابی حنیفة احادیث کثیرہ یعنی حماد بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ (الانتقاء ص ۱۳۰)

اگر امام ابوحنیفہ کے پاس حدیثیں تھیں ہی نہیں یا کہ بہت ہی قلیل حدیثیں تھیں تو پھر حضرت حماد بن زید نے ان سے احادیث کثیرہ کیونکر روایت کی تھیں۔ امام وقیع بن الجراح (المتوفی ۱۹۷ھ) جو الامام الحافظ الثبت اور محدث العراق تھے۔ فرماتے ہیں:

لقد وجدالورع عن ابی حنیفة في الحديث مالم يوجد عن غيره

(مناقب امام صدر الائمہ ج ۱ ص ۱۹۷)

یعنی بلاشبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے کہ اور کسی سے ایسی احتیاط نہیں پائی گئی۔

محدث ابن عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) امام اسد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۰ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

"**ولیس فی اصحاب الرّای ء بعد ابی حنیفة اکثر حدیثا منه**" (لسان المیزان ج ۱ ص ۳۳۴)

یعنی اصحاب الرائے (مطلب یہ کہ فقہاء) میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسد بن عمرو سے زیادہ حدیثیں اور کسی کے پاس نہ تھیں۔

علامہ ابن سور، اسد بن عمرؓ و رضی اللہ تعالیٰ عنہما مذکور ہی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

وکان عندہ حدیث کثیروھو ثقة انشاء اللہ یعنی ان کے پاس بہت حدیثیں تھیں اور انشاء اللہ وہ ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد جلد ۷ ص ۱۶)

اب اس سے معلوم ہوا کہ امام اسد بن عمرو جو خود صاحب احادیث کثیر تھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بھی کہیں زیادہ حدیثیں یاد تھیں۔

امام صدر الائمہ مکی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ امام مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۱۵ھ) جو الحافظ الامام اور شیخ خراسان تھے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ۔

ولزم اباحنیفة رحمه الله و سمع منه الحديث والفقه واكثر منه الرواية

یعنی انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر ان سے حدیث اور فقہ کا سماع کیا اور ان سے بکثرت روایتیں کیں۔"

یہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے اور صحیح بخاری میں بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ مکی بن ابراہیم کی سند سے ہیں اور یہ بڑے پایہ کے حنفی تھے گویا ان کی عالی سند کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ رُتبہ اور شرف حاصل ہوا کہ صحیح بخاری میں گیارہ ثلاثیات ان کی سند سے درج کیں۔

علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ محدث بشر رحمۃ اللہ علیہ بن موسیٰ (المتوفی ۲۸۸ھ) (جو کہ المحدث الامام اور الثبت تھے جیسا کہ تذکرہ جلد ۲ ص ۱۶۸ میں ہے) سے اور وہ اپنے استاذ محترم حضرت امام ابوعبد الرحمٰن المقری (المتوفی ۲۱۳ھ) (یہ بھی الامام، محدث اور شیخ الاسلام تھے، تذکرہ جلد ۱ ص ۳۳۴) سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نو سو حدیثیں سنی تھیں۔ (مناقب ج ۲ ص ۲۱۶) یہ جب امام صاحب سے روایت کرتے ہیں تو یوں کہتے ہیں کہ۔

وکان اذا حدیث عن ابی حنیفة رحمته الله تعالیٰ علیه قال حدثنا شهنشاه۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵)

یعنی جب وہ ہم سے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی سند سے کوئی حدیث بیان فرماتے تو کہتے تھے ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی ہے۔

اندازہ فرمایئے کہ ایک محدث کامل اور شیخ الاسلام، حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو روایت اور حدیث کا بادشاہ ہی نہیں کہتے بلکہ شہنشاہ کہتے ہیں جو شخص اپنے دور اور زمانے میں حدیث کا شہنشاہ ہو کیا اس کے محدث اور حافظ حدیث ہونے میں کوئی کسر اور کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد "میر" نہیں۔

امام صدر الائمہ اپنی سند کے ساتھ امام زفر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

قال کان کبراء المحدثین الخ یعنی بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریا بن ابی زائدہ رحمتہ اللہ علیہ، عبدالملک رحمتہ اللہ علیہ، بن ابی سلیمان رحمتہ اللہ علیہ، لیث بن ابی سلیم رحمتہ اللہ علیہ، مطرف بن طریف اور حسین بن عبدالرحمن وغیرہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل ان سے دریافت کرتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں ان کو اشتباہ ہوتا اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔

اگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو فن حدیث میں مہارت تامہ حاصل نہ ہوتی یا وہ حدیث سے (معاذ اللہ) بے بہرہ ہوتے تو ان کبرا محدثین کو ان کے پاس آنے جانے اور حدیث میں ان سے شکوک وشبہات نکالنے کی کیا مصیبت پڑی تھی۔

مشہور محدث امام مسعر بن کدام رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۵۵ھ) (جو الامام الحافظ اور احد الاعلام تھے تذکرہ ج ۱ ص ۱۷۷) فرماتے ہیں کہ۔

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا الخ یعنی میں نے امام ابوحنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں بھی ہم پر فائق رہے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ طلب کی تو اس میں ان کا کمال تم سے مخفی نہیں ہے۔

غور کیجئے کہ چوٹی کا محدث اور صحاح ستہ کا مرکزی راوی حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی علم حدیث میں فوقیت اور برتری کو کس شان سخاوت سے تسلیم کرتا ہے۔

محدث جلیل امام یزید بن ہارون رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کان ابو حنیفة تقیاً نقیاً زاهداً عالماً صدوق اللسان احفظ اهل زمانه

(مناقب ضمیری بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۱ از عبدالرشید نعمانی)

یعنی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ متقی، پاکباز، عالم، صداقت شعار اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔

امام الجرح والتعدیل یحیی بن سعید القطان رحمتہ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"انه والله لا علم هذه الامة بماجاء عن الله ورسوله. (مقدمہ کتاب التعلیم علامہ مسعود بن شیبہ سندھی علیہ الرحمة، بحوالہ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۷۶)

یعنی خدا تعالیٰ کی قسم! امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اس امت میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق سے جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

دیکھیے اگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو قرآن کریم اور حدیث شریف کے علم میں پوری مہارت اور کمال حاصل نہ ہوتا تو ناقد فن رجال اور سرتاج محدثین کبھی قسم اٹھا کر یہ بیان نہ دیتے۔

امام محمد بن سماعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا حوالہ پہلے بھی یہاں لکھا جا چکا ہے اور حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ بھی ان سے نقل کرتے ہیں کہ۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں بیان کیں ہیں۔ اور چالیس ہزار احادیث سے (کتاب الآثار) کا انتخاب فرمایا ہے۔ (بذیل الجواہر ص ۴۷۳ ملا علی قاری مکی)

(مناقب علی ن القاری مکی بذیل الجواهر جلد ۲ ص ۴۷۴)

امام صدر الائمہ سے ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الآثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کیا ہے۔

صد حیرت کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں اپنی تصانیف میں بیان فرماتے ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے "کتاب الآثار" کا انتخاب کرتے ہیں۔ بایں ہمہ متعصب لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فن حدیث میں یتیم تھے ان کو حدیث سے کوئی مس نہ تھا ان سے صرف سترہ حدیثیں مروی ہیں یہ کس قدر ظلم عظیم اور ناانصافی کی بات ہے اور یار لوگ صرف ایسے ہی حوالوں پر اکتفا کر لیتے ہیں اور دوسری طرف کے ٹھوس حوالے بالکل ہضم کر جاتے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت:

واضح ہو کہ محدثین کرام کی یہ اصطلاح ہے کہ سند کے بدلنے اور اسی طرح سند کے کسی راوی کے بدلنے سے

حدیث کی گنتی اور تعداد بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے دور میں احادیث کی تعداد کم تھی کیونکہ وہاں پر سند مختصر تھی اور آئمہ حدیث کے زمانہ میں تو احادیث کی تعداد بھی بڑھتی گئی نہ یہ کہ متون حدیث بڑھ گئے جیسا کہ محدثین کرام کی اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے منکرین حدیث اور اسی طرح دیگر بعض باطل فرقوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور بلا وجہ محدثین کرام کو محل طعن بنایا ہے اب آپ کے سامنے مثال کے طور پر یہاں ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ مشہور محدث ابراہیم بن سعید الجوہری رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۲۴۳ھ) (الحافظ اور علامہ تھے' خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ ثبت اور مکثر یعنی بکثرت حدیثیں روایت کرنے والے تھے۔ تذکرہ جلد۲ ص ۸۹) ایک خاص موقع پر فرماتے ہیں کہ۔

کل حدیث لایکون عندی من مائة وجه فانا فیه یتیم (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۸۹)

یعنی جب تک ایک ایک حدیث میرے پاس سو سو سندوں کے ساتھ نہ ہو تو میں اس حدیث کے متعلق اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں۔

اب دیکھئے کہ ایسی حدیث متن اور الفاظ کے لحاظ سے تو صرف ایک ہوگی مگر سو (۱۰۰) سندوں اور طریقوں سے جب وہ الگ الگ روایت کی جائے گی تو محدثین کرام کے نزدیک سو حدیث متصور ہوگی اور اگر یہی ایک حدیث ہزار سندوں اور طریقوں سے مروی ہوگی تو وہ ان کے نزدیک ایک ہزار حدیث ہوگی یہی مطلب ہے ان عبارات کا جن میں یہ آتا ہے کہ فلاں محدث کو اتنے لاکھ حدیث یاد تھی اور فلاں کو اتنے لاکھ یاد تھیں' ورنہ متون احادیث کی تعداد باتفاق محدثین عظام (جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام سفیان ثوری بن سعید ثوری' شعبہ' امام یحییٰ بن سعیدن القطان' امام عبدالرحمٰن مہدی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہا قابل ذکر ہیں) یہ ہے۔

ان جملة احادیث المسندة عن النبی صلی الله علیه وسلم یعنی الصیحة بلاتکرار اربعة آلاف واربعمائة حدیث (توضیح الافکار ص ۶۳ از علامہ امیر یمانی طبع مصر)

"یعنی بلاشبہ تمام وہ احادیث صحیحہ جو بلا تکرار آنحضرت ﷺ سے روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد چار ہزار اور چار سو ہے۔

دیگر محدثین کرام کی طرح جہاں حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف کم حدیثوں کی کوئی نسبت آتی ہے تو اس سے نظر بظاہر یہی متون احادیث مراد ہیں اور جہاں چالیس یا ستر ہزار کا ذکر آتا ہے تو وہاں سے اسانید اور طرق متعددہ سے مروی روایت مراد ہیں چنانچہ امام صدر الائمہ مکی، امام حسن بن زیاد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ، کان ابو حنیفة یروی اربعة الاف حدیث العین الحماد والعین لسائر المشیخة.

(مناقب موفق ج ۱ ص ۹۶)

یعنی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں دو ہزار تو صرف حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

یعنی اگر تکرار اور تعدد طرق واسانید سے صرف نظر کرلی جائے تو تقریباً چار ہزار حدیثیں ان سے مروی ہیں اور اگر اسانید وطرق کو پیش نظر رکھا جائے تو ستر ہزار سے بھی ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے جن کا تذکرہ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں کیا ہے۔

امام صاحب کی تصانیف کا مطلب:

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام صاحب کی تصانیف سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء جن میں خصوصیات کے ساتھ شبلی نعمانی (المتوفی ۱۳۳۲ھ) پیش پیش ہیں۔ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام صاحب کی اپنی کوئی تصنیف ہی نہیں حتیٰ کہ فقہ اکبر بھی ان کی اپنی نہیں' جب کہ حضرات غیر مقلدین کے عالم ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی ایک مقام پر ارقام پذیر ہیں کہ۔

"امام ابن تیمیہ" "منہاج السنہ" میں فقہ اکبر حضرت امام صاحب کی کتاب قرار دیتے ہیں پس شبلی کے انکار کی بناء پر اسے معرض بحث میں لانے کی ضرورت نہیں۔ (حاشیہ تاریخ اہل حدیث ص ۲۶)

لہذا امام صاحب کی تصانیف سے وہ املائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے لائق اور قابل قدر تلامذہ مثلاً امام ابو یوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ امام صاحب کی تعلیم اور تدریس کے وقت قید تحریر میں لے آتے تھے جیسا کہ اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ "احکام الاحکام" شیخ الاسلام ابوالفتح محمد بن علی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' الشہیر بابن دقیق العید الشافعی (المتوفی ۷۰۲ھ) کی اپنی تالیف وتصنیف نہیں ہے بلکہ وہ املا کرواتے لکھوایا کرتے تھے اور ان کے لائق وفائق شاگرد الشیخ القاضی اسمٰعیل بن تاج الدین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ الاثیر الحلبی الشافعی لکھتے جاتے تھے اور ابن دقیق العید رحمتہ اللہ علیہ کی اپنی تصنیف نہ ہونے کے باوجود وہ انہی کی تصنیف سمجھی جاتی ہے دیگر متعدد شراح حدیث کی عبارات کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی متعدد مقامات پر فتح الباری شرح بخاری میں ارقام فرماتے ہیں۔

قال ابن دقیق العید فی "احکام الاحکام" الخ

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف سے وہ املائی تصانیف مراد ہیں جن کو ان کے سامنے اور ان کے حکم سے ان کے تلامذہ قید تحریر میں لے آتے تھے، علامہ خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ اسحاق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ

کان اصحاب ابی حنیفة الذین یذکرو نه ابو یوسف وزفر وداؤد الطائی الخ.

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۲۴ طبع مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء)

یعنی اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو ان کے مسائل میں مذاکرہ کیا کرتے تھے یہ تھے امام ابو یوسف' زفر' داؤد الطائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اسد بن عمرو' عافیۃ الاودی' قاسم ابن معن' علی بن مسہر' مندل بن علی اور حبان بن علی اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث وتمحیص شروع کرتے تو اگر عافیہ اوران میں شریک نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آجاتے اوران کی رائے سے وہ متفق ہوجاتے تو امام ابوحنیفہ فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ اور اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے کہ یہ مسئلہ مت لکھو۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ کے مسائل میں اپنی ذاتی رائے ہی کو درج نہ کرواتے اور نہ اپنی انفرادی رائے کا کسی کو پابند ٹھہراتے بلکہ ان مذکور حضرات کی خوب بحث وتمحیص سے جب آخری رائے قائم ہوجاتی تو اس کو اصول اور قوانین کی کتابوں میں درج کروادیتے جن کو ہم اپنی اصطلاح میں املائی کتابوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ۔

فوضع ابو حنیفة رحمه الله مذهبه شوریٰ بینهم (مناقب موفق ج ۲' ص ۱۳۳)

یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا مذہب ان میں بطور شوریٰ رکھا تھا اور اپنے اصحاب کے بغیر محض اپنی ذاتی رائے ہی پر منصر نہ رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے دین میں احتیاط اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول برحق اور مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کیا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش کرتے ان کی رائے سنتے اور اپنا نظریہ بیان فرماتے اور ایک ایک مہینہ بلکہ ضرورت پڑتی تو اس سے بھی زیادہ عرصہ تک اس میں مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہتے' حتیٰ کہ جب کسی ایک قول پر سب کی رائے جم جاتی تو اس کے بعد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کو اصول میں درج کردیتے یہاں تک کہ سب اصول انہوں نے منضبط کردیئے۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس مجلس کے سامنے ایک اہم مسئلہ درپیش ہوا تو ارکان مجلس تین دن تک صبح وشام اس میں غور وخوض کرتے رہے اور یہ مجلس شوریٰ جب تک کہ مسئلہ کا حل تلاش نہ کرلیتی اس کو معرض التواء میں نہ ڈالتی۔ (مناقب موفق ج ۲' ص ۵۴' مناقب کردری ج ۲ ص ۳)

اب اس طرز عمل سے حضرت امام صاحب نے جو مسائل طے اور حل کیے ان کی تعداد میں متعدد روایات اور حوالجات پیش نظر ہیں۔ مگر اختصاراً حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ لکھتے ہیں آپ نے فرمایا کہ۔

وانه وضع ثلاثة الاف وثمانين الف مسئلة منها ثمانية و ثلاثون الفاً في العبادة والباقي في المعاملات اھ (ذیل الجواہر ص ۴۷۲ ج ۲) کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تراسی ہزار (۸۳۰۰۰) مسئلے طے کیے

ان میں سے اڑتیس ہزار عبادات سے متعلق ہیں اور باقی معاملات سے متعلق تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وسعت نظر اور معاملہ فہمی کا اندازہ لگانے کے لیے امام محمد بن جریر رحمۃ اللہ علیہ طبری (المتوفی ۳۱۰) اور خطیب بغدادی کا ایک حوالہ ملاحظہ کیجئے وہ فرماتے ہیں کہ

وکان ابو حنیفة اول من عدّ اللبن بالقصب الخ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بانس کے ذریعہ اینٹوں کے گننے کا طریقہ ایجاد کیا۔ (طبری ج ۹ ص ۲۴۱ طبع مصر' تاریخ بغداد ج ۱ ص ۷۱)

غور فرمایئے کہ ان کے اس طرز عمل سے خشت شماری کا طریقہ کس قدر سہل اور آسان ہوگیا ہے اور دینی مسائل کے علاوہ ان کی رائے بھی کتنی کارآمد اور مفید ثابت ہوئی ہے آج تک تقریباً ساری دنیا اس اصول کو معمول بہ قرار دے رہی ہے غرضیکہ فقہ حنفی میں صرف نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہ ہی کے ابواب نہیں بلکہ معاشیات و سیاسیات معاملات و اخلاقیات وغیرہ سارے علوم وفنون اس میں سمٹے ہوئے ہیں اور اس کی اسی ہمہ گیری نے قلوب واذہان پر استقلال کیا ہے اور لوگ اس کی افادیت اور ضرورت کے تسلیم کرنے سے بالکل چارہ نہیں پاتے۔

امام ابوداؤد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ بن الاشعث السجستانی (المتوفی ۲۷۵ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

ورحم الله مالك كان اماماً رحم الله الشافعي كان اماماً رحم الله اباحنيفة كان اماماً

(کتاب الاعتقاد ص ۳۲ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳)

''اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرے امام مالک پر کیونکہ وہ امام تھے' اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرے امام شافعی پر اس لیے کہ وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابوحنیفہ پر کیونکہ وہ امام تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام ومحدث ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ۔

ان ابا حنیفة کان اماما یعنی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام تھے: (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۰)

امام ابوداؤد جیسے پختہ کار محدث جب امامت کا ذکر فرمائیں گے تو اس سے یہی متبادر ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث کی امامت مراد لیتے ہیں اور خصوصیت سے جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی لڑی میں منسلک کرکے وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہیں تو اس امامت سے وہی امامت مراد ہوگی جو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے لیجاسکتی ہے چونکہ وہ حدیث اور فقہ دونوں کے امام تھے اور اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی حدیث اور فقہ دونوں کی امامت مراد ہوگی۔

امام صاحب اور آپ کے جملہ حنفی اصحاب مرجئہ نہیں تھے۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی (المتوفی ۴۷۹ھ) فرقہ مرجئہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ان میں ایک وہ فرقہ ہے جو اہلسنت وجماعت کے نظریات اور معتقدات کے خلاف ہے اور وہ گروہ ہے جو مرجئۃ السنۃ کہلاتا ہے اوران کے سنی ہونے میں کوئی کلام نہیں کیونکہ یہ حضرات اعمال کو ایمان سے بالکل الگ کر دیتے ہیں کہ ان پر ثواب وعتاب ہی مرتب نہ ہو اس طویل بحث کے بعد انہوں نے تمہ میں ایسے ہی رجال مرجئہ کے کچھ نام گنوائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب' سعید بن جبیر۔ طلق بن حبیب عمرو بن مرہ' محارب بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقاتل بن سلیمان ذر وعمرو بن ذر، حماد بن ابی سلیمان' ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور قدیر بن جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ

وھٰؤلاء کلھم ائمۃ الحدیث الخ یعنی سب کے سب آئمہ حدیث ہیں۔ (الملل والنحل ج ا ص ۱۴۰ مکتبہ الحلو مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جن کا ذکر ہوا سب کے سب آئمہ حدیث تھے اگر یہ حضرات فن حدیث کے عالم اور اس پر عامل نہ ہوتے تو آئمہ حدیث کیسے بن گئے اور ان میں کیسے شمار ہونے لگے۔

فرقہ مرجئہ:

حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "غنیۃ الطالبین" شریف میں مرجئہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر ان مرجئہ میں اصحاب نعمان بن ثابت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شمار کیا ہے جس سے بعض نادان اور متعصب غیر مقلدین حضرات، امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے جملہ اصحاب کو مرجئہ سمجھ کر ان کو کوستے اور ان پر ناحق ظلم اور بے انصافی کے تیر برساتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ حضرت شیخ صاحب محبوب سبحانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مرجئہ کے فرقہ میں داخل نہیں کیا بلکہ ان کے اصحاب کو مرجئہ کہا ہے اور ان کے مقلدین سب نہیں بلکہ بعض باوجود فقہ میں حنفی مسلک رکھنے کے معتزلہ بھی تھے جیسے علامہ زمخشری (المتوفی ۵۲۸ھ) صاحب تفسیر کشاف وغیرہ اور اسی طرح بعض دیگر فقہ میں حنفی مذہب رکھنے کے باوجود اصولاً وفروعاً مرجئہ کے اس باطل گروہ اور فرقہ کے متعلق تھے جو اہل سنت کے مسلک حق کے بالکل خلاف تھا لیکن ان کے مرجئہ ہونے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ پر کیا زد پڑ سکتی ہے اور ان مرجئہ کے قول باطل کی وجہ سے ان اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر جو اس معنی میں ہرگز مرجئہ نہ تھے کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کے مرجئہ ہونے کی بحث حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸، حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب کی تفہیمات الٰہیہ ج ا ص ۲۸ اور نواب صدیق حسن خان صاحب کی "دلیل الطالب ص ۱۶۵" وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ کریں کہ ان کا اختلاف بعض محدثین کرام کے ساتھ صرف لفظی ہے وہ یہ کہ بعض محدثین عظام "ایمان" تصدیق بالقلب اقرار باللسان اور عمل بالجوارح کے مجموعہ کو کہتے ہیں اور مرجئہ اہل سنت ایمان صرف تصدیق قلبی کو کہتے ہیں کیونکہ یہ معنی لغوی معنی کے بالکل قریب ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

اما الایمان فی اللغۃ یطلق علی التصدیق المحض الخ (تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۴۰)

یعنی بھر کیف لغت میں ایمان محض تصدیق پر اطلاق ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ الایمان لغۃً التصدیق۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ا ص ۳۹)

قرآن کریم میں ایمان کو اعمال صالحہ کی قبولیت کی شرط قرار دیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ شرط مشروط سے خارج ہوا کرتی ہے نیز اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے جب کہ فن عربیت کا قاعدہ ہے کہ معطوف ومعطوف علیہ مغائر ہوتی ہیں علاوہ ازیں بعض بداعمالیوں کے ساتھ بھی قرآن وحدیث سے نفس ایمان کا ثبوت ملتا ہے اگر اعمال ایمان کا جزو ہیں تو ان کے فقدان کے باوجود ایمان کا تحقق کیسے؟۔ (اس کی تحقیق کے لیے تفسیر بیضاوی ص ۱۸، شرح مواقف ص ۱۹ ےطبع نولکشور، شرح عقائد نسفی ص ۹۲ دیکھیے)

یہ حضرات اس کے ہرگز قائل نہیں کہ ثواب وعتاب کا اعمال پر ترتب نہیں یا اعمال کے بغیر بھی کوئی شخص کامل مومن ہو سکتا ہے۔ یہ حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال ایمان کے اجزائے حقیقیہ نہیں بلکہ اجزائے متممہ وتکملہ ہیں۔

مشہور غیر مقلد مولوی میر صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس شبہ کا حل بھی نہایت ضروری ہے کہ بعض مصنفین نے سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے حالانکہ آپ اہل سنت کے بزرگ امام ہیں اور آپ کی زندگی اعلیٰ درجہ کے تقویٰ اور تورع پر گزری جس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ بے شک بعض مصنفین نے خدا ان پر رحم کرے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگردوں امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام محمدؒ امام زفر اور امام حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالیٰ کو رجال مرجئہ میں شمار کیا ہے۔ جس کی حقیقت کو نہ سمجھ کر اور حضرت امام صاحب ممدوح کے طرز زندگی پر نظر نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے اسے خوب اچھالا ہے لیکن حقیقت میں علماء نے اس کا جواب کئی طریق پر دیا ہے۔ (تاریخ اہل حدیث ص ۵۶)

طویل بحث کرنے کے بعد آگے علامہ شہرستانی کی الملل والنحل ج ا ص ۱۸۹ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

''مجھے اپنی زندگی (عطا کرنے والے) کی قسم ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب کو مرجئۃ السنۃ کہا جاتا ہے۔ (ایضاً)

الغرض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اکثر اصحاب جس معنی میں مرجئہ ہیں وہ اہل سنت کے مسلک کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں ہاں صرف لفظی نزاع کے پیش نظر ان کو مرجئہ کہا گیا ہے۔ اور اس سے ان کی ذات پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اس کی وجہ سے ان کی دیانت و امانت اور مسلک مجروح ہوتا ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کیسے مرجئہ ضالہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امام کے لقب سے یاد فرماتے ہیں چنانچہ وقت فجر کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وقال الامام ابوحنیفہ اور تارک صلوٰۃ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقال الامام ابو حنیفہ لا یقتل یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔

اگر حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرجئہ ضالہ میں سے ہوتے تو پھر ان کو امام کے لقب سے کیوں یاد فرماتے اور امور شرعیہ میں دیگر آئمہ کے اقوال کے ساتھ ان کے قول کو کیوں ذکر کرتے۔

آیئے اب ہم غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان صاحب کے کلام سے ہی اس عقدہ کا حل اور اس سوال کا جواب پیش کرتے ہیں چنانچہ دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں نواب صاحب موصوف لکھتے ہیں۔

سوال: در غنیۃ الطالبین مرجئہ را در اصحاب ابی حنیفہ نعمان ذکر کردہ و کذا غیر و فی غیرہ وجہ آں چیست،

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در تفہیمات نوشتہ اند کہ ارجاء دو گونہ است الخ)

ترجمہ: سوال: غنیۃ الطالبین میں اصحاب حنفیہ کو مرجئہ میں ذکر کیا گیا ہے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجئہ ہونے) کی دو قسمیں ہیں۔

اولاً: ایک قسم تو وہ ہے کہ اس کا قائل اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا قائل اہلسنت سے خارج نہیں ہوتا۔

پہلی قسم یہ ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ جس شخص نے ایمان کا زبان سے اقرار کر لیا اور دل سے تصدیق کر دی تو

پھر چاہے کوئی گناہ کرے اس کو قطعاً کوئی مضر نہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ یوں اعتقاد رکھے کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے لیکن ثواب اور عتاب اس کا مرتب ہوتا ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کا مرجئہ کے گمراہ ہونے پر اتفاق ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ عمل پر ثواب اور عذاب مرتب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا گمراہ اور مبتدع (بدعتی) ہے لیکن دوسرے مسئلہ میں سلف (صحابہ و تابعین) کا اجماع نہیں ہوا بلکہ دلائل متعارض ہیں۔ بعض آیات' احادیث' آثار اس پر دال ہیں کہ ایمان کا اطلاق قول و عمل دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے لیکن یہ نزاع صرف لفظی ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عاصی (گنہگار) عصیاں وگناہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا اگرچہ مستحق عذاب ہوتا ہے اور جو دلائل کہ ایمان کے مجموعہ (اقرار و تصدیق و عمل) پر دلالت کرتے ہیں ان کو ادنیٰ تامل سے ان کے ظاہر سے پھیرا جا سکتا ہے۔ انتہی

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراد اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرجئہ ہونے سے دوسری شق ہے اور اس پر کوئی غبار نہیں کیونکہ یہ اعتقاد اہلسنت کے خلاف نہیں اگرچہ دلائل کے اعتبار سے اہل سنت کا مذہب راجح ہے کہ ایمان مجموعہ اقرار و تصدیق و عمل کا نام ہے اور یہی بات قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اپنی کتاب ''مالا بدمنہ'' میں کہی ہے۔ لہٰذا اشکال ختم ہو گیا اور ہلال کا مطلع صاف ہو گیا اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔

(دلیل الطالب ص ۱۶۵ طبع بھوپال ۱۲۹۵ھ)

الحمدللہ! کہ خود اہل حدیثوں کے پیشوا نے ہی ''غنیۃ الطالبین'' کی عبارت کا حل پیش کر دیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے اصحاب پر مخالفین کی طرف سے جو اعتراض وارد کیا جاتا تھا اس کا شافی جواب ان کے گھر کے پیشوا نے ہی دیا ہے اور ابن تیمیہ کی گواہی بھی احناف کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں کہ۔

''والحنیفۃ ھم من اہل السنۃ'' یعنی احناف اہل سنت و جماعت سے ہیں۔

(منہاج السنۃ ج ۱ ص ۳۵ طبع مصر)

امام صاحب کی تابعیت:

مشہور مؤرخ محمد بن اسحاق بن ندیم فرماتے ہیں کہ۔

وکان من التابعین لقی عدۃ من الصحابۃ وکان الورعین الزاھدین اھ!! (فہرست ابن ندیم ج ۱ ص ۲۹۸)

یعنی امام ابوحنیفہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں'' کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور وہ متورعین اور زاہدین میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت ملا علی القاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ جمہور علماء اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ صرف

صحابی کی ملاقات سے آدمی تابعی ہوجاتا ہے۔اس کے لیے طویل صحبت اورنقل روایت شرط نہیں۔

(ذیل الجواھر ج ۲ ص ۴۵۳)

چوٹی کے محدثین کرام مثلاً امام خطیب بغدادی' امام ابن عبدالبر' علامہ ذہبی اور حافظ حجر وغیرہ' وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوحنیفہ رؤیت (یعنی دیدار صحابہ) کے لحاظ سے تابعی ہیں اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

کوفہ میں حضرات صحابہ کا ورود:

علامہ ابن سعد (المتوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

ستر بدری اور تین سو ۳۰۰ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔(طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۴ طبع مصر)

اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ دیگر صحابہ کرام جو کوفہ میں فروکش ہوکر اس کو بابرکت کر چکے ہوں گے ان کی تعداد کیا ہوگی۔

امام ابوالبشر الدولابی الحنفی (المتوفی ۳۱۰) سند کے ساتھ مشہور تابعی حضرت قتادہ (المتوفی ۱۱۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ۔

آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام میں سے ایک ہزار اور پچاس (دیگر صحابہ) اور چوبیں بدری صحابہ کوفہ میں تشریف فرما ہوئے تھے۔(بحوالہ فتح القدیر حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ ج ۱ ص ۴۲ طبع نولکشور شرح نقایہ ج ۱ ص ۲۰ ملاعلی قاری مکی)

امام احمد بن عبداللہ العجلی (المتوفی ۲۶۱ھ) کا بیان ہے کہ کوفہ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام نازل ہوئے تھے۔

امام اعظم کا حضرت انس صحابہ کو دیکھنا ثابت ہے:

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ۔

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اولاد آدم میں انتہائی ذکی لوگوں میں سے تھے کہ جن کی ذات ستودہ صفات میں فقہ' عبادت' ورع' سخاوت ایسے بلند پایہ اوصاف مجتمع تھے۔آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وصال فرمایا۔آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کو دیکھا تھا۔(العبر ج ۱ ص ۲۱۴)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضرت انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنے اور بنابر مختار آپ کے تابعی ہونے کی محدثین کی عظیم جماعت نے تصریح فرمائی ہے۔جن میں ہے ابن سعد صاحب طبقات اور حافظ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے ایک فتوے کے جواب میں اس کو لکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے ''تبییض الصحیفہ

ص ۴۔۵) میں لکھا ہے اور حافظ عراقی اور دار قطنی اور ابو معشر عبدالکریم الطبری الشافعی اور حافظ سیوطی جنہوں نے امام صاحب کی صحابہ سے روایت کو غیر باطل قرار دیا ہے اور حافظ ابوالحجاج المزی' اور حافظ خطیب بغدادی اور حافظ ابن جوزی اور حافظ ابن عبدالبر مالکی اور حافظ سمعانی نے اپنی کتاب الانساب میں اور امام نووی اور حافظ عبدالغنی المقدسی اور امام جزری اور علامہ تورپشتی اور شیخ الاسلام بلقینی جو کہ حافظ ابن حجر کے شیخ تھے المتوفی ۸۰۵ھ الکشاف علی الکشاف میں اور صاحب مرآۃ الجنان الامام الیافعی اور علامہ ابن حجر المکی الشافعی اور علامہ احمد القسطلانی اور علامہ ازنیقی نے ''مدینۃ العلوم'' میں اور علامہ بدرالدین العینی الحنفی نے امام صاحب کو تابعین میں شمار کیا ہے غرضیکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ تابعی ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ:

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ الآیہ(التوبہ آیت ۱۰۰)

یعنی جنہوں نے پیروی کی ان (صحابہ مہاجرین وانصار) کی عمدگی سے' راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوگئے وہ ان سے) میں داخل ہیں۔

''فتاویٰ درمختار'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بیس صحابہ کرام موجود تھے۔اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی نے ان کے نام بھی لکھے ہیں اور درمختار میں ہے کہ امام صاحب نے آٹھ صحابہ کرام سے روایت بھی کی ہے۔جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی عمر سو سالہ سے زائد ہوئی اور آپ نے ۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبداللہ (۳) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی اوفیٰ المتوفی ۸۸ھ

(۴) ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن واثلہ جن کا انتقال صحابہ میں سب سے آخر میں ہوا کہ آپ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔

(۵) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن اُنیس الجہنی جو ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے امام صاحب نے ان کو دیکھا اور ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بھی سماعت فرمائی۔

(۶) واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الاسقع' امام صاحب نے ان سے دو حدیثیں روایت فرمائی ہیں۔

(۷) عبداللہ بن الحرث بن جز (۸) عائشہ بنت عجرد صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (درمختار شامی ج ۱ ص ۴۸)

فتاویٰ ''درمختار'' میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت مصطفےٰ ﷺ کے اعظم معجزات میں سے ہیں۔(درمختار ج ۱ ص ۴۱)

بشارت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خاص موقعہ پر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ ارشاد فرمایا۔

لو کان الایمان (یا) لو کان الدین (یا) لو کان العلم عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ھؤلاء (یا) لذھب بہ رجل من فارس اوقال من ابناء فارس حتیٰ یتناولہ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۷ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۲ مسند امام احمد ج ص ۴۲۲ موارد الظمان ص ۵۷۴)

ترجمہ: اگر ایمان یا دین یا علم ثریا کے پاس بھی پہنچ جائے تو کئی مرد یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس کو ضرور پالے گا۔

تشریح حدیث: اس ارشاد رسول ﷺ کا ایک مصداق یا بالفاظ دیگر اولین مصداق حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی الشافعی (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ

میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت دی ہے۔ (تبیض الصحیفہ ص ۳)

امام ابن حجر مکی الشافعی لکھتے ہیں کہ حافظ محقق جلال الدین سیوطی الشافعی فرماتے ہیں کہ ''امام ابوحنیفہ کی بشارت اور فضیلت نامہ کے لیے یہ ایک صحیح اور قابل اعتماد اصل ہے (پھر فرمایا کہ) امام سیوطی کے بعض شاگرد فرماتے ہیں کہ ہمارے استاد اور شیخ نے کامل ویقین کے ساتھ جو یہ فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں تو یہ بالکل واضح اور ظاہر بات ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ (الخیرات الحسان ج ا ص ۱۳)

حضرت شاہ احمد بن عبدالرحیم ولی اللہ المحدث الدھلوی الحنفی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اس حدیث کے حکم میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فقہ کو انکے ذریعہ شائع فرمایا۔ (کلمات طیبات یعنی مجموعہ کاتیب ولی اللہ صاحب ص ۱۶۸ مطبع مجتبائی دھلی۔ ازالۃ الخفاء ج ا ص ۲۷۱)

نواب صدیق حسن خان صاحب پیشوائے اہلحدیث لکھتے ہیں کہ

صحیح بات یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث مذکورہ بالا میں داخل ہیں اور یوں ہی جملہ محدثین میں فارسی النسل!'' (اتحاف النبلاء ص ۴۲۴)

امام صاحب کی تلاوتِ قرآن پاک: رات کو تمام قرآن ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور جہاں وہ فوت ہوئے وہاں انہوں نے سات ہزار قرآن شریف کا مکمل ختم کیا تھا۔ (تاریخ ابوالفواد)

اور ''قواعد الجواہر'' میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک محدث و عارف باللہ نے فرمایا کہ چار آئمہ نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا عثمان بن عفان خلیفہ سوئم (۲) تمیم داری (۳) سعید بن جبیر (۴) اور امام اعظم ابوحنیفہ

امام صاحب ماہ رمضان میں اکسٹھ (۶۱) ختم پاک کیا کرتے تھے جن میں سے ایک دن میں ایک رات میں اور ایک ختم نماز تراویح میں ہوا کرتا تھا۔

امام ابوحنیفہ کی عبادات: امام صاحب نے پچاس سال سے زیادہ عرصہ تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے اور ہمیشہ رات کو اپنا پہلو زمین پر آرام کرنے کے لیے نہ رکھا صرف بعد از نماز ظہر بیٹھے بیٹھے ایک گھڑی سوتے تھے۔ (میزان الشعرانی)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رات کو کثرت قیام کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کا نام ''میخ'' رکھا گیا تھا۔

امام ابوحنیفہ کا تقویٰ و ورع: امام رازی شافعی جو امام ابوحنیفہ کے حق میں بڑے متعصب واقع ہوئے ہیں آیہ کریمہ مالک یوم الدین کی تفسیر میں فصل رابع (چوتھی) میں لکھتے ہیں کہ۔

ایک مجوسی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقروض تھا ایک دفعہ آپ نے اس کے مکان کے پاس اپنی جوتی کو جھاڑا تھا تو اس سے نجاست از کرس کی دیوار سے لگ گئی۔ تو آپ نے اس کو باہر بلایا اور اس نے باہر آ کر آپ کے قرضہ کے بارے میں کچھ عذر کرنا شروع کیا مگر آپ نے اس سے فرمایا کہ فی الحال پہلی بات یہ ہے کہ تم کوئی ایسی تدبیر بتلاؤ جس سے تمہاری دیوار صاف ہو جائے جب کہ آپ اس سے اپنے قرضے کا مطالبہ ہی کرنے گئے تھے۔ اب مجوسی نے حضرت امام کا یہ ورع و تقویٰ دیکھا تو اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ (تفسیر کبیر ج ا ص)

۲۔ لوٹ مار کی ایک بکری کوفہ والوں کی بکریوں میں مل گئی تھی امام صاحب نے دریافت فرمایا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنے عرصہ زندہ رہتی ہے۔ لوگوں نے کہا سات سال تک چنانچہ امام صاحب نے سات سال تک بکری کا گوشت مطلقاً ترک کر دیا۔

امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں کہ۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے معرض ورع کی بنا پر ایسا کیا کیونکہ احتمال تھا کہ وہی حرام بکری اس مدت تک باقی رہ جاتی اور اتفاق سے اس کا گوشت کھانے کی وجہ سے ان کے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی۔ (الخیرات الحسان ص ۷)

۳۔ ایک دفعہ آپ کے آدمی نے ایک عیب دار کپڑا بغیر عیب بتائے گاہک کو فروخت کر دیا اور عیب بتانا اسے یاد نہ رہا۔ اور پھر اس کی قیمت دوسرے کپڑوں کی قیمت میں مل گئی تو پتہ چلنے پر آپ نے تمام کپڑوں کی قیمت غریبوں میں تقسیم فرما دی۔ (میزان الشعرانی)

امام صاحب کی دیانت: امام وکیع بن الجراح فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ کے پاس موجود تھا کہ اتنے میں ایک عورت ریشمی کپڑا لے کر آئی اور کہنے لگی کہ یہ کپڑا آپ فروخت کر دیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا' کتنے میں وہ کہنے لگی سو میں آپ نے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے پھر فرمایا کہ کتنے میں یہ کپڑا جائے اس نے ایک سو روپیہ اور زیادہ کہا حتی کہ چار سو تک اس نے قیمت بتائی' امام صاحب نے فرمایا کہ اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے وہ کہنے لگی آپ مجھ سے استہزا (مذاق) نہ کریں فرمایا کہ سچ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کپڑے کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے میں بکا۔ (مناقب ج ا ص ۱۴۲)

اگر ہمارا زمانہ یا ہمارے زمانے کا کوئی بڑے سے بڑا صاحب علم وفضل تاجر بھی ہوتا تو اغلب ہے کہ جب اس عورت نے سو کہا تھا تو اس کو اسی یا نوے پر ٹرخا دیتا مگر امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت خود غرضی یا حیلہ سازی سے بے نیاز تھی۔

امام صاحب کی امانت داری: سفیان بن وکیع فرماتے ہیں۔

کان ابوحنیفہ عظیم الامانہ یعنی امام ابوحنیفہ بہت بڑے امانت دار تھے۔ (مناقب موفق ج ا ص ۲۲۰)

ایک دفعہ ایک تیلی نے ایک لاکھ اور ستر ہزار روپیہ بطور امانت امام موصوف کے پاس رکھا تھا۔ (ایضا)

جب امام صاحب کی شہادت ہوئی تو آپ کے حالات لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ۔

جس وقت امام صاحب کی وفات ہوئی تو ان کے گھر میں لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔

(مناقب موفق ج ا ص ۲۲۰)

امام صاحب کا حج اور بشارتِ رب: فتاوٰی ''درمختار'' میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے پچپن (۵۵) حج کیے تھے۔ پھر آخری حج کے موقع پر کعبہ معظمہ کے خادموں سے ایک رات اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور بیت اللہ کے دو ستونوں کے درمیان داہنے پاؤں کی پشت پر بایاں پاؤں رکھ کر کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ قرآن کو ختم کیا جب سلام کیا تو خوب روئے اور اپنے رب سے مناجات کی کہ یاالہ العالمین اس ضعیف بندہ نے تیری عبادت جیسی کہ تجھ کو لائق ہے نہیں کی لیکن تجھ کو تیری صفات کبریائی سے جانا ہے جیسے کہ تیرے جاننے کا حق ہے اب تو اس کی خدمت کے نقصان کو اس کی کمال معرفت کے سبب بخش دے یعنی کمال عرفان کو نقصانِ خدمت کا کفارہ کر' اس پر بیت اللہ کے ایک گوشے سے یہ آواز غیب آئی کہ اے ابوحنیفہ تو نے ہم کو جیسا کہ چاہیے تھا ویسے جانا اور جو خدمت یعنی عبادت تو نے ہماری کی خوب ہی کی ہے اب ہم نے تجھ کو اور جو لوگ قیامت تک تیرے مذہب پر ہوں گے بخش دیا ہے۔ (کذا فی الطحطاوی)

امام اعظم کی استقامت: بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحمار (المتوفی ۱۳۲ھ) کے عہد حکومت میں عراق کے جابر گورنر یزید بن عمرو بن ہبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے عہدہ قضا پیش کرنا ضروری سمجھا مگر امام اعظم ابوحنیفہ نے حکومتِ وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں و بدعنوانیوں کے پیش نظر اس عہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ عبیداللہ بن عمرو الراقی کا بیان ہے کہ

ابن ہبیرہ نے امام ابوحنیفہ کے انکار پر ان کے لیے ایک سو دس کوڑوں کی سزا تجویز کی کہ روزانہ دس کوڑے مارے جائیں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۶)

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے صرف کوفہ کی قضا پیش کی گئی پھر بعد میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو کئی دن قید کر کے ان کو قاضی القضاۃ کے منصب کی پیش کش کی گئی لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۳)

اور نہ صرف قاضی القضاۃ کا عہدہ ہی پیش کیا گیا بلکہ بیت المال بھی ان کے سپرد کرنے کی پیش کش کی گئی چنانچہ لکھا ہے کہ

ذمہ داری کی مہر ان کے سپرد کی جائے گی اور کوئی دستاویز اور بیت المال سے کوئی مال نہیں برآمد کیا جائے گا۔ مگر ان ہی کے حکم اور ہاتھ سے۔ (معجم ج ۲ ص ۱۷۷)

صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ۔

بادشاہ نے ان کو اختیار دیا کہ یا تو ان کی پشت اور پیٹ پر سزا کے کوڑے برسیں اور یا وہ وزیر خزانہ کا عہدہ سنبھال لیں۔ امام موصوف نے آخرت کی سزا پر ان کی سزا کو ترجیح دی۔ اور یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ (مناقب موفق)

علامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی الشافعی (المتوفی ۷۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ۔

بادشاہ نے امام ابوحنیفہ کو خزانہ کی چابیاں سپرد کرنے اور بصورتِ انکار سزا دینے کی دھمکی دی مگر انہوں نے اس کی سزا کو اللہ تعالی کی سزا پر ترجیح دی۔ (اکمال ص ۶۲۴)

امام صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو ان کی والدہ نے بھی یہ کہا کہ بیٹے یہ عہدہ قبول کر لو۔ انہوں نے فرمایا کہ اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتی ہیں۔ (صفوۃ الصفوہ ج ۲ ص ۶۳ ابن جوزی)

اور امام صاحب کے ہمدرد اور خیر خواہ رفقاء نے بھی اس سے آگاہ کر دیا تھا کہ۔

گورنر ابن ہبیرہ نے یہ قسم اٹھائی ہے کہ اگر یہ عہدہ انہوں نے قبول نہ کیا تو ان کے سر پر بیس کوڑے لگائے جائیں گے۔ (مناقب للعلی قاری ج ۲ ص ۵۰۵)

مگر اس عزم و استقلال کے ہمالیہ نے ان ناصحین کے ان مشوروں اور ہمدردیوں کی مطلقاً کوئی پروانہ کی اور قید و بند کی تمام مصیبتوں اور صعوبتوں کے برداشت کرنے کے لیے آپ یہ فرماتے ہوئے میدانِ عمل میں نکل آئے کہ

مصیبت آشنا ہوں میں ازل سے اے چمن والو!

مجھے آرام آیا بھی تو زیرِ دام آئے گا

اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں کیسے اس عہدہ کو قبول کرلوں۔ جبکہ وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس حکم پر مُہر تصدیق ثبت کروں گا۔ بخدا میں ہرگز اس عہدہ کو قبول نہ کروں گا۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۲۴)

ابن ہبیرہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگا کہ میں ابوحنیفہ کو سخت سزا دوں گا لیکن وہ جو نظریہ قائم کر چکے تھے ایک انچ اس سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اور صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ ابن ہبیرہ کی دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے ہتھوڑوں اور گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے۔ بخدا میں عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا اگرچہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔

(مناقب کردری ج ۲ ص ۲۶)

اس کے بعد قاضی ابن ابی یعلیٰ، ابن شبرمہ اور داؤد ابن ابی ہند وغیرہ کا وفد ایک روز حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملا۔ اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہوکر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں یہ کہا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں ہم سب آپ کے بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں۔ امام موصوف نے فرمایا کہ ابن ہبیرہ اگر مجھے واسط (شہر) کی مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو میں اس پر بھی آمادہ نہیں ہوں۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۲۴)

کتنی بڑی جراءت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ کسی مرحلہ پر بھی شریک ہونا گوارا نہیں کرتے۔ پھر اس کے بعد آپ کو جو سزا دی گئی اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر روز ان کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی جب لوگ جمع ہوجاتے تو ان کے سامنے امام صاحب کو روزانہ دس کوڑے سزا دی جاتی پھر ان کو گھمایا جاتا۔ اسی طرح بارہ دن سزا دی جاتی رہی اور ایک سو بیس کوڑے پورے کیے گئے۔ پھر جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور کا آغاز ہوا اور عباسی خلیفہ سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابوجعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا عہد شروع ہوا تو اس کو بھی اپنی حکومت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے امام ابوحنیفہ کی علمی اور عملی شہرت

کو اپنے لیے آلہ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی تو اس نے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عہدۂ قضا یعنی قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا مگر وہ صاف انکار کر گئے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۸)

تو اس پر آپ کو قید کر دیا گیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی گئی تمیں کوڑے سزا دی کہ خون ان کے بدن سے نکل کر ان کی ایڑیوں پر بہتا رہا۔ (ایضاً)

امام صاحب کا ابوجعفر منصور کو چار سال قید و بند میں رہنا بھی کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ پھر جب امام صاحب اس کی اذیت سے مرعوب ہوکر ظالم حکومت کا تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو بالآخر امام صاحب کو بے خبری میں جیل خانہ کے اندر زہر دلوایا گیا جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ (تاریخ بغدادی ج ۱۳ ص ۳۳۰)

امام صاحب کے ساتھ جیل خانہ کے اندر جو رویہ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابل حیرت ہے کہ ان پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی کی گئی۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۴) تو آپ کو سُولی پر چڑھا کر پیٹا جاتا تھا حتیٰ کہ جب ان کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پیٹا گیا تاکہ زہر کی سرایت بدن میں جلدی جلدی ہوجائے تو سولی پر چڑھا کر پیٹا گیا۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۴۵)

امام صاحب کی شہادت: عام مورخین تو زہر خورانی کے واقعہ کو امام صاحب کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تاکہ وہ اس کو نوش کرلیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ مجھے اس کا علم ہے کہ اس میں کیا ڈالا گیا ہے تو میں اس کو پی کر خودکشی نہیں کرسکتا چنانچہ ان کو زمین پر لٹا کر زبردستی زہر پلایا گیا اور اس سے ان کی وفات ہوگئی۔

غرضیکہ اس مظلومانہ طور پر ۱۵۰ھ میں ان کی شہادت ہوئی۔ پہلی مرتبہ کم و بیش پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنازہ پڑھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی لکھا ہے کہ موت کے وقت آپ نے سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں جان خدا کے سپرد کی پھر حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے آپ کو غسل دیا ابن سماک کہتے ہیں کہ جب غسل کے بعد میں نے دیکھا تو آپ کی پیشانی پر ایک سطر میں آیہ کریمہ

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

دائیں ہاتھ پر آیہ

فَادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

بائیں ہاتھ پر آیہ

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا

اور شکم پر "یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان" لکھا ہوا تھا پھر جب جنازہ اٹھایا گیا تو یہ آواز آئی۔

"اے رات کو طویل قیام کرنے والے دن کو کثرت سے روزہ رکھنے والے تیرے آقا نے تیرے لیے جنت خلد اور دار السلام کو مباح کر دیا ہے۔

پھر جب قبر میں آپ کو رکھا گیا تو یہ ندا آئی۔

"فروح وریحان وجنت نعیم "(پ ۲۷، الواقعۃ آیت ۸۹) آپ کی نماز جنازہ قاضی حسن بن عمارہ نے پڑھائی۔ آپ کو بغداد کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے دفن کے بعد تین دن تک یہ آواز آتی رہی کہ فقہ جاتی رہی اب کوئی فقیہ نہیں رہا"۔ (حدائق الحنفیہ ص ۵۰)

لفظ فقہ کے معنی اور فقہ حنفی: علامہ الحسین بن محمد الملقب بالراغب الاصفہانی والامام المفسر اللغوی (التوفی ۵۰۲ھ) قرآنی لغت "المفردات فی غرائب القرآن" میں لکھتے ہیں کہ۔

الفقہ ھو التوصل الیٰ علم علم غائب بعلم شاھد فھو اخص من العلم" یعنی علم حاضر وموجود کے ذریعے علم غائب وغیرہ موجود تک پہنچنا فقہ کہلاتا ہے۔"

یہ اس کا لغوی معنی ہے تو باعتبار اس معنی کے علم کی نسبت سے وہ خاص ہے۔ اور علم عام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فمال ھؤلاء القوم لایکادون یفقھون حدیثاً (پ ۵، النساء، آیت ۷۸)

ترجمہ:" تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔"

"فقہ" کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ

والفقہ العلم باحکام الشریعۃ یعنی اصطلاح میں فقہ احکام شرعیہ کے ساتھ علم کا نام ہے۔"

تو جب کسی کو احکام شرعیہ کا علم حاصل ہو جائے تو اسے فقیہ کہتے ہیں۔ (المفردات کتاب الفاء، ص ۳۸۴)

توضیح وتلویح میں فقہ کی تعریف یوں لکھی ہے۔

"معرفۃ النفس مالھا وعلیھا من العمل" یعنی نفس کا اس عمل کو پہچاننا جو اس کے فائدہ یا نقصان کے لیے ہے فقہ کہلاتا ہے۔ (توضیح وتلویح ج ۱، ص ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے ان خطابات کے ساتھ علم جو مکلفین کے افعال شرعیہ وعملیہ کے ساتھ متعلق ہیں فقہ کہلاتا ہے۔ اور علامہ سید شریف جرجانی (التوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ۔

"متکلم کے کلام سے اس کی غرض کو سمجھ لینا لغت میں فقہ کہلاتا ہے اور اصطلاح میں فقہ علم ہے ایسے احکام شرعیہ عملیہ کے ساتھ جو ادلہ تفصیلیہ سے حاصل کیے گئے ہوں۔ (التعریفات ص ۱۴۷)

حنفی کا مطلب: لفظ حنفی منسوب ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف' اور امام صاحب کو' ابوحنیفہ کیوں کہتے ہیں۔ جناب شبلی نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے (کیونکہ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ابوالملۃ الحنیفہ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا (پ ۴، آل عمران ۹۵)

ترجمہ: تو سب ابراہیم کے دین پر چلو۔

امام ابوحنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابوحنیفہ اختیار کی۔ (سیرۃ النعمان ص ۳۴)

رائے کا لغوی اور اصطلاحی معنی: علامہ ابوالفتح ناصر الدین المطرزی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ" رائے اس نظریہ اور اعتقاد کو کہتے ہیں جس کو انسان اختیار کرتا ہے۔"

(المغرب ج ۱ ص ۱۹۷ طبع حیدرآباد دکن)

مشہور لغوی علامہ ابوالفضل القرشی ارقام فرماتے ہیں کہ۔

"رائ' دیدن بدل' وبینائی دل (صراح ص ۱۵۱)

یعنی رائے دل کی بصیرت اور بینائی کو کہتے ہیں۔

علامہ ابن اثیر الجزری الشافعی (التوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ

محدثین اصحاب قیاس کو اصحاب الرائ کہتے ہیں اب اس سے وہ مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کر لیتے ہیں ایسے مقام پر وہ اپنے قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔ (نہایہ، ج ۲، ص ۱۷۹ طبع مصر و مقدمہ تحفۃ الاحوذی، ص ۲۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الرای وہ حضرات ہیں جو مشکل احادیث اور غیر مخصوص مسائل کو اپنے ناخن تدبیر اور دل کی بصیرت سے حل کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ اور محدثین کرام اس معنی میں ان کو اہل الرائے کہتے ہیں اور کم وبیش یہی الفاظ محدث جلیل الشیخ محمد طاہر الحنفی کے ہیں ملاحظہ ہو۔ (کتاب مجمع البحار ج ۱ ص ۴۵۰)

حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ: اہل الرائے کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نظریہ شریفہ یہ ہے کہ:

وہ جماعت جو ان اکابرین کو اصحاب رائے سمجھتی ہے اگر یہ اعتقاد کرتی ہے کہ یہ حضرات اپنی رائے سے حکم کرتے تھے اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تھے تو ان کے فاسد خیال کے مطابق مسلمانوں کی اکثریت گمراہ

اور بدعتی ہوگی بلکہ اہل اسلام کے ٹولہ ہی سے باہر ہو جائے گی اور یہ خیال یا تو وہ جاہل کرے گا جو اپنی جہالت سے بے خبر ہے اور یا وہ زندیق کرے گا جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے کچھ کوتاہ فہم چند حدیثیں یاد کر کے احکام شریعت کو انہی میں منحصر کرتے ہیں اور اپنی معلومات کے علاوہ اور چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو چیز ان کے نزدیک ثابت نہ ہو اس کی نفی کرتے ہیں جیسے وہ کیڑا جو پتھر میں چھپا ہوا ہو اس کی زمین و آسمان یہی بس وہ ہے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۵ ص ۱۵۰ طبع امرتسر)

اب غیر مقلدین حضرات مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور پھر از راہ انصاف یہ فرمائیں کہ حضرت مجدد صاحب کیا فرما گئے ہیں۔

امام ابن حجر مکی الشافعی فرماتے ہیں کہ۔

محققین نے فرمایا ہے کہ بغیر استعمال رائے کے عمل بالحدیث درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رائے ہی سے معانی کا ادراک ہوتا ہے جس پر احکام کا دار و مدار ہے اور اسی وجہ سے جب بعض محدثین کو رضاعت تحریم کی علت کا ادراک نہ ہوسکا تو انہوں نے یوں کہہ دیا کہ بکری کا دودھ پینے والے دو بچوں کے درمیان رضاعت کا حکم ثابت ہے۔ اور اسی طرح رائے محض پر بھی عمل صحیح نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بھول چوک سے کھانے والوں کا روزہ نہیں جاتا۔

(الخیرات الحسان ص ۷۱)

یہ بالکل ٹھیک ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قیاس و اجتہاد اور استنباط و رائے سے کام لیتے تھے لیکن یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ وہ کسی موقع اور محل پر اور کسی وقت و مقام پر قیاس و رائے سے کام لیتے تھے۔ اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہ کا اپنا بیان یہ ہے کہ۔

میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں اگر اس میں حکم نہیں پاتا تو سنت رسول اللہ ﷺ کو لیتا ہوں اور اگر کتاب و سنت میں حکم نہیں پاتا تو حضرات صحابہ کرام کے قول کو لیتا ہوں۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۸)

اب یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اول کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں اگر ان کو اس کی وضاحت نہ ملتی تو فرماتے تھے کہ۔

"میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں" (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۶)

فروعی مسائل میں اجتہاد و قیاس: فروعی مسائل میں اجتہاد و قیاس کے جائز و صحیح ہونے کے بارے میں خود اہلحدیث حضرات کے پیشوا نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی کی گواہی پڑھ لیجئے وہ لکھتے ہیں کہ۔

اور قیاس پر سمعی دلیل کی دلالت اکثر کے نزدیک قطعی ہے اور علامہ آمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ظنی ہے امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ شہریوں کے فقہا اور تمام اہلسنت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید (یعنی عقائد) میں قیاس نہیں ہوسکتا اور احکام میں قیاس ہوسکتا ہے اور ظاہری (وہابی) دونوں میں قیاس کی نفی کرتے ہیں۔

(حدایۃ السائل ص ۴۱۸)

مشہور غیر مقلد مولوی محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ

جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جن کے بارے میں کوئی متعین نص موجود نہیں ہے تو بغیر کسی اختلاف کے کہا جاسکتا ہے کہ قیاس و رائے کی تگ و تاز ان میں مسلم ہے۔ (مسئلہ اجتہاد ص ۶۰)

اجتہاد کا یہی وہ موقع و محل ہے جس کی تحسین رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۱۸ھ) کو گورنر اور عامل بنا کر بھیجتے وقت ان سے دریافت فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ میں تجھے (کوئی حکم) نہ مل سکے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا تو آپ نے ان کے نظریہ کو پسند فرمایا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۹ مسند طیالسی ص ۷۹ ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ دارمی ج ۱ ص ۶۰ الانتقاء ص ۴۳ لابن عبدالبر طبع مصر، البدایہ والنھایہ ج ۵ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر، مشکوۃ ج ۲ ص ۳۲۴ سنن الکبریٰ، ج ۱۰ ص ۱۱۴)

اسی اجتہاد کا ذکر امام اعظم ابوحنیفہ کے کلام میں اوپر گزرا اور اسی کو فقہاء نے اختیار فرمایا۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور فقہ: حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

فقہ چاہنے والا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خوشہ چیں ہے۔ (الانتقاء ص ۱۳۶ حافظ ابن عبدالبر مالکی)

حافظ ابن کثیر الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) امام صاحب کی تعریف ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

الامام فقیہ العراق ' احد الائمۃ الاسلام' والسادۃ الاعلام ' احد ارکان العلماء 'احد الائمۃ الاربعۃ اصحاب مذاھب المتبوعۃ. (البدایہ والنھایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷)

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

فقہ میں ان (امام ابوحنیفہ) کا مقام بلند ہے کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہوسکتا اور انکے ہم عصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ خصوصاً امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۷ طبع مصر)

امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے جب بھی امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ میں مخالفت کی تو غور کرنے کے بعد ان کی رائے اور مسلک کو ہی آخرت کے سلسلے میں زیادہ نجات دہندہ پایا۔ مزید فرماتے ہیں۔

میں بسا اوقات کسی حدیث کی طرف مائل ہو جاتا مگر معلوم ہوتا کہ امام ابو حنیفہ صحیح حدیث کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کی روایتیں کم ہونے کی وجہ:

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ۔

امام ابو حنیفہ کی روایتیں (یعنی روایات حدیث بہ نسبت دوسرے آئمہ حدیث کے) اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے روایت حدیث اور اس کے تحمل میں بڑی کڑی شرطیں لگائی ہیں تو اس وجہ سے ان کی روایت اور حدیث میں کمی واقع ہوئی ہے نہ اس لیے کہ انہوں نے جان بوجھ کر روایت حدیث کو ترک کر دیا ہے ان کی ذات اس سے بہت بلند ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۴۴۵)

علامہ تاج الدین السبکی الشافعی (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ۔

ابو حنیفہ کی فقہ گہری اور بہت باریک ہے۔ (طبقات الشافعیہ ج ۱ ص ۴۷ طبع مصر)

امام اوزاعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور عمری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں فرماتے ہیں کہ۔

امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پیچیدہ مسائل کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

(مناقب کردری ج ۱ ص ۹۰، تبییض الصحیفہ)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ۔

علماء فرماتے ہیں کہ جو مسئلہ امام صاحب کے حضور طے نہ ہو لیا قیامت تک مضطرب رہے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۳۰۸)

امام طحاوی شافعی حنفی کیسے بنے:

امام ابو جعفر طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی کیم ذیقعد ۳۲۱ھ)

ابتداء میں شافعی المذہب تھے اور اپنے ماموں مزنی شافعی سے پڑھا کرتے تھے ایک دن آپ کے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو تو برخلاف امام ابو حنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ کا نکالنا جائز نہیں آپ اس مسئلہ کو پڑھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز

پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں ہی تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئی تھیں۔ اور پھر آپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے تو اس دن سے آپ نے مذہب شافعی کو چھوڑ کر مذہب حنفی اختیار کر لیا تھا۔ (حدائق الحنفیہ ص ۱۶۵)

طبقاتِ فقہا احناف:

اولاً۔ مجتہدین فی المذہب جیسے کہ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' و امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ'

ثانیاً مجتہدین فی المسائل جیسے امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ابو بکر الخصاف ابو الحسن الکرخی الحلوائی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ السرخسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' فخر الاسلام بزدوی' قاضی خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما وغیرھم

ثالثاً: اصحاب تخریج جیسے امام ابو بکر' الجصاص الرازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما

رابعاً: اصحاب ترجیح جیسے ابو الحسن القدوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ' صاحب ہدایہ وغیرہ

خامساً: اصحاب متون جیسے صاحب کنز' صاحب ''المختار'' صاحب ''الوقایہ'' وغیر ہم۔

طبقاتِ فقہاء کی طرح مسائل کی بھی دو قسمیں ہیں:

اولاً: مسائل ظاہر الروایت کے جن کی کتابیں یہ ہیں۔

۱ مبسوط امام محمد: ۲ جامع صغیر، ۳ جامع کبیر، ۴ سیر' ۵ زیادات' وغیرہ

ثانیاً روایت نادرہ وہ مسائل کہ ان کتب کے علاوہ دوسری کتب میں پائے گئے ہیں۔

معلوم رہے کہ فقہاء کرام کے مختلف طبقات اور روایات و مسائل فقہ حنفی کو ان اقسام میں بانٹنے کا مقصد یہ ہے کہ تعارض کے وقت کوئی مفتی درجہ ادنیٰ کو درجہ اعلیٰ پر ترجیح نہ دے۔

امام ابو حنیفہ کی فقہ حنفی کو جس قدر قبولیت حاصل ہوئی اتنی دوسرے ائمہ فقہ کو حاصل نہیں ترک سلاطین جن کی حکومت مشرق وسطی میں رہی فقہ حنفی کے پیروکار تھے اسی طرح برصغیر پر حکمرانی کرنے والے تمام سلاطین غوری' غزنوی' خاندان غلامان' تغلق مغلیہ سب کے سب فقہ حنفی کے مقلد تھے۔

سلطان محمود غزنوی نے فقہ میں کتاب التعریر مرتب کی' فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں ''فتاویٰ تاتار خانیہ'' مرتب کیا گیا' سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی زیر سرپرستی فتاویٰ عالمگیری مرتب کیا گیا جو دیارِ عرب میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے نام سے مشہور ہے۔ اور دلیل مانا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرتبہ فقہ حنفی جس طرح نظام حکمرانی کے لیے موزوں ہے اسی طرح روحانی اقتدار

کا بھی علم بردار ہے۔ چنانچہ برصغیر کے سارے اولیاء کرام حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ سلطان ہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کلیر میں رونق افروز علاؤ الدین صابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پاکپتن کے بابا فرید گنج شکر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم قدس اللہ اسرار سب کے سب فقہ حنفی کے مقلد تھے۔

آج بھی ترکیہ افغانستان، پاکستان بھارت بنگلہ دیش میں سب کے سب مسلمان فقہ حنفی کے پیروکار ہیں دوسرے ممالک میں بھی حنفی مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی مقبولیت کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا مقام فقہ میں بہت اونچا ہے۔

فائدہ: فقہ حنفی کی مستند کتب میں سے امام محمد بن احمد شمس الائمہ السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۴۸۲ھ) کی المبسوط (۳۱) جلدوں میں اب یہاں شائع ہوئی ہے۔ اور فقہ حنفی کا جامع اور مفید ترین شاہکار نمونے کے طور صرف ہدایہ ہی کو پڑھ لیا جائے جسے امام برہان الدین مرغینانی نے ۱۳ سال میں مرتب فرمایا اور اتنا زمانہ نفلی روزہ رکھا سوائے پانچ دنوں کے سارا سال روزہ ہوتا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (جیسا کہ مولانا روم صاحب مثنوی معنوی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب عوارف المعارف صدیقی النسل ہیں) صاحب ہدایہ کی ولادت ۵۱۱ھ اور ان کی وفات ۱۴ ذی الحجہ ۵۹۳ھ مطابق ۱۱۹۷ء کو ہوئی آپ کا مزار شریف سمرقند کے ایک مقبرہ کے نزدیک ہے۔

تخریج الاحادیث: ہدایہ شریف میں لائی گئی احادیث مبارکہ کی تخریج علامہ جمال الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی ۷۶۲ھ) نے "نصب الرایہ" کے نام سے لکھی ہے جو چار جلدوں میں چھپی ہے اور پھر اس کی تلخیص علامہ ابن حجر نے "الدرایہ" میں فرمائی ہے۔

ہدایہ شریف کا ۱۷۹۱ء میں دو انگریز فاضلوں (جیمز اینڈرسن اور چارلس ہملٹن) نے انگریزی میں ترجمہ کیا مشہور انگریز مقرر اور مصنف اڈمنڈ برک نے اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے یہ ایسا فلسفہ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں۔

مختلف مذاہب میں ترجیح بوجہ دلیل کا نمونہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو فرض کا اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور

اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں تو جو چیز ان کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔

امام ابو حنیفہ جب مدینہ پاک تشریف لے گئے اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا:

السلام علیک یا سید المرسلین، جواب ملا وعلیکم السلام یا امام المسلمین۔ (ترجمہ کشف المحجوب ص ۱۷۴)

مضمون اختتام پذیر ہوا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے دارین میں میرے آرام کا ذریعہ بنائے اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچائے آمین۔

وصلی اللہ تعالی علیٰ خیر خلقه و نور عرشه و زینته فرشه و قاسم رزقه محمد وآله واصحابه اجمعین.

والحمد للہ رب العالمین○

☆☆☆☆☆

فقہ حنفی پر اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

اور

امام اعظم ابوحنیفہ پر لوگوں کے مطاعن کا جواب

از: حضرت علامہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوّلاً: کتاب ''خیرات الحسان'' میں لکھا ہے کہ ایک دن اہل بیت نبوت کے چشم و چراغ حضرت محمد بن علی بن حسین بن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے امام ابوحنیفہ کی ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میرے جد امجد کی حدیث پر قیاس کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں امام صاحب نے فرمایا معاذ اللہ یہ بات ایسے نہیں ہے آپ بیٹھ جائیں کیونکہ آپ کی عزت مثل آپ کے جد امجد کے ہے۔ اس پر وہ بیٹھ گئے اور امام صاحب نے آپ کے سامنے بڑے ادب سے دوزانو بیٹھ کر کہا کہ مرد زیادہ ضعیف ہے یا عورت؟ آپ نے فرمایا عورت۔

پھر پوچھا کہ ورثہ میں اس کا کتنا حصہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مرد سے نصف ہے۔

امام صاحب نے کہا کہ اگر میں قیاس کرتا تو اس کے برعکس حکم دیتا۔

پھر پوچھا کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ انہوں نے فرمایا کہ نماز۔

امام صاحب نے کہا کہ اگر میں قیاس کرتا تو عورت پر نماز کی قضا کا حکم دیتا نہ کہ روزہ کا۔

پھر پوچھا کہ بول زیادہ پلید ہے یا منی؟ انہوں نے فرمایا کہ بول بہت پلید ہے۔

امام صاحب نے کہا کہ اگر میں قیاس کرتا تو بول کے بعد غسل کا حکم دیتا نہ کہ منی کے بعد (معاذ اللہ) میں کون ہوں جو حدیث کی مخالفت کروں' بلکہ میں تو خادم حدیث رسول مقبول ﷺ ہوں اس وقت موصوف اٹھ کھڑے ہوئے اور امام صاحب کو بغل میں لے کر ان کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ میں نے ابتداء میں آپ کو اس لیے ملامت کی تھی کہ آپ کے دشمنوں نے مجھ کو ایسا ہی سنایا تھا۔ (انتہیٰ)

ثانیاً: میزان الشعرانی میں لکھا ہے کہ ابو مطیع کہتے ہیں کہ میں ایک دن جامع مسجد کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت سفیان ثوری' ومقاتل بن حیان' وحماد بن سلمہ اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ جلیل القدر آئمہ حضرات انکے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں

قیاس کرتے ہیں اور ہم اس بات سے آپ کی نسبت ڈرتے ہیں کیونکہ پہلے پہل ابلیس نے قیاس کیا تھا؟ اس پر امام صاحب نے ان سے چاشت صبح سے لے کر زوال آفتاب تک مناظرہ کیا اور اپنا مذہب ان پر ظاہر کر کے فرمایا کہ میں پہلے قرآن پر عمل کرتا ہوں پھر حدیث نبوی پھر متفق علیہ قضایائے صحابہ پھر مختلف فیہ قضایائے صحابہ پھر اس کے بعد قیاس کرتا ہوں پس یہ بات سن کر تمام فقہائے موصوفہ کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنے چوم کر کہا کہ آپ ''سید العلماء'' ہیں ہم سے غلطی کی حالت میں جو اعتراض آپ کے حق میں واقع ہوا ہے اس کو آپ معاف کر دیں (انتہیٰ)

ثانیاً مسند خوارزمی میں ابن کدامہ سے روایت ہے کہ ہم ایک روز امام وکیع بن جراح کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے فلاں مسئلہ میں خطا کی ہے اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کیونکر خطا کر سکتے تھے حالانکہ ان کے پاس قیاس واجتہاد میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وامام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وامام زفر رحمۃ اللہ علیہ جیسے معرفت وحفظ حدیث میں یحییٰ ابن زکریا وحفص بن غیاث اور حیان اور مندل علی کے دونوں بیٹوں جیسے۔

اور لغت وعربیت میں قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن معن یعنی ابن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اور۔

زہد وورع میں داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفضیل بن عیاض (سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز کے دادا مرشد تھے) جیسے موجود تھے۔

پس جس کے اصحاب وشاگرد اس قسم کے ہوں وہ ہرگز خطا نہیں کر سکتا اگر وہ خطا کرے گا تو وہ حضرات نہیں کرنے دیں گے۔ پھر امام وکیع نے کہا کہ جو شخص امام صاحب کے حق میں اسطرح کہتا ہے کہ وہ (بے جا تنقید کرنے والا) چوپایہ (جانور) بلکہ اس سے بھی سخت گمراہ ہے اور جو یہ گمان کرے کہ حق بات امام ابوحنیفہ کی مخالفت میں ہے پس اس نے تنہا ایک اور مذہب نکالا ہے اور میں اس کے حق میں وہ شعر کہتا ہوں جو فرزدق نے جریر کے حق میں کہا ہے۔

اولئک آبائی فجئنا بمثلھم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یعنی یہ ہیں ہمارے آباء واکابر سو تو ان کی مثل نکال لا کہ ہم اے جریر مجمع اور محفلیں جمع کریں۔

مطلب یہ ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا تمام کمالات علمی وعملی میں ان کے معاصرین میں سے کوئی نہیں گزرا۔

رابعاً۔ عقود الجواہر المنیفہ میں لکھا ہے حضرت حماد بن زید سے مروی ہے کہ حضرت ایوب سختیانی کے پاس آ کر اس

نے امام ابوحنیفہ کا نقص بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔

یریدون ان یطفؤ نور اللّٰہ بافواھھم ویابیٰ اللّٰہ الا ان یتم نورہ ۔(پ ۱۰ ،التوبۃ ،آیت ۳۲)

یعنی یہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو (جو کہ امام صاحب کا علم وعرفان ہے) پھونکوں سے بجھادیں۔مگر اللہ تعالیٰ تو اس کے سوا کچھ اور قبول نہیں کرتا کہ اس نور کو کامل ومکمل کر ڈالے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسبب غایت امتیاز اور کثرت فضل وکمال کے محسود (مغبوط) عالم تھے' یعنی لوگ آپ کے اونچے مرتبہ کی وجہ سے آپ سے حسد اور بغض کرتے تھے۔

امام خوارزمی نے بطور نمونہ کے ۳۱ سے زیادہ ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ جو اکثر صحیح بخاری وصحیح مسلم کی ہیں جن پر امام اعظم نے عمل کیا ہے اور امام شافعی نے ان سے ادنیٰ درجہ کی احادیث پر عمل کیا ہے چنانچہ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رسالہ "فیوض الحرمین" میں لکھا ہے کہ۔

مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کرایا کہ تحقیق مذہب حنفی میں ایسا طریقہ پسندیدہ ہے جو بہ نسبت دیگر مذاہب کے اس سنت معروفہ سے جو بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں جمع اور پختہ ہوئے؟ زیادہ موافق ہے۔
(انتہیٰ)

ایک دفعہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے امام ابوحنیفہ کی طرف لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حدیث پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں آپ نے جواب میں کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ ہم کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر اقضیہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر اقضیہ بقیہ صحابہ پر یعنی ان حضرات کے فیصلوں پر پھر اس کے بعد جب ان میں اختلاف رونما ہو جائے تو ہم قیاس کرتے ہیں اور دینی امور میں کسی کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔

اب ہم بعض ان اعتراضات کا ذکر کرتے ہیں جو غیر مقلدین نے امام اعظم ابوحنیفہ اور فقہ حنفی پر کیے ہیں:

اعتراض: امام ابوحنیفہ اور انکے پیروکاروں کے نزدیک چار مہینے سے پہلے حمل گرا دینا مباح وجائز ہے۔

جواب: یہ مسئلہ صریحاً امام اعظم سے منقول نہیں یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کو فقہاء قالوا کے لفظ سے بیان کرتے ہیں جو کہ اس کے ضعف اور اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ بحرالرائق میں ہے۔

اظاھران ھذہ المسئلۃ لم ینقل عن ابی حنیفۃ صریحاً ولذا یعبرون عنھا بصیغۃ قالوا

اعتراض نمبر۲۔نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی۔

جواب۔درمختار میں یہ مسئلہ بحوالہ قنیہ زاہدی لکھا ہے علامہ نے قنیہ کی اصلی عبارت لکھی ہے قبل المجنون ام امراۃ بشھوۃ اوالسکران بنتہ معترم میں اس کی تصریح ہے کہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہو۔ناظرین خود انصاف کریں کہ ایک شخص اگر شہوت کے ساتھ اپنی بیٹی کو چومے تو حرمت مصاھرت کے سبب اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی باپ اپنی بیٹی کو چومتا ہے اور یہ انتہائے شفقت ہے لیکن شہوت کے ساتھ چومنا دوسری صورت ہے اگر معترض اس مسئلہ کو کسی آیت یا حدیث کے خلاف سمجھتا ہے تو وہ بیان کرے فقہاء علیہم الرحمۃ تو ایسے واہیات آدمی کو یہی حکم دیں گے کہ اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے۔

اعتراض نمبر۳۔چوپائے سے بدفعلی کرنے پر بھی حد نہیں جاری کی جائے گی یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے۔

جواب۔معترض نے اگلی عبارت بل یعذر بلکہ اس کو سزا دی جائے چھوڑ دی ہے، صاحب درمختار نے تو صاف لکھا ہے کہ اسکو سزا دی جائے۔فقہاء علیہم الرحمۃ نے حد کی نفی اس لیے کی ہے کہ ایسے شخص کے لیے کسی حدیث میں حد زنا (رجم یا جلد) مذکور نہیں ہے۔

بلکہ ترمذی نے ص ۱۷۶ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے۔

من الیٰ بھیمۃ خلاحد علیہ یعنی یہ جو شخص چوپائے سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں امام ترمذی کہتے ہیں کہ آئمہ اربعہ اسی طرف گئے ہیں کہ اس پر حد نہیں تعزیری سزا ہے۔

اعتراض ۴۔فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انسان کی کھال کو دباغت دی جائے (پکایا جائے) تو وہ بھی پاک ہوجاتی ہے۔

جواب۔معترض کو اگلی عبارت نظر نہیں آئی جو یہ ہے کہ:وان حرم استعمالہ یعنی اگرچہ اسکا استعمال حرام ہے۔" صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ انسان کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے لیکن اس کا استعمال حرام ہے اور بعض فقہاء تو انسان کے چمڑے کو قابل دباغت ہی نہیں سمجھتے علامہ عبدالحی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر دباغت دی جائے۔تو پاک ہوجاتا ہے لیکن انسان کا چمڑہ اتارنا یا اس کو دباغت دینا حرام ہے بحرالرائق میں ابن حزم ظاہری کے حوالے سے اس پر اجماع مسلمین لکھا ہے وہابیوں کا سرغنہ وحید الزماں "نزل الابرار" میں لکھتا ہے۔

واستثنیٰ بعض اصحابنا جلد الخنزیر والآدمی والصحیح عدم الاستثناء یعنی ہمارے بعض اصحاب (غیرمقلدوں) نے خنزیر اور آدمی کا چمڑہ حدیث "ایمااھاب دبغ فقد طھر" یعنی کسی بھی کچے چمڑے کو پکایا جائے رنگا جائے دباغت دی جائے تو وہ پاک ہوجایا کرتا ہے سے مستثنیٰ کیا ہے لیکن عدم استثناء صحیح ہے پھر لکھتا ہے۔

وجلد الآدمی طاھر الاانہ لایجوز استعمالہ لکونہ محترما یعنی آدمی کی جلد کا (چمڑا) پاک ہے لیکن اس کے محترم ہونے کے باعث اس کا استعمال جائز نہیں۔

اعتراض نمبر۵: حنفی فقہاء لکھتے ہیں کہ دباغت یعنی رنگنے اور پکانے سے کتے کی کھال بھی پاک ہوجاتی ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ایمااھاب دبغ فقد طھر یعنی جس چمڑے کو دباغت دی جائے وہ پاک ہوجاتا ہے صحیح مسلم میں ہے۔

اِذا دُبغ الاھابُ فقد طھر یعنی جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہوجاتا ہے مردار کے چمڑے کے بارے میں بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

ھلاّ اخذتم اِھابَھا فدبغتموہ یعنی تم لوگوں نے اس کا چمڑہ کیوں نہیں اتارا۔ اتار کر اسے پکا لیتے دباغت دے دیتے۔ تو حدیث ایمااھاب...... اپنے عموم میں کتے کی کھال کو بھی شامل ہے وہابیوں کا بڑا عالم شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد کی جلد چہارم کے ص ۱۱۳ میں لکھتا ہے۔

والحدیث دلیل لمن قال ان الدباغ مطھر لجلد میتۃ کل حیوانٍ کما یفیدہ لفظ عموم کلمۃ ایما وکذلک لفظ الاھاب یشتمل بعمومہ جلد الماکول للحم وغیرہ یعنی یہ حدیث اس شخص کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر حیوان مردہ کے چمڑے کو پاک کرنے والی ہے جیسے ایما کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے اور اسی طرح لفظ اھاب اپنے عموم کے لحاظ سے حلال اور حرام کے چمڑے کو شامل ہے پس معترض کا یہ اعتراض فقہاء پر نہیں بلکہ سرکار دوعالم ﷺ پر آتا ہے کیونکہ آپ نے اس حدیث میں کسی چمڑے کو مستثنیٰ قرار نہیں فرمایا ہاں کسی روایت صحیحہ میں کتے کی کھال کا استثناء آیا ہوتو اسے بیان کیا جائے۔

اعتراض ۶: درندوں کے چمڑوں سے ممانعت حدیث میں وارد ہے۔

جواب: اس میں احتمال ہے کہ یہ نہی قبل از دباغت پر محمول ہو۔ چنانچہ وہابیوں کا بزرگ عون المعبود جلد ۴ ص ۱۱۷ میں بحوالہ شوکانی لکھتا ہے قال الشوکانی فی ماحاصلہ ان الاستدلال بحدیث النھی عن جلود السباع ومافی معناہ علیٰ ان الدباغ لا یطھر جلود السباع الخ یعنی شوکانی نے کہا کہ حدیث نہی عن جلود السباع (درندوں کے چمڑوں سے ممانعت والی حدیث) سے یہ استدلال کہ دباغت کو علی العموم مطہر فرمایا ہے۔ ٹھیک نہیں کیونکہ نہی عن جلود السباع میں زیادہ سے زیادہ نہی عن الانتفاع ہے یعنی جب کہ نہی عن الانتفاع اور نجاست میں کوئی لزوم نہیں (یعنی جس چیز سے انتفاع کی نہی ہو لازم نہیں کہ وہ نجس ہو جس طرح مرد کے لیے) سونے اور چاندی کے استعمال کی نہی ہے) لیکن نجاست نہیں۔ پس اس حدیث سے جلود سباع (درندوں کی کھالوں) کا دباغت (رنگنا و پکانا) کے بعد بھی نجس ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اعتراض ۷: امام ابوحنیفہ کے ہاں صابی کا ذبیحہ بھی حلال ہے (غیرمقلد)

جواب: بے شک لیکن صابی دو قسم پر ہیں۔ ایک قسم کافر ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ تفسیر احمدی میں ہے۔

ھم صنفان صِنف یقرون الزبور ویعبدون الملائکۃ وصنف لا یقرون کتاباً ویعبدون النجوم فھولاء لیسوا من اھل الکتاب یعنی ان کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں اور ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں دوسری قسم وہ ہے جو کوئی کتاب نہیں پڑھتے اور ستاروں کی پوجا کرتے ہیں یہ لوگ اہل کتاب نہیں۔

صدیق حسن خان بھوپالی نے تفسیر فتح البیان کے ص ۱۲۱ میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے فان الصابئۃ نوعان صابئۃ حنفاء موحدون وصابئۃ مشرکون یعنی صابئہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو موحد ہیں اور ایک قسم مشرک امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی قسم کے صابی کا ذبیحہ حلال قرار دیا ہے جو کہ موحد ہے نہ کہ دوسری کا "فتاویٰ قاضیخان ص ۷۵۸ میں ہے

انھم صنفان صنف منھم یقرون بنبوۃ عیسیٰ علیہ السلام ویقرؤن الزبور فھم صنف من النصاریٰ وانما اجاب ابوحنیفۃ بحل ذبیحۃ الصابی اذا کان من ھذا الصنف یعنی صابی دو قسم پر ہیں ان میں سے ایک قسم تو وہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں پس وہ تو نصاریٰ کی ایک قسم ہیں اور امام ابوحنیفہ نے جو نصاریٰ کے ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ دیا ہے وہ اس وقت ہے جب صابی اس قسم کا ہو۔

ہدایہ کتاب النکاح کے ص ۲۹۰ میں ہے۔

ویجوز تزوج الصابیات ان کانوا یؤمنون بدینٍ ویقرؤن بکتابٍ لا نھم من اھل الکتاب وان کانوا یعبدون الکواکب ولا کتاب لھم لم تجز منا کحتھم لانھم مشرکون والخلاف المنقول فیہ معمول علی اشتباہ مذھبھم فکل اجاب علیٰ ماوقع عندہ وعلی ھذا حال ذبیحتھم (انتھی)

یعنی صابی اگر دین رکھتے ہوں اور کتاب پڑھتے ہوں تو ان کی عورتوں سے نکاح درست ہے کیونکہ وہ اہل کتاب

ہیں اور اگر ستاروں کی پوجا کرتے ہوں اور ان کے لیے کوئی کتاب نہ ہو تو ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں کیونکہ وہ مشرک ہیں اور جو خلاف امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنھما میں منقول ہے وہ ان کے مذہب کے مشتبہ ہونے پر محمول ہے جس نے ان کو جیسا پایا ویسا حکم دے دیا اور اسی پر ان کے ذبح کا حکم بھی محمول ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صابیوں کی اس قسم کو پایا جو اہل کتب تھے اور زبور پڑھتے تھے تو آپ نے ان کے ذبیحہ کی حلت کا فتویٰ دے دیا صاحبین نے صابیوں کی دوسری قسم کو پایا اور ممانعت کا حکم دے دیا حقیقت میں یہ اختلاف نہیں۔

تفسیر اکلیل علی مدارک التنزیل ص ۲۱۹ میں بحوالہ تفسیر مظہری لکھا ہے۔

قال عمرو بن عباس هم قوم من اهل الكتاب یعنی عمرو بن عباس نے فرمایا کہ صابی ایک اہل کتاب قوم ہے۔

تفسیر خازن ص ۵۵ میں ہے۔

قال عمر ذبائحهم ذبائح اهل كتاب یعنی حضرت عمرو بن عباس فرماتے ہیں کہ ان کا ذبیحہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے۔

اعتراض ۸: فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر نابالغ لڑکی سے صحبت کی جائے اور انزال نہ ہو تو نہ غسل لازم آتا ہے اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔

جواب: حضرات فقہاء کرام علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اگر ایلاج (دخول ذکر) ممکن ہو تو غسل واجب ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول ص ۱۲۲ میں علامہ شامی فرماتے ہیں۔

والصحيح انه اذا امكن الايلاج في محل الجماع من الصغيرة ولم يفضها فهي ممن تجامع فيجب الغسل بحرالرائق جلد ا ص ۶۰ میں ہے۔

فقد حكى عن السراج الوهاج خلافالو وطي الصغيرة التي لا تشتهي فيهم من قال يجب مطلقا والصحيح انه اذا امكن الايلاج في محل الجماع من الصغيره ولم يفضها فهي صحن تجامع فيجب الغسل.

یعنی کتاب "سراج الوھاج" سے نقل کیا گیا ہے کہ برخلاف اس کے ایسی نابالغہ لڑکی سے وطی کی جائے جس میں شہوت نہ ہو تو فقہاء کرام میں سے بعض نے فرمایا غسل مطلقاً لازم ہو جاتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جب دخول ذکر مقام

جماع میں ممکن ہو جائے وہ لڑکی نابالغہ ہی ہو تو ایسی لڑکی قابل جماع شمار ہوتی ہے۔ تو ایسی صورت میں غسل لازم ہو جایا کرتا ہے۔

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے۔ ويلزم بوطي صغيرة لاتشتهي ولم يفضها لانها صارت ممن تجامع في الصحيح ۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۷۵ میں لکھتے ہیں: هذا هو التصحيح ۔ یعنی صغیرہ غیر مشتہات کے ساتھ وطی کرنے سے جب کے درمیان کا پردہ ہٹ کر دونوں راہیں ایک نہ ہوں اور محل جماع میں ایلاج ممکن ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہی صحیح ہے یعنی فتویٰ اس پر ہے اور معمول بہ قول یہ ہے۔ پس معترض کی آنکھوں پر اگر تعصب کی عینک نہ ہوتی تو اسے فقہاء کرام کی تصریحات نظر آ جاتیں، پھر ایسا نہ لکھتا۔

اعتراض ۹: امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کی شرمگاہ کی رطوبت پاک ہے۔

جواب: کیا اچھا ہوتا کہ آپ نے اس کے نجس ہونے پر کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوتی اگر کوئی نہیں تو پھر حنفیوں کو بدنام کرنے کی بجائے اپنے گھر کی گواہی پڑھ لیجئے آپ کے علامہ شوکانی کا قول ہے۔

والاصل الطهارة یعنی اصل طہارت ہے اور یہ قول اپنے بزرگوں کا تو آپ کو ہمیشہ یاد رہنا چاہیے تھا کہ "اصل ہر چیز میں طہارت ہی ہے۔" جب تک اس کی ناپاکی کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے بغیر دلیل نجاست کے اس پر نجاست کا حکم لگانا درست نہیں،

مولوی وحیدالزماں غیر مقلد نے اپنی کتاب "نزل الابرار من فقہ النبی المختار" کی پہلی جلد کے ص ۴۹ میں رطوبت فرج کو پاک لکھا ہے۔

اور علامہ نووی شرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۴۰ میں لکھتے ہیں۔

قد استدل جماعة من العلماء بهذا الحديث على طهارة رطوبة فرج المراة وفيها خلاف مشهور وعند غيرنا وعنه غيرنا والاظهر طهارتها

اب تو آپ کے گھر کا مسئلہ نکل آیا۔

اسی طرح شرح مسلم ص ۱۵۵ میں علامہ نووی لکھتے ہیں۔

هذا هو الاصح عند اكثر اصحابنا ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

اعتراض ۱۰: حنفی فقہ میں مسئلہ لکھا ہے کہ نماز میں تشہد کے بعد اگر جان بوجھ کر گوز مارے یا بات چیت کرے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

جواب: تمہارا یہ اعتراض فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ پر نہیں امام اعظم پر نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ پر ہے کیونکہ اس مسئلہ کی سند حدیث میں موجود ہے۔ افسوس کہ علمائے غیر مقلدین یا تو دیدہ ودانستہ عوام کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں یا ان کو کتب فقہ کی سمجھ نہیں۔ یہی بے سمجھی ان کو اعتراض کرنے پر دلیر کرتی ہے چنانچہ اسی اعتراض میں معترض نے یہ سمجھا ہے کہ ہوا نکال دینا فقہاء کے نزدیک سلام کے قائم مقام ہے نعوذ باللہ من سوء الفھم ہرگز نہیں اگر قصداً ایسا کرے گا تو گناہ گار ہے اور اس کی نماز مکروہ تحریمہ جس کا دوبارہ پڑھنا اس پر واجب ہے چونکہ اس نے واجب (سلام) کو ترک کیا اس لئے گناہ گار بھی ہوا اور نماز کا اعادہ بھی لازم ہوا۔ یہ خیال کہ حنفیہ ایسی نماز کو بلا کراہیت تحریمی جائز کہتے ہیں یا اس فعل کو جائز رکھتے ہیں صریح افتراء ہے۔

نواب صدیق حسن خان نے (کشف الالتباس) میں اس اعتراض کو خوب رد کیا ہے تو غیر مقلدین اپنے بزرگوں کی اس کتاب میں اس اعتراض کا جواب دیکھ کر معترض کے علم اور تعصب کا اندازہ کریں کہ ہوا نکالنے کو سلام کے قائم مقام سمجھنے میں کس قدر فقاہت سے بے بہرہ وبے نصیب ہے۔

اب سنیے وہ حدیث جس کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا ابوداؤد ترمذی اور طحاوی نے روایت کیا ہے جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا اور سلام سے پہلے اس نے حدث کیا تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہوگئی۔"

علامہ علی قاری نے اپنے رسالہ "تشیع الفقہاء الحنفیہ" میں کتنی حدیثیں اس بارہ میں لکھی ہیں جو دیکھنا چاہے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ کا ص ۱۸۵ دیکھ لے۔

اب تک ہم نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور فقہ حنفی پر غیر مقلدین (اہل حدیث) کے متعدد اعتراضات کے جواب لکھے ہیں اور اگر ان جوابات سے تسلی نہ ہو تو میدان کھلا ہے بڑے شوق سے پھر ذہن آزمائی کر دیکھیں۔ انشاء اللہ ہمیں جواب الجواب کی خدمت کے لیے اسی طرح حاضر پائیں گے۔

غیر مقلدین نے جو جو اعتراضات کیے ہم نے بلا چون وچرا بالکل سیدھے سادے طریقے سے مدلل جواب پیش کیے ہیں اب ہمیں بھی حق پہنچتا ہے کہ ہم بھی حضرات غیر مقلدین کو کچھ باتوں کی طرف توجہ دلائیں۔ دیکھیے غیر مقلدین فقہ کے منکر ہیں لیکن دیکھئے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سرخیل محدثین مقتدائے ملت اور امام اہلسنت ہیں مگر بایں ہمہ وہ پیچیدہ مسئلہ کی بابت یہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ تم فقہاء اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو ابوثور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۲۴۰ھ) کے متعلق امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ مامون اور احد الفقہاء تھے (تاریخ خطیب بغدادی

جلد نمبر ۶ ص ۶۶) اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو الامام المجتہد اور الحافظ لکھتے ہیں۔ (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۷) امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ ان کو الامام الجلیل لکھتے ہیں (طبقات جلد ۱ ص ۲۲۷)

حضرت امام احمد محدث ہونے کے علاوہ فقیہ اور مجتہد بھی تھے مگر ان کا اجتہاد جیسا کہ علامہ ابن خلدون اور نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں کہ اجتہاد وقلیل بلکہ اقل بلکہ نیست کے درجہ میں تھا یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے تین آئمہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فضائل پر کتاب الانتقاء فی فضائل "الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء" تصنیف فرمائی ہے لیکن حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ان میں نہیں کیا علامہ خطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

محدثین کرام کی ایک جماعت تشریف فرما تھی جس میں خصوصیت سے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابوخیثمہ علیہ الرحمۃ زہیر بن حرب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خلف بن سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں مردہ عورتوں کو نہلانے والی ایک عورت آئی اور اس نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حیض والی عورت مردہ کو نہلا سکتی ہے یا نہیں۔ پوری جماعت سے اس کا جواب نہ بن پڑا اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ اتنے میں امام ابوثور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سامنے سے آ نکلے سب نے اس عورت سے کہا کہ یہ مسئلہ اس آنے والے شخص سے دریافت کرو۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں حائضہ عورت میت کو غسل دے سکتی ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک خاص موقعہ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ۔

تیرا حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحالت حیض آنحضرت ﷺ کے سر مبارک میں پانی ڈال کر سر میں مانگ نکالا کرتی تھیں جب اس حالت میں زندہ آدمی کے سر پر پانی ڈالا جا سکتا ہے تو مردے کو کیوں ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اس کو کیوں غسل نہیں دیا جا سکتا۔

امام ابوثور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ فتویٰ جب ان محدثین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے سنا تو اس حدیث کی اسانید اور طرق کا ایک طویل سلسلہ شروع کر دیا کہ یہ روایت فلاں سے مروی ہے اور فلاں سے بھی مروی ہے اب اس عورت نے ان سے تخاطب کرتے ہوئے کہا کہ۔

وایــن کـنـتـم الـیٰ الان (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۶۷ طبقات الکبری ج ۱ ص ۲۲۹) یعنی تم اب تک کہاں تھے۔ یعنی نیچے ہونے کے باوجود چونکہ محدث تھے فقیہ نہ تھے اس لیے جواب نہ دے سکے۔ غرضیکہ فقاہت واجتہاد تو کام کی

چیز نکلی اس پر اعتراض اور اس کا انکار کیسا؟

۲۔ دیکھیے حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو آخر میں یہی ارشاد فرمایا تھا کہ فان لم تجد فی کتاب اللہ و سنۃ رسولہ یعنی اگر تم کو وہ مطلوبہ مسئلہ قرآن و حدیث میں کہیں نہ مل سکے تو پھر کیا کرو گے تو حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی عرض کیا تھا کہ ''اجتھد برائی!'' یعنی میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔''

جس پر حضور ﷺ نے مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ تو پھر اجتہاد کا ثبوت تو صحیح حدیث سے مل گیا اب انکار کے کیا معنے؟ اب یہاں پر رسول اللہ ﷺ کے روبرو صحابی اجتہاد بالرائے کا ذکر کر رہا ہے اور حضور علیہ السلام خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اسی اجتہاد بالرائے سے غیر مقلدین کو سخت چڑ ہے تو ان کے پاس حدیث شریف کا کیا جواب ہے ذرا سامنے تو لائیں۔

قبلہ سے منہ پھر جانا: مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں کہ جو علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں قبر کے اندر ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے غیر مقلدین چونکہ آئمہ دین کو برا کہتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے بھی نماز پڑھنی مکروہ فرمایا ہے۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۸۲ ج ۲ دہلی)

غالی فرقہ: مولوی سلیمان ندوی نے فرقہ وہابیہ کو غالی فرقہ قرار دیا ہے۔ (معارف فروری ۱۹۴۴ء اہل حدیث امرتسر ۲۶ مئی ۱۹۴۴ء ص ۵)

امام نہ بنایا جائے: دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ مولوی ثناء اللہ درج کرتے ہیں کہ حافظ و قاری عالم زاہد متقی غیر مقلد کو امام نہ بنایا جائے واللہ اعلم (مسعود احمد عفی عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲ رجب ۱۳۵۷ھ)

ناپاک پاجامے: مفتی محمد شفیع دیوبندی نے فتویٰ دیا ہے کہ جو لوگ آئمہ مجتہدین کی تقلید نہیں کرتے اور بزعم خویش حدیث پر عمل کرنے کے مدعی ہیں ان کے بعض افعال ایسے ہیں جو مفسدِ صلوۃ ہوتے ہیں مثلاً وہ لوگ ڈھیلے سے استنجا نہیں کرتے اور اس زمانہ میں قطرہ کا آنا یقینی ہو گیا ہے اس لیے ایسے لوگوں کے پانجامے اکثر ناپاک ہوتے ہیں۔ بایں وجہ ان کی امامت سے احتراز کرنا چاہیے۔

(محمد شفیع مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند رسالہ سلطان العلوم ماہ محرم ۱۳۵۷ھ)

دراصل وہابیوں کے مجدد محمد ابن عبدالوہاب نجدی نے اپنے پیرو کاروں کو تعلیم ہی یہ دی تھی مفتی مکہ مکرمہ و امام مسجد الحرام حضرت علامہ احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمۃ نے اس کی شہادت ان الفاظ میں دی ہے۔

کان یمنع اتباعہ من مطالعۃ کتب الفقہ و التفسیر و الحدیث واحرق کثیراً منھا یعنی اپنے پیروکاروں کو کتب فقہ و تفسیر و حدیث کے مطالعہ سے منع کرتا تھا بہت سی کتابیں اس نے جلا بھی ڈالیں۔

(الدرر السنیہ ص ۴۱)

وہابیوں کی مرغوب غذائیں: وہابیوں کے مجتہد قاضی شوکانی نے لکھا ہے کہ۔

حلّ جمیعُ حیوانات البحر حتیٰ کلبہ وخنزیرہ وثعبانہ یعنی سب دریائی جانور حلال ہیں۔

یہاں تک کہ کتا، خنزیر، اور سانپ بھی حلال ہیں۔ (نیل الاوطار ص ۷۷ ج ۸ مطبوعہ مصر)

زانیہ کنجری کا مال حلال ہے: کنجری کی وہ کمائی جو اس نے بے حیائی اور کنجر بازی سے حاصل کی ہے اکابر وہابیہ نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہے اخبار اہلحدیث امرتسر میں لکھا ہے کہ۔

حافظ عبداللہ غازی پوری کے نزدیک مسلمہ زانیہ کا مال توبہ کے بعد حلال ہے۔ (اخبار اہل حدیث امرتسر ۲۷، اگست ۱۹۱۵ء)

کُتّے کو اٹھا کر نماز پڑھنا: وہابیوں کے امام وحید الزمان نے لکھا ہے کہ۔

لا تفسد صلوۃ حاملہ یعنی کتے کو اٹھا کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

(نزل الابرار ص ۳۰، ج ۱ مطبوعہ بنارس)

قرآن پاک پڑھنے کی رقم طے کرنا جائز ہے: مولوی ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا ہے کہ۔

ختم القرآن پاک تراویح کے عوض طے کر کے رقم حاصل کرنا جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک منع ہے۔

(اخبار اہل حدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۲۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

قرآن کی مزدوری جائز ہے: امام الوہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے فتویٰ دیا ہے کہ قرآن پاک مزدوری پر پڑھنا جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۱۷۱ ج ۲)

مرغ کی قربانی جائز ہے: ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ شرعاً مرغ کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ ص ۷۷ ج ۲ مطبوعہ کراچی)

ہم کہاں تک ان کی خرافات گنوائیں ان کو دیکھ کر اور پڑھ کر طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔

اصل میں یہ سب خرابی یہاں سے لازم آئی کہ یہ لوگ بزعم خود مجتہدین آئمہ کے اجتہاد و قیاس سے بڑی نفرت کے

ساتھ بھاگ گئے تھے۔ مگر خدا نے ان کو اپنے گندے گھنونے قیاس کے گندے گڑھے میں گرا دیا ہے اب ان کا نکلنا مشکل ہے بلاشبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت و ہستی عظیم بہت بلند پایہ علم و عمل و تقویٰ و خدا ترسی زہد و ورع کی دنیا میں ایسی صفات میں آپ کے ہم پلہ اور پھر جملہ صفات میں ہم مرتبہ کسی شخصیت کا ملنا بہت دشوار ہے ایسی پاک باز ہستی پر اعتراض کرنے کا نتیجہ وہابیوں نے دیکھ لیا ہے اور دنیا والوں نے دیکھا کہ خود انہوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں حدیث قدسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

من عادیٰ لی ولیاً فقدآذنۃ بالحرب

یعنی جو بھی میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت رکھے تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اپنے پاک و خواص لوگوں کی دانستہ و نادانستہ بے ادبی سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ (آمین)

بجاہ سیدالمرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ ونور عرشہ محمدو الہ واصحابہ اجمعین والحمد اللہ رب العالمین O

المرقوم بتاریخ ۲۸، جنوری ۱۹۹۱ء)

☆☆☆☆☆

فقہ حنفی پر مستشرقین کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

از: حضرت علامہ قاضی غلام محمود ہزاروی علیہ الرحمہ

مغربی مستشرقین کا یہ دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی قانون روما کا چربہ ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ لیکن مستشرقین کا گروہ بڑی بے باکی سے بار بار کہہ رہا ہے۔ گولڈزیہر نے اپنی کتاب محاضرات عن الاسلام میں فون کریمہ نے اپنی کتاب ''تاریخ الثقافۃ الشرقیۃ فی ایام الخلفاء'' میں آمیوس نے اپنی کتاب ''القانون المدنی الرومانی'' میں میلیو بوی نے اپنی کتاب الابحاث فی العلاقات اور ''بیزنطیہ وارالاسلام'' میں اور شیلڈون ایموز نے اپنی کتاب ''القانون الرومانی'' میں اس دعویٰ کو بڑی شدومد سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

یورپ دراصل برتری کی نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے' اقوام عالم پر اور بالخصوص مسلمانوں پر جو برتری اسے حاصل رہی ہے یا کسی حد تک آج بھی حاصل ہے اسنے یورپی مصنفین کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کردی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گزشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا نمایاں ہو جس کا انکار ممکن نہ ہو اور اس کی جلن محسوس ہو تو یہ دعویٰ کریں کہ وہ کمال مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ اس کی اصل یونان و روم ہے۔

مغربی مستشرقین نے اپنے دعویٰ کے حق میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ کم و بیش یہ ہیں۔

اولاً: فقہ حنفی کے بہت سے مسائل اور روما کے قوانین میں مماثلت و مشابہت ہے۔

ثانیاً: اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ حنفی میں شامل ہیں وہ دنیا اور قوانین کو شامل کیے بغیر ممکن نہیں فقہ حنفی کی ترتیب و تدوین جس تیزی سے پایہ تکمیل کو پہنچی وہ بھی اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ فقہ حنفی قانونِ روما سے ماخوذ ہے۔

ثالثاً: اسلامی فتوحات کے وقت شام میں رومی قانون کی تعلیم کے بعض فقہی مدارس تھے جہاں تعلیم دی جاتی تھی اور کئی ایک ادارے اور محکمے بھی تھے جو قانونِ روما کے مطابق احکام صادر کرتے تھے اور جو اسلام کے بعد بھی ایک زمانہ تک قائم رہے چونکہ اس وقت مسلمان مدنیت میں زیادہ ترقی یافتہ نہ تھے اس لیے طبعی طور پر انہوں نے اپنے سے ترقی یافتہ اور متوازن ملک کے قوانین کو اپنایا اور ان سے احکام اخذ کیے۔ مفتوحہ ملک کے مسائل کو حل کرنے کے لیے یہی قوانین فقہ حنفی میں شامل ہوئے۔ وہاں کی رسومات نے بھی فقہ حنفی میں عمل دخل پایا۔ اب ہم مندرجہ ذیل بالا دلائل کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

جہاں تک فقہ حنفی اور قانون روما کی مماثلت اور مشابہت کا تعلق ہے تو قابلِ غور امر یہ ہے کہ

پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ آیا مزعومہ مشابہت اتنی مقدار میں ہے جس کو اہمیت دی جائے یا بہت قلیل ہے جو قابل ذکر ہی نہیں اور پھر صرف مشابہت ہی اس امر کے لیے کافی دلیل ہے کہ فقہ حنفی قانون روما سے ماخوذ ہے۔ مغربی مستشرقین نے مندرجہ ذیل مشابہات کا ذکر کیا ہے۔

اولاً: بارثبوت مدعی پر۔

ثانیاً۔ بالغ ہونے کی عمر کا تعین

ثالثاً۔ تجارتی معاملات کے بعض احکام مثلاً ضیکہ، بیع، مقائضہ (اشیاء کا تبادلہ) میں فرق وغیرہ

جواب نمبر ۱۔ پہلے ہم اس مشابہت کی حقیقت معلوم کرتے ہیں جس کی رو سے عدالت کے نزدیک بارثبوت مدعی پر ہے یہ امر واقع ہے کہ فقہ حنفی میں اور قانون روما دونوں میں یہی قاعدہ ہے لیکن سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ قاعدہ رسول مقبول ﷺ کی حدیث پاک البينة على المدعي واليمين على من انكر سے لیا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس حدیث پاک کا زمانہ اسلامی فتوحات سے قبل کا ہے جن پر رومی قوانین میں کوئی مماثلت نہیں۔

جواب نمبر ۲۔ قانون روما کے تحت لڑکے کے لیے سن بلوغت چودہ سال اور لڑکی کے لیے بارہ سال ہے جب کہ فقہ حنفی میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے سن بلوغت پندرہ سال ہے اس امر میں مشابہت کا ذکر کر کے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

جواب نمبر ۳۔ تجارتی معاملات کے احکام میں بھی فقہ حنفی اور قانون روما کا فرق واضح ہے۔ رومی قانون میں بیع ایسا معاہدہ ہے جس کے لئے فریقین کی رضامندی کافی ہے "مقائضہ" ایسا معاہدہ ہے جس کے جائز ہونے کے لیے کسی ایک فریق کی طرف شے متبادل کا پیش ہونا ضروری ہے لیکن فقہ حنفی اس ظاہری فرق کو قابل اعتنا نہیں سمجھتی بلکہ اسکی رو سے مقائضہ بھی بیع بالرضاء کی ایک خاص قسم ہے یہی کیفیت بیع اور ٹھیکہ کی ہے۔

مشابہت کی ان چند مثالوں کے مقابلے میں اختلاف کی کثیر تعداد کا مطالبہ کیا جائے تو قانون روما سے فقہ حنفی کے اخذ کی اصلیت ظاہر ہو جاتی ہے، عبادات، تعزیرات، مالیات، قرض وسود، وراثت، نکاح، طلاق، نسب، خلع، غلاموں کی آزادی، عدل گستری، قانون بین الممالک وغیرہ میں فقہ حنفی اور قانون روما میں کوئی مماثلت نہیں اور جن چند معاملات میں پائی جاتی ہے سوان پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ صرف مماثلت ہی ماخوذ کی قطعی دلیل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ضروری ہے کہ بنیادی

قواعد اور فروعی قواعد پر نظر ڈالی جائے معاشرہ کی تشکیل سے قبل اور بعد میں باوجود مختلف حالات اور مختلف زبان ومکان کے عدل وانصاف کا ایک ضابطہ موجود رہا ہے۔ یہ ضابطہ ناحق قتل، چوری، زنا، اور ان جیسے جرائم کا حرام ہونا ہے۔ اقوام عالم کے قوانین میں ان کا متحد اور مشابہ ہونا ایک فطری امر ہے بنیادی قواعد کے علاوہ مختلف قوانین میں فروعی قواعد میں بھی مماثلت کا پایا جانا خارج از امکان نہیں قانون روما کے علاوہ قانون انگریزی میں بھی بعض مسائل میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً مسئلہ فضولی یعنی بغیر اجازت کسی کے مال کو تصرف میں لانے کا قانون یا حقوق کے بے جا استعمال کا قانون، اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انگریزی قانون اسلامی قانون سے ماخوذ ہے لہذا صرف مشابہت و مماثلت ماخوذ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ پر حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ کے اعتراضات کے جوابات

از۔ حضرت علامہ محمد شریف محدث کوٹلوی علیہ الرحمہ

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "مصنف ابن ابی شیبہ" ہے اس کتاب میں صحیح، حسن، ضعیف بلکہ احادیث موضوعہ بھی موجود ہے۔ محدثین نے اس کتاب کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔ اس کتاب کا ایک معتد بہ حصہ، صرف حضرت امام اعظم کے رد میں ہے۔ اس حصہ میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو بادی الرائے میں امام اعظم کے خلاف نظر آتی ہیں۔ اس کا نام "کتاب الرد علی ابی حنیفہ" ہے۔

علامہ عبدالقادر قرشی متوفی ۷۷۵ھ اور علامہ قاسم بن قطلو بغا نے اس حصہ کا مستقل جواب لکھا ہے۔ مگر افسوس کہ زمانہ کے حوادث نے ہماری نگاہوں کو ان کی زیارت سے محروم رکھا ورنہ ہم ان کا ترجمہ کر کے شائع کر دیتے۔

فقیر کو بعض احباب نے اس حصہ کا جواب لکھنے کی ترغیب دی۔ میں نے کار ثواب سمجھ کر منظور کیا اور الفقیہ کے متعدد پرچوں میں شائع کیا۔ ان مضامین کو جمع کر کے کتاب کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ حنفی بھائی فائدہ اٹھائیں اور فقیر کے حق میں دعا کرتے رہیں۔ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

فقیر ابویوسف محمد شریف

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے چند احادیث لکھی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی مرد اور عورت کو سنگسار فرمایا۔ پھر لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مذکور ہے کہ یہودی مرد اور عورت پر رجم نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں بے شک امام اعظم نے ایسا ہی فرمایا ہے آپ کا یہ ارشاد کسی صحیح حدیث کے خلاف نہیں افسوس بجائے اس کے کہ مخالفین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قدر دانی کرتے ناشکری کرتے ہیں اور صحیح مسئلہ کو مخالف حدیث سمجھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح سمجھ عطا کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت محمدیہ میں زانی کے رجم کے لیے محصن ہونا شرط ہے اگر زانی محصن نہ ہو تو اس کو رجم نہیں۔

مشکوٰۃ شریف کے ص ۲۹۳ میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

ان عثمان بن عفان اشرف یوم الدار فقال انشدکم باللہ اتعلمون ان رسول اللہ ﷺ قال لا یحل دم امریء مسلم الا باحدی ثلث زنا بعد احصان او کفر بعد اسلام او قتل نفسا بغیر حق الحدیث

ترجمہ: جس دن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دار میں گھیرا تو آپ نے چڑھ کر فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان مرد کا خون حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے

ایک بات کے ساتھ محصن ہونے کے بعد زنا کرنے سے اسلام کے بعد کفر کرنے سے یا قتل نفس سے۔

عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذا احصن من الرجال والنساء اذاقامت البینۃ او کان الحبل او الاعتراف (مشکوٰۃ ص ۳۰۱)

ترجمہ: بخاری و مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا رجم اللہ کی کتاب میں حق ہے اس پر جو زنا کرے جب وہ محصن ہو مرد ہو یا عورت جب گواہ موجود ہوں یا حمل ہو یا اقرار۔

عن زید بن خالد قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا مرفیمن زنی ولم یحصن جلد مائۃ وتغریب عام (بخاری شریف مشکوٰۃ ص ۳۰۱)

ترجمہ: زید بن خالد کہتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں حکم فرمایا جو زنا کرے اور محصن نہ ہو۔ سو (۱۰۰) درے اور ایک سال جلاوطن۔

علامہ ابن حجر فتح الباری جز ۲۸، ص ۳۳۹ میں فرماتے ہیں۔ قال ابن بطال اجمع الصحابۃ وائمۃ الامصار علی ان المحصن اذازنی عامدا عالما مختار افعلیہ الرجم.

ترجمہ: یعنی صحابہ و آئمہ عظام کا اس بات پر اجماع ہے کہ محصن جب عمداً اپنے اختیار سے زنا کرے تو اس پر رجم ہے۔ امام شعرانی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

محصن ہونے میں اسلام شرط ہے: اب دیکھنا یہ ہے کہ محصن کس کو کہتے ہیں امام اعظم و امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ محصن وہ شخص ہے جو آزاد عاقل بالغ مسلمان ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ جماع کر چکا ہو۔ یعنی محصن ہونے میں اسلام کو شرط سمجھتے ہیں لیکن امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اسلام شرط نہیں۔ امام اعظم و امام مالک رحمہما اللہ کی دلیل یہ حدیث ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول خدا ﷺ نے:

من اشرک باللہ فلیس بمحصن۔ ترجمہ: جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک کیا وہ محصن نہیں۔

معلوم ہوا کہ محصن ہونے میں اسلام شرط ہے اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے دارقطنی نے بھی اس کا اخراج کیا ہے لیکن دارقطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بجز اسحاق کسی نے مرفوع نہیں کیا اور کہا جاتا ہے کہ اسحاق نے رفع کرنے سے رجوع کیا ہے اس لیے صواب یہ ہے کہ موقف ہے انتہیٰ ما قال الدارقطنی۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ جلد ۴ ص ۶۶ میں اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

قال فی النہایہ ولفظ اسحق کماتراہ لیس فیہ رجوع وانماذکر من الراوی انہ مرۃ رفعہ و مرۃ اخرج مخرج الفتویٰ ولم یرفعہ و لا شک ان مثلہ بعد صحۃ الطریق الیہ محکوم برفعہ علی ھوالمختار فی علم الحدیث من انہ اذا تعارض الرفع والوقف حکم بالرفع. انتہی

ترجمہ: یعنی اسحاق کے لفظ سے رجوع ثابت نہیں ہوتا اس نے راوی سے ذکر کیا ہے کبھی اس نے مرفوع کیا ہے کبھی نہیں صرف بطور فتویٰ روایت کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی جگہ میں بعد صحت سند رفع کا حکم ہوتا ہے چنانچہ علم حدیث میں یہ بات مختار ہے کہ جب رفع اور وقف میں تعارض ہو تو رفع کا حکم ہوتا ہے علامہ زیلعی ''نصب الرایہ'' جلد ۲ ص ۸۴ میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں۔

دوسری حدیث میں جس کو دار قطنی نے بروایت عفیف بن سالم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے یہ ہے فرمایا رسول خدا ﷺ نے۔ لا یحصن المشرک باللہ شیئا ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والا کافر محصن نہیں ہوتا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محصن ہونے میں اسلام شرط ہے۔ دار قطنی نے جو اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ عفیف نے اس کے رفع کرنے میں وہم کیا ہے۔

اس کے جواب میں علامہ ابن الترکمانی جواھر النقی ص ۱۷۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں:

قلت اسحق حجة حافظ وعفيف ثقه قاله ابن معين وابو حاتم ذكره ابن القطان وقال صاحب الميزان محدث مشهور صالح الحديث وقال محمد بن عبدالله بن عمار كان احفظ من المعافى بن عمران وفى الخلافيات للبيهقى ان المعافى تابعه اعنى عفيفا فرواه عن الثورى كذلك واذا رفع الثقة حديثا لا يضره وقف من وقفه فظهران الصواب فى الحديثين الرفع.

ترجمہ: اسحاق حافظ اور حجت ہے عفیف کو ابن معین وابو حاتم نے ثقہ کہا اس کو ابن قطان نے ذکر کیا ہے میزان میں ہے کہ عفیف محدث مشہور صالح الحدیث ہے محمد بن عبداللہ بن عمار نے کہا کہ عفیف معافی بن عمران سے احفظ تھا بیہقی نے خلافیات میں لکھا ہے کہ معافی نے عفیف کی متابعت کی اور اس حدیث کو ثوری سے اس طرح روایت کیا۔ جب ثقہ کسی حدیث کو مرفوع کرے تو وقف کرنے والے کا وقف مضر نہیں ہوتا۔ تو ظاہر ہو گیا کہ ان دونوں حدیثوں میں رفع ہی صواب ہے نہ وقف جیسے دار قطنی نے سمجھا ابو احمد زبیری کا ثوری سے موقوف روایت کرنے کا جواب بھی اسی سے سمجھا جا سکتا ہے علاوہ اس کے زبیری حدیث ثوری میں خطا کرتے ہیں نقله الذهبى فى ميزانه احمد بن ابی نافع پر جو ابن قطان نے کلام کیا ہے وہ بھی مضر نہیں۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں: وبعد ذلك اذا خرج من طريق فيها ضعف لا يضر.

ترجمہ: یعنی جب حدیث ابن عمر مرفوعاً بسند صالح ثابت ہو گئی تو اب کسی طریق میں اگر ضعف بھی ہو تو مضر نہیں۔

نیز اس حدیث کی شاہد وہ حدیث ہے جس کو دار قطنی نے بروایت علی بن ابی طلحہ عن کعب بن مالک روایت کیا ہے۔

انه اراد ان يتزوج يهودية او نصرانية فسال النبى صلى الله عليه وسلم عن ذلك فنهاه عنها

وقال انها لا تحصنك

ترجمہ: یعنی کعب بن مالک نے ایک یہودیہ نصرانیہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو رسول کریم ﷺ سے پوچھا آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ تجھے محصن نہ کرے گی۔

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں طبرانی نے معجم میں اور ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد نے مراسیل میں بروایت بقیہ بن الولید عن عتبہ عن علی بن ابی طلحہ عن کعب اخراج کیا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ انقطاع اور ضعف ہے لیکن محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث پہلی حدیث کی شاہد ہے۔

اس تحقیق سے کما حقہ ثابت ہو گیا کہ حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اسلام کو شرط احصان سمجھنا بے دلیل نہیں ہے۔

امام شعرانی علیہ الرحمۃ میزان ص ۱۳۳، ج ۲، میں امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ کے اس قول کی وجہ میں بیان فرماتے ہیں۔

ان الرجم تطهير والذمى ليس من اهل التطهير بل لا يطهر الا بحرقة من النار

ترجمہ: یعنی رجم تطہیر ہے اور ذمی کافر اہل تطہیر سے نہیں بلکہ وہ بجز آگ میں جلنے کے طاہر نہیں ہوگا۔

ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں کہ رجم کے لیے محصن ہونا شرط ہے اور محصن ہونے کے لیے اسلام کا شرط ہونا حضور علیہ السلام کی قولی حدیث سے ثابت ہے کما مر تو ثابت ہوا کہ کافر زانی کے لیے رجم نہیں یہی مذہب ہے امام اعظم وامام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا اب یہ کہنا کہ امام صاحب کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے صریح غلط ہے بلکہ جو لوگ محصن ہونے میں اسلام کو شرط نہیں سمجھتے کافروں کو بھی رجم کا حکم سمجھتے ہیں وہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کی تصریح مخالف کرتے ہیں بیہقی نے حدیث ابن عمر کی جو تاویل کی ہے کہ اس میں احصان قذف مراد ہے بالکل بے دلیل ہے۔ سرور عالم ﷺ نے کافر کے محصن ہونے کی مطلقاً نفی فرمائی ہے۔ احصان قذف ہو یا احصان رجم دونوں میں اسلام شرط ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اب رہا یہ شبہ کہ اگر احصان رجم میں اسلام شرط تھا تو رسول کریم ﷺ نے یہودی اور یہودیہ کو کیوں سنگسار کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہودیوں کو رجم کا حکم فرمانا تورات کے حکم سے تھا۔ تاکہ ان کو الزام دیا جائے اسی لیے کہ ان کی کتاب کا حکم ان پر جاری کیا گیا۔ علاوہ اس کے یہ فعل کی حکایت ہے جس کو عموم نہیں ہوتا۔

امام زرقانی شرح موطا میں فرماتے ہیں:

قال المالكية واكثر الحنفية انه شرط فلا يرجم كافر واجا بوا عن الحديث بانه صلى الله عليه وسلم انما رجمهما بحكم التورية تنفيذ اللحكم عليهم بما فى كتابهم وليس هو من حكم

الاسلام فی شی وھو فعل وقع فی واقعۃ حال عینیۃ محتملۃ لا دلالۃ فیھا علی العموم فی کل کافر

اسی طرح امام طحاوی نے ص ۲۸۰ ج ۲ میں اور ملا علی قاری نے شرح مو رمیں لکھا ہے۔

علاوہ اس کے جب حضور علیہ السلام نے یہودیوں کو رجم کا حکم فرمایا اس وقت اگر چہ رجم موافق شرع تھا مگر احصان میں اسلام شرط نہ تھا جب حدیث میں اشرک باللہ فلیس بمحصن فرمائی تو اسلام شرط ہوا چونکہ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے تقدم تاخر کی تاریخ معلوم نہیں تولا محالہ ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ اور کسی مرجح کی تلاش کی جائے گی پس حدیث رجم یہودی فعلی ہے۔ اور حدیث مفید اشتراط اسلام قولی ہے اور اصول حدیث کا مسلم اصول ہے کہ جب قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث مفید اشتراط اسلام جو قولی ہے اس کو ترجیح ہوئی۔

علاوہ اس کے حدود میں بوقت تعارض دافع کو ترجیح ہوتی ہے۔ تو حدیث قولی دافع ہے جو بحکم حدیث ادرؤ الحدود بالشبہات درء حدود کی موجب ہے حدیث فعلی دافع نہیں تو حدیث قولی مقدم ہوئی۔

شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اسی طرح لکھا ہے۔

علامہ عبدالحی تعلیق الممجد ص ۳۰۵ میں فرماتے ہیں۔

فالصواب ان یقال ان ھذہ القصۃ دلت علی عدم اشتراط الاسلام والحدیث المذکور دل علیہ والقول مقدم علی الفعل مع ان فی اشتراطہ احتیاطاً وھو مطلوب فی باب الحدود کذا حققہ ابن الھمام فی فتح القدیر وھو تحقیق حسن الاانہ موقوف علی ثبوت الحدیث المذکور من طریق یحتج بہ انتھی قلت قد ثبت الحدیث ثبوتا لا مرد لہ کما بیناہ انفا فالحمد للہ علی ذلک.

امید ہے کہ ناظرین کو اس تحقیق سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ امام اعظم کا عمل ہرگز احادیث صحیح کے برخلاف نہ تھا۔ مخالفین کے جملہ اعتراضات حسد یا عداوت یا قلت فقاہت پر مبنی ہیں۔ واللہ واعلم وعلمہ اتم۔

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے چند احادیث لکھی ہیں جن میں رسول کریم ﷺ نے شتر خانوں میں نماز پڑھنے سے نہی فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کوئی مضائقہ نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ بخاری ومسلم نے رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے آپ نے پانچ چیزیں اپنے خصائص میں بیان کیں اور فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں منجملہ ان کے یہ ہے۔

جعلت لی الارض مسجداو طھورا وایمارجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل . الحدیث

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین مسجد اور طہور بنائی ہے میری امت کا ہر شخص جس جگہ نماز کا وقت پائے نماز پڑھ لے۔

یہ حدیث اپنے عموم میں شتر خانوں کو بھی شامل ہے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے ص ۷۷۳ ج ۲ میں فرماتے ہیں۔

قال ابن بطال فدخل فی عموم ھذا المقابر والمرابض والکنائس وغیرھا

یعنی ابن بطال فرماتے ہیں کہ حدیث کے عموم میں قبرستان و مرابض ابل و غنم و کنائس وغیرہ سب داخل ہیں۔

اب اس حدیث اور حدیث لا تصلوا میں تعارض ہوا۔ علامہ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۶۲ ۲ ج ۲ میں اس تعارض کو اس طرح رفع فرماتے ہیں۔

لکن جمع بعض الائمۃ بین عموم قولہ جعلت لی الارض مسجد اوطھورا وبین احادیث الباب (انتھی)

بحملھا علی کراھۃ التنزیہ وھذا اولی واللہ اعلم

یعنی احادیث نہی اور حدیث جعلت لی الارض میں بعض آئمہ نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ احادیث نہی کراہت تنزیہ پر محمول ہیں ابن حجر فرماتے ہیں یہ جمع اولیٰ ہے معلوم ہوا کہ شتر خانوں میں نماز پڑھنے کی نہی میں جو حدیثیں آئی ہیں ان میں نہی تنزیہی مراد ہے۔

پھر ص ۲۲۵ ج ۲ میں حدیث جعلت لی الارض کی شرح میں فرماتے ہیں:

وایرادہ لہ ھھنا یحتمل ان یکون ارادان الکراھۃ فی الابواب المتقدمۃ لیست للتحریم لعموم قولہ جعلت لی الارض مسجدا ای کل جزمنھا یصلح ان یکون مکانا للسجود ویصلح ان یبنی فیہ مکان للصلوۃ ویحتمل ان یکون ارادان الکراھۃ فیھا للتحریم وعموم حدیث جابر مخصوص بھا والاول اولی لان الحدیث سیق فی مقام الامتنان فلاینبغی تخصیصہ الخ.

حافظ صاحب نے اس کلام میں ایک شبہ کی تردید فرمائی کہ بخاری نے اس حدیث کو اس مقام میں کیوں ذکر کیا فرماتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس لیے یہاں ذکر کیا ہو (باوجود یہ کہ اسی سند اور لفظ اور معنے کے ساتھ اوائل کتاب التیمم میں ذکر کر چکے ہیں) کہ بخاری نے اس بات کے ظاہر کرنے کا ارادہ کیا ہو کہ ابواب متقدمہ میں جو کراھت الصلوۃ کا ذکر کیا گیا ہے اس میں کراہت تحریمی مراد نہیں ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد کہ میرے لیے سب زمین مسجد وطہور بنائی گئی ہے عام ہے یعنی زمین کی ہر جز اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ سجدہ کے لیے مکان ہو یا نماز کے لیے مکان بنایا جائے اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ کراہت تحریمی کا ارادہ ہو۔ اور حدیث جابر کے عموم سے وہ مواضع مخصوص ہوں۔

لیکن ابن حجر نے اس احتمال کو پسند کیا اور فرمایا کہ پہلا احتمال اولیٰ ہے یعنی احادیث نہی میں کراہت تحریمی مراد نہیں۔ تنزیہی ہے اس لیے کہ حدیث جعلت لی الارض مقام امتنان میں ہے یعنی حضور علیہ السلام اس حدیث میں اللہ

جل شانہ کا احسان اور منت بیان فرما رہے ہیں کہ میرے لیے سب زمین مسجد بنادی گئی تو اس میں تخصیص کرنا مقام امتنان کے مناسب نہیں۔ اس لیے تخصیص نہ چاہیے اس عبارت سے صاف ثابت ہوا کہ احادیث نہی میں نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۷۷ ج ۲ میں فرماتے ہیں:

وایراد هذا الباب عقیب الابواب المتقدمة اشارة الی ان الکراهة فیهالیست للتحریم لان عموم قوله صلی اللہ علیه وسلم جعلت لی الارض مسجد او طهورا یدل علی جواز الصلوة علی ای جزء کان من اجزاء الارض انتهی

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ احادیث نہی میں کراہت تحریمی مراد نہیں امام نووی شارح مسلم ص ۱۰۸ ج ۱ میں فرماتے ہیں۔

واما اباحته صلی اللہ علیه وسلم الصلوة فی مرابض الغنم دون مبارک الابل فهو متفق علیه والنهی عن مبارک الابل وهی اعصانها نهی تنزیه وسبب الکراهة مایخاف من نفارها وتهویشها علی المصلے انتهی

یعنی حضور علیہ السلام کا بکریوں کے باڑے میں نماز کی اجازت دینا اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نہ دینا اتفاقی مسئلہ ہے۔ اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھنے کی نہی نہی تنزیہی ہے سبب کراہت وہ خوف ہے جو نمازی کو ان کے بھاگنے اور براگیختہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔

اس عبارت سے علاوہ اس بات کے کہ شتر خانوں میں نماز کی نہی تنزیہی ہے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مرابض غنم میں اجازت اور مبارک ابل میں نہی اتفاقی ہے یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی شتر خانوں میں نماز کی کراہت کے قائل ہیں۔

سراج المنیر شرح جامع الصغیر ص ۳۸۷ جلد ۲ میں ہے:

والفرق ان الابل کثیرة الشرادفتشوش قلب المصلی بخلاف الغنم والنهی للتنزیه

حاشیہ لمعات شرح مشکوۃ ص ۶۳ میں ہے:

اعلم انهم اختلفوافی النهی عن الصلوة فی المواطن السبعة انه للتحریم اوللتنزیه والثانی هوالاصح

علامہ عینی عمدۃ القاری ص ۳۶۲ ج ۲ میں لکھتے ہیں:

وجواب اخرعن الاحادیث المذکورة النهی فیها للتنزیه کما ان الامر فی مرابض الغنم للا باحة ولیس للوجوب اتفاقا ولا للندب انتهی

یعنی احادیث نہی کا ایک اور جواب ہے وہ یہ کہ نہی تنزیہی ہے کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنے کا امر اباحت کے لیے ہے۔ وجوب اور ندب کے لیے اتفاقاً نہیں۔

اس تحقیق سے محقق ہوگیا کہ احادیث نہی میں نہی تنزیہی مراد ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ نماز پڑھ لینا جائز ہے لیکن مکروہ۔ یہی صحیح ہے۔ نہی کی علت نجاست نہیں کیونکہ مرابض غنم میں بھی اس قسم کی نجاست موجود ہے البتہ اس نہی کی علت "انها خلقت من الشیاطین" منصوص ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اونٹ شیاطین کی نسل سے ہیں اس لیے ان کا نماز میں سامنے ہونا ہی مفسد نماز ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام اونٹ کو سامنے سترہ بنا کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نوافل اونٹ پر سواری کی حالت میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ کثیرۃ الشراد ہیں ان کے بھاگنے اور پراگندہ ہونے سے نمازی بے امن نہیں ہوتا اس کا دل متشوش رہتا ہے۔ اس لیے نماز وہاں مکروہ ہوئی نہ یہ کہ ہوتی ہی نہیں کیونکہ یہ نہی نماز کے واسطے نہیں بلکہ نمازی کے واسطے ہے کہ اس کو ضرر نہ پہنچے اس لیے شتر خانہ میں نماز جائز مع الکراہت ہوئی۔

جب حدیث نہی کی مراد عند المحدثین یہی ثابت ہوئی کہ نہی تنزیہی ہے اور نماز جائز مع الکراہت ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کا اس بارہ میں کیا مذہب ہے میں کہتا ہوں کہ امام اعظم کا بھی یہی مذہب ہے کہ شتر خانہ میں نماز مکروہ ہے اگر کوئی پڑھ لے تو ہو جائے گی۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری ص ۴۸ ج ۱ میں ہے:

ویکره الصلوة فی تسع مواطن فی قوارع الطریق ومعاطن الا بل الخ

درمختار ص ۴۳ میں ہے:

وکذاتکره فی اماکن کفوق کعبة (الی آخرماقال) ومعاطن ابل الخ

مراقی الفلاح میں ہے:

وتکره الصلوة فی المقبرة وامثالها لان رسول اللہ ﷺ نهی ان یصلی فی سبعه مواطن فی المزبلة والمجزرة وفی الحمام ومعاطن الابل

ان حوالجات سے ثابت ہوا کہ فقہ حنفیہ میں شتر خانوں میں نماز مکروہ لکھی ہے جو امام صاحب کا مذہب ہے بلکہ امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

چنانچہ امام شعرانی میزان ص ۱۳۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں:

ومن ذلک قول الامام ابی حنیفة و الشافعی بصحة الصلوة فی المواضع المنهی عن الصلوة فیها مع الکراهة وبه قال مالک

اور "رحمة الامة فی اختلاف الائمة" جو میزان کے حاشیہ پر مطبوع ہے لکھا ہے۔

اختلفوا في المواضع المنهي عن الصلوة فيها هل يبطل صلوة من صلى فيها فقال ابو حنيفة هي مكروهة و اذا صلى فيها صحت صلوته وقال مالك الصلوة فيها صحيحة وان كانت طاهرة على كراهة كان النجاسة قل ان تخلو منها غالبا وقال الشافعي الصلوة فيها صحيحة مع الكراهة انتهى

پھر اس کے آگے صاحب رحمۃ الامہ نے ان مواضع میں سے شتر خانہ کو بھی شمار کیا ہے تو ثابت ہوا کہ علاوہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے امام شافعی وامام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام نووی وابن حجر کا بھی یہی مذہب ہے کہ امر بلکہ جمہور علماء اسی طرف ہیں۔

علامہ عینی شرح بخاری ص ۳۶۲ ج ۲ میں لکھتے ہیں:

قوله عليه السلام جعلت لي الارض مسجد او طهورا فعمومه يدل على جواز الصلوة في اعطان الابل وغيرها بعد ان كانت طاهرة وهو مذهب جمهور العلماء واليه ذهب ابو حنيفة ومالك والشافعي وابو يوسف و محمد واخرون انتهى.

پھر آگے فرماتے ہیں: وحمل الشافعي وجمهور العلماء النهي عن الصلوة في معاطن الابل على الكراهة.

یعنی شافعی اور جمہور علماء نے شتر خانوں میں نماز پڑھنے کی نہی کو کراہت پر حمل کیا ہے یعنی تحریم مراد نہیں لی۔

ابوالقاسم بناری جس نے کتاب ''الرد علی ابی حنیفہ'' چھپوا کر شائع کی ہے اسی نے ایک کتاب ''ہدیۃ المہدی'' مؤلفہ وحید الزمان اپنے اہتمام سے چھپوائی ہے جس میں انہوں نے اپنے زعم میں قرآن وحدیث سے مستنبط مسائل لکھے ہیں اور اپنے فرقہ کے واسطے ایک فقہ کی کتاب تیار کی۔ اس کی پانچویں جلد میں جس کا نام المشرب الوردی ہے لکھا ہے۔

وما علم ان النهي عنه وقع لا جل المصلي ولئلا يصيبه ضرر كالصلوة في معاطن الابل فان تيقن الضرر حرمت عليه الصلوة فيه ولكن لو صلى فمع ذلك صلوة صحيحة كان النهي ليس لخصوص الصلوة وان يتقن عدم الضرر فلا باس بالصلوة فيه.

یعنی جو معلوم کیا جائے کہ ممانعت نمازی کے واسطے ہے تاکہ اس کو ضرر نہ پہنچے جیسے شتر خانوں میں نماز پڑھنا تو ایسی جگہ یہ حکم ہے کہ اگر ضرر کا یقین ہو تو اس جگہ نماز پڑھنا حرام ہے لیکن اگر پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ نہی نمازی کے واسطے تھی نہ نماز کے لیے۔ اور اگر یقین کرے کہ ضرر نہیں ہوگا۔ تو وہاں ہی نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

الحمد للہ! کہ اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حدیث کے مخالف نہیں لیکن ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مؤلف کتاب الرد نے مذہب کے نقل کرنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔ اصل مذہب جو صحت نماز

نقل نہیں کیا۔ علاوہ اس کے صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ہی مورد طعن بنایا حالانکہ امام مالک وامام شافعی وجمہور علماء کا یہی مذہب تھا۔ فالی اللہ المشتکی

اعتراض: اس نمبر میں ابن ابی شیبہ نے چند حدیثیں لکھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت کے مال سے سوار کے تین حصے ہیں ایک حصہ سوار کا دو اس کے گھوڑے کے پھر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مخالف احادیث سمجھ کر لکھا کہ امام اعظم نے (ان احادیث کے خلاف) فرمایا کہ گھوڑے کا ایک حصہ اور ایک اس کے سوار کا۔

جواب: ابوالقاسم بناری نے کتاب الرد چھپوانے کی یہ غرض لکھی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ علم حدیث میں قلیل البضاعت تھے مگر خدا کی شان بجائے اس کے کہ امام صاحب کا قلیل البضاعت ہونا ثابت ہوتا خود معترضین کی قلت فقاہت ثابت ہو رہی ہے امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہ مسئلہ بے دلیل نہیں ہے سرور عالم ﷺ و بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایسا ہی ثابت ہے۔

پہلی حدیث: خود ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں۔

ثنا ابو اسامة وابن نمير قال ثنا عبيد الله عن نافع عن عمر ان رسول الله ﷺ جعل للفارس سهمين و للراجل سهما.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سوار کے لیے دو حصے دیے اور پیادہ کو ایک حصہ۔

اس حدیث کو علامہ عینی شرح بخاری ص ۴۰۶ ج ۶ میں اور علامہ ابن ہمام فتح القدیر نولکشوری ص ۲۳۷ ج ۲ میں اور دار قطنی ص ۴۶۹ میں اپنی سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔ نیز دار قطنی نے بروایت نعیم بن حماد عن عبد اللہ بن المبارک عن عبید اللہ بن عمر بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ حماد بن سلمہ نے بھی عبید اللہ بن عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث: عن مجمع بن جارية قال قسمت خيبر على اهل حديبية فقسمها رسول الله ﷺ ثمانية عشر سهما وكان الجيش الفا و خمس مائة فيهم ثلثمائة فارس فاعطى الفارس سهمين والراجل سهما رواه ابو داؤد ص ۲۹ ، ج ۳ مع عون المعبود

یعنی اہل حدیبیہ پر خیبر کی غنیمت تقسیم کی گئی رسول کریم ﷺ نے اٹھارہ حصے کیے ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) کا لشکر تھا جن میں سے تین سو سوار تھے اٹھارہ میں سے چھ حصے تو سواروں کو مل گئے باقی بارہ سو پیادہ رہے ایک ایک سو کو ایک ایک حصہ مل گیا۔

یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔ اس میں سوار کے لیے دو حصے اور پیادہ کے لیے ایک حصہ ہے اور

یہی قول ہے امام علیہ الرحمہ کا۔ یہ حدیث فتح القدیر ص ۲۳ ۷ و نصب الرایہ ص ۱۳۵ میں بھی ہے۔

علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں طبرانی نے معجم میں ابن ابی شیبہ نے مصنف میں دار قطنی اور بیہقی نے اپنی اپنی سنن میں حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور حاکم نے اس پر سکوت کیا ہے۔

علامہ ابن الترکمانی جواهر النقی ص ۶۰ ج ۳ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

هذا الحديث اخرجه الحاكم في المستدرك وقال حديث كبيرة صحيح الاسناد و مجمع بن يعقوب معروف قال صاحب الكمال روى عنه القعنبي ويحيى الوحاظي و اسماعيل بن ابي اوس و يونس المؤدب وابو عامر العقدي وغيرهم وقال ابن سعد توفي بالمدينة و كان ثقة وقال ابوحاتم و ابن معين ليس به باس وروى له ابو داؤد والنسائي انتهىٰ ومعلوم ان ابن معين اذاقال ليس به باس فهو توثيق.

یعنی اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح الاسناد ہے اور مجمع بن یعقوب معروف ہے صاحب کمال فرماتے ہیں کہ مجمع سے قعنبی اور یحییٰ وحاظی و اسماعیل بن ابی اوس و یونس مؤدب وابو عامر عقدی وغیرہم نے روایت کیا ابن سعد کہتے ہیں کہ مدینہ میں فوت ہوا اور ثقہ تھا ابو حاتم و ابن معین کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ڈر نہیں ابو داؤد و نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور معلوم ہے کہ ابن معین جب لیس بہ باس کہتا ہے تو یہ لفظ اس کی اصطلاح میں توثیق ہوتی ہے۔

ابن حجر تقریب میں صدوق لکھتے ہیں۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کو ثقہ کہا اس کا باپ یعقوب بن مجمع کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں مقبول لکھا ہے تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں'

يعقوب بن مجمع بن يزيد بن جارية الانصاري المدني روى عن ابيه وعمه عبدالرحمن وعنه ابنه مجمع و ابن اخيه ابراهيم بن اسماعيل بن مجمع وعبد العزيز بن عبيد بن حبيب ذكره ابن حبان في الثقات

اس کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے علاوہ اس کے بیٹے مجمع کے ابراہیم اور عبدالعزیز نے بھی اس سے روایت کی ہے تو اعتراض جہالت رفع ہو گیا۔

تیسری حدیث: معجم طبرانی میں مقداد بن عمر سے روایت ہے کہ وہ بدر کے دن ایک گھوڑے پر تھا جس کو سبحہ کہا جاتا تھا تو رسول کریم ﷺ نے اس کے لیے دو حصے دیے "لفرسه سهم واحد وله سهم" ایک حصہ اس کا اور ایک حصہ گھوڑے کا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳ ۷ نصب الرایہ جلد ۲ ص ۱۳۵ عینی ص ۲۰۶ جلد ۹)

چوتھی حدیث: واقدی نے مغازی میں جعفر بن خارجہ سے روایت کیا ہے۔

قال قال الزبير بن العوام شهدت بني قريظه فارسا فضرب لي سهم وللفرس سهم

زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ میں بنو قریظہ میں سوار حاضر ہوا تو مجھے دو حصے دیے گئے ایک میرا ایک میرے گھوڑے کا (فتح القدیر عینی زیلعی)

پانچویں حدیث: ابن مردویہ تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لایا ہے۔

قالت اصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سبايا بني المصطلق فاخرج الخمس منها ثم قسمها بين المسلمين فاعطى الفارس سهمين والراجل سهما. (ایضاً)

بنی مصطلق میں سبایا میں سے رسول کریم ﷺ نے خمس نکال کر باقی کو مسلمانوں میں تقسیم کیا سواروں کو دو حصے دیے اور پیادہ کو ایک۔

چھٹی حدیث: دار قطنی اپنی کتاب موتلف ومختلف میں ابن عمر سے روایت کرتا ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقسم للفارس سهمين و للراجل سهما

کہ حضور علیہ السلام سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک حصہ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ (فتح القدیر)

ساتویں حدیث: امام محمد نے آثار میں بروایت امام ابو حنیفہ منذر سے روایت کیا ہے۔

قال بعثه عمر في جيش الى مصر فاصابوا غنائم فقسم للفارس سهمين والراجل سهما فرضي بذلك عمر.

منذر کو حضرت عمر نے ایک لشکر میں مصر کی طرف بھیجا وہاں ان کو غنیمت کا مال ملا تو سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ انہوں نے تقسیم کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تقسیم پر راضی ہوئے۔

یہ چند حدیثیں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے دلائل سے لکھی گئی ہیں رہی یہ بات کہ ابن ابی شیبہ نے جو احادیث لکھی ہیں جن میں سوار کو تین حصے دینے کا ذکر ہے ان کے جواب میں علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ایک حصہ بطور تنفیل تھا اس صورت میں سب حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے تو دونوں حدیثوں پر عمل کرنا ایک کے چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ یعنی اصل سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک لیکن کبھی سوار کو بطور عطیہ نفل ایک حصہ زائد دیا جائے تو درست ہے۔ چنانچہ آپ نے سلمہ بن اکوع کو باوجود پیادہ ہونے کے دو حصے دیے حالانکہ ان کا استحقاق ایک حصہ تھا۔ **والله اعلم والبسط في المطولات.**

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی دشمنوں کے ملک میں قرآن شریف نہ لے جائے۔ مبادا کہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے اور ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ کوئی ڈر نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب نہیں جو ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ

علیہ مطلقا لا باس نہیں فرماتے بلکہ وہ اس میں تفصیل کرتے ہیں کہ اگر لشکر چھوٹا ہو تو منع ہے کوئی شخص قرآن شریف اپنے ہمراہ نہ لے اگر لشکر بڑا ہو جس میں کفار کے غلبہ کا ڈر نہ ہو تو قرآن شریف کے لے جانے میں کوئی ڈر نہیں اس حدیث میں جو لفظ "مخافة ان ينالہ العدو" ہے یہ نہی کی علت ہے حضور علیہ السلام نے ممانعت کی علت بھی بیان فرمادی۔ کہ نہی اس خوف کے لیے ہے۔ کہ قرآن دشمنوں کے ہاتھ نہ آجائے کہ وہ اس کی توہین کریں۔ تو لشکر عظیم ہونے کے سبب یہ علت پائی نہیں جاتی اس لیے امام صاحب نے فرمایا کہ لشکر عظیم ہو تو کوئی ڈر نہیں ہدایہ شریف میں ہے۔

لا باس با خراج النساء والمصاحف مع المسلمين اذا كان عسكرا عظيما يومن عليه لان الغالب هو السلامة والغالب كا لمتحقق ويكره اخراج ذلک فی سرية لا يومن عليها.

درمختار میں ہے۔

ونهينا عن اخراج مايجب تعظيمه ويحرم الاستخفاف به كمصحف وكتب فقه وحديث وامرأة ولو عجوز المدواة وهو الاصح. آگے فرمایا الا فی جیش یومن علیه فلا کراهة.

حاصل ترجمان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ قرآن مجید ہمراہ لے کر کافروں کے ملک میں سفر کرنا منع ہے۔ البتہ اگر لشکر بڑا ہو جس پر کفار کی طرف سے سلامتی وامن کا ظن غالب ہو تو کوئی ڈر نہیں۔

علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فيه النهى عن المسافرة بالمصحف الى ارض الكفار للعلة المذكورة فى الحديث وهى خوف ان ينالوه فينتهكو احرمه فان امنت هذه العلة بان يدخل فى جيش المسلمين الظاهرين عليهم فلا كراهة ولا منع عنه حينئذ لعدم العلة هذا هو الصحيح وبه قال ابو حنيفة والبخارى وآخرون.

کہ جو علت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے اگر یہ نہ ہو یعنی مسلمانوں کا لشکر عظیم ہو جو کفار پر غالب ہوں تو کوئی ممانعت نہیں اور یہی صحیح ہے امام ابوحنیفہ وامام بخاری ودیگر (محدثین) اسی کے قائل ہیں اس قول سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ منفرد نہیں۔ بلکہ امام بخاری نووی شافعی ودیگر محدثین بھی اسی کے قائل ہیں۔

اب دیکھئے حضرات غیر مقلدین امام بخاری وشافعی ودیگر محدثین کو بھی مخالفت حدیث کا الزام لگاتے ہیں یا صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی کچھ حسد ہے۔

امام بخاری صحیح میں لکھتے ہیں: وقد سافر النبى صلى الله عليه وسلم واصحابة فى ارض العدو وهم يعلمون القران.

یعنی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کافروں کے ملک میں جاتے تھے اور وہ قرآن جانتے تھے۔

بعض روایت میں يعلمون القرآن بالتشديد آیا ہے یعنی صحابہ کرام ملک کفار میں سفر کرتے اور وہ قرآن پڑھاتے تھے سب کو حفظ تو نہ تھا ممکن ہے کہ بعض صحابہ کے پاس قرآن لکھا ہوا ہو۔ اگرچہ بعض ہی ہو اور وہ اس سے پڑھاتے ہوں تو بخاری نے استدلال کیا ہے کہ جب لکھے ہوئے سے پڑھانا جائز ہے تو ظاہر ہے کہ اسے لے جانا بھی جائز ہے جب کہ لشکر مامون ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں۔

وقد يمكن عند بعضهم صحف فيها قرآن يعلمون منها فاستدل البخارى انهم فى تعلمهم كان فيهم من يتعلم بكتاب فلما جازله تعلمه فى ارض العدو بكتاب وبغير كتاب كان فيه اباحة الحمله الى ارض العدو اذا كان عسكرا مامونا وهذا قول ابى حنفية الخ (ص ٢٣ جلد ٧ عمدة القارى)

علامہ ابن حجر فتح الباری ص ۱۰۹ ج ۱۲ میں لکھتے ہیں۔

وادعى المهلب ان مراد البخارى بذلک تقوية القول بالتفرقة بين العسكر الكثير والطائفة القليلة فيجوز فى تلک دون هذه. والله اعلم

یعنی مہلب کہتے ہیں کہ بخاری کے اس قول سے مراد اس قول کی تقویت ہے جس میں لشکر کثیر وقلیل کا فرق بیان کیا گیا ہے یعنی لشکر کثیر میں مسافرت بالقرآن دشمنوں کے ملک میں جائز اور قلیل میں ناجائز۔ میں کہتا ہوں امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے جس کی امام بخاری نے بقول مہلب تقویت کی۔ سرور عالم ﷺ کا ہرقل کی طرف خط لکھنا اور اس میں قرآن شریف کی آیات کا لکھنا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

اجمع الفقهاء ان لايسافروا بالمصحف فى السرايا والعسكر الصغير المخوف عليه واختلفوا فى الكبير المامون عليه فمنع مالک ايضا مطلقا وفصل ابو حنيفة وادار الشافعية الكراهة مع الخوف وجودا وعدما

یعنی چھوٹے لشکر اور سرایا میں جب کہ کفار کی طرف سے قرآن شریف کی اہانت کا خوف ہو تو قرآن شریف ہمراہ نہ لیا جائے اس پر فقہاء کا اجماع ہے (معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ بھی متفق ہیں) اور اگر لشکر بڑا ہو جس پر کفار کے غلبہ کا خوف نہ ہو اس میں اختلاف ہے امام مالک تو مطلقاً منع فرماتے ہیں لشکر بڑا ہو یا چھوٹا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کرتے ہیں کہ بڑے میں درست ہے چھوٹے میں نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کراہت کو خوف کے ساتھ مقید فرماتے ہیں یعنی اگر خوف ہو کہ قرآن شریف کی حرمت میں فرق آئے گا۔ تو منع ورنہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم نے مطلقاً اجازت نہیں دی۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نعمان بن بشیر کے باپ نے ان کو ایک غلام دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی شہادت کرانے کے لیے لے گئے تو آپ نے پوچھا کہ ہر ایک بچہ کو اس قدر دیا ہے اس نے کہا نہیں تو فرمایا کہ واپس لے لے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں مساوات کیا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ میں ظلم اور بے انصافی پر گواہی نہیں کرتا۔ پھر امام اعظم رحمہ اللہ کا قول اس حدیث کے خلاف سمجھ کر لکھتے ہیں "وذکر ان ابا حنیفة قال لا باس به" یعنی امام اعظم رحمہ اللہ سے مذکور ہے کہ اس میں کوئی ڈر نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن ابی شیبہ اگر امام اعظم کا مذہب مفصل بیان کر دیتے تو یقین ہے کہ مغالطہ نہ لگتا۔ اس پر تعجب یہ ہے کہ یہ مسئلہ جس کو ابن ابی شیبہ خلاف حدیث سمجھتے ہیں نہ صرف امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے بلکہ جمہور محدثین اسی طرف ہیں مگر ابن ابی شیبہ ہیں کہ صرف امام اعظم رحمہ اللہ کا نام لیتے ہیں۔ ہم اس کے جواب میں امام نووی رحمہ اللہ کی تحریر کافی سمجھتے ہیں جو انہوں نے شرح صحیح مسلم ص ۳۷ جلد۲ میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فلو فضل بعضهم اووهب لبعضهم دون بعض فمذهب الشافعي ومالک وابی حنيفة انه مكروه وليس بحرام والهبة صحيحة وقال طاؤس وعروه ومجاهدو الثوری واحمد واسحق و داؤد هو حرام واحتجوا برواية لا اشهد على جوروبغير ها من الفاظ الحديث واحتج الشافعي وموافقوه لقوله صلى الله عليه وسلم فاشهد على هذا غيری قالو ولو كان حراما اوباطلاً لما قال هذاالكلام فان قيل قاله تهديدا قلنا الاصل في كلام الشارع غير هذاو يحمل عند اطلاقه صيغته افعل على الوجوب اوالندب فان تعذرذلک فعلى الا باحة واما قوله صلى الله عليه واله وسلم لا اشهدعلى جورفليس فيه انه حرام لان الجورهو الميل عن الاستواء والا اعتدال وكل ماخرج عن الاعتدال فهو جور سواء كان حراماً اومكروها وقد وضح بما قد مناه ان قوله صلى الله عليه وسلم اشهد على هذا غيری دليل على انه ليس بحرام فيجب تاويل الجور على انه مكروه كراهة تنزيه وفي هذا الحديث ان هبة بعض الاولا ددون بعض صحيحة وانه ان لم يهب الباقين مثل هذا استحب ردالاول انتهى ماقال النووی.

یعنی اگر بعض کو بعض پر فضیلت دے یا بعض کو کچھ ہبہ کرے بعض کو نہ کرے تو امام شافعی و مالک وابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے حرام نہیں اور ہبہ صحیح ہوگا۔ طاؤس وعروہ ومجاہد وثوری واحمد واسحاق وداؤد کہتے ہیں کہ حرام ہے ان کی دلیل روایت "لا اشهدعلى جور" وغیرہ الفاظ حدیث میں ہے امام شافعی اور انکے موافقین (مالک وابوحنیفہ) کی دلیل حدیث "فاشهدعلى هذا غيری" ہے یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالے کہتے ہیں اگر ہبہ حرام یا باطل ہوتا تو آپ ایسا نہ فرماتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے تہدیداً فرمایا ہے تو ہم کہیں گے کہ شارع کے

کلام میں تہدید اصل نہیں۔ حضور علیہ السلام کا صیغہ امر سے ارشاد فرمانا وجوب یا ندبت پر متحمل ہوگا اگر یہ دونوں نہ ہوں تو اباحت پر۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا یہ امر کہ میرے سوا کسی اور کو گواہ بنالے اگر وجوب یا استحباب کے لیے نہیں تو لامحالہ اباحت کے لیے ہوگا اور حضور علیہ السلام کا لا اشہد علی جور فرمانا اس کی حرمت پر دلیل نہیں کیونکہ جور کے معنی میل کے ہیں یعنی جھکنے کے جو چیز حد اعتدال سے جھک جائے اسے جور کہتے ہیں حرام ہو یا مکروہ اور ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ حضور کا اشہد علی ھذا غیری فرمانا اس بات پر دلیل ہے کہ حرام نہیں تو جور کی تاویل کراہت تنزیہ سے لازم ہوئی اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض اولاد کو ہبہ کرنا بعض کو نہ کرنا صحیح ہے اگر دوسروں کو اس کی مثل ہبہ نہ کرے تو پہلے سے واپس لے لینا مستحب ہے۔

امام نووی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ایسے ہبہ کو مکروہ سمجھتے ہیں البتہ حرام نہیں کہتے۔ لیکن ابن ابی شیبہ نے امام صاحب کا قول اس طرح نقل کیا ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ایسا ہبہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

اور نووی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی بھی اسی طرف ہیں لیکن ابن ابی شیبہ نے صرف امام اعظم کا ہی نام لیا۔ بے شک حسد بری بلا ہے اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس سے بچتے ہیں۔

ولنعم ما قيل في شانه

حسدوا الفتى اذلم ينالوا شانه

القوم اعداء له وخصوم

یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی حدیث کے الفاظ سے ہبہ کی صحت ثابت ہوتی ہے مگر افسوس کہ امام اعظم پر حدیث کی مخالفت کا تو الزام لگایا جاتا ہے مگر خود حدیث کے الفاظ میں غور نہیں کیا جاتا۔ بے شک فقاہت اور چیز ہے اور حدیث دانی اور چیز "رب حامل فقيه غير فقيه" میں سرور عالم ﷺ نے ایسے ہی واقعات کی خبر دی ہے۔ (فداه ابی وامی)

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

وذهب الجمهور الى ان التسوية مستحبة فان فضل بعضا صح وكره وحملوا الا مر على الندب والنهي على التنزيه.

کہ جمہور محدثین اسی طرف گئے ہیں کہ برابری مستحب ہے۔ اگر بعض اولاد کو بعض پر عطیہ میں فضیلت دی تو صحیح ہے لیکن مکروہ ہے۔ ان محدثین نے امر کو ندب پر اور نہی کو تنزیہ پر حمل کیا ہے۔ قاضی شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں ایسا ہی لکھا ہے۔

علامہ عینی نے اس مقام پر جمہور کی طرف سے اس حدیث کے کئی جواب دیے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ یہ

عطیہ ابھی نافذ نہیں ہوا تھا۔ صرف بشیر والد نعمان حضور علیہ السلام کی خدمت میں مشورہ لینے کے لیے آیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرنا۔ تو اس نے نہ کیا یعنی ہبہ تام ہونے سے پہلے بطور مشورہ دریافت کیا تو آپ نے منع فرمادیا۔

امام طحاوی نے اسی حدیث کو نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ہبہ تام نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

حدثنی حمید بن عبدالرحمن و محمد بن النعمان انهما سمعا النعمان بن بشیر یقول نحلنی ابی غلاماثم مشی ابی حتی اذا ادخلنی علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله ﷺ انی نحلت ابنی غلامافان اذنت ان اجیزه له اجزت ثم ذکر الحدیث.

نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے غلام دیا پھر مجھے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور جا کر عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے کو غلام دیا ہے اگر آپ اذن دیں کہ میں اسے جائز رکھوں تو جائز رکھوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابھی اس نے ہبہ نافذ نہیں کیا تھا۔

صحیح مسلم اور طحاوی میں بروایت جابر صاف آیا ہے کہ بشیر کی عورت نے بشیر کو کہا کہ میرے بیٹے کو غلام دے تو اس نے آ کر رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ میری زوجہ کہتی ہے کہ میں اس کے بیٹے کو غلام ہبہ کردوں تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے اور بھائی بھی ہیں۔ میں نے کہا ہاں فرمایا سب کو دیا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ اچھا نہیں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اس نے ہبہ کرنے سے پہلے سرور عالم ﷺ سے مشورہ لیا تو آپ نے جو اولی بات تھی اس کی ہدایت کی۔

علامہ ابن الترکمانی ص ۴۳ جلد ۲ میں بحوالہ طحاوی لکھتے ہیں۔

حدیث جابر اولی من حدیث النعمان لان جابرا احفظ له واضبط لان النعمان کان صغیرا.

یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نعمان کی حدیث سے اولیٰ ہے کیونکہ نعمان چھوٹی عمر کے تھے اور جابر ان سے حفظ وضبط میں زیادہ تھے۔ (جوہر النقی)

علاوہ اس کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اولاد میں بعض کو بعض پر ہبہ میں فضیلت دی جس سے معلوم ہوا کہ مساوات کا امر ندبی ہے وجوبی نہیں۔

امام طحاوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے مال سے غابہ میں درخت دیے جن سے ہر کاٹنے کے وقت بیس وسق آمدنی ہو پھر وفات کے وقت فرمانے لگے کہ اے میری بیٹی! میرے بعد لوگوں میں سے کسی کا غنا مجھے تجھ سے زیادہ محبوب نہیں اور نہ تجھ سے زیادہ کسی کا فقر مجھے بھاری ہے۔ میں نے تجھے بیس وسق آمدنی کے درخت ہبہ کئے تھے اگر تو اپنے قبضہ میں کر لیتی تو وہ تیرا مال تھا لیکن آج وہ

وارثوں کا مال ہے اور وہ تیرے دونوں بھائی اور دو بہنیں ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرلو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اگر ایسا ایسا ہوتا یعنی مال کثیر ہوتا تو بھی میں (آپ کی رضامندی کے لیے) چھوڑ دیتی ایک میری بہن تو اسماء ہے دوسری کون ہے فرمایا بنت خارجہ کے بطن میں میں اس کو لڑکی گمان کرتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے مال سے کچھ ہبہ کیا تھا جو دوسری اولاد کو نہیں کیا تھا۔ اگر جائز نہ ہوتا تو آپ ایسا نہ کرتے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اسے جائز سمجھا اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمل کی خبر دی کہ اس میں لڑکی ہے یہ اپنے یقین سے کہا کہ اے عائشہ! دو بھائی اور دو بہنیں وارث ہیں چنانچہ جس حمل کی آپ نے خبر دی وہ خبر صحیح نکلی اور بنت خارجہ نے لڑکی جنی یہ کیا بات تھی؟ یہ رسول کریم ﷺ کی صحبت کی برکت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر امور غیبیہ منکشف ہوجاتے تھے۔

علامہ عینی وحافظ ابن حجر نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹے عاصم کو دوسری اولاد کے سوا ہبہ میں کچھ دیا۔ اسی طرح عبدالرحمن بن عوف نے بعض اولاد کو ہبہ کیا۔ (اخرجہ الطحاوی)

علامہ عینی وزیلعی نے بحوالہ بیہقی امام شافعی کا قول نقل کیا ہے۔

قال الشافعی وفضل عمر رضی الله تعالیٰ عنه عاصما بشی وفضل ابن عوف والد ام کلثوم.

یعنی امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاصم کو کچھ عطا فرمایا جو دوسری اولاد کو نہ دیا اور عبدالرحمن بن عوف نے ام کلثوم کی اولاد کو دیا اور بعض اپنی اولاد کو نہ دیا۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں بلکہ یہی صحیح ہے اور جمہور محدثین کا یہی مذہب ہے۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے ایک حدیث لکھی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مدبر کو فروخت کیا۔ پھر امام اعظم رحمہ اللہ کو اس کے مخالف سمجھ کر لکھا "وذکر ان ابا حنیفة قال لایباع" کہ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ مدبر نہ بیچا جائے۔

جواب: میں کہتا ہوں ابن ابی شیبہ نے یہاں بھی امام اعظم کا مذہب مفصل بیان نہیں کیا۔ آئمہ احناف اکثرہم اللہ کے نزدیک مدبر دو قسم ہے مدبر مطلق ومدبر مقید۔ مطلق مدبر وہ ہے جس کو اس نے کہا ہو کہ جب میں مرجاؤں تو تم آزاد۔ یا تو میرے مرنے کے بعد آزاد یا میں تجھے مدبر کیا یا تو میرا مدبر ہے اس کا حکم تو یہ ہے کہ نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے۔ مدبر مقید وہ ہے جس کو کہا جائے اگر میں اس مرض سے مرگیا تو تو آزاد یا اگر میں اس سفر میں مرگیا تو تو آزاد یا اگر میں دس برس تک مرگیا تو تو آزاد۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ شرط پائی جائے تو آزاد ہوجائے گا ورنہ مالک کو جائز ہے کہ اس کو فروخت

کر دے۔

مدبر مطلق کی بیع نہ صرف امام اعظم ناجائز فرماتے ہیں بلکہ امام مالک واکثر علمائے سلف وخلف اسی کے قائل ہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت عمر وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن مسعود وزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اسی طرح مروی ہے شریح وقتادہ وثوری واوزاعی بھی یہی فرماتے ہیں ابن سیرین ابن مسیب زہرہ نخعی وشعبی وابن ابی لیلیٰ ولیث بن سعد سب اسی طرف ہیں۔ امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۰۴ جلد ثانی میں فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفة ومالک وجمهور العلماء والسلف من الحجازيين والشامين والكوفيين رحمهم الله تعالى لايجوز بيع المدبر.

یعنی امام ابوحنیفہ وامام مالک وجمہور علمائے سلف حجازیوں میں سے اور شامیوں کوفیوں میں سے اسی کے قائل ہیں کہ مدبر کو بیچنا جائز نہیں۔

شیخ عبدالحی لکھنوی مؤطا امام محمد کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

وبه قال مالک وعامة العلماء من السلف والخلف من الحجازيين والشاميين والكوفيين وهو المروى عن عمر وعثمان و ابن مسعود وزيد بن ثابت و به قال شريح و قتاده والثورى ولا وزاعى.

علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے ص ۵۰۰ میں فرماتے ہیں۔

كرهه ابن عمر وزيد بن ثابت و محمد بن سيرين و ابن المسيب والزهرى والشعبى والنخعى و ابن ابى ليلى والليث بن سعد.

ان حوالجات سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام صاحب منفرد نہیں بلکہ جمہور علمائے محدثین اسی طرف ہیں مگر ابن ابی شیبہ صرف امام اعظم رحمہ اللہ پر ہی اعتراض کرتے ہیں دوسروں کا نام نہیں لیتے۔

امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں۔

الامر المجتمع عند نافى المدبر ان صاحبه لايبيعه.

کہ ہمارے نزدیک اجماعی امر ہے کہ مدبر کو اس کا مالک فروخت نہ کرے۔

(۱)۔ دارقطنی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔

المدبر لا يباع ولا يوهب وهو حرمن الثلث

کہ مدبر نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور وہ تیسرے حصہ سے آزاد ہے۔

(۲)۔ دارقطنی میں بروایت حماد بن زید عن ایوب عن نافع عن ابن عمر مروی ہے انه كره بيع المدبر۔ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مدبر کی بیع کو مکروہ جانا۔ دارقطنی نے پہلی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن دوسری حدیث کو جو کہ ابن عمر کا قول ہے صحیح کہا ہے۔

علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

فعلى تقدير الرفع لا اشكال وعلى تقدير الوقف فقول الصحابى حينئذ لايعارضه النص البتة لا نه واقعة حال لا عموم لها وانما يعارضه لوقال عليه السلام يباع المدبر فان قلنا بوجوب تقليده فظاهر وعلى عدم تقليده يجب ان يحمل على السماع لان منع بيعه على خلاف القياس لما ذكرنا ان بيعه مستحب برقه فمنعه مع عدم زوال الرق وعدم الاختلاط بجز المولى كمافى ام الولد خلاف القياس فيحمل على السماع

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث اگر مرفوع مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں (پھر تو خود سرور عالم ﷺ سے مدبر کی بیع کی ممانعت ہوگئی)۔ اور اگر موقوف مانی جائے (جیسا کہ دارقطنی نے لکھا) تو اس وقت قول صحابی ہوگا۔ جس کے معارض کوئی نص نہیں۔ (وہ حدیث جس کو ابن ابی شیبہ نے پیش کیا کہ حضور علیہ السلام نے مدبر کو فروخت کیا۔ وہ ایک حال کا واقعہ ہے جس کے لیے عموم نہیں۔ البتہ حدیث میں اگر اس طرح آتا ہے کہ مدبر کو فروخت کیا جائے تو تعارض ہوتا (لیکن ایسا نہیں آیا بلکہ ایک فعل کی حکایت ہے) اس لیے حدیث ابن عمر سالم عنالمعارض رہی پھر اگر صحابی کی تقلید لازم ہو تو ظاہر ہے کہ (صحابی سے ممانعت ثابت ہے) اگر اس کی تقلید لازم نہ سمجھی جائے تو صحابی کا یہ قول سماع پر محمول ہوگا۔ کیونکہ مدبر کی بیع سے صحابی کا منع فرمانا قیاس کے خلاف ہے۔ (اور صحابی کا وہ قول جو کہ قیاس کے خلاف ہو حکماً مرفوع ہوتا ہے) اور یہ قول خلاف قیاس اس لیے ہے کہ مدبر غلام ہے جب تک وہ غلام ہے اس کی بیع درست ہونی چاہیے۔ کیونکہ غلام کے ساتھ بیع منضم ہے تو باوجود یہ کہ وہ غلام بھی ہے اور ام ولد کی طرح کوئی جزاس میں مختلط بھی نہیں پھر اس کی بیع کو منع کرنا (ظاہر ہے) کہ قیاس کے برخلاف ہے اس لیے عمر کی یہ موقوف بھی حکماً مرفوع ہوگی۔

علامہ زرقانی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

قالو االصحيح انه موقوف على ابن عمر لكنه اعتضد باجماع اهل المدينه

محدثین کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن عمر پر موقوف ہے لیکن اہل مدینہ کے اجماع سے اس کو قوت حاصل ہوگئی۔

(۳)۔ مؤطا امام محمد میں سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

مدبرہ کو نہ فروخت کیا جائے نہ ہبہ۔

ابن ابی شیبہ نے جو حدیث مدبر کی بیع کی لکھی ہے۔ اس کے جواب میں علامہ زرقانی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں۔

اجیب عنه بانه انما باعه لانه کان علیه دین وفی روایة النسائی للحدیث زیادة وهی وکان علیه دین وفیه فاعطاه فقال اقض دینک ولا یعارضه روایة مسلم فقال ابد بنفسک فتصدق علیها لان من جملة صدقته علیها قضاء دینه وحاصل الجواب انها واقعة عین لا عموم لها فتحمل علی بعض الصور وهو تخصیص الجواز بما اذا کان علیه دین وورد کذلک فی بعض طرق الحدیث عند النسائی فتعین المصیر لذلک انتهی

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے جس مدبر کو فروخت کیا اس کے مالک پر قرض تھا اور اس کا مال بجز اس غلام کے اور کچھ نہ تھا۔ نسائی کی روایت میں یہ لفظ زیادہ ہے کہ اس پر قرض تھا آپ نے اس کو فرمایا کہ اپنے قرض ادا کر۔ مسلم کی روایت جس میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا اپنی نفس پر ابتدا کر یعنی پہلے اپنے نفس پر صدقہ کر اس کے معارض نہیں کیونکہ قرض کا ادا کرنا بھی اپنے نفس پر صدقہ کرنا ہے حاصل جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے اس میں عموم نہیں تو بعض صورتوں پر محمول ہوگا وہ یہ کہ جب اس پر قرض ہو تو مدبر کا فروخت کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں بعض طرق حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے اس لیے یہی متعین ہوگا۔

علامہ عبدالحی تعلیق الممجد میں اسی قول کو اقرب الی الانصاف والمعقول فرماتے ہیں، دیکھو ص ۳۵۹

علامہ عینی شرح بخاری ص ۵۰۱ میں ابن بطال کا قول نقل کرتے ہیں۔

لاحجة فیه لان فی الحدیث ان سیده کان علیه دین فثبت ان بیعه کان لذلک

یعنی اس حدیث میں کوئی حجت نہیں (جواز بیع کے لیے) اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ اس کے سردار پر قرض تھا۔ تو ثابت ہوا کہ اس مدبر کا بیچنا قرض کے لیے تھا۔

دوسرا جواب: یہ بھی احتمال ہے کہ حضور علیہ السلام کا مدبر کو بیچنا اس وقت کا واقعہ ہو جب کہ اصیل کو بھی قرض میں بیچا جاتا تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ علامہ عینی عمدۃ القاری ص ۵۰۱ جلد ۵ میں فرماتے ہیں۔

یحتمل انه باعه فی وقت کان یباع الحر المدیون کماروی انه صلی الله علیه وسلم باع حرا بدینه ثم نسخ بقوله تعالیٰ وان کان ذوعسرة فنظرة الی میسرة (البقرة آیت ۲۸۰)

شیخ ابن الہمام فتح القدیر ص ۴۴۹ جلد ۲ میں فرماتے ہیں۔

والجواب انه لا شک ان الحر کان یباع فی ابتداء الاسلام علیٰ ماوری انه صلی الله علیه وسلم باع رجلا یقال له مسروق فی دینه ثم نسخ ذلک بقوله تعالیٰ وانه کان ذوعسرة فنظرة الی میسرة.

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتداء اسلام میں اصیل کو قرض میں بیچا جاتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت

ﷺ نے ایک شخص کو جس کا نام مسروق تھا (علی قاری نے مرقاۃ میں اس کا نام شرف لکھا ہے طحاوی نے شرح معانی الآثار ص ۲۸۹ جلد ۲ میں اس شخص کا نام سُرّق لکھا ہے) اس کے قرض میں فروخت کیا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ساتھ کہ اگر مدیون تنگدست ہو تو فراخی تک اس کو مہلت دی جائے۔ تو ثابت ہوا کہ منسوخ ہو جانے کے بعد مدبر کی بیع کے جواز کی اس حدیث میں کوئی دلالت نہیں۔

تیسرا جواب: اجارہ کو اہل یمن کی لغت میں بیع کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ عینی نے تصریح کی ہے اجارہ میں بھی منفعت کی بیع ہوتی ہے۔ تو حدیث بیع مدبر میں احتمال ہے کہ اس کی خدمت یعنی منفعت کو بیع کیا ہو یعنی اس کو اجارہ دیا ہو اس کی تائید میں ایک حدیث بھی ہے علامہ عینی فرماتے ہیں۔

ویویده ما ذکره ابن حزم فقال وروی عن ابی جعفر محمد بن علی عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلاانه باع خدمة المدبر قال ابن سیرین لاباس ببیع خدمة المدبر و کذاقاله ابن المسیب وذکر ابو الولید عن جابر انه علیه الصلوة والسلام باع خدمته المدبر

ابن حزم نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی نے مرسلا رسول کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے مدبر کی خدمت و فروخت کیا ہے۔ (مدبر کو نہیں فروخت کیا) ابن سیرین کہتے ہیں کہ مدبر کی خدمت کا بیچنا کوئی ڈر نہیں ہے۔ ابن مسیب نے ایسا ہی کہا ہے ابوالولید نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدبر کی خدمت کو فروخت کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ مدبر کو فروخت نہیں کیا بلکہ اس کو اجارہ پر دیا اور اجارہ پر دینا منع نہیں ہے۔

چوتھا جواب: ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ مدبر مقید کی بیع جائز ہے۔

علامہ زیلعی نصب الرایہ جلد ۲ ص ۶۲ میں فرماتے ہیں۔

ولنا عن ذالک جوابان احد هما انا نحمله علی المدبر المقید والمدبر المقید عند نایجوز بیعه الا ان یثبتوا انه کان مدبر امطلقا وهم لا یقدرون علی ذلک۔

یعنی ہم اس حدیث کے دو جواب دیتے ہیں کہ ایک تو یہ کہ ہم اس کو مدبر مقید پر محمول کرتے ہیں اور مدبر مقید کی بیع ہمارے آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔ ہاں اگر یہ ثابت کریں کہ وہ مدبر مطلق تھا (تو البتہ ان کی دلیل ہوسکتی ہے) لیکن وہ اس پر قادر نہیں یعنی ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔

دوسرا جواب علامہ زیلعی نے وہی لکھا ہے کہ جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں یعنی بیع خدمت مراد ہے نہ بیع رقبہ۔ اور بیع خدمت جائز ہے۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے چند حدیثیں اس بارہ میں لکھی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور

یہ بھی لکھا کہ حضور علیہ السلام نے نجاشی کا جنازہ پڑھا پھر لکھا کہ امام ابوحنیفہ سے مذکور ہے۔ کہ میت پر دوبارہ نماز نہ پڑھی جائے۔

جواب: میں یہ کہتا ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ولی نماز جنازہ پڑھ لے یا اس کے اذن سے پڑھا جائے تو پھر دوبارہ نہ پڑھا جائے ابن ابی شیبہ نے امام اعظم کا مذہب لکھنے میں تفصیل نہیں کی۔ مطلقاً منع لکھ دیا حالانکہ امام صاحب کے مذہب میں ولی کو اعادہ کرنے کا حق ہے۔ وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔

درمختار میں ہے۔

فان صلی غیرہ ای الولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعه الولی اعاد الولی ولو علی قبرہ

یعنی اگر ولی کے سوا کسی دوسرے نے جنازہ کی نماز پڑھی ولی نے نہ پڑھی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے گو اس کی قبر پر پڑھے۔

منحة الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے۔

لا تعاد الصلوۃ علی المیت الا ان یکون الولی ھو الذی حضر فان الحق له ولیس لغیرہ ولایة اسقاط حقه.

یعنی کسی میت پر دو دفعہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے ہاں اگر ولی آئے تو اس کا حق ہے دوسرا کوئی اس کا حق ساقط نہیں کرسکتا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ میت کا حق ایک دفعہ نماز پڑھنے سے ادا ہو گیا۔ اور جو فرض تھا وہ ساقط ہو گیا اب دوبارہ پڑھیں تو نفل ہوگا۔ اور جنازہ کی نماز نفلاً مشروع نہیں۔

کافی۔ جوہرہ۔ نیرہ۔ بحر الرائق کبیری میں ہے۔ الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع

بحر العلوم "رسائل الارکان" میں فرماتے ہیں۔ لو صلوا لزم التنفل بصلوۃ الجنازۃ و ذا غیر جائز

علامہ شامی فرماتے ہیں۔

بخلاف الولی لانه صاحب الحق یعنی نماز جنازہ کا اعادہ ہر طرح نفل ہوگا۔ اور یہ جائز نہیں برخلاف ولی کے کہ وہ صاحب حق ہے اس کو اعادہ جائز ہے۔

سرور عالم ﷺ نے ایک بار نماز جنازہ پڑھ کر پھر دوبارہ کسی کا جنازہ نہیں پڑھا اگر اس نماز کا تکرار جائز ہوتا تو حضور ﷺ کبھی تو کسی صحابی کا دوبارہ جنازہ پڑھتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس نے نہ پڑھا ہو وہ پڑھ سکتا ہے تو صحابہ میں سے کسی ایک کا ہی ایسا فعل دکھانا چاہیے کہ سرور عالم ﷺ نے کسی صحابی پر نماز جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا ہو تو کسی

دوسرے صحابی غیر ولی نے جو شامل جنازہ نہیں ہوا آ کر اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہو اگر تکرار مشروع ہوتا تو صحابہ کرام میں کوئی ایسا واقعہ ملتا کہ رسول اللہ ﷺ کے نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد کسی صحابی غیر ولی نے کسی قبر پر جنازہ کی نماز پڑھی ہو بلکہ اس کا خلاف ملتا ہے۔

جوہر النقی ص ۲۷۷ جلد اول میں لکھا ہے۔

ذکر عبدالرزاق عن معمر عن ایوب عن نافع ان ابن عمر قدم بعد توفی عاصم اخوہ فسال عنه فقال این قبر اخی فدلوہ علیه فاتاہ فدعاله قال عبدالرزاق وبه ناخذ قال وانا عبداللہ بن عمر عن نافع قال کان ابن عمر اذا انتھیٰ الی جنازۃ قد صلے علیه دعا وانصرف ولم بعد الصلوۃ قال ابو عمر فی التمھید ھذا ھو الصحیح المعروف من مذھب ابن عمر من غیر مارجه عن نافع وقد یحتمل ان یکون معنی روالة من روی انه صلی علیه انه دعاله لا نه الصلوۃ دعاء فلا یکون مخالفا لروانة من روی انه دعا ولم یصل

عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بھائی عاصم کی وفات کے بعد آئے اور پوچھا کہ ان کی قبر کہاں ہے؟ لوگوں نے قبر کا پتہ دیا آپ قبر پر آئے اور اس کے لیے دعا کی۔ عبدالرزاق کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں پھر نافع سے روایت کی کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میت پر نماز ہو جانے کے بعد آتے تو صرف دعا کرتے اور واپس چلے جاتے نماز جنازہ کا اعادہ نہ کرتے۔ ابو عمر نے تمہید میں کہا ہے کہ ابن عمر کا مذہب یہی صحیح اور معروف ہے۔ اور جس روایت میں صلی علیہ آیا ہے اس کی مراد بھی دعا ہے کیونکہ نماز جنازہ بھی دعا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط ص ۶۷ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ پر آئے نماز ہو چکی تھی تو آپ نے فرمایا:

ان سبقتمونی بالصلوۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له

اگر تم نماز جنازہ مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو اب دعا مجھ سے پہلے نہ کرو مجھے دعا میں تو ملنے دو۔

معلوم ہوا کہ دوبارہ نماز جنازہ اس زمانہ میں مروج نہ تھی ورنہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکرر نماز جنازہ پڑھ لیتے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کی نماز کے بعد دعا مانگی جا سکتی ہے۔ جس میں شمولیت کے واسطے عبداللہ بن سلام نے خواہش ظاہر کی۔

رسول کریم ﷺ نے جو قبر پر نماز جنازہ پڑھی اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ آپ ولی تھے اور ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ ولی کو نماز جنازہ کا اعادہ جائز ہے اگرچہ قبر پر اعادہ کرے اور یہی مذہب امام کا ہے۔

جواہر النقی ص ۲۷۷ ج ۱ میں لکھا ہے۔

وانما صلی علیه السلام علی القبر لا نه کان الولی.

کہ حضور علیہ السلام نے قبر پر نماز جنازہ اس لیے پڑھی کہ آپ ولی تھے اور ولی نماز جنازہ میں اگر شریک نہ ہوا تو اعادہ کر سکتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا رسول کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات ص ۶۷۲ میں فرماتے ہیں۔

بعضے از علماء براں رفتہ اند کہ نماز بر قبر مطلقا از خصائص حضرت نبوت است صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ از حدیث "ان اللّٰہ ینور هالهم بصلوتی علیهم" مفہوم میگردد۔

کہ قبر پر مطلقا نماز پڑھنا حضور علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے اور حدیث ان اللہ ینور هالهم الخ سے مفہوم ہوتا ہے یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری نماز پڑھنے سے ان کی قبروں کو روشن کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا نماز جنازہ پڑھنا نور تھا اس لیے حضور شفقت و مہربانی سے قبر پر بھی جنازہ کی نماز پڑھ لیتے تھے تا کہ ان کی قبور روشن ہو جائیں اور کسی کے نماز پڑھنے میں یہ خصوصیت نہیں آئی۔

علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۵۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔

هذاالحدیث ذهب الشافعی الی جواز تکرار الصلوة علی المیت قلنا صلاته صلی اللّٰه علیه وسلم کانت لتنویر القبر وذالا یوجد فی صلوة غیر فلا یکون التکرار مشروعا فیها لان الفرض منها یودی مرة

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ کے تکرار کے لیے اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی نماز قبر کے روشن کرنے کے لیے تھی اور یہ تنویر کسی دوسرے کی نماز پڑھنے میں پائی نہیں جاتی۔ اس لیے آپ کا خاصا ہوا اس سے نماز جنازہ کا تکرار مشروع ثابت نہیں ہوتا کیونکہ فرض ایک بار پڑھنے سے ادا ہو گیا۔ (اور نفل اس نماز کا مشروع نہیں)

امام محمد موطا میں فرماتے ہیں:

ولیس النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی هذا کغیره

کہ نبی ﷺ اس امر میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

فصلوة رسول اللّٰه ﷺ برکة وطهور فلیست کغیر ها من الصلوات وهو قول ابی حنیفة رحمه اللّٰه۔

کہ رسول کریم ﷺ کی نماز برکت و طہور ہے دوسرے لوگوں کی نماز کی طرح نہیں اور یہی قول ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا ہے۔

ایک اعتراض: چونکہ صحابہ کرام نے بھی رسول کریم ﷺ کی اقتداء میں قبر پر نماز پڑھی اس لیے قبر پر نماز پڑھنا رسول کریم ﷺ کا خاصہ نہ ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کی نماز تبعا تھی اور تبعا پڑھنا اصالت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبدالحئی لکھنوی تعلیق الممجد ص ۱۲۷ میں لکھتے ہیں۔

وتعقب باالذی یقع بالتعیة لا ینهض دلیلا للا صالة کذاقال ابن عبدالبر والزرقانی والعینی وغیرہم حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۹۱ جز ۵ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

نجاشی کا جنازہ: حضور علیہ السلام نے جو نجاشی کے جنازہ کی نماز پڑھی اس میں تکرار پایا ہی نہیں گیا ابن ابی شیبہ پہلے کسی روایت سے نجاشی پر حبشہ میں جنازہ کی نماز کا پڑھا جانا ثابت کرتے تو پھر تکرار کے ثبوت میں رسول کریم ﷺ کا اس پر نماز پڑھنا لکھتے تو البتہ ایک بات تھی لیکن کسی روایت میں نہیں آیا کہ نجاشی پر پہلے بھی نماز پڑھی گئی تھی۔

ابن تیمیہ منہاج السنہ ص ۲۷ میں لکھتا ہے۔

کذلک النجاشی هو وان کان ملک النصاری فلم یطعه قومه فی الدخول فی الاسلام بل انما دخل معه نفر منهم ولهذاطامات لم یکن هناک احد یصلی علیه فصلی علیه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بالمدینة

کہ نجاشی اگرچہ نصاریٰ کا بادشاہ تھا اس کی قوم نے اسلام میں داخل ہونے میں اس کی اطاعت نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ ایک جماعت ان میں سے داخل ہوئی اس لیے جب وہ مر گیا تو اس جگہ کوئی ایسا آدمی نہ تھا جو اس کے جنازہ کی نماز پڑھے تو حضور علیہ السلام نے مدینہ میں اس پر نماز جنازہ پڑھی۔

علامہ زرقانی شرح موطا ص ۱۱ میں لکھتے ہیں:

اجیب ایضابانه کان بارض لم یصل علیه بها احد فتعینت الصلوة علیه لذلک فانه لم یصل علی احدمات غائبا من اصحابه وبهذا جزم ابوداؤد واستحسنه الرویانی

یعنی نجاشی ایسے ملک میں تھا کہ اس پر وہاں کسی نے نماز نہ پڑھی اس لیے یہ نماز ان پر متعین ہوئی کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے کسی صحابی پر غائبانہ نماز نہیں پڑھی۔ ابوداؤد نے اسی پر جزم کیا رویانی نے اسی کو اچھا سمجھا۔

عون المعبود ص ۱۹۹ جلد ۳ بحوالہ زاد المعاد ابن قیم لکھا ہے۔

ولم یکن من هدیه وسنته الصلوة کل میت غائب فقد مات خلق کثیر من المسلمین وهم

غيب فلم يصل عليهم'

یعنی سرورعالم ﷺ کا طریقہ مبارک نہ تھا کہ میت غائب پر آپ نماز پڑھتے بہت مسلمان فوت ہوئے آپ نے کسی پر غائبانہ نماز نہیں پڑھی۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔قال شيخ الاسلام ابن تيميه الصواب ان الغائب ان مات ببلد لم يصل عليه فيه صلى عليه صلوة الغائب كما صلى النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لانه مات بين الكفار ولم يصل عليه وان صلى عليه حيث مات لم يصل عليه صلوة الغائب لان الفرض قد سقط الصلوة المسلمين عليه.

یعنی غائب اگر ایسے شہر میں فوت ہوا کہ اس پر کسی نے نماز جنازہ نہ پڑھی تو اس پر غائبانہ نماز پڑھی جائے جیسے حضور علیہ السلام نے نجاشی پر پڑھی کہ وہ کافروں میں فوت ہوا اس پر کسی نے نماز نہ پڑھی تھی اگر اس غائب کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے تو اس پر غائبانہ نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ مسلمانوں کے پڑھنے سے فرض ساقط ہو گیا اور نفل مشروع نہیں۔

ابن قیم و ابن تیمیہ غیر مقلدین کے مسلم بزرگ ہیں جو غائب پر نماز جنازہ اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں جس صورت میں غائب بغیر نماز جنازہ دفن کیا جائے لیکن اگر اس پر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو پھر غائبانہ نماز پڑھنے کو وہ بھی منع کرتے ہیں لیکن غیر مقلدین زمانہ اپنے پیشواؤں کی بھی نہیں مانتے اور بلا ثبوت غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ اگر یہی نجاشی کے جنازہ کی نماز دلیل ہو تو اس میں چند وجوہ فرق ہے۔

۱۔ ابن تیمیہ وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ اس پر نماز نہیں پڑھی گئی تھی۔ لیکن آپ جس غائب کا جنازہ پڑھتے ہیں اس پر پہلے نماز پڑھی گئی ہوتی ہے۔

۲۔ نجاشی پر اسی دن نماز پڑھی گئی جس روز وہ فوت ہوا لیکن آپ کی میتوں کا پہلے اعلان ہوتا ہے پھر کئی دن کے بعد غائبانہ نماز جنازہ پڑھا جاتا ہے۔

۳۔ نجاشی کی نماز جنازہ رسول کریم ﷺ نے اس مقام میں نکل کر پڑھی جہاں نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔ یعنی مصلے میں مگر آپ مسجدوں میں پڑھ لیتے ہیں۔

۴۔ نجاشی کا جنازہ حضور علیہ السلام پر منکشف تھا مگر آپ پر جنازہ مکشوف نہیں ہوتا۔

۵۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ جانب حبشہ پڑھی رواه الطبرانی عن حذیفہ اور حبشہ مدینہ منورہ سے جانب جنوب ہے مدینہ طیبہ کا قبلہ بھی جانب جنوب ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور نے جس میت پر نماز غائبانہ پڑھی وہ جہت قبلہ میں تھی۔ لیکن آپ کی میت خواہ مشرق میں ہو اور آپ مغرب میں تو نماز پڑھ لیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عمل بالکل بے دلیل ہے۔

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما و مسعود بن مخرمہ و مروان و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے کہ سرورعالم ﷺ نے اپنی ہدی کو پاچھ دیا اور ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ہدی کو پاچھنا یعنی زخم کرنا مثلہ ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کا مذہب لکھنے میں غلطی کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اشعار مسنون کو مثلہ نہیں فرماتے نہ منع کرتے ہیں بلکہ اس پاچھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ جو چمڑے سے گزر کر گوشت کو کاٹ دے اور یہ مسنون نہیں مسنون صرف چمڑے کا کاٹنا ہے۔ یہ امام صاحب کے نزدیک جائز بلکہ مستحب ہے۔ درمختار میں ہے۔

فاما من احسنه بان قطع الجلد فقط فلاباس به

یعنی جو شخص اشعار کو عمدہ طور پر کر سکتا ہو یعنی صرف چمڑے کو قطع کرے تو اس کا کوئی ڈر نہیں جائز ہے۔

طحطاوی شرح درمختار میں ہے۔

قوله فلا باس به اراد انه مستحب لما قد منا

کہ لاباس بہ سے مصنف نے ارادہ کیا کہ مستحب ہے۔ فقہ کی کسی کتاب میں اشعار مسنون کو مثلہ نہیں کہا گیا۔

علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

ابو حنيفة رضي الله تعالى عنه ما كره اصل الاشعار وكيف يكره ذلك مع ما اشتهر فيه من الاثار وقال الطحاوى انما كره ابو حنيفة اشعار اهل زمانه لانه راهم يستقصون فى ذلك على وجه يخاف منه هلاك البدنة السرايته خصوصا فى حر الحجاز.

کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں جانا اور وہ کیسے مکروہ جان سکتے تھے کہ اس میں آثار مشہورہ وارد ہیں۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے لوگوں کا اشعار مکروہ فرمایا اس لیے کہ ان کو آپ نے دیکھا کہ ایسا زیادہ کاٹتے ہیں جس سے جانور کے ہلاک ہونے کا خوف ہوتا تھا خصوصاً ملک حجاز کی گرمی میں۔

معلوم ہوا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اشعار مسنون کو ممنوع یا مکروہ نہیں فرمایا

حافظ ابن حجر فتح الباری جز ۷ ص ۱۵۰ میں لکھتے ہیں کہ طحاوی فرماتے ہیں۔

لم يكره ابو حنيفه اصل الاشعار انما كره مايفعل على وجه يخاف منه هلاك البدن كسراية الجرح لاسيمامع الطعن بالشفرة فارا دسد الباب عن العامة لانهم لايراعون الحدفى ذالك واما من كان عالما بالسنة فى ذلك فلا.

اس عبارت کا ترجمہ وہی ہے جو پیچھے گزرا اس کے آگے ابن حجر فرماتے ہیں۔

ويتعين الرجوع الى ماقال الطحاوى فانه اعلم من غيره باقوال اصحابه.

یعنی امام طحاوی چونکہ اپنے مذہب کا زیادہ واقف ہے اس لیے امام صاحب کا مذہب جو اس نے نقل کیا ہے اسی کی

طرف رجوع متعین ہوگا۔

علامہ عینی عمدۃ القاری جلد۴ ص ۱۲ے میں لکھتے ہیں۔

وذکر الکرمانی صاحب المناسک عنه استحسانه یعنی کرمانی صاحب مناسک نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اشعار کا مستحسن ہونا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی اصح ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد۳ ص ۲۳۲ میں ہے۔

وقد کرہ ابو حنیفة الاشعار واولوہ بانه انما کرہ اشعار اهل زمانه فانهم کانو یبالغون فیه حتی یخاف السرایة منه

کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ فرمایا کہ وہ لوگ اس میں مبالغہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ زخم کے سرایت کر جانے سے ہلاکت کا خوف پیدا ہو جاتا تھا۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق ص ۳۶۴ جلد۲ میں لکھا ہے۔

واختارہ فی غاية البیان وصححه وفی فتح القدیر انه الاولی

یعنی امام اعظم نے مطلق اشعار کو مکروہ نہیں کہا۔ اسی کو صاحب غاية البیان نے پسند کیا ہے۔ اور فتح القدیر میں بھی یہی اولیٰ لکھا ہے۔ اشعار کچھ ایسا تاکیدی امر نہیں کہ اس کا ترک گناہ ہو۔

علامہ زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں۔

وقد ثبت عن عائشة وابن عباس التخییر فی الاشعار وترکه فدل علی انه لیس بنسک لکنه غیر مکروہ لثبوت فعله عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم.

یعنی حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اشعار کے کرنے نہ کرنے میں اختیار آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ضروری نہیں۔ اور مکروہ بھی نہیں۔

علامہ عینی عمدۃ القاری ص ۱۲ے میں فرماتے ہیں۔

وذکر ابن ابی شیبة فی مصنفة باسانید جیدة عن عائشة وابن عباس ان شئت فاشعر وان شئت فلا

کہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قوی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اگر تو چاہے تو اشعار کر اگر چاہے تو نہ کر۔

اس سے معلوم ہوا کہ اشعار کوئی ضروری امر نہیں کرے یا نہ کرے اختیار ہے البتہ مکروہ بھی نہیں۔

کہتے ہیں کہ امام اعظم کا اس مسئلہ میں کوئی سلف نہیں۔ میں کہتا ہوں جس اشعار کو امام صاحب نے مکروہ فرمایا ہے

اس کو سلف میں سے کوئی بھی مسنون نہیں کہتا۔ پھر یہ کہنا کوئی سلف نہیں کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت مروی ہے۔ تو یہ اعتراض غلط ہوا۔ فللّٰہ الحمد!

اعتراض: ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے وابصہ بن معبد کی ایک حدیث لکھی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھی تو آپؐ اس کو اعادہ کا حکم فرمایا۔ ایک حدیث لکھی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ صفوں کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے آپ اس کے پاس ٹھہرے رہے جب وہ پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا کہ پھر نماز پڑھ کیونکہ صف کے پیچھے اکیلے پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ حدیث لکھ کر ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں نماز ہو جاتی ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں نہ صرف امام اعظم کے نزدیک اس کی نماز ہو جاتی ہے بلکہ جمہور علماء امام مالک وشافعی و اوزاعی وحسن بصری بھی اسی طرف ہیں۔ امام اعظم کے مذہب میں اگر صف اول میں فرجہ ہو تو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز مکروہ ہوتی ہے اگر فرجہ نہ ہو اور کسی دوسرے نمازی کے ملنے کی امید ہو تو اس کا انتظار کرے ورنہ صف اول سے ایک آدمی کو پیچھے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے تاکہ کراہت سے بچ جائے۔ اگر جہالت کے سبب مجذوب پیچھے نہ ہٹے تو اکیلے کھڑا ہو جائے اس کی نماز ہو جائے گی۔ ابن ابی شیبہ نے امام اعظم کا مذہب نقل کرنے میں اتنی کوتاہی ضرور کی کہ کراہت کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام کے نزدیک صف کے پیچھے منفرد کی نماز مکروہ ہوتی ہے چنانچہ صاحب وقایہ مکروہات میں لکھتے ہیں۔

والقیام خلف صف وجدفیه فرجة

کہ جس صف میں جگہ ہو اس کے پیچھے اکیلے آدمی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح منیہ میں ہے۔

ویکرہ للمقتدی ان یقوم خلف الصف وحدہ الااذالم یجدفرجة.

کہ مقتدی کے لیے مکروہ ہے صف کے پیچھے اکیلے کھڑا ہونا مگر اس وقت کہ صف میں جگہ نہ ہو۔

امام اعظم کی وہ حدیث ہے جو بخاری نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے کہ وہ اس حال میں آئے جب کہ رسول کریم ﷺ رکوع میں تھے۔ تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کر کے اسی حالت میں صف میں مل گئے حضور علیہ السلام کے پاس یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا ''زادک اللّٰہ حرصا ولاتعد'' خدا تجھے حرص زیادہ کرے پھر ایسا نہ کرنا۔ اگر انفرادی نماز کا مفسد ہوتا تو ابوبکر کی یہ نماز جائز نہ ہوتی۔ کیونکہ تحریمہ کے وقت مفسد نماز پایا گیا یعنی الانفراد خلف الصف جب ان کو نماز کے اعادہ کا آپ نے حکم نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ نماز ہو گئی اور آپ کا یہ فرمانا کہ پھر ایسا نہ کرنا دلیل کراہت ہے۔ نیز اس لیے بھی مکروہ ہوئی کہ انہوں نے حکم سدو الخلل کا خلاف کیا۔

ملا علی قاری مرقاۃ ص ۸۳ جلد دوم میں فرماتے ہیں۔ ظاهره عدم لزوم الاعادة لعدم امره بها
کہ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ اعادہ لازم نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا۔
عون المعبود ص ۲۵۴ جلد اول میں لکھا ہے۔

قال الخطابی فیه دلالة علی ان صلاة المنفرد خلف الصف جائزة لان جزء امن الصلوة اذا جاز علی حال الانفراد جاز سائر اجزائها وقوله علیه السلام ولا تعد ارشاد له فی المستقبل الی ما هو افضل ولو لم یکن مجزیا لامره بالاعادة.

یعنی خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کی نماز جائز ہے کیونکہ جب اکیلا ہونے کی حالت میں نماز کا ایک حصہ جائز ہے تو اس کے باقی حصے بھی جائز ہوں گے اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ پھر ایسا نہ کرنا آئندہ کے لیے جو افضل ہے۔ اس کی ہدایت کا ارشاد ہے اگر ان کی نماز ناجائز ہوتی تو حضور علیہ السلام اس کو نماز دہرانے کا حکم فرماتے۔

امام طحاوی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فلو کان من صلی خلف الصف لاتجزیه صلوة لکان من دخل فی الصلوة خلف الصف لایکون داخلا فیها

یعنی اگر صف کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی نماز ناجائز ہوتی تو جو شخص صف کے پیچھے نماز میں داخل ہوا ہے چاہیے کہ اس میں داخل نہ ہوتا۔

تو جب ایسی حالت میں ابوبکرہ کا دخول فی الصلوۃ صحیح ہوا تو نمازی کی سب نماز خلف الصف صحیح ہوگی۔

نیز اگر پہلی صف میں جگہ ہو تو پچھلی صف کا ایک آدمی اپنی صف سے نکل کر اس صف میں جا سکتا ہے جس میں جگہ خالی ہو۔ ایسا شخص جب اپنی صف سے نکلے گا اور دونوں صفوں کے درمیان پہنچے گا۔ تو اس وقت وہ اکیلا خلف الصف ہوگا۔ اگر اکیلا خلف الصف ہونا نماز کا مفسد ہو تو چاہیے کہ اس شخص کی نماز نہ ہو کیونکہ وہ دونوں صفوں کے درمیان اکیلا ہوا ہے۔ جب اس شخص کی بالاتفاق نماز ہو جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ اکیلے کی بھی نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نماز کے اجزاء میں سے ایک جز میں اکیلا رہنا مفسد نہیں تو سارے اجزاء میں بھی مفسد نہ ہوگا۔

قاله الطحاوی رحمه الله فی شرح معانی الآثار

حدیث: وابصہ بن معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو رسول خدا ﷺ نے نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا امام طحاوی نے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم جائز ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے کے سبب

ہو۔ اور جائز ہے۔ (یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس شخص کو آپ نے نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا اس نے صف کے پیچھے اپنی نماز اکیلے پڑھی ہو جماعت میں شامل نہ ہوا ہو چونکہ جماعت ہوتی ہو تو پاس کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ نے اس کو اعادہ کا حکم فرمایا ہو۔ حدیث میں جو آپ کے انتظار کا آیا ہے کہ آپ اس وقت تک کھڑے رہے جب تک وہ فارغ نہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جماعت میں شامل نہ تھا اور نہ حضور کا فارغ ہو جانا اور اس کا نہ ہونا ایک جماعت میں کیسے متصور ہوسکتا ہے۔ ہاں مسبوق کی حالت میں ہوسکتا ہے مگر حدیث میں اس کا ذکر نہیں ۱۲ منہ) کہ کوئی اور نقص اس کی نماز میں ہو۔ جس کے لیے آپ نے اعادہ کا حکم فرمایا۔ میں کہتا ہوں (اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) علاوہ اس کے یہ امر استحبابی ہے نہ وجوبی۔ مرقاۃ ص ۸۳ جلد دوم میں ہے۔ فامره ان یعید الصلوة استحبابا لا رتکابه الکراهة. پھر آگے فرماتے ہیں:

حمل ائمتنا الاول علی الندب والثانی علی نفی الکمال یعنی ہمارے آئمہ نے پچھلی حدیث کو جس میں امر اعادہ کا ہے۔ ندب پر حمل کیا ہے اور دوسری حدیث کو جس میں نفی ہے۔ نفی کمال پر تاکہ یہ دونوں حدیثیں بخاری کی حدیث ابوبکرہ کے موافق ہو جائیں۔ نیز دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فوقف علیه نبی ﷺ حتی انصرف.

یعنی رسول کریم ﷺ اس پر کھڑے رہے جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو فرمایا کہ پھر نماز پڑھ۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز باطل نہ تھی۔ اگر باطل ہوتی تو آپ اس کو فوراً روک دیتے باطل پر رہنے نہ دیتے اور اس کے فارغ ہونے تک انتظار نہ کرتے لیکن آپ نے اس کو فوراً نہیں روکا۔ وہ نماز پڑھتا رہا۔ جب فارغ ہوا تو فرمایا کہ پھر نماز پڑھ چونکہ نماز مکروہ تھی اس لیے استحباباً فرمایا کہ پھر پڑھ۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

وایضا فهو علیه السلام ترکه حتی فرغ ولو کانت باطلة لما اقره علی المضی فیها

علاوہ اس کے ابن عبدالبر نے اس حدیث کو مضطرب کہا اور بیہقی نے ضعیف۔

(مرقاۃ میں ہے: اعله ابن عبدالبر بانه مضطرب وضعفه البیهقی)

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہا انہوں نے کہ حضور علیہ السلام نے ایک میاں بی بی میں لعان کرایا اور فرمایا کہ شاید کالا گھونگریالے بال والا بچہ جنے پس وہ ویسا ہی جنی ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حمل میں لعان کرایا۔ (یعنی لعان کے وقت عورت حاملہ تھی) شعبی سے پوچھا گیا کہ ایک مرد اپنی بی بی کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس سے بیزاری ظاہر کرے تو انہوں نے فرمایا کہ لعان کرا اور ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مذکور

ہے کہ وہ حمل کے انکار سے لعان نہیں کراتے۔

جواب: میں کہتا ہوں انکارِ حمل سے لعان کا ہونا کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اسی لیے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقط انکارِ حمل سے لعان نہیں فرماتے۔ کیونکہ حمل کا یقین نہیں ہوتا بعض وقت ایسے ہی پیٹ پھول جاتا ہے جس سے حمل معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں حمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

وقد اخبرني بعض اهلي عن بعض خواصها انها ظهرها حبل واستمرالى تسعة اشهرولم يشككنا فيه حتى هيئت له تهيئة اسباب المولود ثم اصابها طلق وجست الداية تحتها فلم تزل تعصر العصرة بعد العصرة وفي كل عصرة تجدماء حتى قامت فارغة من غير ولد.

کہ مجھے بعض میرے اہل نے خبر دی کہ اس کی بعض سہیلی کو حمل ظاہر ہوا اور نو ماہ تک رہا اور ہمیں اس کے حمل میں کسی قسم کا شک نہ تھا۔ یہاں تک کہ سب سامان ولادت کے تیار کیے گئے پھر اس کو خون آنا شروع ہوا دایہ بچہ جنانے کے لیے آئی مگر اس کے اندر سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلتا رہا۔ یہاں تک کہ بغیر بچہ جننے کے فارغ اٹھ کھڑی ہوئی یعنی کوئی بچہ نہ تھا خون یا پانی تھا جو نکل گیا۔

معلوم ہوا کہ صرف حمل کے انکار سے قذف ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک تہمت نہ لگائے مثلاً یوں کہے کہ تو نے زنا کیا اور یہ حمل اس زنا سے ہے تو امام صاحب کے نزدیک لعان لازم ہوگا چنانچہ ہدایہ میں ہے۔

فان قال لها ذنبت وهذا الحبل من الزنا تلاعنا الوجود القذف حيث ذكر الزنا صريحا

ابن ابی شیبہ نے جو حدیث ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کی ہے ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ حضور علیہ السلام نے صرف انکارِ حمل سے لعان کرایا غایۃ مافی الباب عورت کا حاملہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ حمل کی حالت میں لعان کرایا۔ نہ یہ کہ حمل کے انکار سے لعان ہوا بلکہ ان دونوں حدیثوں کے اصل واقعہ میں زنا کی تہمت لگانے کا ذکر آیا ہے۔

شیخ عبدالحی لکھنوی تعلیق الممجد میں لکھتے ہیں:

وقد وقع اللعان في عهد رسول الله ﷺ من صحابيين احدهما عويمر بن ابيض وقيل ابن الحارث الانصارى العجلاني رمى زوجه بشريک بن سحماء فتلاعنا وكان ذلک سنة تسع من الهجرة وثانيهما هلال ابن اميه بن عامر الانصارى وخبرهما مروى في صحيح البخارى ومسلم وغيرهما.

کہ لعان رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں دو صحابیوں سے واقع ہوا ایک تو عویمر عجلانی جس نے اپنی زوجہ کو شریک

بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو ان دونوں نے لعان کیا اور یہ واقعہ ۹ھ میں ہوا۔ دوسرا ہلال بن امیہ ان دونوں کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہما میں مندرج ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابن ابی شیبہ نے جو ابن عباس و ابن مسعود سے دو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں عویمر یا ہلال کی لعان کا ہی ذکر ہے اور ان دونوں نے اپنی اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی تھی۔ صرف حمل کا انکار نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ابن مسعود کی حدیث صحیح مسلم میں اس طرح آئی ہے۔

کہ ایک انصاری آیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو اپنی عورت کے پاس پائے (اور اس کو ثابت ہو جائے کہ اس نے زنا کیا) پس کلام کرے تو آپ اس کو کوڑے لگاؤ گے یعنی حد قذف اور اگر قتل کرے تو آپ اس کو قتل کر دو گے اگر وہ چپ رہے تو نہایت غضب میں چپ کرے گا۔ پھر وہ کیا کرے حضور علیہ السلام دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آیت لعان نازل ہوئی۔

فابتلي به ذلک الرجل من بين الناس فجاء هو وامرء ته الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فتلاعنا

پھر وہی شخص اس امر میں مبتلا ہوا یعنی جو اس نے سوال کیا وہی اس کو پیش آیا وہ اپنی زوجہ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور ان دونوں نے لعان کیا۔

اس حدیث میں "وجد مع امرء ته رجلا" میں صاف تصریح ہے کہ اس نے زنا کی تہمت لگائی۔ انکارِ حمل کا ذکر نہیں البتہ وہ عورت حاملہ تھی۔

امام طحاوی یہی حدیث مفصل ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

فهذا هو اصل حديث عبدالله رضى الله تعالى عنه في اللعان وهو لعان بقذف كان من ذلک الرجل لا مرءته وهي حامل لا بحملها.

کہ لعان میں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا اصل یہ ہے اور یہ لعان زنا کی تہمت سے ہے جو اس مرد نے اپنی بی بی کو لگائی اور وہ حاملہ تھی یہ لعان صرف انکارِ حمل سے نہیں۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث صحیح مسلم میں اس طرح ہے: فاتاه رجل من قومه يشكو اليه انه وجد مع اهله رجلا.

طحاوی میں بھی ابن عباس کی روایت میں "فوجدت مع امرتي رجلا" آیا ہے کہ میں نے اپنی عورت کے ساتھ (ایک مرد) زنا کرتا ہوا پایا جس سے معلوم ہوا کہ لعان زنا کی تہمت سے تھا نہ انکارِ حمل سے۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے عمران بن حصین وابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کے چند غلام تھے اس نے موت کے وقت سب کو آزاد کر دیا تو رسول کریم ﷺ نے قرعہ ڈالا' دو کو آزاد کر دیا۔ چار کو غلام رہنے دیا اور امام ابوحنیفہ سے مذکور ہے کہ وہ ایسی صورت میں قرعہ ڈالنا درست نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں۔

جواب: میں کہتا ہوں ابن ابی شیبہ نے امام اعظم کا پورا مذہب نقل نہیں کیا۔

امام طحاوی نے دوسری جلد کے ص ۴۳۰ میں امام اعظم کا مذہب یہ لکھا ہے کہ وہ اس صورت میں فرماتے ہیں کہ ہر ایک غلام کا ثلث آزاد ہو جائے گا۔ اور وہ سب اپنے اپنے دو دو حصوں کی قیمت کی سعی کریں گے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم تكلم الناس بعد هذا فيمن اعتق ستة اعبدله عند موته لا مال له غيرهم فابى الورثة ان يجيزو افقال قوم يعتق منهم ثلثهم ويسعون فيما بقى من قيمتهم وممن قال ذلك ابو حنيفة وابو يوسف و محمد رحمهم الله تعالى.

حاصل یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس صورت میں قرعہ کا حکم نہیں دیتے بلکہ فرماتے ہیں کہ ان سب غلاموں کا ثلث آزاد ہو جائے گا۔ باقی دو ثلث کے لیے سب سعی کریں گے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم ص ۵۵ جلد دوم میں فرماتے ہیں۔

وقال ابو حنيفة القرعة بالحلة لا مدخل لها فى ذلك بل يعتق من كل واحد قطع و يستسعى فى الباقى.

اور امام نووی یہ بھی فرماتے ہیں۔

وقد قال بقول ابى حنيفة الشعبى والنخعى و شريح والحسن وحكيے ايضاعن ابن المسيب

یعنی امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق شعبی و نخعی و شریح و حسن بصری و ابن مسیب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اس مسئلہ میں منفرد نہیں۔

امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۵۰ جلد ۱۰ میں نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

وقد اخرج عبدالرزاق باسناد رجاله ثقات عن ابى قلابة عن رجل من بنى عذرة ان رجلا منهم اعتق مملوكاله عند موته وليس له مال غيره فاعتق رسول الله ﷺ ثلثه وامره ان يسعى فى الثلثين.

کہ ایک شخص نے اپنا ایک غلام اپنے مرنے کے وقت آزاد کیا اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ تھا تو رسول

کریم ﷺ نے اس کا ثلث تو آزاد فرمایا اور دو ثلث کا حکم دیا کہ سعی کرے۔

اسی طرح اگر ایک سے زیادہ غلام ہوں اور اس نے آزاد کر دیے ہوں تو جس طرح ایک کا ثلث آزاد ہوا اسی طرح ہر ایک کا ثلث آزاد ہوگا۔ اور ہر ایک اپنے دو ثلث کے لیے سعی کرے گا۔

امام طحاوی شرح معانی الآثار جلد دوم کے ص ۴۲۱ میں اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں۔

ان ماذكر وامن القرعة المذكورة فى حديث عمران منسوخ لان القرعة قد كانت فى بدء الاسلام الخ

کہ حدیث عمران میں جو قرعہ آیا ہے وہ منسوخ ہے کیونکہ قرعہ ابتداء اسلام میں تھا۔ پھر منسوخ ہو گیا۔

امام طحاوی نے اس پر یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تین آدمی آئے وہ ایک بچہ کے متعلق جھگڑتے تھے ایک عورت کے ساتھ ان تینوں نے ایک طہر میں جماع کیا۔ جس سے بچہ پیدا ہوا وہ تینوں مدعی تھے حضرت علی نے قرعہ ڈالا اور جس کا نام نکلا اس کو بچہ دے دیا۔ یہ فیصلہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ہنسے اور کچھ نہ کہا چونکہ رسول کریم ﷺ نے قرعہ پر انکار نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت یہی حکم تھا' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر یہی واقعہ پیش آیا تو آپ نے وہ بچہ مدعیوں کو دلوا دیا اور فرمایا' هو بينكما يرثكما وترثانه' کہ یہ بچہ تم دونوں مدعیوں کا ہے یہ تمہارا وارث ہوگا۔ تم دونوں اس کے وارث ہو گے۔ (طحاوی ص ۴۹۴ جلد ۲)

یہاں آپ نے قرعہ کا حکم نہ دیا معلوم ہوا کہ قرعہ منسوخ ہو چکا تھا۔

شیخ محقق ابن الہمام فتح القدیر ص ۴۴۳ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث (ظاہرا) صحیح ہے لیکن باطنا صحیح نہیں جس حدیث کی سند صحیح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی علت قادحہ کے سبب ضعیف ہو قرآن شریف وسنت مشہورہ کی مخالفت بھی علل قادحہ سے ہے۔ اسی طرح عادت جو کہ اسکے خلاف پر قاضیہ ہو اس کی مخالفت بھی ایک علت قادحہ ہے اور یہ حدیث نص قرآن کے مخالف ہے۔ قرآن شریف میں (میسر) جوا کو حرام فرمایا گیا ہے۔ قرعہ بھی اسی جنس سے ہے میسر میں ملک بالاستحقاق کا خطر کے ساتھ معلق کرنا ہے اور قرعہ بھی اسی قبیل سے ہے اور عادت اس کے خلاف یہ ہے کہ ایسا شخص عادت کے خلاف ہے کہ اس کے چھ غلام تو ہوں اور ان کے سوا اس کے پاس کوئی درہم' دینار' کپڑا' برتن' دابہ' غلہ' گھر وغیرہ کچھ بھی نہ ہو۔ نہ تھوڑی چیز ہو نہ بہت تو اس علت باطنہ کے سبب یہ حدیث معتبر نہیں فافہم۔ علاوہ اس کے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث ایک حال کا واقعہ ہے اور وہ عام نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے چند حدیثیں لکھی ہیں جس سے اس امر کی اجازت معلوم ہوتی ہے کہ آقا اپنے غلام کو جب کہ وہ زنا کرے حد لگا سکتا ہے پھر امام ابوحنیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ آقا اپنے غلام کو جلد نہ کرے

یعنی حد نہ لگائے۔

جواب: میں کہتا ہوں امام اعظم فرماتے ہیں کہ سید اپنے غلام کو حد نہ لگائے بلکہ وہ امام کے پاس مرافعہ کرے اور وہ حد لگائے اس مسئلہ میں بھی امام اعظم منفرد نہیں ہیں بلکہ ایک جماعت اہل علم کی آپ کے ساتھ ہے۔ ترمذی نے بھی اس اختلاف کو نقل کیا ہے۔

ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

فقالت طائفة لایقیمها الا الامام او من یاذن له وهو قول الحنفیة (ج ۲۸ ص ۳۷۲)

یعنی سلف کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ امام یا جس کو امام اذن دے اس کے سوا دوسرا کوئی حد نہ لگائے۔ یہ قول حنفیہ کا ہے۔

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ حسن بن حی بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حسن عبداللہ بن محیریز وعمر بن عبدالعزیز سے نقل کیا ہے۔

انهم قالو الجمعة والحدود والزكوة والفئی الی السلطان خاصة کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جمعہ اور حدود اور زکوٰۃ اور فئے سلطان سے متعلق ہیں۔

ابن ابی شیبہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے۔

قال اربعة الی السلطان الصلوة والزكوة والحدود والقصاص کہ چار چیزیں سلطان کے متعلق ہیں (جمعہ) کی نماز اور زکوٰۃ اور حدود اور قصاص۔

اسی طرح عبداللہ بن محیریز سے آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔

الجمعة والحدود والزكوة والفئی الی السلطان.

اسی طرح عطا خراسانی سے بھی منقول ہے (تعلیق المجد ص ۳۰۹ ونصب الرایہ زیلعی ص ۹۳)

حافظ ابن حجر تلخیص ص ۳۵۳ میں فرماتے ہیں۔

اخرجه ابن ابی شیبة من طریق عبدالله بن محیریز قال الجمعة والحدود والزكاة والفئی الی السلطان

ملا علی قاری مرقاۃ میں بحوالہ ابن ہمام لکھتے ہیں۔

ولنا ماروی الاصحاب فی کتبهم عن ابن مسعود و ابن عباس و ابن الزبیر موقوفا و مرفوعا

اربع الی الولاة الحدود والصدقات والجمعات والفئی.

کہ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں ابن مسعود و ابن عباس و ابن زبیر سے موقوفا و مرفوعا روایت کیا ہے کہ چار چیزیں حکام سے متعلق ہیں۔ حدود و صدقات و جمعات وفئی

امام طحاوی نے مسلم بن یسار سے روایت کیا ہے۔

كان ابو عبدالله رجل من الصحابة یقول الزكوة والحدود والفئی والجمعة الی السلطان

ابو عبداللہ صحابی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وحدود وفئے وجمعہ بادشاہ سے متعلق ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۷۲ ج ۲۸)

ابن ابی شیبہ نے جو حدیثیں لکھیں ہیں وہ عام ہیں امام اور غیر امام کو شامل ہیں امام صاحب کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ آقا حد لگانے کا سبب بنے یعنی حاکم تک مرافعہ کرے اور حاکم حد لگائے۔

علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

قلت الصراحة ممنوعة لان الخطاب عام لهذه الامة وكذا لفظ احد کم فیشمل الامام وغیره ولا شک انه الفرد الاکمل فینصرف المطلق الیه ولانه العالم یتعلق بالحد من الشروط ولیس کل واحد من المالكین له اهلیة ذلک مع ان المالک منهم فی ضربه وقتله انه لذلک اولغیره ولا شک انه لو جوزله علی اطلاقه لترتیب علیه فساد كثیر.

یعنی یہ کہنا کہ یہ حدیثیں صریح دلالت کرتی ہیں کہ مولیٰ اپنے غلاموں پر حد قائم کرے ممنوع ہے کیونکہ خطاب اس امت کے لیے عام ہے اسی طرح احد کم کا لفظ بھی عام ہے تو امام و غیر امام کو شامل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ہی فرد اکمل ہے تو مطلق کو اسی فرد اکمل کے طرف پھیرا جائے گا۔ اور اس لیے یہ خطاب امام کی طرف پھیرا جائے گا۔ کہ وہ حدود کے شرائط کا عالم ہے اور مالکوں میں سے ہر ایک اس کی اہلیت نہیں رکھتا علاوہ اس کے مالک اس کے مارنے اور قتل میں متہم بھی ہے کہ اس نے وہ حد زنا کے سبب لگائی ہے یا کسی اور قصور کے سبب اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر مطلقا اس کی اجازت دی جائے کہ مالک خود حد لگائے تو اس پر بہت فساد مترتب ہوگا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ص ۲۷۴ جلد ثالث میں فرماتے ہیں۔

استدلال کرده اند شافعیه بایں حدیث بر آنکه مولی را میرسد که اقامت حد کند بر واه خود و حنفیة میکنداین را بر تسبیب یعنی سبب وواسطه حدوے شود و پیش حاکم برد که حد زند.

کہ شافعیہ اس حدیث سے دلیل لیتے ہیں کہ مولیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی کنیز کو یا غلام پر حد لگائے اور حنفیہ اس

حدیث کو تسبیب پر عمل کرتے ہیں کہ آ قاعدہ کا سبب اور واسطہ بنے اور حاکم کے پاس لے جائے تو حاکم اس پر حد لگائے۔

اعتراض: ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ نے حدیث بیر بضاعہ و حدیث قلتین و حدیث الماء لا یجنب لکھ کر ثابت کیا ہے کہ پانی ناپاک نہیں ہوتا اور لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ امام اعظم کے نزدیک تھوڑا پانی وقوع نجاست سے پلید ہو جاتا ہے گو اس کا رنگ بو مزہ نہ بدلے امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے صحیح میں روایت کی۔

۱۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا يبولن احد كم في الماء الدائم الذي لايجرى ثم يغتسل فيه .

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی تم میں سے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہتا نہیں ہے بول نہ کرے کہ پھر اسی میں غسل کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بول کرنے سے پانی پلید ہو جاتا ہے اسی واسطے پھر اس پانی سے غسل کرنے کی ممانعت فرما دی اور ظاہر ہے کہ تھوڑا پانی وقوع بول سے متغیر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ وقوع نجاست سے تھوڑا پانی پلید ہو جاتا ہے گو متغیر نہ ہو۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وترتيب الحكم على ذلك يدل على ان الموجب للمنع انه يتنجس فلا يجوز الا غتسال به وتخصيصه بالدائم يفهم منه ان الجارى لا يتنجس الا بالتغير.

یعنی اس حدیث میں نہی کی علت یہی ہے کہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے پھر اس سے غسل جائز نہیں اور دائم کی قید اس لیے ہے کہ جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت کہ وقوع نجاست سے اس کا رنگ بو مزہ بدل جائے۔

علامہ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وكله مبنى على ان الماء ينجس بملاقاة النجاسة

اور اگر پانی بہت ہو تو اس میں بول کرنا مفضی الی النجاسة ہے کہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بول کرنا شروع کر دیں گے تو پانی کثیر بھی متغیر ہو جائے گا۔

۲۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔

اذا استيقظ احد كم من نومه فلا يغمسن يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لايدرى اين باتت يده

کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے اس کو چاہیے کہ جب تک اپنے ہاتھوں کو تین بار دھو نہ لے برتن میں نہ ڈالے کیونکہ اس کو یہ خبر نہیں کہ سوتے وقت اس کا ہاتھ کہاں کہاں پہنچا ہو۔

اس حدیث میں آپ نے احتیاط کے لیے ہاتھ دھونے کا ارشاد فرمایا کہ شاید اس کے ہاتھ کو استنجاء کی جگہ سے کوئی نجاست لگی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ شبہ سے بچنے کا وہیں حکم کیا جاتا ہے جہاں یقین کے وقت بچنا ضروری ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر ہاتھ کو یقینا نجاست لگی ہو تو ضروری ہوگا کہ برتن میں نہ ڈالے اور اس سے بچے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ پانی پلید ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ نجاست جو اس کے ہاتھ میں لگی ہو۔ پانی کو متغیر نہیں کرتی تو معلوم ہوا کہ پانی وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے گو متغیر نہ ہوا گر یہ امر نہ ہو یعنی پانی ناپاک نہ ہو تو اس احتیاطی حکم کے کوئی معنی نہ ہوں گے کیونکہ اگر پانی وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا تو اس شبہ کے وقت جب کہ ہاتھ پر کوئی نجاست ظاہری نہ لگی ہو برتن میں ڈالنے کی ممانعت بے معنی ہوگی۔

۳۔ عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم طهور اناء احد كم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات اولیهن بالتراب (مسلم)

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تمہارے برتن کا پاک ہونا جب کہ اس میں کتا پانی پیئے یہ ہے کہ سات بار دھوئے پہلی بار مٹی ملے۔

ترمذی میں اس طرح آیا ہے۔

يغسل الا ناء اذا ولغ فيه الكلب سبع مرات اولا هن اواخراهن بالتراب .

کہ کتا جس برتن سے پانی پی جائے اس کو سات بار دھویا جائے پہلی بار یا پچھلی بار مٹی کے ساتھ ہو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ پانی نجس ہو جاتا ہے کتا کے پانی پینے سے پانی متغیر نہیں ہوتا پھر بھی حضور علیہ السلام نے اس کے دھونے کا حکم فرمایا اور اس کو طهور فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ پانی اور برتن دونوں نجس ہو جاتے ہیں۔ ورنہ آپ طهور اناء احد کم نہ فرماتے۔

۴۔ عن عطاء ان حبشيا وقع في زمزم فمات فامرابن الزبير فنزح ماء ها فجعل الماء لا ينقطع فنظر فاذا عين تجرى من قبل الحجر الاسود فقال ابن الزبير حسبكم.

(رواه الطحاوی وا بن ابی شیبه)

عطاء سے روایت ہے کہ زمزم کے کنواں میں ایک حبشی گرا اور مر گیا تو ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اس کا پانی نکالا جائے جب پانی نکالا گیا تو پانی ختم نہ ہوا انہوں نے دیکھا کہ حجر اسود کی طرف سے ایک چشمہ ابل رہا ہے ابن

زبیر نے فرمایا بس کافی ہے یعنی اب اور پانی نکالنے کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی اگرچہ متغیر نہ ہو وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اگر زمزم کا پانی حبشی کے مرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو ابن زبیر اس کا پانی نہ نکلواتے۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ انہوں نے بھی پانی نکلوانے کا حکم فرمایا۔

۵۔ امام طحاوی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کنواں میں اگر چوہا گر کر مرجائے تو اس کا پانی نکالا جائے۔ (آثار السنن)

حدیث بیر بضاعہ: ابن ابی شیبہ نے جو بیر بضاعہ کی حدیث لکھی ہے اس حدیث میں کلام ہے اس کا ایک راوی عبیداللہ بن عبداللہ بن رافع ہے جو مجہول العین والحال ہے ابن قطان فرماتے ہیں کہ بعض تو عبیداللہ بن عبداللہ کہتے ہیں بعض عبداللہ بن عبداللہ بعض عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بعض عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بعض عبدالرحمٰن بن رافع۔ پھر فرماتے ہیں:

وکیف ماکان فھو لایعرف لہ حال ولا عین۔

یعنی کچھ بھی ہو اس راوی کا نہ تو حال معلوم ہے نہ عین یعنی یہ بھی پتا نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے (آثار) جوہر النقی ص ۳ میں ہے۔

مع الاضطراب فی اسمہ لا یعرف لہ حال ولا عین ولھذا قال ابو الحسن بن القطان الحدیث اذاتبین امرہ تبین ضعفہ

یعنی اس راوی کے نام میں اضطراب ہے اس لیے نہ اس کا حال معلوم ہے نہ اس کا عین اسی واسطے ابن قطان فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا جب حال کھلے گا اس کا ضعف ہی ظاہر ہوگا۔

علاوہ اس کے اس حدیث میں الف لام عہد کے لیے ہے۔ استغراق کے لیے نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانی جس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا یعنی بیر بضاعہ کا پانی پاک ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ پانی کثیر تھا۔

حافظ ابن حجر تلخیص ص ۴ میں امام شافعی سے نقل فرماتے ہیں۔

کانت بیر بضاعۃ کبیرۃ واسعۃ کہ بیر بضاعہ بہت بڑا اور کھلا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ سرورِ عالم ﷺ رائحہ طیبہ کو پسند فرماتے تھے آپ یہاں تک نفاست پسند تھے کہ آپ نے پانی میں تھوکنے ناک جھاڑنے سے منع فرمایا تھا۔ تو ایسا کنواں جس میں حیض کے چیتھڑے اور کتوں کا گوشت ڈالا جاتا ہو عقل سلیم کبھی ماننے کو تیار نہیں۔ کہ آپ ایسے کنواں سے وضو کرتے ہوں یا آپ نے وضو کر لینے کی اجازت فرمائی ہو۔ مسلمان تو درکنار کافر بھی اپنے کنویں میں ایسی اشیاء نہیں ڈالتے۔ وہ بھی پانی کو نجاست سے بچاتے ہیں پھر عرب میں جہاں پانی

کی قلت ہے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یا تو یہ حدیث ضعیف قابلِ حجت نہیں کما بیناہ۔ یا اس کنواں میں بارش کے سبب میدان یا گلیوں کا پانی بہتا ہوا آتا ہوگا۔ اور سیلاب کے ساتھ ایسی اشیاء بھی گرتی ہوں گی اور بسبب کثرت پانی کے یا بسبب جاری ہونے کے وہ پانی متغیر نہ ہوتا ہوگا۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے اس پانی کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ پانی پاک ہے یا اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے جیسے کہ صاحب آثار السنن نے ص ۷ میں لکھا ہے کہ۔

پانی پاک ہے یعنی اس کی طبع طہارت سے زائل نہیں ہوتی اور اس کی کوئی شے پلید نہیں کرتی کہ نجاست کے زائل ہوجانے سے بھی وہ پلید ہے یعنی پانی اپنے اصل میں پاک ہے جب اس میں نجاست پڑ جائے تو پلید ہو جاتا ہے نجاست نکال دی جائے اور پاک کرلیا جائے تو پاک ہو جاتا ہے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نجاست پڑنے سے بھی پلید نہیں ہوتا۔ جس طرح حدیث "ان الارض لا تنجس" ہے کہ زمین پلید نہیں ہوتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر پلیدی ہو تو بھی پلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ نجاست کے زائل ہونے کے بعد وہ پلید نہیں رہتی۔ اسی طرح بیر بضاعہ کا مسئلہ ہے کہ جب قوم نے رسول کریم ﷺ سے اس کنواں کا مسئلہ پوچھا تو حضور علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ یہ کنواں واقعی ایسا ہی تھا جیسے کہ تم نے سوال میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس وقت ایسا نہیں بلکہ نجاست زائل ہوچکی ہے اس کا پانی پاک ہے معلوم ہوا کہ جاہلیت میں کنواں میں ایسی اشیاء گرتی تھیں اس لیے لوگوں کو اس کے پانی میں شک تھا رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ باوجود کثرت نزح کے اس وقت ان اشیاء کا کچھ اثر نہیں اس کا پانی پاک ہے۔

ابن ابی شیبہ نے جو حدیث قلتین لکھی ہے اس کو بہت علماء نے ضعیف فرمایا ہے اسماعیل قاضی اور ابوبکر بن عربی و ابن عبدالبر و ابن تیمیہ وغیرہم نے اسے ضعیف کہا (آثار سنن) اس حدیث کی سند اور متن اور معنوں میں اضطراب ہے اور اضطراب حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے۔ کما ھو مبرھن فی الاصول. علاوہ اس کے حدیث بیر بضاعہ میں کوئی حد معین نہیں لیکن قلتین میں تحدید ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ قلتین سے اگر پانی کم ہو تو وقوع نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ جو فقہا کرام نے دہ دردہ کی تحدید لکھی ہے حد قلتین اس کے خلاف نہیں بلکہ پانی جو بمقدار دو قلہ کے ہو اگر ایسے حوض میں ڈالا جائے جو دہ دردہ ہو تو اتنا ہو سکتا ہے کہ دونوں لپیں بھر کر اٹھانے سے زمین ننگی نہ ہو تو معلوم ہوا کہ قلتین کا مقدار آب کثیر ہے نیز قلہ ایک مشترک لفظ ہے جس کے کئی معنے ہیں اور اس حدیث میں کوئی معنے متعین نہیں۔ واللہ اعلم

تیسری حدیث جو کہ ابن ابی شیبہ نے لکھی ہے اس کو اگرچہ ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن اس میں سماک بن حرب ہے جو عکرمہ سے روایت کرتا ہے اور اس کی عکرمہ سے جو روایت ہو وہ بالخصوص مضطرب ہوتی ہے کما فی التقریب نیز سماک آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا اور اس کو تلقین کیا جاتا تھا اس لیے اس کی صحت میں کلام ہے۔

علاوہ اس کے اس حدیث کا مطلب بھی صاف ہے کہ ایک لگن میں ایک بی بی صاحبہ نے غسل کیا حضور علیہ السلام

اس سے غسل یا وضو کرنے لگے تو بی بی صاحبہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ناپاک تھی۔ میں نے اس پانی سے غسل کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ پانی جنبی نہیں ہوا۔ یعنی پلید نہیں ہوا مطلب یہ کہ تمہارے غسل کرنے سے پانی پلید نہیں ہوا اس کا یہ معنی نہیں کہ پانی وقوع نجاست سے بھی ناپاک نہیں ہوتا یہ نہ کہا جائے کہ وہ پانی مستعمل ہو گیا تھا اس لیے کہ بی بی صاحبہ نے لگن میں غسل نہیں کیا تھا بلکہ اس سے چلو بھر بھر کر بدن پر ڈالتی تھیں تو اس صورت میں پانی مستعمل بھی نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے امام اعظم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص آفتاب کے نکلنے یا ڈوبنے کے وقت نیند سے جاگے اور اسی وقت نماز پڑھے تو جائز نہیں اور اس کو حدیث "من نسی صلوة او نام عنها" اور حدیث "لیلة التعریس" کے خلاف قرار دیا ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اس مسئلہ میں وہ حدیث ہے جس کو مسلم نے اپنی صحیح میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينها نا ان نصلى فيهن او ان نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب

کہ تین ساعتیں ہیں جن میں رسول کریم ﷺ ہمیں نماز پڑھنے اور مردہ دفن کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک سورج نکلنے کے وقت یہاں تک کہ بلند ہو ایک دوپہر کے وقت یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے (وقتِ زوال) ایک غروب ہونے کے وقت یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے۔

اذا طلع حاجب الشمس فدعوا الصلوة حتى تبرز فاذا غاب حاجب الشمس فدعوا الصلوة حتى تغيب (متفق علیہ)

یعنی جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ خوب ظاہر ہو جائے اور جب کنارہ آفتاب کا غائب ہو تو نماز چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ غائب ہو جائے اسی طرح اور بہت احادیث میں آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ حدیث "من نسی صلوة او نام عنها" کے عموم اوقات میں سے حدیث عقبہ کے ساتھ اوقات ثلثہ کی تخصیص ہو گئی یعنی مستیقظ یا ناسی جب اٹھے یا یاد کرے نماز ادا کرے لیکن اوقات نہی میں بسبب حدیث عقبہ ادا نہ کرے۔ علاوہ اس کے حدیث عقبہ محرم ہے تو اوقات ثلثہ کا اخراج حدیث متذکر کے عموم سے اولیٰ ہے کما حققه

العلامة المحقق فی فتح القدیر علاوہ اس کے حدیث تعریس میں تصریح ہے کہ آپ نے اٹھتے ہی نماز ادا نہیں کی بلکہ اس منزل سے کوچ کیا جب آفتاب بلند ہوا تو نماز پڑھی۔ طحاوی میں ہے کہ حکم و حماد سے شعبہ نے پوچھا کہ کوئی شخص جاگے اس وقت تھوڑا سا آفتاب نکلا ہو تو کیا نماز پڑھے؟ آپ نے فرمایا نہ یہاں تک کہ آفتاب اچھا کھل جائے۔ واللہ اعلم

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے پگڑی پر مسح کرنے کی حدیث نقل کر کے امام اعظم سے اس کا عدم جواز نقل کیا ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں حدیث مغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بقدر ناصیہ سر کا مسح کر کے باقی کو پگڑی پر تکمیل کرے امام صاحب اس صورت میں منع نہیں فرماتے صرف پگڑی پر مسح کرنا اور سر کے کسی حصہ کا مسح نہ کرنا نہ صرف امام اعظم بلکہ امام مالک و امام شافعی و جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں جن احادیث میں پگڑی پر مسح کرنا آیا ہے ان میں یہ دلالت نہیں کہ سر کا مسح نہیں کیا اور مسح عمامہ پر اکتفا کیا بلکہ بعض روایات میں مسح عمامہ کے ساتھ مسح ناصیہ کی تصریح ہے۔ ابن ابی شیبہ کے حدیث مغیرہ وابو مسلم میں مسح ناصیہ موجود ہے۔

موطا امام محمد کے ص ۷۰ میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا ہے۔

انه سئل عن العمامة فقال لا حتى يمس الشعر الماء

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچا ہے کہ ان سے پگڑی کے مسح کا حکم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز نہیں یہاں تک کہ بالوں کو پانی پہنچے یعنی جب تک سر کے کسی حصہ کا مسح نہ کیا جائے صرف پگڑی پر جائز نہیں۔ امام محمد فرماتے ہیں

وبهذا نا خذ وهو قول ابى حنيفة رحمه الله کہ ہمارا عمل اسی پر ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

معلوم ہوا کہ امام اعظم اکتفا بر مسح عمامہ کے قائل نہیں۔ اگر کچھ حصہ سر کا بھی مسح کیا جائے تو باقی سر کے لیے پگڑی پر مسح کر لینا جائز سمجھتے ہیں اور یہی حق ہے۔

مجمع البحار ص ۳۷۷ جلد اول میں فرماتے ہیں۔

انه يحتاج الى مسح قليل من الراس ثم يمسح على العمامة بدل الاستعياب.

یعنی پگڑی پر مسح کرنے میں تھوڑے سے سر کا مسح کرنے کی حاجت ہے یعنی تھوڑا سا سر کا مسح کر کے پھر پگڑی پر مسح کرے تو یہ پگڑی کا مسح سارے سر کے مسح کرنے کے بدل میں ہو جائے گا اور سنت کی تکمیل ہو جائے گی۔

علاوہ اس کے ملا علی قاری نے مرقاۃ ص ۳۱۱ جلد اول میں بعض شراح حدیث سے نقل کیا ہے ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ناصیہ پر مسح کر کے پگڑی کو ٹھیک درست کیا ہو تو راوی نے اسے مسح گمان کر لیا ہو۔ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق ہم نے "نماز مدلل" میں بیان کی ہے۔

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعت بھول کر پڑھی صحابی نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی؟ تو آپ نے بعد سلام کے دو سجدے کیے۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر چوتھی رکعت میں قعدہ نہ بیٹھے تو نماز کا اعادہ کرے۔

جواب: میں کہتا ہوں قعدہ اخیرہ بالاجماع فرض ہے۔ اگر چوتھی رکعت میں قعدہ نہ ہو تو ترک فرض لازم آتا ہے جس سے نماز کا اعادہ لازم۔ حدیث مذکور میں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے چوتھی رکعت کا قعدہ ترک کیا اگر اس حدیث میں ترک قعدہ کا ذکر ہوتا تو امام صاحب کا یہ قول کہ نماز کا اعادہ لازم ہے۔ حدیث کے خلاف ہوتا۔ لیکن حدیث تو ساکت ہے صرف ترک کا احتمال ہے اور احتمال سے استدلال تام نہیں ہوتا۔ علامہ عینی حدیث کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ حدیث میں صلی الظهر خمسا کا لفظ ہے اور ظہر نماز کے جمیع ارکان کا نام ہے اور قعدہ آخیرہ بھی رکن ہے جس سے معلوم ہوا کہ قعدہ آخیرہ بیٹھ کر اس کو قعدہ اولیٰ سمجھ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے تھے رکعت سادسہ کا ضم اس لیے نہیں کیا کہ اس کا ضم لازم نہیں وہ بہرحال نفل ہیں اس لیے آپ نے بیانا للجواز ضم کو ترک کیا۔ هذا ملتقط ما افاده الشيخ المحقق في صرح الحماية (التعلیق المجلی)

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے ابن عباس و جابر و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں نقل کی ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا ہے اگر محرم کے پاس تہ بند نہ ہو تو پاجامہ پہن لے۔ نعلین نہ ہوں تو موزے پہن لے۔ ایک روایت میں ہے کہ نعلین نہ ہوں تو موزے ٹخنوں سے نیچے پہنے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ایسا نہ کرے اگر کرے گا تو اس پر دم لازم آئے گا۔

جواب: میں کہتا ہوں امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ضرورت کے وقت بھی ایسا نہ کرے البتہ یہ فرمایا ہے کہ کرے تو دم لازم ہے۔ ابن ابی شیبہ نے جو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں یہ ذکر نہیں کہ اس پر کفارہ بھی نہیں ان میں تو صرف یہی ذکر ہے کہ جو شخص تہ بند نہ پائے تو پاجامہ پہن لے پاپوش نہ پائے تو موزے جو ٹخنوں کے نیچے ہوں وہ پہن لے امام صاحب بھی یہی فرماتے ہیں کہ نہ پائے تو پہن لے پھر ان کا یہ قول حدیث کے برخلاف کیسے ہوا البتہ وہ فرماتے ہیں کہ اس پر دم لازم ہے آپ کا یہ فرمانا کسی حدیث کے خلاف نہیں۔

علامہ علی قاری رحمۃ اللہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

اما قول ابن حجر رحمه الله وعن ابي حنيفة و مالك امتناع لبس السراويل على هيئته مطلقا فغير صحيح عنهما.

کہ ابن حجر نے جو کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک کے نزدیک مطلقاً پاجامہ کو اپنی ہیئت پر پہننا منع ہے یہ ان دونوں اماموں سے صحیح نہیں ہوا یعنی یہ دونوں امام بوقت نہ پائے ازار و نعلین کے پاجامہ و موزہ کا پہننا جائز کہتے ہیں ہاں

موزوں میں اگر قطع ہوتا کہ ٹخنے ننگے ہو جائیں گے اور پاجامہ کو کھول کر ازار بنایا جائے تو اس صورت میں پہن لینے سے کفارہ نہیں اگر موزے قطع نہ کرے اور پاجامہ نہ کھولے اسی طرح بنا بنایا پہنے تو اس پر کفارہ لازم ہے۔

ملا علی قاری مرقاۃ ص ۲۵۴ میں رازی کا قول نقل کرتے ہیں کہ ازار کے نہ پائے جانے کے وقت پاجامہ کا پہن لینا بغیر کھولنے کے جائز ہے اور یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر دم لازم نہیں کیونکہ کبھی وہ کام جو احرام میں ممنوع ہیں بسبب ضرورت کے اس کا ارتکاب جائز ہوتا ہے لیکن کفارہ بھی واجب ہوتا ہے جیسے سر کا منڈانا جب کہ ایذا نہ ہو کفارہ کے ساتھ جائز ہے اسی طرح سلا ہوا کپڑا کسی عذر کے سبب پہننا کفارہ کے ساتھ جائز ہے۔

امام طحاوی یہی حدیثیں نقل کر کے فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ان احادیث کی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص ازار و نعلین نہ پائے وہ پاجامہ و موزہ پہن لے اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ دوسروں نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ ہم بھی بوقت ضرورت پاجامہ و موزہ پہن لینا جائز جانتے ہیں لیکن ہم اس پر کفارہ لازم کرتے ہیں اور ان احادیث میں کفارہ کی نفی نہیں۔ تو ان احادیث میں اور ہمارے قول میں کوئی خلاف نہیں کیونکہ ہم اگر یہ کہیں کہ اگر ازار و نعلین نہ پائے تو بھی پاجامہ و موزے بالکل نہ پہنے تو بے شک ہمارا قول حدیث کے خلاف ہوتا ہے لیکن ہم تو جائز کہتے ہیں جیسے حضور علیہ السلام نے اس کو جائز فرمایا۔ ہم اس پر کفارہ لازم کرتے ہیں جو دوسرے دلائل سے اس کا لزوم ثابت ہے پھر امام طحاوی نے فرمایا کہ یہی قول امام ابوحنیفہ و محمد و ابو یوسف کا ہے انتہی۔

اور یہ بات کہ پاجامہ کا پہننا احرام میں ممنوع ہے حدیث ابن عمر سے ثابت ہے کہ تو احرام کے محظورات میں سے جس کی ضرورت کے وقت اجازت ہوئی ہے کفارہ کے ساتھ ہوئی ہے تو پاجامہ و موزہ کی اجازت بھی کفارہ کے ساتھ ہوگی۔ یا پاجامہ بھی کھولا جائے تو کفارہ لازم نہیں آتا اس میں پاجامہ کو موزوں پر قیاس کیا گیا ہے جس طرح موزوں کے متعلق حدیث ابن عمر میں قطع کا حکم آیا ہے اسی طرح پاجامہ کو ان پر قیاس کر کے اس کی بھی ہیئت بدل کر یعنی کھول کر استعمال کرنے سے کفارہ نہ ہوگا واللہ اعلم۔

اعتراض: ابن ابی شیبہ نے چند حدیثیں جمع بين الصلواتين کے متعلق روایت کر کے فرمایا کہ امام اعظم فرماتے ہیں کہ دو نمازوں میں جمع نہ کیا جائے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے جو فرمایا ہے وہی حق اور صواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا. (پ۵۔ النسآء آیت ۱۰۳)

کہ نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔ نہ وقت کے پہلے صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا بلکہ فرض ہے کہ ہر نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔

۲۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (پ۲۔البقرۃ آیت ۲۳۹)

سب نمازوں کی محافظت کرواور خاص بیچ والی نماز کی محافظت کرو یعنی کوئی نماز اپنے وقت سے ادھرادھر نہ ہونے پائے بیضاوی اور مدارک میں ایسا ہی لکھا ہے۔

۳۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (پ۱۸المؤمنون آیت ۹)

یعنی وہ لوگ کہ اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اس وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچے وارث ہیں جنت کی وراثت پائیں گے۔

۴۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ. (پ۱۶مریم آیت ۵۹)

پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندے جنھوں نے نمازیں ضائع کیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اخروھا عن مواقیتھا وصلوھا لغیر وقتھا.

یہ لوگ جن کی مذمت اس آیت میں ہے وہ ہیں جو نمازوں کو ان کے وقت سے ہٹاتے ہیں۔ اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ومعالم بغوی)

۵۔ امام مالک وابوداؤد ونسائی وابن حبان عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول کریم ﷺ نے: خمس صلوات افترضھن اللہ تعالی من احسن وضوھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن کان لہ علی اللہ عھد ان یغفر لہ ومن لم یفعل فلیس لہ علی اللہ عھد ان شاء غفرلہ وان شاء عذبہ.

پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیں جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر پڑھے اور ان کا رکوع وخشوع پورا کرے اس کے لیے اللہ عزوجل پر عہد ہے کہ اسے بخشدے اور جو ایسا نہ کرے اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر کچھ عہد نہیں چاہے بخشے چاہے عذاب کرے۔

اس حدیث سے وقت کی محافظت اور ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب ہے۔ اس مضمون کی اور بہت احادیث ہیں جو رسالہ ''حاجز البحرین'' مولفہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ من شاء فلینظر ثمہ

۶۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھے ان کا وضو قیام خشوع رکوع سجود پورا کرے وہ نماز سفید روشن ہو کر یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی کرے وہ نماز سفید روشن ہو کر یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی اور جو غیر وقت پر پڑھے اور وضو خشوع رکوع سجود پورا نہ کرے وہ نماز سیاہ

تاریک ہو کر کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا (طبرانی)

نیز کئی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں جس میں حضور علیہ السلام کی پیشن گوئی کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نمازیں پڑھیں گے تم ان کا اتباع نہ کرنا اپنے وقت پر نماز پڑھ لینا۔ اسے مطلق فرمایا سفر حضر کی کوئی تخصیص ارشاد نہ ہوئی۔

۷۔ ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول کریم ﷺ نے:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ ان تؤخر صلوۃ حتی یدخل وقت صلوۃ اخری

کہ سوتے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگتے میں ہے کہ تو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

یہ حدیث نص صریح ہے کہ ایک نماز کی یہاں تک تاخیر کرنا کہ دوسری کا وقت آ جائے گناہ ہے۔

۸۔ عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال مارایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ لغیر میقاتھا الا صلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا.

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور علیہ السلام نے کبھی کوئی نماز اس کے غیر وقت میں پڑھی ہو مگر دو نمازیں کہ ایک ان میں سے نماز مغرب ہے جسے مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھا تھا اور وہاں فجر بھی روز کے معمولی وقت سے پیشتر تاریکی میں پڑھی۔ یہ حدیث بخاری ومسلم ابوداؤد ونسائی میں ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سابقین اولین فی الاسلام تھے اور بوجہ کمال قرب بارگاہ اہلبیت رسالت سے سمجھے جاتے تھے۔ اور سفر حضر میں بستر گستری ومسواک ومطہرہ داری وکشف بردار ی محبوب باری صلی اللہ علیہ وسلم سے معزز وممتاز رہتے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی حضور علیہ السلام کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے غیر وقت میں پڑھی ہو۔ مگر دو نمازیں ایک مغرب جو مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھی۔

(۹)۔ اسی طرح سنن ابوداؤد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سفر میں مغرب وعشاء ملا کر نہیں پڑھی سوائے ایک بار کے۔ وہ ایک بار وہی سفر حجۃ الوداع ہے کہ شب نہم ذی الحجہ مزدلفہ میں جمع فرمائی جس پر سب کا اتفاق ہے۔

(۱۰) مؤطا امام محمد میں ہے:

قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ کتب فی الافاق ینھاھم ان یجمعوا بین الصلوۃ واخبرھم ان الجمع بین الصلوتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر اخبرنا بذلک الثقات عن العلاء بن الحارث عن مکحول.

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے کہ کوئی شخص دو نمازیں جمع نہ

کرنے پائے اور فرمایا کہ ایک وقت میں دو نمازیں ملانا گناہ کبیرہ ہے۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے مسئلہ جمع بین الصلاتین میں حدیث ابن عباس نقل کی ہے جس میں جمع صوری کی تصریح ہے۔ یعنی ایک نماز کو اس کے اخیر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھنا جو صورتاً جمع ہیں اور حقیقتاً اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئی ہیں چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: اظنہ اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء.

شوکانی "نیل الاوطار" میں کہتے ہیں۔

ممـا يـدل عـلـى تـعـين حديث الباب على الجمع الصورى مااخرجه النسائى عن ابن عباس (وذكر لفظة قال) فهذا ابن عباس روى حديث الباب قد صرح بان مارواه من الجمع المذكور هو الجمع الصورى.

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کسی عذر کے سبب جمع صوری منع نہیں۔ امام طحاوی رحمہ اللہ جمع کی کیفیت بیان کرکے لکھتے ہیں۔

وجـمـيـع مـاذهـبـنـا اليـه من كيفية الجمع بين الصلاتين قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد رحمهم الله .

کہ نمازیں جمع کرنے کا یہ طریقہ جو ہم نے اختیار کیا ہے یہ سب امام اعظم وامام ابو یوسف وامام محمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے وہ بھی جمع صوری ہے۔ ابوداؤد وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے ابن ابی شیبہ نے ایک حدیث معاذ بن جبل سے اور ایک جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے غزوہ تبوک میں جمع نمازوں کی نقل کی ہے وہ بھی جمع صوری ہے بلکہ جس قدر حدیثوں میں مطلع جمع بین الصلاتین وارد ہے سب اسی جمع صوری پر محمول ہوں گی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نسبت ابوداؤد میں آیا ہے کہ آپ کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا فرمایا چلو یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی۔ اسی وقت عشاء پڑھی پھر فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔ جیسے میں نے کیا ہے۔ اسی طرح نسائی وصحیح بخاری میں آیا ہے۔ الغرض جمع صوری کے بہت دلائل ہیں۔ جو شخص اس مسئلہ کو مبسوط دیکھنا چاہے وہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کا رسالہ حاجز البحرین" مطالعہ کرے۔ جمع صوری جس کو جمع فعلی کہتے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ بھی اس کی

رخصت دیتے ہیں رد المحتار میں ہے:

للمسافر والمريض تاخير المغرب الجمع بينها وبين العشاء فعلا كما فى الحلية وغيرها اى ان يصلى فى اخروقتها والعشاء فى اول وقتها والعشاء فى اول وقتها۔ نیز کتاب الحجح میں ہے۔

قال ابو حنيفة رحمة الله الجمع بين الصلاتين فى السفر فى الظهر والعصر والمغرب والعشاء سواء يوخر الظهرانظهر الى اخروقتها ثم ويعجل العصر فى اول وقتها فيصلى فى اول وقتها وكذلك المغرب والعشاء يوخر المغرب الىٰ اخروقتها فيصلے قبل ان يغيب الشفق وذالك آخروقتهاويصلى العشاء فى اول وقتها حين يغيب الشفق فهذا الجمع بينهما.

اسی میں ہے۔ قال ابو حنيفة من اراد ان يجمع بين الصلاتين بمطر اوسفرا وغيره فليؤخر الاولى منهما حتىٰ تكون فى آخروقتها ويعجل الثانية حتىٰ يصليها فى اول وقتها فيجمع بينهما فيكون كل واحد منهما فى وقتهما جمع وقتی دو قسم ہے۔ جمع تقدیم یعنی مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اس کے ساتھ ہی عصر یا عشاء پڑھ لینا اس کے متعلق تو کوئی صحیح حدیث نہیں۔ دوسری جمع تاخیر یعنی نماز ظہر یا مغرب کو قصداً یہاں تک دیر کرنا کہ وقت نکل جائے پھر عصر یا عشاء کے وقت دونوں نمازوں کا پڑھنا اس بارے میں جو احادیث آئی ہیں یا تو ان میں صراحتاً جمع صوری مذکور ہے۔ یا مجمل محتمل اسی صریح مفصل پر محمول البتہ عرفہ میں جمع تقدیم اور مزدلفہ میں جمع تاخیر۔ بیشک باتفاق امت جائز ہے۔ اور کسی موقع پر جائز نہیں والبسط فى حاجز البحرين شاء فليظرثم والله اعلم

☆☆☆☆☆

امام اعظم کے حیرت انگیز واقعات

از: مولانا محمد امین قادری صاحب (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیر حقیر نے سوچا کہ امام الائمہ سراج الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی کارناموں کی ایک جھلک ساتھیوں (طلباء) کو بتلائی جائے کیونکہ امام اعظم کے علمی کارناموں کا ہم احاطہ نہیں کر سکتے ان کا علم ان کی قابلیت ان کا تقویٰ ان کی ذہانت' کسی ایک پر بھی گفتگو کی جائے تو ختم نہ ہو۔ امام اعظم دنیا کے تمام علوم پر مہارت رکھتے تھے۔

فقیر اس امر اہم کو محض احب الصالحین ولست منهم لعل الله يرزقني صلاحا سمجھ کر کر رہا ہے اس لئے اگر کہیں نقل میں کوئی سہو یا غلطی واقع ہوگئی ہو تو علمائے کرام اور قارئین امید ہے کہ براہ والا حوصلگی اغماض کو کام فرما کر اس کی گرفت سے ناچیز کو معذور رکھیں گے اور طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنائیں گے۔ ۲۵ صفر المظفر عرس اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ۲۵ حیرت انگیز واقعات پیش خدمت ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نام نعمان والد کا نام ثابت کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے نسلاً عجمی اور اہل فارس ہیں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ تابعی ہیں۔

امام اعظم کے ماننے والوں کی تعداد دنیا میں ۷۵ فیصد سے بھی زیادہ ہے' فقہاء کہتے ہیں کہ فقہ کا کھیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بویا حضرت علقمہ نے اس کو سینچا' ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا' حماد نے اس کو مانڈا' امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کو پیسا' امام محمد نے اس کی روٹیاں پکائیں اور باقی سب اس کے کھانے والے ہیں۔

۱۔ تفسیر کشاف میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ قتادہ تابعی کوفہ میں تشریف لائے اور لوگ ہر طرف سے حلقہ باندھ کر ان سے کسی سوال کے جواب پوچھنے کے منتظر ہوئے۔ آپ نے فرمایا جو دل میں رکھتے ہو پوچھ لو اتفاقاً امام اعظم بھی بحالت صغرسنی وہاں موجود تھے جب لوگوں نے پوچھا کہ چیونٹی کی بات پر حضرت سلیمان علیہ السلام ہنس دیئے تو وہ چیونٹی نرتھی یا مادہ۔ قتادہ نے فرمایا کہ آپ نے کس طرح معلوم کیا کہ مادہ تھی امام اعظم نے آیت قَالَتْ نَمْلَةٌ پڑھ کر ان کو تسلی دی۔

۲۔ تاریخ خلکان میں لکھا ہے کہ ربیع مصاحب خلیفہ منصور کو امام اعظم سے خفیہ عداوت تھی' ایک دن امام کے سامنے منصور سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ تمہارے چچا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں اور ان کے قول کے خلاف حکم دیتے ہیں یعنی اگر کوئی قسم کھا کر دو' تین روز کے بعد بھی ان شاء اللہ کہے تو تیرے دادا کے نزدیک اس کا استثناء صحیح ہوتا ہے اور ابوحنیفہ اس کو نادرست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استثناء متصل چاہئے ورنہ درست نہ

ہوگا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ اے خلیفہ ربیع کہتا ہے کہ آپکے فوجیوں کی بیعت آپکے ہاتھ پر درست نہیں ہوتی' پوچھا کس طرح؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس جگہ قسم کھا کر بیعت کر لی پھر گھر میں جا کر ان شاء اللہ کہہ کر بیعت کو توڑ دیا۔ منصور نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور ربیع سے کہا کہ تو امام ابوحنیفہ سے معترض مت ہو' جب دربار سے باہر نکلے تو راستہ میں ربیع نے امام سے کہا کہ آج تو آپ نے گویا مجھے قتل ہی کرا دیا تھا۔ امام نے فرمایا نہیں بلکہ تو نے میری قتل کی سعی کی تھی مگر میں نے تجھ کو اور اپنے کو بچا لیا۔

۳۔ روض الفائق میں لکھا ہے کہ ایک عورت مسجد میں آئی اور ایک سیب کو جس کا نصف سرخ اور نصف زرد تھا' امام صاحب کے آگے رکھ دیا امام صاحب نے اس کو دو پارہ کر کے اس کے حوالہ کر دیا' جب عورت چلی گئی تو امام صاحب سے آپ کے یاروں نے اس معاملہ کا مطلب پوچھا' آپ نے فرمایا کہ اس عورت کو حیض کا خون کبھی سرخ' کبھی زرد آتا ہے اس لئے طہر کو مجھ سے پوچھا میں نے اس کو سیب کی اندرونی سفیدی سے جواب دیا یعنی جب تک پانی سفید نہ آئے طہر نہیں ہوتا۔

۴۔ روض الفائق میں ہے کہ ایک دن امام اعظم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک چند خارجی مسلح ظاہر ہوئے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ ہم تم سے دو باتیں پوچھتے ہیں اگر جواب نہ دو گے تو آپ کے دو ٹکڑے کر دیں گے' آپ نے فرمایا کہ تلواروں کو میان میں کر لو میں تمہیں جواب دونگا' انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری گردن کے چمڑے سے میان بنانا ثواب عظیم جانتے ہیں' تلواروں کو میان میں کس طرح کریں؟ آپ نے فرمایا کہ خیر کہو کیا کہتے ہو؟ کہا کہ دو آدمی کے جنازے کے حق میں جن میں سے ایک شراب کے نشہ میں اور دوسری عورت استقاط حمل حرام کے وقت میں مر گئے ہیں اور ان کو توبہ نصیب نہیں ہوئی' کیا کہتے ہو؟ چونکہ خارجیوں کے مذہب میں گناہ کرنے پر آدمی کافر ہو جاتا ہے اور امام صاحب کے مذہب میں کافر نہیں ہوتا ہے اس لئے انہوں نے سوچا کہ امام صاحب ضرور اپنے مذہب کے مطابق ان کو مؤمن کہیں گے اور ہم اس حیلہ سے فساد کر دیں گے (اللہ اکبر) امام صاحب نے فرمایا کہ وہ دونوں کس قوم سے تھے آیا یہود سے؟ کہا نہیں فرمایا نصاریٰ سے؟ کہا نہیں فرمایا مجوس سے؟ کہا نہیں فرمایا کیا بت پرست میں سے؟ کہا نہیں' فرمایا پھر کس قوم میں سے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں میں سے تھے' فرمایا پس تم نے خود ہی جواب دے دیا ہے' میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا کہ کس طرح؟ فرمایا کہ جب تم نے خود اقرار کیا کہ وہ مسلمان میں سے تھے تو پھر کافر کس طرح ہوں گے؟ اس پر تمام خارجی امام صاحب **کا** جواب سن کر اپنے مذہب سے تائب ہوئے۔

۵۔ تفسیر حسینی میں زیر آیت وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ کے لکھا ہے کہ کسی نے امام اعظم کو طمانچہ مارا' آپ نے فرمایا کہ میں بھی تجھ کو طمانچہ مار سکتا ہوں لیکن نہیں مارتا اور خلیفہ سے تیری شکایت کرنے پر قادر ہوں مگر نہیں کرتا اور صبح کے وقت تیرے ظلم سے خدا کے آگے فریاد کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا اور قیامت کو تجھ سے خصومت کر کے داد لے سکتا ہوں مگر یہ بھی

نہیں کرتا بلکہ اگر مجھ کو قیامت کے روز دستگاری حاصل ہوا اور میری سفارش قبول ہو تو بغیر تیرے جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔

۶۔معدن میں لکھا ہے کہ امام اعظم سے ایک عالم نے پوچھا کہ آپ بھی اپنے اجتہاد پر پشیمان بھی ہوئے ہیں۔فرمایا ہاں ایک دفعہ جب لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ ایک حاملہ عورت مرگئی ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے کیا کیا جائے تو میں نے ان کو کہا کہ عورت کا شکم چاک کر کے بچہ نکال لو پھر میں نے افسوس کیا کہ میں نے مردہ کو ایسی تکلیف دینے کا حکم دیا اور میں نہیں جانتا کہ وہ بچہ زندہ باہر نکلا یا مردہ؟ عالم مذکور نے کہا کہ اے امام یہ جگہ افسوس کی نہیں ہے بلکہ فضل خدا تمہارے شامل حال ہے کہ وہ بچہ میں ہی ہوں اور آپکے اجتہاد کی برکت سے زندہ نکل کر اس مرتبہ کو پہنچا ہوں۔

۷۔الخیرات الحسان میں لکھا ہے حماد بن ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ایک دن امام صاحب مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک بڑا سانپ چھت سے گر کر ان کی گود میں آ پڑا مگر قسم خدا کی کہ آپ نے اس جگہ سے ذرا بھی حرکت نہ کی اور لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا کہہ کر سانپ کو ہاتھ سے پکڑ کر ہٹا دیا۔

۸۔الخیرات الحسان میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی پاگل بیوی سے کوئی بات کہی تو اس نے غصہ میں کہا کہ اے دوزانیوں کے بیٹے۔تو اس کی شکایت قاضی ابن ابی لیلٰی سے کی گئی تو انہوں نے اس پر دو حدیں مسجد میں کھڑی کر کے لگائیں تو امام صاحب نے فرمایا کہ اس میں قاضی ابن ابی لیلٰی نے چھ غلطیاں کی ہیں۔

۱)......دیوانی پر حد قائم کی۔

۲)......مسجد میں قائم کی۔

۳)......عورت پر کھڑی کر کے حد جاری کی حالانکہ عورت کو بٹھا کر حد جاری کی جاتی ہے۔

۴)......ایک کلمہ سے ایک ہی حد جاری کی جاسکتی ہے اگر چہ ایک کلمہ سے ایک جماعت کو تہمت کیوں نہ لگائی ہو۔

۵)......انہوں نے حد لگائی حالانکہ حق ماں باپ کا ہے جو غائب ہیں۔

۶)......پہلی حد سے بری ہونے سے قبل دوسری حد لگائی۔

۹۔منصور کے درباریوں میں ایک صاحب جن کا نام ابوالعباس طوسی تھا۔امام صاحب سے حسد کرتا تھا ایک روز جب خلیفہ منصور کا دربار لگا ہوا تھا تو اس حاسد نے موقع غنیمت سمجھتے ہوئے بر سر دربار امام صاحب سے مسئلہ پوچھا کہ اے ابوحنیفہ! یہ بتایئے اگر امیر المومنین ہم میں سے کسی کو حکم دیں کہ فلاں آدمی کی گردن ماردو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کا قصور کیا ہے تو ہمارے لئے اس کی گردن مارنا جائز ہوگی؟

امام صاحب نے ابوالعباس سے برجستہ فرمایا کہ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ امیر صحیح حکم دیتے ہیں یا غلط؟ تو جواب دیا صحیح حکم دیتے ہیں اس پر امام صاحب نے فرمایا حکم نافذ کرنے میں تردد کی گنجائش کیا ہے۔ابوالعباس یہ جواب سن کر

شرمندہ ہوئے۔

۱۰۔الخیرات الحسان میں ہے کہ ایک شخص جو آپ کو ناپسند کرتا تھا آپ سے اس نے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

۱۔جو نہ تو جنت کی امید رکھتا ہو۔

۲۔نہ ہی جہنم سے ڈرتا ہے۔

۳۔مردار کھاتا ہے۔

۴۔نماز بلا رکوع وسجود کے پڑھتا ہے۔

۵۔بلا دیکھے گواہی دیتا ہے۔

۶۔حق سے دشمنی رکھتا ہے۔

۷۔فتنہ کو پسند کرتا ہے۔

۸۔رحمت سے بھاگتا ہے۔

۹۔یہود ونصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

آپ نے فرمایا تجھے اس کا علم ہے؟ اس نے کہا نہیں۔لیکن میرے نزدیک اس سے زائد بری کوئی چیز نہیں۔تو امام صاحب نے اپنے اصحاب سے کہا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو۔انہوں نے کہا کہ یہ بڑا شخص ہے یہ صفت کافر کی ہے۔تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ یہ اللہ کے سچے اولیاء سے ہے پھر آپ نے اس شخص سے کہا اگر میں تمہیں اس کے بارے میں یہ بتاؤں کہ وہ ایسا ہے (ولی) تو تو اپنی زبان کو مجھ سے روک لے گا؟ اور کراماً کاتبین سے ضرر دینے والی چیز سے روک لے گا اس نے کہا۔تو آپ نے فرمایا (اوپر کی ترتیب سے جواب دیئے)

۱۔وہ جنت کے رب کی تمنا کرتا ہے۔

۲۔وہ جہنم کے رب سے ڈرتا ہے۔

۳۔مردہ مچھلی کھاتا ہے۔

۴۔نماز جنازہ پڑھتا ہے۔

۵۔بلا دیکھے گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

۶۔وہ حق یعنی موت کو ناپسند کرتا ہے تا کہ اللہ کی اطاعت کرے۔

۷۔فتنہ مال اور اولاد ہے۔

۸۔رحمت سے بھاگتا یعنی بارش ہے۔

۹۔ یہودی اس بات میں تصدیق کرتا ہے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کی اس چیز میں تصدیق کرتا ہے کہ یہودی کسی چیز پر نہیں۔

یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور اس نے آپ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں۔

۱۱۔ ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں اپنی بیوی سے اس وقت تک گفتگو نہ کرونگا جب تک کہ وہ مجھ سے گفتگو نہ کرے اور اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ مجھ سے گفتگو نہ کریگی جب تک کہ میں اس سے گفتگو نہ کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی حانث نہ ہوا۔ جب سفیان ثوری کو اس کی اطلاع ملی تو غصہ میں آئے اور فرمایا کہ کیا تم شرمگاہوں کو مباح کرتے ہو؟ تم نے یہ جواب کیسے دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مرد کے قسم کھانے کے بعد جب عورت نے اس کو مخاطب کر کے قسم کھائی تو وہ بات کرنے والی ہوئی اور اب مرد کی قسم ساقط ہوگئی تو اب اگر وہ اس سے بات چیت کرے تو حانث نہ ہوگا اور وہ بھی حانث نہ ہوگی کیونکہ اس عورت نے اس مرد سے بات کی اور اس مرد نے قسم کے بعد اس سے گفتگو کی تو دونوں سے قسم ساقط ہوئی۔ تو سفیان بولے کہ آپ پر وہ علوم منکشف ہوئے ہیں جن سے ہم سراسر غافل ہیں۔

۱۲۔ ایک آدمی اپنا مال کہیں دفن کر کے بھول گیا تو آپ کی خدمت میں آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ یہ فقہ کا مسئلہ نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تمہارے لئے کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ جاؤ رات سے صبح تک نماز پڑھتے رہو ابھی چوتھائی رات بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ اس کو یاد آ گیا اس نے آکر آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ شیطان تجھ کو ہرگز رات بھر نماز پڑھنے نہ دے گا حدیث میں ہے بندہ جب نماز پڑھتا تو شیطان آکر اسے پچھلی باتیں یاد دلاتا ہے (بخاری) تو نے تمام رات نماز کیوں نہ پڑھی کہ اللہ کا شکر ادا کرتا۔

۱۳۔ ایک شخص نے امام صاحب سے یہ سوال کیا میرے پاس بہت مال ہے اور ایک لڑکا بھی ہے۔ میں اس کی جب بھی شادی کرتا ہوں تو اس پر مال خرچ کرتا ہوں لیکن وہ اس کو طلاق دیتا ہے۔ اس طرح میرا مال ضائع ہو جاتا ہے تو آیا کوئی حیلہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم بردہ فروشوں کے بازار میں جاؤ اس لڑکے کے ساتھ جس لونڈی کو پسند کرے خرید لو اور پھر اس کے نکاح میں دے دو اب اگر یہ طلاق بھی دے گا تو پھر بھی تمہاری ملک سے نہیں نکلے گی اور آزاد کرے گا تو اس کا آزاد کرنا معتبر نہ ہوگا۔

۱۴۔ آپ کے ایک پڑوسی کا پالتو مور چوری ہو گیا تو اس نے آپ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل خاموش رہو پھر صبح کو مسجد میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس شخص کو شرم نہیں آتی ہے جو اپنے پڑوسی کا مور چرا کر پھر نماز پڑھنے آتا ہے اور اس کے سر میں اس کے مور کا پر لگا ہوا ہے تو ایک شخص اپنا سر صاف کرنے لگا آپ نے فرمایا او میاں اس شخص کا مور واپس کر دو چنانچہ اس نے واپس کر دیا۔

۱۵۔ امام اعمش اپنی تیز طبع کی وجہ سے امام صاحب سے لڑتے رہتے۔ ان کے ساتھ یہ واقعہ درپیش ہوا کہ

انہوں نے یہ قسم کھائی کہ اگر انکی بیوی نے ان کو آٹے کے ختم ہونے کی خبر دی یا اس کو لکھا یا پیغام بھیجا تو اسے طلاق ہے اب وہ اس معاملہ میں حیران ہو گئے انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ تم امام اعظم ابوحنیفہ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ آئیں اور تمام واقعہ سنایا آپ نے فرمایا کہ جب آٹے کا تھیلہ خالی ہو جائے تو تم اس کو سوتے میں ان کے کپڑوں سے باندھ دینا اب جب وہ بیدار ہوں گے تو ان کو آٹے کے ختم ہونے کی خبر ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ان کو آٹے کے ختم ہونے کی اطلاع ہوگئی۔ اس پر اعمش نے کہا بخدا یہ ابوحنیفہ کی تدبیر ہے جب تک یہ زندہ ہیں ہم کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں، یہ ہمیں ہماری بیویوں کے سامنے شرمندہ کر دیتے ہیں اور ہماری کم فہمی کو ظاہر کرتے ہیں۔

۱۶۔ خارجی جب کوفہ میں داخل ہوئے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اپنے ہر مخالف کی تکفیر کرتے تھے۔ کیونکہ خارجیوں کے نزدیک گناہ کرنے سے کافر ہو جاتا ہے تو ان سے ابوحنیفہ کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ان کے (اہلسنت والجماعت کے) شیخ ہیں، چنانچہ انہوں نے ان کو بلوایا اور کہا کہ کفر سے توبہ کریں تو آپ نے فرمایا کہ میں ہر کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ تو کسی نے خارجیوں کو بتایا کہ یہ کہتے ہیں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپکو دوبارہ پکڑ لیا تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم یہ بات یقین سے کہہ رہے ہو یا ظن سے۔ انہوں نے کہا کہ ظن سے تو آپ نے فرمایا کہ بعض گمان گناہ ہیں اور گناہ تمہارے نزدیک کفر ہے لہذا تم کفر سے توبہ کرو۔

۱۷۔ آپ مدینہ منورہ میں محمد بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی نے میرے نانا کی احادیث کی خلاف ورزی کی ہے محض اپنی رائے اور قیاس سے؟ تو آپ نے عرض کی آپ تشریف رکھئے کہ میرے نزدیک آپکی عزت آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی مانند ہے وہ تشریف فرما ہوئے اور امام صاحب ان کے سامنے دوزانوں بیٹھ گئے پھر پوچھا کہ یہ بتایئے کہ مرد کمزور ہے یا عورت تو انہوں نے فرمایا کہ عورت کمزور ہے آپ نے دریافت کیا کہ عورت کا میراث میں حصہ کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ مرد کے حصے سے آدھا ہے آپ نے فرمایا اگر میں رائے سے کہتا تو اس کے برعکس ہوتا پھر آپ نے دریافت کیا کہ یہ بتایئے کہ نماز افضل ہے یا روزہ (فرضیت میں برابر ہیں) انہوں نے جواب دیا کہ نماز۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رائے سے فتویٰ دیتا تو حائضہ کو نماز کی قضاء کا حکم دیتا نہ کہ روزوں کی قضاء کا بخدا میں خلاف حدیث کچھ کہوں بلکہ میں حضور ﷺ کے قول کا خادم ہوں تو محمد بن حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

۱۸۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کی بیوی سیڑھی پر کھڑی تھی۔ (سیڑھی لکڑیوں کی تھی) تو شوہر نے کہا اگر تو چڑھی تو تجھے طلاق اور اگر تو اتری تو تجھے طلاق ہے تو اب شرعی طور پر کیا حیلہ ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس عورت سمیت سیڑھی اٹھا کر زمین پر رکھ دی جائے۔

۱۹۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے بارے میں جس کی بیوی کے ہاتھ میں پانی کا پیالہ ہو اور وہ کہہ دے

کھا کر تو نے پیا یا بہایا یا کسی کو دیا تو تجھے طلاق ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی کپڑا ڈال کر اس کو جذب کر دے۔

۲۰۔ ایک شخص نے بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ کیا تو امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ بیت اللہ شریف پر جب پہلی نظر پڑنے پر دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے تو میں کونسی دعا کروں تو امام صاحب نے فرمایا کہ اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کرو اگر یہ دعا قبول ہوگئی تو پھر دعا کوئی ایسی باقی نہ رہے گی جو قبول نہ ہو۔

۲۱۔ ایک مرتبہ اپنے شریک کے پاس تجارت کے لئے کپڑے کے تھان بھیجے جس میں سے ایک تھان میں کوئی عیب تھا آپ نے اپنے شریک سے کہا کہ جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب بیان کر دینا شریک نے اس تھان کو فروخت کر دیا اور گاہک سے اس کا عیب بتانا بھول گیا اور بعد میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس شخص کے ہاتھ وہ تھان فروخت کیا تھا امام صاحب کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس پورے دن کی کمائی میں ہزار درھم کو صدقہ کر دیا۔

۲۲۔ ایک مرتبہ کوفہ کی بھیڑ بکریاں مغضوبہ (غصب کی گئی) دوسری بھیڑ بکریوں میں مل گئیں تو آپ نے دریافت کیا کہ بکری کتنی مدت تک زندہ رہتی ہے لوگوں نے کہا سات سال تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھایا اور انہیں دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھایا اور اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو مچھلی کی عمر کے بارے میں دریافت کیا تو جواب ملا کہ اتنے اتنے سال زندہ رہتی ہے تو اس مدت تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔

۲۳۔ ضحاک خارجیوں کا سردار تھا بنوامیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا توبہ کرو امام صاحب نے پوچھا کس بات سے؟ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ (حضرت) علی رضی اللہ عنہ نے (حضرت) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جھگڑے میں ثالث مان لی تھی امام صاحب نے فرمایا اگر میرے اور تمہارے درمیان بحث آپس میں طے نہ ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں تاکہ وہ دونوں فریق کی صحت وغلطی کا تصفیہ کرے امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیسا ضحاک دم بخود چلا گیا۔

۲۴۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مالک یوم الدین کی تفسیر کی فصل رابع میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہ کا ایک مجوسی پر کچھ قرضہ تھا ایک دن آپ اس کے گھر میں مطالبہ کے لئے گئے' جب اس کے مکان کے دروازے کے پاس پہنچے تو آپ کے جوتے کو اتفاقاً کچھ نجاست لگ گئی۔ اس پر آپ نے جوتی کو جو جھاڑا تو اس سے کچھ نجاست اڑ کر مجوسی مذکور کی دیوار سے لگ گئی۔ اس پر آپ بڑے حیران ہوئے اور دل میں کہا کہ اگر میں اس نجاست کو اسی طرح رہنے دیتا ہوں تو یہ دیوار قبیح ہو جائے گی اور اگر اس کو چھیلتا ہوں تو اس سے دیوار کی مٹی گر پڑے گی اور اس سے مالک مکان کا نقصان ہے پس آپ نے مجوسی کے دروازہ کو کھٹکھٹایا جس پر ایک لونڈی باہر آئی' آپ نے اس کو کہا کہ اپنے مالک کو خبر کر کہ ابوحنیفہ دروازے پر کھڑا ہے' لونڈی کے کہنے پر مجوسی گھر سے باہر نکلا اور اس نے یہ خیال کر کے شاید مجھ

سے مال کا مطالبہ کریں گے' عذر کرنا شروع کیا آپ نے اس سے دیوار کی نجاست کا قضیہ بیان کر کے فرمایا کہ اب کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ تمہاری دیوار صاف ہو جائے مجوسی نے امام کا یہ ورع وتقویٰ دیکھ کر اسی وقت دین اسلام کو قبول کر لیا۔

۲۵۔ ایک شخص نے قسم کھائی کہ رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرونگا اب اگر جماع کرتا ہے تو روزہ توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور گناہ ہے اور اگر جماع نہیں کرتا تو حانث ہوتا ہے۔ بہت سوں کے پاس یہ مسئلہ لایا گیا مگر جواب کہیں سے بھی نہیں ملا جب امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس مسئلہ رکھا گیا تو فوراً حل کر دیا فرمایا مرد عورت کے ساتھ رمضان کے دن میں سفر کرے اور اپنی قسم پوری کرے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔

الحمد للہ یہ ۲۵ کا عدد پورا ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ قبول فرمائے اور اس کا ثواب اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مفتی احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆☆☆

فقہ حنفی کی افادیت

از: مولانا بابر رحمانی القادری

فقہ کی مختصر تاریخ: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے۔ یہ واجب ہے' یہ مستحب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہما فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی اسی طرح پڑھ لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ "میں نے کسی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا۔ لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔" البتہ جو واقعات غیر معمولی طور پر پیش آتے تھے ان میں لوگ رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کرتے اور آپ جواب دیتے۔

حضور سید العالمین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔

مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا، اب بحث پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہیں" اس بحث کے پیدا ہونے کے بعد یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر افعال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کرام کو تفریق کرنی پڑتی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں، کتنے مسنون و مستحب، اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کرام کا متفق ہونا ممکن نہ تھا، اس لیے مسائل میں صحابہ کرام کی مختلف آراء قائم ہوئیں، بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کا عین واثر بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کرام کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع، حمل النظیر علی النظیر، قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان کے اصول کے طریقے یکساں نہ تھے، اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ کرام ہی کے زمانے میں احکام و مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے۔

تدوین فقہ حنفی کے اسباب: یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تدوین فقہ کا خیال تقریباً ۱۲۵ھ میں پیدا ہوا یعنی جب آپ کے استاد امام حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام کا

تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا۔ عبادات و معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جا رہے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کا کام نہیں چل سکتا تھا۔ نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی، ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دے کر ایک فن بنایا جائے۔

یوں تو قرون سابقہ میں کثیر التعداد مجتہد ہوئے مثلاً آئمہ اربعہ کے علاوہ امام سفیان ثوری، امام ابواللیث، امام اعمش، امام شعبی، امام عبدالرحمٰن اوزاعی، امام سفیان بن عیینہ اور امام اسحاق وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) لیکن یہ شرف صرف آئمہ اربعہ کے حصہ میں آیا کہ ان کے مذاہب مدون طور پر اب تک موجود ہیں اور ان کے متبعین اکناف عالم میں کسی نہ کسی جگہ پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے اہل علم نے فرقہ ناجیہ اہلسنت کو اس دور میں مذاہب اربعہ میں منحصر قرار دیا ہے۔

تاہم امام الائمہ، سراج الامہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت تمام آئمہ میں ارفع و اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد وجوہ سے دیگر آئمہ مجتہدین پر فضیلت و شرافت رکھتے ہیں۔ ذیل میں ہم صرف ایک وجہ بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام صاحب کے دریائے علم سے سیراب ہو کر ان گنت علماء دین کے مقتدا بنے حقیقت نفس الامر تو یہ ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے باقی تینوں امام آپ کے فیض یافتہ ہیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ براہ راست آپ کے شاگرد ہیں۔ اسی لیے امام مالک آپ کی حد درجہ تعظیم کرتے اور امام اعظم کے فیض یافتہ ہیں، خود فرماتے ہیں۔ "بخدا! میں امام محمد بن حسن کی کتابوں سے ہی فقیہ بنا ہوں۔ (در مختار بر حاشیہ رد المحتار ج ۸ ص ۴۸)"

امام احمد بن حنبل تو امام شافعی کے شاگرد ہیں اس لحاظ سے وہ بھی امام اعظم کے سلسلہ تلامذہ میں منسلک ہیں۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۲)

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں اور مختصراً فقہ حنفی کی خصوصیت تحریر کرتے ہیں۔

خصوصیت فقہ حنفی: ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن آئمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے۔

باب الطہارت فرائض وضو: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں امام شافعی علیہ الرحمہ دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی نیت اور ترتیب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے ان کے موالاۃ کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا فرض ہے اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔

امام اعظم کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار چیزوں کا حکم مذکور ہے اس لیے جو چیزیں ان احکام کے علاوہ ہیں پس پردہ فرض نہیں ہوسکتیں۔

نیت وموالاۃ وتسمیہ کا تو آیت میں کہیں وجود نہیں، ترتیب کا گمان البتہ واؤ حرف عطف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علماء عربیت نے طے کردیا ہے کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں ہے۔

عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا: امام اعظم کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا۔ (پ ۲ النساء آیت ۲)

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ (کنز الایمان)

امام اعظم فرماتے ہیں "عورت کے لمس سے جماع ومقاربت مراد ہے اور قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحا تعبیر نہیں کرتا۔"

لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا عام معنی لفظ "مس" جس کے معنی چھونے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "مالم تمسوھن" جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامست کے ظاہری معنی لینا ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہوسکتی۔ اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اس کو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی ناہموار زمین سے ہوکر آئے اس پر وضو کرنا واجب ہے۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں: امام اعظم کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہوسکتے ہیں۔ امام مالک وامام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے، امام اعظم کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کے لیے ہے وہ تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لیے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم جو اس کا قائم مقام ہے اس کی بھی تجدید کی ضرورت نہیں۔

متیمم کا اثنائے نماز میں پانی پر قادر ہونا: امام اعظم کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی مل جائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک واحمد بن حنبل اس کے مخالف ہیں۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ قرآن کریم میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً جب پانی نہ ملے" مذکورہ صورت میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہ رہا۔

مقتدی کو قراءت فاتحہ ضروری نہیں: امام اعظم کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قراءت فاتحہ ضروری نہیں، امام شافعی وامام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ امام اعظم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (پ ۹ الاعراف، آیت ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ (کنز الایمان)

اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قرأت کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاص جہری نماز کے لیے تو یہ نص قطعی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسی صاف اور صریح آیت کے مقابلے میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجے کی وجوب قرأت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرأت میں بھی ہیں۔

نکاح وطلاق: نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض میں مجتہدین مختلف الآراء ہیں۔ ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک عورت بالغہ وعاقلہ کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کرسکتی۔

امام ابوحنیفہ اعظم کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی مختار ہے امام اعظم قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔

(پ ۲ البقرہ آیت ۲۳۲)

ترجمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد پوری ہوجائے تو اے عورتوں کے والیو! انہیں نہ روکو اس سے کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں۔ (کنز الایمان)

امام شافعی کہتے ہیں کہ "تَعْضُلُوْهُنَّ" میں اولیائے نکاح سے خطاب ہے۔

اول ہم کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ "طلقتم" میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جب یہ مسلم ہے تو یہ بھی ضروری ہونا چاہیے کہ "تَعْضُلُوْهُنَّ" میں بھی ان ہی (شوہروں) کی طرف خطاب ہو۔ ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا۔

"اے شوہرو! جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو "اے نکاح کے اولیاء" تو ان عورتوں کو

نکاح سے نہ روکو"

اس عبارت کی بے ربطی میں کون شبہ کرسکتا ہے؟ یعنی شرط میں تو شوہروں سے خطاب ہو اور جزا میں ان سے کچھ واسطہ نہ رہے اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے۔

اب ہم اس آیت کا صحیح معنی بیان کرتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ یہ عورت اس کی ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کی آغوش میں نہ جانے پائے اس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہ کرنے دیتے تھے۔ اس بڑی رسم کو اللہ تعالیٰ نے مٹایا اور یہ آیت نازل فرمائی، جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ۔

"اے شوہرو! جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ شوہروں سے (یعنی جن کو وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں۔"

امام اعظم نے اس آیت کے یہی معنی لیے ہیں اور اس سے استدلال فرماتے ہیں کہ عورتیں نکاح کے معاملے میں خود مختار ہیں۔

اس استدلال کی زیادہ تائید "یَنْکِحْنَ" کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ اولیائے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاقوں کا ہے اس قدر تو چاروں آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بار تین طلاقیں دے تو تین ہی واقع ہوں گی اور تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے۔ امام اعظم کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے۔ امام اعظم کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا جو طریقہ بتادیا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ (پ۲ البقرۃ آیت نمبر ۲۲۹)

ترجمہ: یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی (اچھے سلوک) کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (کنزالایمان)

پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا ہے۔ صرف وہی طریقہ شرعی طلاق کا ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ امام اعظم کے قول پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "اگر ایک بار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اس کے نفاذ کے کیا معنی، حالانکہ نفاذ سے امام اعظم کو بھی انکار نہیں (یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دے تو اگرچہ ایسا کرنا بمطابق قرآن صحیح نہیں لیکن تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور رجعت نہ ہوسکے گی) اس کا جواب ایک بڑی

نازک بحث پرمبنی ہے۔ جس کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا اور چیز ہے اور اس کا نافذ کرنا شئی دیگر، (یعنی ایک اگرچہ حرام ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اگر وہ اس کو کر ڈالے تو وہ ہوگا ہی نہیں۔)

دوسری خصوصیت، فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا: فقہ حنفی کی دوسری خصوصیت بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہوتا ہے۔ قرآن واحادیث مبارکہ بھی ہمیں دین میں آسانی رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔

تاہم اصل مدعا کا ثبوت اس کلام سے ہوتا ہے کہ عبادات و معاملات کا کوئی باب، کوئی فصل لے لیجئے۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام اعظم کے مسائل ایسے آسان ونرم ہیں جو شریعت کی شان ہیں۔

بخلاف اس کے اور آئمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں، چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات بطور مثال یہاں لکھتے ہیں۔

سرقہ (چوری) کے احکام: اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے، لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قید لگائی ہیں۔ جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کے جزئیات سے معلوم ہوگا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا مذہب کس قدر آسان اور تمدن وشائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

۱۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے۔

۱۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک اشرفی کا ربع

۲۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا عمل دخل ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

۲۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۳۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک نادان بچہ پر قطع ید نہیں۔

۳۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک امام مالک کے نزدیک ہے۔

۴۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفن چور پر قطع ید نہیں۔

۴۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اور آئمہ کے نزدیک ہے۔

۵۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔

۵۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اور آئمہ کے نزدیک ہے۔

۶۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں۔

۶۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک امام شافعی و امام مالک کے نزدیک ہے۔

۷۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک لکڑی یا جو چیز جلد خراب ہو جاتی ہیں ان کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔

ہے۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اور آئمہ کے نزدیک لازم ہے۔

یہ اور اس جیسی کئی مثالیں کتب فقہ میں اس بات کی بین دلیل ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے احکام آسان اور یسیرالتعمیل ہیں۔

☆ تیسری فقہ حنفی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ احتیاط ہے مثلاً امام اعظم فرماتے ہیں کہ شیرخوار بچہ مدت رضاعت کے دوران ایک قطرہ بھی کسی عورت کا دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی، جب کہ امام شافعی اور دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ پانچ قطرے پینے کے بعد رضاعت ثابت ہوگی۔

☆ چوتھی خصوصیت اس فقہ کی یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد اور مختلف احادیث وارد ہوں تو باقی آئمہ کسی ایک حدیث پر عمل کر کے باقی احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں، اور جب کہ امام ابوحنیفہ ان مختلف احادیث میں تطبیق دے کر سب حدیثوں پر عمل کرتے ہیں مثلاً بعض احادیث میں ہے کہ جس کو نماز کی رکعت میں تردد اور شک ہو وہ نماز دوبارہ پڑھے، بعض میں ہے غور کرے، اور جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کرے اور بعض میں ہے کہ جب مثلاً دو اور تین رکعت میں شک ہو تو ان کو دو رکعت (یعنی کم ازکم رکعات جو یقین ہیں) قرار دے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں ایسا شخص ہمیشہ کم والی جانب کو اختیار کرے۔ کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا کسی نے دوسری پر اور کسی نے تیسری پر، امام اعظم نے فرمایا اگر پہلی بار شک واقع ہوتا ہے تو غور کرے، اگر غور کرنے سے کوئی جانب ترجیح پا جائے تو اس پر عمل کرے ورنہ جتنی رکعات کم ازکم ہیں اتنی رکعات تو قرار دے۔

☆ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ فقہ حنفی میں دستوری اساس بننے کی صلاحیت باقی آئمہ کی فقہ سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی صدیوں تک اسلامی مملکتوں کا قانون اور دستور رہی مثلاً سلطنت بنوعباس جو دنیا کے تین بر اعظموں افریقہ، یورپ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی اس کا دستور اور قانون یہی فقہ حنفی تھی۔ اس کے بعد صدیوں تک سلطنت عثمانیہ کا دستور یہی فقہ رہی، برصغیر میں افغانستان، ماوراءالنہر، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی ریاستوں میں اسی فقہ کا قانون چلتا تھا۔ فقہ حنفی کے پیروکار ہر عہد میں مسلمانوں کی دوتہائی سے زیادہ اور غالب اکثریت میں رہے ہیں۔

المختصر عالم اسلام کے مسلم رہنما جنہیں بارگاہ رسالت ﷺ سے عظیم بشارتیں عطا ہوئیں۔ آئمہ اسلام نے جنہیں اپنا مقتدا مانا، امام مالک جن کے مداح ہیں امام شافعی جن کی قبر انور سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف، زفر اور امام محمد جن کے خوشہ چین ہیں۔ غزالی جن کے ثناء خواں ہیں، رازی جن کے سامنے طفل مکتب ہیں۔ دنیائے اسلام کی اکثریت جن کی پیروکار ہے۔ ابن ہمام، برہان الدین مرغینانی اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی جن کے مقلد ہیں، اس امام جلیل کی بارگاہ میں جس قدر ہدیہ سلام پیش کیا جائے کم ہے۔

مولائے کریم ان کے مزار پُرنوار پر گلہائے رحمت کی بارش فرمائے اور ان کا گلستان علم روز افزوں ترقی کرتا رہے۔ (آمین ثم آمین)

فقہ حنفی اور ردِ غیر مقلدین

از: مولانا ابوظفر سید مظفر حسین شاہ (کراچی)

احکام شریعت دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن کا حکم قرآن و حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے اور دوسرے وہ احکام جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ملتی، ایسے موقعوں پر مسائل منصوصہ (جو واضح طور پر مذکور ہیں) پر اجتہاداً منطبق کیا جاتا ہے اور اجتہاد سے مراد وہ کوشش ہے جو احکام کا علم شرعی دلائل سے حاصل کرنے کے لیے کی جائے۔

فقہ کے لغوی معنی سمجھ و دانش اور علم و فہم کے ہیں اور یہی معنی قرآنی آیت میں مستعمل ہے۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ (پ ۱۰، التوبۃ آیت ۸۷)

ترجمہ: اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ (کنزالایمان)

اور اصطلاح شریعت میں فقہ ایک خاص علم و فن کا نام ہے جس میں کتاب و سنت سے مسائل کا استخراج کیا جاتا ہے۔ فقہاء کرام قرآن و حدیث کی نصوص پر غور و فکر کر کے غیر منصوص مسائل کا حکم دریافت کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے فقہ کے فضائل اس انداز میں بیان فرمائے:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ

(پ ۱۱، التوبہ، آیت ۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل کر دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (کنزالایمان)

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (پ ۳، البقرۃ، آیت ۲۶۸)

ترجمہ: اور جسے حکمت ملی اسے بہت اچھی بھلائی ملی۔ (کنزالایمان)

(۱) امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

من یرد اللّٰہ بہ خیرا یفقهه فی الدین (بخاری، مشکوۃ)

جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین میں سمجھ (فقہ) عطا فرماتا ہے۔

امام ترمذی نے کتاب الجنائز میں فقہاء کرام کی نسبت لکھا ہے کہ وهم اعلم بمعانی الحدیث یعنی فقہاء حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں۔

ترمذی کے اس قول کی تصدیق حدیث کے اس جملہ سے بھی ہو سکتی ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غیر فقیه ورب حامل فقه الی من هو افقه منه. (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

''یعنی خدا تعالیٰ تروتازہ رکھے اس بندے کو جس نے میرے اقوال سنے اور یاد رکھ کر لوگوں کو پہنچایا۔ جنہوں نے سنا نہیں، کیونکہ روایت کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض سمجھدار ہوتے ہیں۔ مگر جن کو پہنچاتے ہیں۔ وہ ان سے افقہ (زیادہ سمجھنے والے) ہوتے ہیں۔

بلکہ دارمی کی روایت تو اس طرح سے ہے کہ۔ فرب حامل فقه و لا فقه له

جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر روایت کرنے والے محدثین کو سمجھ نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ وہ روایتیں فقہاء کو پہنچادیں تاکہ وہ خوض وفکر کرکے مسائل استنباط کریں کہ جن سے راویوں کی سمجھ قاصر ہے کیونکہ ظاہر ہے جو افقہ ہوگا وہ حدیث کے مطالب بہ نسبت غیر فقیہ کے زیادہ سمجھے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حدیث میں سوائے لفظی ترجمہ کے اور بھی بہت خفی (پوشیدہ) راز ہیں جن کی طرف اوتیت جوامع الکلم۔ میں اشارہ ہے۔

اگر بجز الفاظ کوئی اور خفی (پوشیدہ) راز حدیث میں نہ ہوتا تو پھر فقیہ غیر فقیہ پر کیسے ممتاز ہوسکتا ہے اور فقیہ کا غیر فقیہ پر ممتاز ہونا یہ مسلم ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

معلوم ہوا یقیناً احادیث نبویہ میں علاوہ مدلولات ظاہریہ (ظاہری باتوں کے علاوہ) کے اور بھی مدلولات خفیہ (پوشیدہ باتیں) ہیں۔

جن کو بعض علماء سمجھ سکیں گے اور بعض نہیں کیونکہ انسانی فطرت میں تفاوت ہے جب کہ علماء میں عملاً موجود ہے جس کی طرف آیت قرآنی فوق کل ذی علم علیم کا اشارہ ہے۔

جب یہ حال ہے تو پھر مستنبطین کا استنباط بھی یکساں نہ ہوگا۔ کسی کا ماخذ لطیف ودقیق ہوگا اور بعض کا جلی و ظاہری یہی وجہ ہے کہ حضرت سراج الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استنباط جو نہایت ادق ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے جو کہ خیرات الحسان میں لکھی ہوئی ہے کہ ایک بار اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے چند مسائل پوچھے۔ اس مجلس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر تھے اعمش نے امام اعظم کو فرمایا کہ آپ کا ان مسائل میں کیا قول ہے، امام اعظم نے ان تمام مسائل کا جواب دیا۔

اعمش نے پوچھا اس پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے، امام اعظم نے فرمایا وہ ہی احادیث ہے جو آپ سے مجھے پہنچی ہے، اور چند احادیث مع اسناد پڑھ کر بھی اسناد اور طریق استنباط بھی بتادیا۔ اعمش نے نہایت تحسین کی اور فرمایا جو روایتیں میں نے سو دن (۱۰۰) میں بیان کی تھیں، تم نے ایک ساعت میں سب سنادیں میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے رہو گے۔ پھر فرمایا معشر الفقهاء انتم الا طباء ونحن الصيادلة

''یعنی اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں کہ جن کے پاس دوائیں ہر قسم کی موجود تو

ہیں اور تم دونوں کے جامع ہو یعنی محدث بھی ہو اور فقیہ بھی۔

محترم قارئین کرام! ان تمام باتوں کو پڑھنے کے بعد آپ خوب جان چکے ہوں گے کہ حدیث کے مخفی راز محدثین سے زیادہ ایک فقیہ جانتا ہے، ہم ایک اور آسان واقعہ بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ جو سمجھ ایک فقیہ کی ہوتی ہے وہ ایک محدث کی نہیں ہوتی۔ اسی لیے تو امام ترمذی نے فرمایا تھا۔ وهم اعلم بمعاني الحديث

مختصر کتاب الصیہ مولفہ خطیب بغدادی میں لکھا ہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا جس میں یحییٰ بن معین اور دیگر جلیل القدر محدثین تھے اور تحقیق حدیث میں گفتگو ہورہی تھی۔ ایک عورت آئی اور اس نے ان تمام محدثین سے پوچھا کہ عورت اگر حالتِ حیض میں ہو تو وہ مردہ کو غسل دے سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب کسی نے بھی نہیں دیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اتنے میں ایک بہت بڑے فقیہ ابوثور آگئے۔ ان کو دیکھ کر تمام محدثین نے کہا کہ ان سے پوچھو یہ جواب دیں گے۔

ابوثور فقیہ نے جواب دیا ہاں حالتِ حیض میں عورت مردہ کو غسل دے سکتی ہے، محدثین کرام نے اس جواب پر جب ان سے دلیل مانگی تو انہوں نے وہ حدیث پڑھی کہ جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرکار ﷺ نے فرمایا تھا۔ ان حيضتك ليست في يدك

ایک اور حدیث اس طرح ہے کہ كنت افرق راس رسول الله وانا حائض.

''یعنی سرکار ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! تیرا حالتِ حیض میں ہونا تیرے بس میں نہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب میں حالتِ حیض میں ہوتی تو سرکار علیہ السلام کے بال سنوارا کرتی تھی۔

یہ حدیث سن کر مجمع کے تمام محدثین نے اس کی تصدیق کی۔

فقیہ ابوثور نے فرمایا کہ جب حالتِ حیض میں سرکار علیہ السلام نے ان کو اپنے بال میں کنگھی کرنے سے منع نہ کیا تو معلوم ہوا کہ اگر کسی چیز کو ہاتھ لگائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگی اور اگر وہ کسی چیز کو پاک کرے تو وہ ہو جائے گی۔ اس دور کے بعض اجہل غیر مقلدین نام نہاد جماعتِ اہل حدیث فقہاء پر خصوصاً امام اعظم پر یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ وہ تو اہل الرائے تھے ہر فتویٰ اپنی رائے سے دیتے تھے۔

محترم قارئین! ان جیسے لوگوں کے ہی لیے قرآن میں آیا ہے کہ لعنة الله على الكاذبين. فقہاء اپنی رائے وہاں پیش کرتے ہیں کہ جہاں مسائل کے لیے قرآن وحدیث کی کوئی واضح نصوص موجود نہ ہوں، اور جو مسائل منصوص ہیں یا ان کا تعلق تواتر سے ہو تو وہاں فقہاء اپنی رائے پر فتویٰ نہیں دیتے۔

اور یہی عمل سرکار علیہ السلام کے اصحاب کا بھی تھا کہ وہ ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث میں تلاش کرتے اگر جواب نہ ملتا تو پھر اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیتے۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کو سرکار علیہ السلام یمن کی جانب بھیج رہے تھے اور اس وقت ان سے دریافت کر رہے تھے کہ۔

بماتقضی یا معاذ اے معاذ! وہاں فیصلہ کس طرح کرو گے۔ حضرت معاذ نے عرض کی، بکتاب اللہ، قرآن حکیم کی مدد سے، سرکار علیہ السلام نے فرمایا اگر قرآن میں نہ ملے تب، تو جواب دیا۔ فبسنۃ رسول اللہ ﷺ یعنی پھر آپ کی احادیث سے کروں گا۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اگر حدیث میں بھی نہ ہو تب، حضرت معاذ نے عرض کی، اجتھد برأی ولا آلو میں اپنی رائے پر فتویٰ دوں گا کمزوری نہیں دکھاؤں گا۔

یہ سن کر سرکار ﷺ نے حضرت معاذ کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا، تمام خوبیاں اللہ کے لیے جس نے میرے قاصد کو درست جواب دینے کی توفیق دی۔ جس جواب سے اللہ کے رسول ﷺ راضی ہو گئے۔

یہ حدیث سنن دارمی، مسند امام احمد، ترمذی، سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں موجود ہے۔

محترم قارئین کرام! اس حدیث سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اجتہاد بالرائے اصحاب کی سنت ہے۔ جاہل غیر مقلدین اپنی جان بچاتے ہوئے کہہ دیتے ہیں کہ اس حدیث میں کلام ہے؟ اور محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ہم اس حدیث کی تقویت انہی غیر مقلدین کے معتمدین سے ثابت کر دیتے ہیں تاکہ کچھ حیا شرم سے کام لیں۔

غیر مقلدین کے معنوی باوی شمس الدین عظیم آبادی اس حدیث کی صحت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو (عون المعبود شرح سنن ابوداؤد)

امام اعظم کو اہل الرائے کہہ کر مطعون کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان تمام اصحاب رسول کو بھی اہل الرائے کہہ کر مطعون کریں۔ جنہوں نے اجتہاد پر فتویٰ دینے کے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائی۔

اور الحمدللہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنے والے اور قرآن حکیم کی تفسیریں فرمانے والے جتنے مفسر و محدث گزرے تمام کے تمام کا تعلق کسی نہ کسی فقہ سے ضرور تھا کوئی فقہ حنفی کا ماننے والا تو کوئی شافعی، مالکی، حنبلی کا۔

رب القدیر سے دعا ہے وہ ہمیں مذہب حنفی پر استقامت عطا فرمائے اور کل بروز قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔ (آمین)

اللھم ثبت اقدامنا علی مذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فقہ حنفیہ اور فقہ جعفریہ ایک تحقیقی جائزہ

از علامہ مفتی غلام رسول صاحب (لندن)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص جو شیعہ مذہب رکھتا ہے کہتا ہے اہل سنت وجماعت تمام مسائل میں ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں اور فقہ حنفی کو مانتے ہیں، جو کہ ابوحنیفہ نے بنائی ہے فقہ جعفری کو نہیں مانتے جو کہ امام جعفر صادق کی ہے۔ حالانکہ امام جعفر صادق اہل بیت اطہار سے ہیں اور ابوحنیفہ کے استاد ہیں، چاہیے تو تھا فقہ جعفری پر عمل ہوتا لیکن سنی لوگوں نے فقہ جعفری کو چھوڑ کر فقہ حنفی پر عمل شروع کر دیا امید ہے کہ آپ اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمائیں گے۔

سائل: نعیم آصف مڈلز برو "یوکے"

الجواب ھو الموفق الصدق والصواب

سائل کا یہ کہنا کہ اہل سنت وجماعت تمام مسائل میں ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں، یہ اس کی غلط فہمی ہے ہم اہل سنت تمام مسائل میں تقلید نہیں کرتے چنانچہ وہ مسائل جو عقائد سے ہیں ان میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں تفصیل یہ ہے کہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں مسائل دو قسم کے ہیں۔

۱۔ کلیات اور عقائد

۲۔ اجتہادیات اور فروعات، کلیات اور عقائد میں تقلید نہیں ہے بلکہ تشریحات کی اتباع ہے اور اجتہادیات اور فروعات میں تقلید ہے، چنانچہ اہل سنت وجماعت کے چار طبقے ہیں۔ یہ چاروں صحیح اسلام پر ہیں اور نجات پانے والے ہیں ان سب کا اصل مقصود و مدعا ایک ہی ہے فقط طریقہ استدلال میں کسی پر کوئی طریقہ غالب ہے محض اسی اعتبار سے چار فرقے ہو گئے۔

۱۔ محدثین جو امام احمد کے متبع ہیں عقائد میں یعنی امام احمد بن حنبل سے جو کچھ اقوال عقائد میں منقول ہیں ان کی تشریح کرتے ہیں۔

۲۔ متکلمین اشاعرہ یہ لوگ عموماً و بیشتر امام مالک و امام شافعی سے منقول شدہ عقائد کی تشریح کرتے ہیں۔

۳۔ متکلمین ماتریدیہ، یہ امام ابوحنیفہ سے منقول شدہ عقائد کی تشریح کرتے ہیں اشاعرہ اور ماتریدیہ میں اختلاف قلیل ہے، اشاعرہ کے امام ابوالحسن اشعری المتوفی ۳۲۴ھ اور ماتریدیہ کے امام ابوالمنصور ماتریدی المتوفی ۳۳۲ھ ہیں یہ دونوں امام ایک زمانے کے اور طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ کے معاصر ہیں ابوالحسن اشعری پہلے معتزلی

تھے کیونکہ آپ ابوعلی جبائی المتوفی ۳۰۳ھ کے پاس رہے، جو معتزلہ کا رئیس تھا ابوالحسن پہلے اہل سنت کے ساتھ معتزلہ کی طرف سے مناظرہ کیا کرتے تھے بعد میں اہل سنت ہو گئے ان کا واقعہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ پورے رمضان میں اعتکاف کیا اور عشرہ اولیٰ میں ایک رات میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا ابوالحسن دین کی حمایت کے لیے کھڑا ہو جانا صبح کو اٹھے تو زیادہ اہتمام نہ کیا ان کے نزدیک چونکہ عقائد معتزلہ ہی صحیح دین تھا اس لیے خیال کیا کہ میں تو ان کی طرف سے بہت زیادہ مناظرہ و حمایت کرتا رہتا ہوں پھر دوبارہ عشرہ ثانیہ میں اسی قسم کا خواب دیکھا اب دل میں تشویش تو ضرور ہوئی مگر خواب کا مطلب کچھ ٹھیک نہیں سمجھ سکے کیونکہ ان کے نزدیک تو عقائد معتزلہ ہی اصل دین تھا۔ پھر سہ بارہ عشرہ اخیرہ میں خواب دیکھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ دین کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جاؤ، لیکن تم اب تک تیار نہیں ہوئے تو خواب میں ابوالحسن اشعری نے درخواست کی کہ حضور ﷺ میں تو نہیں جانتا آپ بتا دیجئے کہ میرے عقائد میں کیا کیا غلطیاں ہیں، حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری ہدایت کا خود تکفل (ضمانت اٹھانا) کر لیا ہے تو میں یہاں سے نہ ہٹتا یہاں تک کہ تیری غلطیاں ایک ایک کر کے کھول کر بیان کر دیتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی تکفل کر لیا ہے۔ اس لیے ضرورت نہیں ہے چنانچہ صبح کو اٹھے تو تمام عقائد اہل سنت و جماعت میں ان کو شرح صدر تھا اور مفاسد معتزلہ ان پر منکشف ہو چکے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ جامع مسجد میں کھڑے ہو کر عام مجمع کے اندر معتزلہ کے تمام خیالات فاسدہ کو ظاہر کر کے اس سے تائب ہوئے محدثین اور متکلمین میں صرف یہ فرق ہے کہ محدثین پر محض نقل و سمع غالب ہے وہ مسائل کو سمعیات سے ثابت کرتے ہیں اور متکلمین (اشاعرہ اور ماتریدیہ) سمعیات و عقلیات دونوں پر مسائل کا مدار رکھتے ہیں۔ یعنی قرآن و سنت سے ثابت شدہ عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور شبہات عقلیہ کا جواب دیتے ہیں۔ اہم مقصد ان کا یہ ہے کہ عقل و نقل میں توافق کر کے دونوں سے مسائل کو ثابت کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا طبقہ صوفیاء کا ہے۔ یہ دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے یہ لوگ علم تصوف کے حامل ہیں علم تصوف وہ علم ہے۔ جس سے تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن کے حالات معلوم ہوتے ہیں، صوفیاء میں سے تمام سے پہلے جس پر لفظ صوفی بولا گیا۔ وہ ابو ہاشم المتوفی ۱۶۱ھ ہیں۔ اور صوفیا سے پہلے صوفی حضرت ذوالنون مصری المتوفی ۲۴۵ھ ہیں جنہوں نے مصر میں ترتیب احوال و مقامات اہل ولایت میں کلام کیا اور حضرت ابو سعید بغدادی المتوفی ۲۷۹ھ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے بغداد میں مذاہب صوفیہ میں کلام کی۔

(فضل الباری شرح صحیح بخاری صفحہ ۲۳۳ جلد ا مقدمہ۔ کشف المحجوب صفحہ ۴۴ "تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۶۹)

اس تحقیق بالا سے ثابت ہوا کہ تمام مسائل میں تقلید نہیں ہوتی بلکہ وہ مسائل جن کا تعلق اجتہاد سے ہے ان میں تقلید ہوتی ہے اور جن کا تعلق عقائد سے ہے ان میں تقلید نہیں ہوتی بلکہ محدثین اور متکلمین ان کے تشریحات اور توضیحات ذکر کرتے ہیں اور تقلید شخصی صرف مسائل فروعیہ اور اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حنفی لوگ فقہ حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ فقہ جعفری پر عمل کیوں نہیں کرتے تو اس کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں احکام کی قسمیں تھیں، فرض واجب، سنت، مستحب وغیرہ ظاہر نہیں تھیں، صحابہ کرام حضور ﷺ کو جیسے عمل کرتے دیکھتے ویسے عمل کر لیتے مثلاً حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا نماز پڑھ لی، حضور ﷺ کے بعد اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ واقعات اس قدر کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پیش آئی اگر کسی نے نماز میں غلطی کی تو اب یہ بحث ہوئی کہ آیا اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز کے تمام افعال و احوال کو فرض کہا جائے یا تمام کو سنت اب صحابہ کو تمیز کرنا پڑی کہ نماز میں کتنے فرض اور واجب اور کتنے امر مستحب و مسنون ہیں، صحابہ سے جن لوگوں نے ان مسائل میں اجتہاد کیا وہ مجتہد اور فقیہ کہلائے ان میں سے زیادہ چار صحابی مشہور ہوئے۔ حضرت عمر، علی، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں زیادہ وقت کوفہ میں رہے اور وہیں ان کے اجتہادی مسائل کی زیادہ ترویج ہوئی بلکہ حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود کی وجہ سے کوفہ علم کا گھر بن گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے پاس جتنا علم حضور کے اقوال و افعال و احوال سے تھا اتنا اور کسی کے پاس نہ تھا۔ ملکہ اجتہاد بھی بہت زیادہ تھا، حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آ جائے اور حضرت علی موجود نہ ہوں اور حضرت عمر کا مقولہ بھی مشہور ہے۔ "لولا علی لھلک عمر" عبداللہ بن عباس جو ایک عظیم مجتہد تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود حدیث اور فقہ دونوں میں کامل تھے اس وجہ سے حضرت علقمہ المتوفی ۶۵ھ اور حضرت اسود المتوفی ۷۵ھ ان کے جانشین بنے جو کہ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابراہیم نخعی کے زمانے میں فقہی مسائل کا ایک مجموعہ بھی تیار ہوا جس کا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کے فتاویٰ تھے لیکن یہ مجموعہ مدون اور مرتب نہیں تھا اور یہ مجموعہ حضرت نخعی کے ایک ممتاز شاگرد حضرت حماد کے پاس تھا اور حضرت حماد کی وفات ۱۲۰ ہجری میں ہوئی انکی جگہ ان کے عظیم شاگرد امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا گیا۔ ابوحنیفہ کے زمانہ میں اگرچہ کافی فقہی مسائل ظاہر ہو چکے تھے اور ان کی روایت زیادہ تر زبانی ہی تھی ابھی تک اس کو فنی حیثیت حاصل نہ تھی۔

نہ استنباط و استدلال کے قواعد بنائے گئے تھے اور نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط اور نہ احادیث میں

مراتب کا امتیاز اور نہ قیاس کے قواعد مقرر تھے حاصل یہ کہ یہ جزوی مسائل تھے ان کو ابھی قانونی حیثیت دینی باقی تھی لہذا امام ابوحنیفہ نے اس کی ترتیب وتدوین کا مکمل ارادہ فرما کر صرف اپنی رائے پر انحصار نہیں کیا بلکہ اس کے لیے ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس میں آپ نے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہرین کو منتخب فرمایا اس مجلس شوریٰ میں یہ التزام تھا کہ جب تک مجلس تدوین فقہ کے تمام اراکین جمع نہ ہو جاتے کوئی مسئلہ طے نہ پاتا اس طرح ۱۲۱ھ سے لے کر ۱۴۴ھ تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب منصور عباسی نے امام ابوحنیفہ کو قید میں ڈال دیا تب بھی یہ سلسلہ جاری رہا یعنی ۱۵۰ھ تک اور یہی ۱۵۰ھ آپ کا سال وفات ہے اور طویل مدت میں امام ابوحنیفہ نے اپنے رفقاء کار کے تعاون سے قانون اسلامی کو تکمیل کی حد پر پہنچا دیا۔ فقہ حنفی کا یہ عظیم مجموعہ پانچ لاکھ مسائل پر مشتمل تھا جس کے تراسی ہزار قواعد مقرر فرمائے جن سے ۳۸ ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور ۴۵ ہزار کا تعلق معاملات اور حدود سے تھا۔ اس فقہ اسلامی اور فقہ حنفی کا ماخذ قرآن مجید، حدیث رسول اور فقہاء کی رائیں ہیں جن کا ماخذ قرآن وحدیث ہی ہے یا اس طرح سمجھ لیجئے کہ علمی حیثیت سے کتاب وسنت اگر دلائل ہیں تو فقہ ان دلائل سے پیدا شدہ نتائج کا نام ہے، یا جیسے کہ علامہ خطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے معالم السنن میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت اگر اساس اور بنیاد ہیں تو فقہ ان بنیادوں پر اٹھی ہوئی عمارت ہے زمانہ نبوت میں خود ذات نبوت فقہ وفتاویٰ کی مرکز تھی آپ کے بعد اکابر صحابہ جو شریعت کے راز داں اور احکام اسلامی کے آشنا تھے فقہ وفتاویٰ میں آپ کے جانشین تھے جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اور عبداللہ بن مسعود کے جانشین ابراہیم نخعی ہوئے اور ابراہیم نخعی کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت حماد ہوئے پھر انکے بعد ان کے عظیم شاگرد امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا گیا امام ابوحنیفہ نے اپنے تلامذہ سے چالیس فقہاء کی مجلس شوریٰ قائم کر کے فقہ کی تدوین کرائی اس مجلس شوریٰ میں جتنے آپ کے تلامذہ شامل تھے خود امام ابوحنیفہ نے ان کی تعریف وتوصیف کی ہے اصحاب فن رجال نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے تمام لوگ ان کی تعریف کرتے آرہے ہیں کسی نے ان پر ایسی جرح نہیں کی ہے جو ان کو غیر معتمد علیہ بنادے، یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اس فقہ پر عمل ہو رہا ہے بخلاف فقہ جعفری کے کہ خود بقول شیعہ اس فقہ جعفری کا حضور ﷺ سے لے کر حضرت امام باقر علیہ السلام کے زمانہ تک نام ونشان نہیں تھا دیکھئے علامہ کلینی المتوفی ۳۳۰ھ اصول کافی صفحہ ۴۹۶ میں لکھتے ہیں۔

ثم کان محمد بن علی ابا جعفر و کانت الشیعة قبل ان یکون ابو جعفر وهم لا یعرفون مناسک حجهم وحلالهم حتیٰ کان ابو جعفر ففتح لهم و بین لهم مناسک حجهم وحلالهم وحرامهم

پھر امام باقر علیہ السلام ہوئے ان سے پہلے تو شیعہ حج کے احکام اور حلال وحرام سے بھی واقف نہ تھے امام باقر نے شیعہ کے لیے حج کے احکام بیان کیے اور حلال وحرام میں تمیز کا دروازہ کھولا اس سے ظاہر ہے کہ پہلی صدی اور دوسری صدی ہجری کے اوائل تک شیعہ حلال وحرام کے مسائل کو نہ جانتے تھے گویا کہ "فقہ جعفری" کا نام ونشان نہیں تھا امام باقر علیہ السلام کی وفات ۱۱۴ھ ہے لہذا حضور ﷺ کے زمانہ میں اور خلافت راشدہ اور خلافت اموی کے اکثر حصہ میں تو اس فقہ جعفریہ کا بنیادی وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ آیا آپ کی وفات ۱۴۸ھ ہے اور یہ فقہ جعفری آپ کی طرف ہی منسوب کی گئی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اپنے زمانہ میں فقہ جعفری کی کوئی کتاب تدوین نہیں کرائی جیسے کہ کتب تاریخ سے ظاہر ہے اس کے بعد فقہ جعفری کے وجود میں آنے کی ایک صورت ہے کہ آپ نے جو روایات واحادیث ذکر فرمائیں ان کو فقہی ابواب پر مرتب کر لیا گیا ہو جیسے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ کی کتب صحاح اربعہ کو فقہی عنوان سے مرتب کیا گیا ہے، یہاں سے ہی فقہ جعفری وجود میں آئی چنانچہ صحاح اربعہ سے پہلی کتاب الکافی ہے جس کو مجتہد کلینی المتوفی ۳۳۰ھ نے مرتب کیا دوسری کتاب من لا یحضرہ الفقیہ ہے جس کو محمد بن علی ابن بابویہ قمی المتوفی ۳۸۱ھ نے مرتب کیا ہے تیسری کتاب تہذیب الاحکام ہے جس کو محمد بن طوسی المتوفی ۴۶۰ھ نے مرتب کیا ہے، اسی سلسلے کی چوتھی کتاب الاستبصار ہے اس کو بھی محمد بن طوسی نے ہی مرتب کیا ہے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ اصول کافی تو اس وقت لکھی گئی جب اکیسویں خلیفہ المتقی باللہ کا دور خلافت تھا اور طوسی کا زمانہ بتاتا ہے کہ انہوں نے چھبیسویں خلیفہ القاسم بامر اللہ کے زمانہ میں الاستبصار لکھی گویا کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں فقہ جعفریہ کامل طور پر مرتب ہوئی جب پانچویں صدی تک فقہ جعفری کامل نہیں ہوئی تھی تو کسی اسلامی حکومت کا اس پر عمل کرنا یا اس کو بحیثیت قانون نافذ کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد مصر میں عباسی خلیفہ مستنصر باللہ سے لے کر متوکل علی اللہ ثابت تک وہاں بھی اس فقہ پر عمل کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسری طرف ۱۰۶۷ عیسوی میں نظام الملک طوسی المتوفی ۴۸۵ھ نے جو پہلا اور حقیقی دار العلوم بغداد میں قائم کیا تھا اس میں خصوصیت کے ساتھ شافعی مذہب اور اشعری طریقہ کی تعلیم دی جاتی (تاریخ اسلام ص ۱۸۱) اس سے بھی ظاہر ہے کہ عراق میں بھی فقہ جعفری کا نام تک نہیں تھا پھر عثمانی خلافت میں خلیفہ عثمان خان اول (۱۲۹۹ عیسوی) سے لے کر (سن ۱۸۷۶ عیسوی) سلطان عبدالحمید دوم تک بھی فقہ جعفریہ پر عمل کرنے کا نشان تک نہیں ملتا باوجود یہ کہ اس اسلامی سلطنت میں تین صدیوں سے زائد وقت تک دنیا کے اکثر ممالک شامل تھے اسکندریہ، یروشلم، دمشق، خلپائی، الجیرز قاہرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ مراکش۔

بلگریڈ، بغداد وغیرہ پر ان کے جھنڈے لہراتے تھے لیکن اس عظیم اسلامی سلطنت خلافت عثمانی میں کسی زمانے میں بھی بحیثیت مذہب فقہ جعفریہ پر عمل نہیں ہوا، اور ۹۶۱ عیسوی سے لے کر ۱۱۶۱ عیسوی تک غزنوی خاندان کے دور میں پھر شہاب الدین غوری کے دور حکومت میں اور اس کے بعد مغلیہ حکومت کے زمانہ میں جو کہ افغانستان پنجاب ہندوستان اور مغرب میں عراق عجم اور بجستان پر مشتمل تھی۔ کسی جگہ اور کسی وقت بھی فقہ جعفریہ کے نفاذ اور اس پر عمل کرنے کا ثبوت نہیں ملتا چونکہ صحاح اربعہ کی تکمیل پانچویں صدی کے آخری حصہ میں ہوئی ہے اور فقہ جعفریہ کی (۴) اصولی اور بنیادی کتب یہی ہیں اور ان کے کتب کے مصنفین کے پاس یہ روایات مختلف راویوں کے ذریعے سے پہنچی ہیں لہٰذا ان کتب کی صحت اور عدم صحت راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے پر مبنی ہے۔

جیسے کہ صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی) کی صحت راویوں کے ثقہ ہونے پر مبنی ہے اسی لیے علماء فن رجال نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن سے راویوں کے صحیح ہونے کا پتہ لگا کر کتب ستہ پر یہ حکم لگایا گیا کہ یہ چھ کتابیں صحیح ہیں اسی طرح فقہ حنفی کی تدوین کرنے والے مجلس شوریٰ کے چالیس اراکین کے ثقہ ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ فقہ حنفی قابل عمل ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اسلامی ممالک میں فقہ حنفی پر ہی زیادہ تر لوگوں نے عمل کیا اور فقہ جعفریہ کے راویوں سے بہت بڑے راوی زراہ ابوبصیر، محمد بن مسلم اور جابر بن یزید ہیں ان پر خود آئمہ اہل بیت نے لعنت کی ہے اور شیعہ علماء فن رجال نے ان پر اتنی شدید جرح کی ہے کہ ان پر اعتماد تو کیا ان کو تو مسلمانوں کی صف میں شمار کرنا مشکل ہے تمام سے پہلے زرارہ کے چہرے کی وضاحت ملاحظہ کیجئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔

"لعن اللہ زرارہ، لعن اللہ زرارہ، لعن اللہ زرارہ، یعنی حضرت امام جعفر علیہ السلام نے تین مرتبہ کہا اللہ لعنت کرے زرارہ پر (رجال کشی صفحہ ۱۰۰) ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ حکم ایسی جماعت کے حق میں ہے جن کی ضلالت پر صحابہ کا اجماع ہے جیسے کہ زرارہ اور ابوبصیر (حق الیقین صفحہ ۲۱۷) یعنی زرارہ اور ابوبصیر بالا اجماع گمراہ ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نعم زرارہ اشر من الیہود والنصاریٰ ومن قال ان اللہ ثالث ثلاثۃ (رجال کشی ص ۱۵۷) کہ زرارہ تو یہود و نصاریٰ اور تثلیث کے قائلین سے بھی برا ہے، ابوبصیر کے متعلق بھی پڑھیے۔ قال جلس ابوبصیر علی باب عبداللہ علیہ السلام لیطلب الاذن ولم یوذن لہ فقال لو کان معناطبق لا ذن قال فجاء کلب فشغر فی وجہ ابی بصیر (رجال کشی ص ۱۱۳)

راوی کہتا ہے کہ ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام کے دروازے پر بیٹھا تھا اندر جانے کی اجازت چاہتا تھا مگر امام اجازت نہیں دے رہے تھے ابوبصیر کہنے لگا اگر میرے پاس تھال ہوتا تو اجازت مل جاتی پھر کتا آیا جس

نے ابوبصیر کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ پہلے حق الیقین کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ یہ ابوبصیر گمراہی میں زرارہ کا شریک ہے اور یہ چونکہ اندھا تھا کتے کو نہ دیکھ سکا۔ کتے نے ابوبصیر کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ ظاہر ہے کہ جو امام علیہ السلام کا گستاخ ہے اس کا منہ اس کے قابل ہی ہے کہ کتا اس کے منہ میں پیشاب کرے۔ محمد بن مسلم کے متعلق پڑھیے۔

عن مفضل بن عمر قال سمعت ابا عبداللہ یقول لعن اللہ محمد بن مسلم کان یقول ان اللہ لایعلم شیئا حتی یکون (رجال کشی ص ۱۶۳)

مفضل بن عمر کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا فرماتے تھے "محمد بن مسلم" پر اللہ کی لعنت ہو یہ کہتا تھا کہ جب تک کوئی چیز موجود نہ ہو جائے اللہ کو اس کے متعلق علم نہیں ہوتا۔ جابر بن یزید جعفی کے متعلق اصحاب فن رجال اہل تشیع لکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرتا تھا۔

حدثنی ابو جعفر بسبعین الف حدیث کہ مجھے امام باقر علیہ السلام نے ستر ہزار حدیث بیان کی ہیں لیکن زرارہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے جابر بن یزید کی احادیث کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔

مارایت عندابی قط الامرۃ واحدۃ وما دخل علی قط کہ یہ میرے والد (امام باقر علیہ السلام) سے صرف ایک مرتبہ ملا اور میرے پاس تو کبھی آیا ہی نہیں۔ (رجال کشی صفحہ ۱۲۶) اس سے ظاہر ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جابر بن یزید کو سچا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ صرف ایک مرتبہ امام باقر علیہ السلام کے پاس آنے سے امام نے اسے ستر ہزار حدیث یاد کرا دیں۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے اور سیاق کلام بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام بھی اس کو کاذب سمجھتے تھے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ میرے پاس تو کبھی بھی آیا نہیں، اور یہ ہی حالت اس کی پہلے بھی تھی کہ وہ والد صاحب (امام باقر علیہ السلام) کے پاس بھی نہیں آیا کرتا تھا صرف ایک مرتبہ آیا لیکن ایک مرتبہ آنے سے وہ ستر ہزار احادیث کیسے محفوظ کر سکتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ کاذب اور غلط آدمی ہے۔

غرضیکہ جب فقہ جعفری کے بڑے بڑے راوی اور ان سے پیدا شدہ نتائج یعنی فقہ جعفری کیسے قابل اعتماد اور قابل عمل ہوگی اس لیے مسلمانوں نے فقہ جعفری پر کسی زمانہ میں بھی عمل نہیں کیا چونکہ فقہ حنفی اور فقہ جعفری دونوں کی صحت وعدم صحت کا معیار ان کے اصلی راوی تھے فقہ حنفی کے راوی چنانچہ وہ چالیس علماء اور ماہرین تھے جن کی تعریف و توصیف ان کے اساتذہ اور ان کے ہم عصر علماء اور اصحاب فن رجال اور بعد میں آنے والے تمام علماء نے بیان کی ہے اور ان کے معتمد علیہ ہونے پر جزم کیا ہے اور کرتے ہیں، بخلاف فقہ جعفری کے بنیادی راویوں کے

ان کو آئمہ اہلِ بیت اطہار نے صرف غیر معتمد علیہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ ان راویوں کو ملعون اور کذاب تک کہہ دیا اور خود شیعہ کے علماء فن رجال نے ان پر اتنی سخت گرفت کی کہ ان پر اعتماد کرنا یا ان کو ثقہ کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اسلامی حکومتیں فقہ اسلامی یعنی فقہ حنفی بشمول فقہ شافعی و مالکی و حنبلی پر تو عمل کرتے آئے ہیں لیکن فقہ جعفری کو کسی وقت کسی زمانے میں بحیثیت مذہب قبول نہیں کیا گیا اور فقہ اسلامی کو ہر زمانے میں پیش رفت ہوئی ہے اور فقہ جعفری کو آٹھویں صدی ہجری تک تو بالکل پیش رفت نہیں ہوئی البتہ آٹھویں صدی ہجری میں فقہ جعفری کی فقہی طرز پر ایک کتاب لمعہ دمشقیہ شیعہ عالم محمد جمال مکی نے لکھی جس میں وہ ایسا گندہ مواد لایا جس کے بدلے حکومت وقت نے اس کو واجب القتل قرار دے کر قتل کر دیا۔ اور شیعہ نے اس کو شہید اول قرار دیا۔ پھر دسویں صدی ہجری میں ایک اور شیعہ مذہب کے عالم زین الدین بن علی المتوفی ۹۶۶ھ نے لمعہ دمشقیہ کی شرح روضۃ البھیہ لکھی اس کو بھی اس وقت کی اسلامی حکومت نے تختہ دار پر لٹکایا اور شیعہ نے اس کو شہید ثانی قرار دیا یہ تھیں وہ وجوہات جن کی وجہ سے اہلِ سنت و جماعت نے فقہ حنفی پر عمل کیا اور فقہ جعفری کو ترک کر دیا ہے۔ باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں یہ بات ٹھیک ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ بلکہ شاگرد ہونے کے علاوہ امام جعفر علیہ السلام اور تمام اہلِ بیت کے ساتھ ابوحنیفہ کو خصوصی عقیدت تھی جس کی بنا پر ان کہولت میں حکومت وقت کی طرف سے امام ابوحنیفہ پر عتاب نازل ہوا اور آخر کار حق کے ساتھ تمسک اور نہایت بے نیازی کی حالت میں عترت نبوی کی محبت میں مقام شہادت حاصل کیا۔ اگر فقہ اسلامی کے علاوہ فقہ جعفری ہوتی تو ضرور امام جعفر صادق علیہ السلام امام ابوحنیفہ سے کہتے کہ اس کی تدوین کرو اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کے لیے کہو، لیکن اصل بات یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام دین کے امام ہیں مذہب یعنی مسائل اجتہادیہ کے امام نہیں ہیں اور دین اور عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ تقلید تو مذہب میں ہوتی ہے، لہذا امام ابوحنیفہ کی تقلید کی گئی اور آپ کے اجتہادی مسائل یعنی فقہ حنفی پر عمل کیا گیا۔

واللہ ورسولہ ، اعلم بالصواب

مفتی غلام رسول بر منگھم نمبر ۱۱ یو کے"

۱۳ دسمبر ۱۹۸۷ء

☆☆☆☆☆

ابوحنیفہ سنی اور ابوحنیفہ شیعہ کا تعارف اور فرق

از: شیخ الحدیث علامہ الحاج محمد علی نوری علیہ الرحمہ (لاہور)

الکنی والالقاب:

النعمان ابن ثابت بن زوطی بن ماہ مولیٰ تیم اللہ بن ثعلبہ الکوفی احدُ الائمۃِ الاربعۃ السنیۃ صاحب الرای والقیاس والفتاوی المعروفۃ الفقھیۃ (الکنی والالقاب جلد اول ص ۵۳ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ الکوفی اہلِ سنت کے چار اماموں میں سے ایک ہوئے ہیں رائے قیاس اور فقہی فتاویٰ میں معروف شخصیت ہیں۔

مجالس المومنین:

در تاریخ ابن خلکان وابن کثیر شامی مسطوراست که اویکے از فضلائے مشارالیه بودو در علم فقه و دین و بزرگی بمرتبه رسیده بود که مزیدی برآں متصور نه بودو دراصل مالکی مذهب بودو بعد ازاں بمذهب امامیه انتقال نمودو اور امصنفات بسیاراست مانند کتاب اختلاف اصول المذاهب و کتاب اختیارد رفقه وکتاب الدعوة للعبیدین واز ابن زولاق روایت نموده که نعمان بن محمد القاضی درغایت فضل و از اهل قرآن و عالم بود بوجوه فقهه واختلاف فقهاء وعارف بوبجوه فقهه واختلاف فقهاء وعارف بود بوجوه لغت و شعر و تاریخ کبلیه عقل و انصاف آراسة بودور مناقب اهلِ بیت چندیں هزار ورق تالیف نموده بود به نیکو ترین تالیفے و لطیف ترین سجعی ودر مثالب اعداء ومخالفان ایشان نیز کتابے تالیف نموده و اورا کتابها است که در آنجا ور برابوحنیفه کوفی و مالک و شافعی و ابن شریح و غیرایشان از مخالفان نموده واز مصنفات او کتاب اختلاف فقهاء است که در آنجا نصرت مذهب اهل بیت نموده و اورا قصیده الیست در علم فقهه و ابوحنیفه مذکور همراه معز الدین الله خلیفه فاطمی از مغرب بمصر آمده درماه رجب سنة ثلاث وستین و ثلثمائة در مصروفات یافت' (مجالس المومنین جلد اول ص ۵۳۸، ۵۳۹ ابو حنیفه نعمان بن محمد مطبوعه تهران خیابان)(الکنی والالقاب جلد اول ص ۵۷)

ترجمہ: تاریخ ابن خلکان اور ابن کثیر شامی میں تحریر ہے کہ (ابوحنیفہ شیعی) یہ مشہور ومعروف زمانہ آدمی تھا۔ علم فقہ اور دین و بزرگی میں ایسے مرتبہ ومقام پر فائز تھا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا۔ دراصل مالکی المذہب تھا۔ اور پھر اس کے بعد مذہب امامیہ کی طرف منتقل ہوگیا۔ اس کی بہت سی تصنیفات ہیں مثلاً کتاب اختلاف اصول المذاھب' کتاب اختیار در فقہ اور کتاب الدعوة للعبیدین ابن زولاق سے مروی ہے کہ نعمان بن محمد القاضی بہت بڑا فاضل اور قرآن وعلوم قرآن کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور وجوہ فقہ کا بہت جاننے والا تھا۔ لغت شعر اور تاریخ کا عارف تھا۔ عقل وانصاف کے زیور سے آراستہ تھا۔ اہل بیت کے مناقب میں کئی ہزار صفحات تحریر کیے اس کی تالیفات بہت اچھی اور ان کی عبارت بڑی مسجع تھی۔ اہل بیت کے دشمنوں کی چیرہ دستیاں اور مظالم پر اس کی تصنیفات ہیں۔ اور اس کی کچھ تصنیفات میں امام ابوحنیفہ کوفی' امام مالک' اور امام شافعی' قاضی شریح وغیرہ اکابر اہل سنت جو اس کے مخالف ہیں ان کا رد بلیغ لکھا ہے۔ اس کی تصنیفات میں سے "اختلاف فقہا" نامی کتاب ہے اس میں اس نے اہل بیت کے مذہب کی پُرزور حمایت کی۔ اور علم فقہ میں اس کا ایک قصیدہ بھی ہے۔ یہ ابوحنیفہ (شیعی المذہب) معزالدین خلیفہ فاطمی کے ساتھ مغرب مصر میں آیا۔ اور رجب ۳۶۳ھ میں وہیں انتقال کرگیا۔

اعیان الشیعہ:

القاضی ابوحنیفہ النعمان بن محمد المصری قاضی الفاطمیین قال ابن خلکان کان مالکیاً ثم انتقل الیٰ مذھب الامامیة له کتاب الاخبار فی الفقه و کتاب الاقتصار فی الفقه ذکرہ الامیر مختار المسبحی فی تاریخه فقال کان من الفقیه والدین والنبل علی مالا من ید علیه وقال ابن زولاق کان فی غایة الفضل عالما بوجوہ الفقه ومن مؤلفاته فی الحدیث کتاب دعائم الاسلام. (اعیان الشیعه جلد اول ص ۴۴ مطبوعه بیروت)

ترجمہ: ابوحنیفہ نعمان بن محمد مصری فاطمی عقیدہ والوں کا قاضی تھا۔ ابن خلکان نے کہا کہ یہ پہلے مالکی المذہب تھا۔ پھر اسے چھوڑ کر امامی المذہب ہوگیا۔ اس کی ایک کتاب "الاخبار" اور دوسری "الاقتصار" فقہ کے موضوع پر ہیں۔ امیر مختار نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ فقہ' دین اور عقل وحزم میں آخری درجہ پر فائز تھا۔ ابن زولاق کا کہنا ہے کہ بہت بڑا عالم اور وجوہ فقہ کا ماہر تھا۔ دعائم الاسلام نامی کتاب فن حدیث پر اس نے لکھی ہے۔

لمحہ فکریہ!

"ذخیرۃ المعاد" جو شیعہ مسلک کی کتاب ہے اس میں ابوحنیفہ کنیت والے شخص کا ایک فقہی مسئلہ لکھا تھا۔

جسے لف حریر کہا جاتا ہے اس ابوحنیفہ کنیت والے شخص کو مذکورہ کتاب کے حاشیہ لکھنے والے نے بڑی دلیری سے یہ ثابت کردیا تھا کہ یہ ابوحنیفہ اہل سنت کا امام اعظم ہے' اور لف حریر اس کا مسئلہ ہے۔ ہم اہل تشیع کا نہ یہ مسلک ہے اور نہ ہی اس کنیت کا کوئی آدمی ہمارے اندر ہوا۔ الخ یہ محشی کی عیاری اور فریب دینے کی کوشش تھی خود شیعہ مصنفین کو تسلیم کہ ایک ابوحنیفہ ہمارا مجتہد بھی ہے جو۔

۱۔ ابوحنیفہ نعمان بن محمد مصری ہے۔ جب کہ اہل سنت کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی ہے۔

۲۔ یہ فاطمی مسلک کے لوگوں کا قاضی تھا۔ جب کہ امام اعظم نے عہدۂ قضا قبول ہی نہیں کیا تھا۔

۳۔ یہ پہلے مالکی پھر امامی ہوگیا۔ جب کہ ابوحنیفہ امام اعظم خود آئمہ اربعہ میں سے ایک مجتہد مطلق ہوئے ہیں۔

۴۔ اس نے مذہب امامیہ کی تائید اور سنی آئمہ ابوحنیفہ کوفی' امام مالک' امام شافعی وغیرہ کی بھرپور تردید کی۔

۵۔ یہ فاطمی خلیفہ معزالدین کے ساتھ مصر آیا۔ اور ۳۶۳ھ میں فوت ہوا جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ نہ فاطمی خلیفہ کے ساتھ مصر آئے۔ اور نہ ہی ان کا وصال مذکورہ سن میں ہے۔ بلکہ وہ اس سے پہلے ہی انتقال کرگئے تھے۔

لہٰذا ان حقائق کے پیش نظر ذخیرۃ المعاد میں جس ابوحنیفہ کی بات لکھی گئی وہ شیعی ابوحنیفہ ہے۔ اور اس کے الفاظ کی روشنی میں ہر شیعہ اپنی ماں' بہن' بیٹی وغیرہ سے اگر اس طرح جماع کرے کہ اپنے ذکر پر کوئی ریشمی کپڑا وغیرہ لپٹا ہوا ہو تو وہ جائز ہے۔ یہ شیعوں کا مسئلہ ایک شیعہ مجتہد اور ہر علم وفن کا ماہر لکھ رہا ہے۔ جس کی بقول شیعہ اپنے زمانے میں نظیر نہ تھی۔ اب شرم کی کون سی بات ہے۔ بھلا ہو تمہارے ابوحنیفہ کا کہ آسان اور کم خرچ وظیفہ بن گیا ہے۔

خواہ مخواہ اسے سنی ابوحنیفہ کی طرف منسوب کررہے ہو۔ اور اپنے عالم' مجتہد اور بے نظیر محقق کو ہیرا پھیری سے سنی ابوحنیفہ قرار دے کر بحوالہ جامع الاخبار کتے اور خنزیر سے بدتر قرار دے رہے ہو۔ بہرحال ان چند سطور سے ہم نے دونوں ابوحنیفہ کنیت والے اشخاص کے درمیان امتیاز واضح کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق وباطل کا امتیاز سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

صاحب الاخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری امامی شیعہ ہے

آقا بزرگ شیعہ

الذریعہ

الاخبار الطوال المطبوع لابی حنیفه الدنیوری احمد بن داؤد من اهل دینور ومن

تصریح ابن الندیم بتوثیقه وان اکثر اخذہ من یعقوب بن اسحاق السکیت النحوی الشهیدلتشیعه وهو من ابناء الفرس یستظهیر امامیته

(الذریعه الی تصانیف الشیعة جلد اول ص ۳۳۸ مطبوعه بیروت)

ترجمہ" الاخبارالطّوال" احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری کی تصنیف ہے۔ جو دینور کا باشندہ تھا۔ اور ابن الندیم کی تصریح کے مطابق وہ ثقہ آدمی ہے۔ اور یہ بوجہ شیعہ ہونے کے اکثر و بیشتر یعقوب بن اسحاق سکیت نحوی سے استفادہ کرتا ہے۔ ابوحنیفہ ایرانی (فارسی) تھا اور اپنا امامی شیعہ ہونا ظاہر کرتا تھا۔

ابوحنیفہ دینوری کے شیعہ ہونے پر شیعہ علماء کے مزید فیصلے تنقیح المقال

احمد بن داود الدنیوری ابوحنیفة کان من اهل دینور وقد عنونه ابن النّدیم وقال اخذعن البصریین والکوفیین وکان مغنافی علومٍ کثیرةٍ وثقة فیما یرویه معروف بالصدق وعدله ستّة عشر کتابًا واقول ان کان اماً کان من الثقاتِ التوثیق ابن الندیم

(تنقیح المقال جلد اول ص ۶۰ باب احمد مطبوعه تهران)

ترجمہ: ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینور کا باشندہ تھا۔ اس کے بارے میں ابن ندیم نے کہا کہ اس نے بصری اور کوفی لوگوں سے علم حاصل کیا۔ اور بہت سے علوم میں مہارت تھی روایات میں ثقہ ہے۔ اور صدق میں معروف ہے۔ تقریباً سولہ کتب کا مصنف ہے۔ اور میں (صاحب تنقیح المقال علامہ مامقانی) کہتا ہوں کہ ابوحنیفہ دینوری امامی شیعہ ہے۔ تو ابنِ ندیم کی توثیق سے وہ واقعی ثقہ ثابت ہوتا ہے۔

نوٹ: صاحب تنقیح المقال علامہ مامقانی نے ابن ندیم کے ثقہ کہنے کی وجہ سے ابوحنیفہ کو ثقہ کہا۔ اور صاحب الذریعہ نے کئی اور طریقوں سے اس کے تشیع کو ثابت کیا ہے۔ یہ اندازِ تحریر ظاہر کرتا ہے کہ ابوحنیفہ دینوری امامی شیعہ تھا۔ باقی رہا ابنِ ندیم کا اس کی توثیق کرنا تو لگے ہاتھوں ابن الندیم کے مسلک پر بھی بات ہو جائے لہٰذا سنیئے۔

الکنی والالقاب

ابن الندیم ابوالفرج محمد بن اسحاق الندیم المعروف بابن ابی یعقوب الوراق الندیم البغدادی الکاتب الفاضل الخبیرالمتبحر الماهر الشیعی الامامی مصنف کتاب الفهرست(الکنی والالقاب جلد اول صفحه ۴۳۰ مطبوعه تهران)

ترجمہ: ابنِ ندیم ابوالفرج محمد بن اسحاق الندیم جو ابنِ ابی یعقوب الوراق ندیم بغدادی کے نام سے مشہور ہے۔ کاتب فاضل عالم ماہر اور امامی شیعہ تھا۔ فہرست نامی کتاب اسی کی تصنیف ہے۔

لمحہ فکریہ

"ابن ندیم" نے ابوحنیفہ دینوری کی توثیق کی تھی اور اسی کی توثیق کا سہارا لیتے ہوئے علامہ مامقانی نے اسے ثقہ کہا۔ اب جب کہ یہ بات واضح ہو گئی کہ ابن ندیم خود امامی شیعہ ہے۔ تو یہ بھلا کسی سنی کی توثیق کیونکر کرتا۔ اگر پھر مامقانی اس کی گردن پر بوجھ ڈال کر توثیق کا اقرار کیوں کرتا۔ مامقانی نے کہا تھا "ابوحنیفہ شیعہ ہے" اب اگر مگر کی بات ختم ہو گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صاحب اخبارالطّوال امامی شیعہ ہے۔ اسے سنی کہنا فریب ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوجل اور فراڈ یہ کہ اس کی کتاب کو اہلِ سنت کی معتبر کتاب کے عنوان سے لکھنا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات سے شیعہ اگر اپنے عقائد ثابت کرتے ہیں۔ تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ یہ تو یوں ہی ہوگا۔ کہ دیکھو! اصافی یا الکافی میں مسلک شیعہ کی یوں تائید موجود ہے۔ آخران میں شیعیت کا ثبوت نہ ہوگا۔ تو اور کن کتابوں سے پیش کیا جائے گا۔

فاعتبروا یااولی الابصار

☆☆☆☆☆

والدین مصطفےٰ ﷺ اور امامِ اعظم

از: مفتی محمد خان قادری (لاہور)

سوال: امام اعظم کا موقف یہی ہے کہ ان کی (والدین مصطفےٰ) وفات کفر پر ہوئی' آپ نے اپنی کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں تصریح کردی ہے کہ ''ماتا علی الکفر'' ان دونوں کی وفات کفر پر ہوئی۔

جواب: علماء نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں' ان میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

ا۔ یہ فقہ اکبر میں کسی شخص نے اضافہ کردیا ہے کیونکہ معتمد نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں۔

امام طحطاوی حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں۔

وما فی الفقہ من ان والدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام وعلی النسخ المعتمد لیس لھا شیی من ذلک (حاشیہ درمختار)

فقہ اکبر میں موجود ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کی وفات کفر پر ہوئی یہ امام صاحب پر الزام اور تہمت ہے۔ اس کتاب کے معتمد نسخوں میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔

۲۔ اصل عبارت ''ماتا علی الکفر'' نہیں ماماتا علی الکفر'' ہے ایک ''ما'' یہاں سہو کتابت کی وجہ سے نہ لکھا جاسکا جس سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور اس پر دلیل یہ ہے کہ فقہ اکبر کے قدیم نسخوں میں ''ما'' کا لفظ موجود ہے۔

شیخ مرتضیٰ زبیدی ''الانتقاد لو الدی النبی المختار'' میں اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ میں نے اپنے شیخ احمد بن مصطفیٰ الحلبی کے دست اقدس کے ساتھ ''فقہ اکبر'' کے اس مقام پر یہ الفاظ پائے جس میں انہوں نے سہو کتابت کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا۔

ان الناسخ الماراء ی تکرر مافی ماماتاظن ان احداھما زائدۃ فحذفھا فذاعت نسخۃ الخاطئۃ (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص ۱۹۹)

جب کاتب نے ''ما'' کا لفظ دومرتبہ لکھا ہوا پایا تو اس نے محسوس کیا کہ شاید ایک ''ما'' زائد ہے۔ لہٰذا اس نے پہلے ''ما'' کو عمداً نہ لکھا۔ اس وجہ سے غلط نسخہ چھپ گیا۔

شیخ مذکور نے فقہ اکبر کی عبارت کے سیاق وسباق سے اس پر دلیل قائم کی کہ واقعتاً یہاں سہو کتابت ہے۔ دلیل دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

ومن الدلیل علیٰ ذلک سیاق الخبر لان اباطالب والابوین لو کان نواجمیعاً علیٰ حالۃ

واحدۃ جمع الثلاثۃ فی الحکم بجملۃ واحدۃ لا بجملتین مع عدم التخالف بینھم فی الحکم (الامام علی القاری واثرہ فی الحدیث ص ۱۱۰)

سیاق کلام دال ہے کہ یہاں کلمہ ''ما'' ہونا چاہیے کیونکہ آپ کے چچا ابوطالب اور آپ کے والدین کا اگر ایک ہی حکم ہوتا تو ان تینوں کا حکم ایک ہی جملہ میں لکھ دیا جاتا۔ دو جملوں میں لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا حکم الگ ہے۔

شیخ ابراہیم قوتلافی اپنے مقالے ''الامام علی القاری'' میں شیخ کی یہ گفتگو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے مصر میں دو ایسے قدیم نسخوں کو دیکھا ہے جن پر ''ما'' لفظ موجود ہے۔

وانی بحمد اللہ راء یت لفظ ''ما ماتا'' فی نسختین بدارالکتب المصریۃ قدیمتین و علی القاری بنیٰ شرحہ علی النسخۃ الخاطئۃ

الحمدللہ! میں نے مصر میں فقہ اکبر کے دو قدیم نسخے ایسے دیکھے ہیں جن میں ''ما'' کا کلمہ دومرتبہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں سے محسوس ہوتا ہے کہ ملا علی قاری کے سامنے فقہ اکبر کا غلط نسخہ تھا جس میں کلمہ ''ما'' نہیں۔

جب محققین نے تصریح کردی ہے کہ یہاں ایک ''ما'' سہو کتابت کی وجہ سے حذف ہو چکا ہے تو اس عبارت کو دلیل بنانا ہرگز درست نہیں۔

پھر اپنے اسی مقالے میں اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ کے مکتبہ شیخ الاسلام میں دور عباسیہ کے تحریر کردہ ''فقہ اکبر'' کا نسخہ دیکھا جس میں یہ تمام عبارت نہیں ہے بلکہ وہاں الفاظ یہ تھے۔

ووالدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتا علی الفطرۃ وابو طالب مات کافراً۔
(الامام علی القاری واثرہ صفحہ ۱۱۰)

آقائے دوجہاں ﷺ کے والدِ گرامی کی وفات فطرت پر اور ابوطالب کی وفات کفر پر ہوئی۔

سوال: حضرتِ ملا علی قاری آپ کے والدین کے کفر کے قائل ہیں' انہوں نے اس موضوع پر باقاعدہ کتاب لکھی ہے۔

جواب: حضرت ملا علی قاری نے واقعتاً اس موضوع پر کتاب لکھی تھی مگر علماء نے اُن کے اس عمل کو پسند نہیں کیا بلکہ آخری عمر میں انہوں نے خود اس بات سے رجوع کر لیا تھا' محشی نبراس علامہ برخوردار لکھتے ہیں۔

فقد اخطاء وزل لایلیق ذلک لہ نقل توبۃ من ذلک فی القول المستحسن.
(حاشیہ نبراس : ۵۲۶)

ملا علی قاری سے اس مسئلہ میں خطاء ہوئی اور وہ پھسل گئے لیکن ''القول المستحسن'' میں مروی ہے کہ انہوں

نے اس مسئلہ میں رجوع کرلیا یعنی توبہ کرلی تھی۔

ملا علی قاری کی تصریح:

الشیخ مصطفیٰ الحمامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شرح شفاء میں ملا علی قاری نے جو گفتگو کی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔ شرح شفاء کے وہ دو مقامات یہ ہیں۔

ا۔ ایک مقام پر قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ "ذی المجاز" کے مقام پر سواری کی حالت میں ابوطالب نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے سخت پیاس محسوس ہورہی ہے مگر پانی نہیں' اس پر نبی اکرم ﷺ نے سواری سے اتر کر زمین پر پاؤں مارا۔ وہاں سے پانی نکل آیا۔ تو آپ نے فرمایا چچا! یہ پانی پی لو اس کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

وابو طالب لم یصح اسلامه وابویه ففیه اقوال والا صح اسلامهما علی ما اتفق علیه الاجلة من الامة (شرح الشفاء ۱۔۱۰۱)

ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں مگر آپ کے والدین کے ایمان کے بارے میں مختلف اقوال میں مختار یہی ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ امت کے اکابر کا اس پر اتفاق ہے۔

دوسرے مقام پر ملا علی قاری اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں"

اماما ذکروامن احیائه علیه الصلوة والسلام ابویه فالاصح وقع علی ما علیه الجمهور الثقات کما قال السیوطی فی رسائله (شرح الشفاء ۱۔۶۴۸)

علماء نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کا زندہ ہو کر اسلام قبول کرنا بیان کیا ہے' یہی مختار ہے جمہور علماء امت کی یہی رائے ہے امام سیوطی نے اس موضوع پر متعدد رسائل تصنیف کیے ہیں۔

یاد رہے کہ شرح الشفاء ملا علی قاری کی آخری تصانیف میں سے ہیں۔ یہ نسخہ شرح شفاء استنبول ترکی ۱۳۱۶ھ کا مطبوعہ ہے۔ فقیر کے پاس موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

ایمان والدین مصطفیٰ اور امام ابوحنیفہ

از غازی حجاز شیخ سید محمد علوی مالکی مدظلہ العالی (مکہ مکرمہ)

مترجم: مفتی محمد خان قادری (لاہور)

یہاں ہم امام اعظم کی طرف حضور کے والدین کے بارے میں جو کچھ منسوب ہے کہ وہ آپ کے والدین کے کفر کے قائل تھے اس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں' ان کا اس قول سے رجوع ثابت ہے جیسے شیخ مصطفیٰ الحمامی نے النهضة الاصلاحية میں لکھا ہے ملا علی قاری کی طرف ایک کتابچہ منسوب کیا جاتا ہے جس کا نام "اولة معتقد ابی حنیفة الامام فی ابوی الرسول علیه السلام" ہے جس میں آپ ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کی گئی ہے جس سے بچنا لازم تھا کیونکہ یہ کلام بارگاہِ مصطفوی میں تکلیف کا باعث بنتا ہے اور آپ کو اذیت دینا عظیم گناہ ہے۔

اب ہم مذکورہ رسالے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ امام اعظم کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ حضور کے والدین قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ان پر بہت بڑی اور واضح تہمت ہے اور پھر یہ اس سے بھی بڑھ کر تہمت ہے کہ رسالے کا نام' اولة معتقد ابی حنیفة الامام فی ابوی الرسول علیه السلام" ہے (حضور کے والدین کے بارے میں امام اعظم کا عقیدہ یعنی کہ وہ کافر جانتے تھے) اگر کوئی قاری یہ اعتراض کرے کہ ملا علی قاری نے اس رسالے کے شروع میں لکھا کہ امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں کہا ہے۔ والدا رسول الله ماتا علی الکفر جب ان کی کتاب میں موجود ہے تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اس قول کی امام اعظم کی طرف نسبت کرنا تہمت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر میں "ماتا علی الکفر" کے الفاظ نہیں بلکہ اس میں عبارت یوں ہے۔

والدارسول الله ماتا علی الفطرة وابو طالب مات کافراً

حضور کے والدین فطرت پر فوت ہوئے جب کہ ابوطالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

میں نے یہ عبارت خود اس قدیم نسخہ میں دیکھی ہے جو مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری میں موجود ہے بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ یہ نسخہ عہدِ عباسی کا تحریر کردہ ہے۔ لائبریری میں یہ نسخہ جس مجموعہ کتب میں محفوظ ہے اس کا نمبر ۳۳۰ ہے جو شخص فقہ اکبر کے اس نسخہ کو دیکھنا چاہے وہ اس لائبریری سے رجوع کرے۔ یقیناً وہ اس نسخے میں وہی الفاظ پائے گا جو ہم نے یہاں نقل کیے ہیں اور مجھے دیکھے ہوئے کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ یہ موسم حج ۱۳۵۴ کی بات ہے اور آج وقتِ تحریر ۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ہے۔ یعنی پانچ ماہ اور کچھ دن ہوئے ہیں کیونکہ میں ۱۳۵۴ھ ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ میں تھا جو کوئی بھی تامل سے کام لے گا اسے یقین ہوجائے گا کہ

ملا علی قاری کے نسخے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ اہم خرابیاں ہیں۔

۱۔ پہلی یہ کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ اس قدیم نسخے کی مخالفت کرتا ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

۲۔ دوسری یہ کہ اس میں تدلیس ہے کیونکہ جب کوئی شخص ملا علی قاری کی منقولہ عبارت کے بعد یہ جملہ پڑھتا ہے۔ (وابوطالب مات کافراً) تو از خود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب حضور کے والدین اور ابوطالب تمام کفر پر فوت ہوئے تو فقہ اکبر کی عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ ووالدا رسول الله وابوطالب ماتوا کفاراً یعنی حضور علیہ السلام کے والدین کا کفر الگ اور ابوطالب کے کفر کو الگ ذکر نہ کیا جاتا۔

رہا معاملہ ہمارے نسخے کا تو یہ بہت ہی واضح ہے ابوطالب کے کفر کے افراد میں کیونکہ یہاں حکم ہی دو تھے اس لیے پہلے میں حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابوطالب کے کفر پر تصریح ہے ممکن ہے قاری کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ملا علی قاری نے جو کفر کا لفظ نقل کیا ہے وہ اس لفظِ فطرت سے منحرف ہو کر بنا ہو جو اس مذکورہ نسخے میں موجود ہے۔ کیونکہ ان دونوں الفاظ کا کفر اور فطرۃ کے درمیان واضح قرب ہے۔

کیا یہ تحریف مقصود ہو سکتی ہے کہ ابوطالب کے حکم کو حذف کر دیں اور کہیں۔

(ووالدا رسول الله ماتا علی الفطرة وابوطالب ذالک)

اگر ایسا ہو تو پھر ہم نہیں جانتے کہ یہ حذف مؤلف سے ہوا یا کہ ناشر سے اور یہ رسالہ اصلاً باطل ہے کیونکہ جو کچھ اس میں لکھا تھا اس سے رجوع کے بعد مصنف نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

پہلا مقام صفحہ ۶۰۱ پر ہے جب کہ دوسرا مقام صفحہ ۶۴۸ پر ہے اور یہ شرح شفاء کا نسخہ ۱۳۱۲ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا۔ (شرح شفاء کا نسخہ میرے پاس موجود ہے جس کی فوٹو حاصل کی جا سکتی ہے۔ محمد خان قادری)

پہلا مقام:

علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے حضور اکرم ﷺ سے ذی مجاز کے مقام پر کہا۔

عطشت ولیس عندی ماء فنزل النبی وضرب بقدمه الارض فخرج الماء فقال اشرب مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے جب کہ میرے پاس پانی بھی نہیں ہے اس پر حضور علیہ السلام سواری سے نیچے اترے اور اپنا قدم مبارک زمین پر مارا جس سے زمین سے پانی نکل آیا اور ابوطالب سے کہا پی لو اس کے تحت ملا علی قاری شیخ دلجی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

الظاهر ان هذا کان قبل البعثة یعنی فیکون من الارهاصات ولا یعدان یکون بعدالنبوة فهو من المعجزات

ظاہر یہی ہے یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا ہے یعنی یہ ارہاصات (۱) ارہاصات وہ معجزات جو آپ کو اعلان نبوت سے قبل نصیب ہوئے۔

میں سے ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ یہ واقعہ اعلانِ نبوت کے بعد وقوع پذیر ہو یوں اس کا تعلق معجزات سے ہوگا۔

شاید اس میں اس طرف اشارہ ہو کہ آخری زمانے میں آپ کے قدموں کی برکت سے عرفات میں ایک پانی کا چشمہ جاری ہوا اور اس کی برکات مکہ اور اس کے اردگرد میں ظہور پذیر ہوں۔

ابوطالب کا اسلام لانا ثابت نہیں اور جہاں تک آپ کے والدین کے ایمان کا مسئلہ ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں صحیح قول یہی ہے کہ وہ اسلام پر تھے بڑے بڑے آئمہ کا یہی قول ہے۔ امام سیوطی نے اس موضوع پر اپنے تین رسائل میں اس کو واضح کیا ہے۔

۲۔ دوسرا مقام:

دوسرے مقام پر شیخ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے والدین کو زندہ کیا تھا۔ جمہور علماء ثقہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے جب کہ امام سیوطی نے اپنے تین رسائل میں اس کی تصریح کی ہے۔

پس خود مؤلف رسالہ شیخ ملا علی قاری نے حق وصواب کی طرف رجوع کر کے رسالہ کا رد کر دیا۔ یہی شان تھی ہمارے سابقہ اکابر علماء کی کہ وہ جب بھی کسی غلطی کے مرتکب ہوتے تو حق کی طرف رجوع کرنے کے لیے انتظار نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی ان سے کوئی نافرمانی ہوتی تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے جب بھی ان میں کوئی نقص رونما ہوتا تو کمال کی طرف بڑھتے۔ جب بھی وہ اپنے مقام سے ذرا نیچے کی طرف گرتے تو فوراً چوٹی اور رفعت کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے۔

ہمارے پاس والدین نبی کی نجات پر یہی دلیل نہیں بلکہ مذکورہ بالا گفتگو کے علاوہ بھی ایک دلیل ہے جو آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین زمانہ فطرت میں فوت ہوئے اس دور میں کوئی ایسا رسول یا نبی نہ تھا جو ان کو ان کے رب کی طرف سے واجبات کی تعلیم دیتا۔ ان پر زمانہ طویل ہوتا رہا۔ اور وہ اسی حالت میں رہے۔ بے شک یہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے دور کے بعد ہے جس میں ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔ یوں آپ کے والدین دیگر عرب کی طرح معذور ہیں۔

ہم یہ بھی چاہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی پر غور کیا جائے۔

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ هُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْن (پ۲۲ یٰس آیت ۱تا۶)

اس آیت کریمہ کے یہ الفاظ (لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ هُمْ فَهُمْ غَافِلُوْنَ) نہایت ہی قابل توجہ ہیں جس میں اس دور کے باسیوں کی طرف واجبات سے دوری کا عذر پیش کیا گیا ہے بایں صورت کہ ان کے آباء کو کسی نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں ڈرایا۔ تاکہ وہ جانتے کہ ان کے رب کے ان پر کچھ حقوق ہیں جن کی ظاہراً وباطناً پیروی ضروری ہے۔ یوں ان کے والدین اپنے والدین کی روش پر پرورش پائے۔ یعنی واجبات پر عمل پیرا نہ تھے۔

اس آیتِ کریمہ سے فرق واضح ہوا۔ وہ بچہ جو نیک والدین میں پرورش پایا ہوا اور اس بچے کے درمیان جو فاسق والدین کے درمیان پرورش پایا ہو۔ پہلی صورت میں بچہ دین سے آگاہ اور اپنے والدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین کے قوانین کی اتباع کرے گا جب کہ دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد گرامی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قوم کا نقل کیا ہے جب کہ ان پر سیدہ مریم کی حقیقت حال واضح نہیں تھی تو ان کی قوم نے ان سے کہا۔

یَا اُخْتَ هٰرُوْنَ مَاکَانَ اَبُوْکِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَاکَانَتْ اُمُّکِ بَغِیًّا (پ ۱۶ مریم آیت ۲۸)

ترجمہ: اے ہارون کی بہن تیرا باپ (برا) آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔

یعنی تم سے اس طرح کے فعل کا سرزد ہونا عجیب ہے کیونکہ تمہارے والدین تو ایسا کام نہیں کرتے تھے۔

قرآن نے اہل فترہ سے عذاب کی نفی کی تصریح کی ہے۔

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

ترجمہ: اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں میں سے کسی کو اصول وفروع کے ترک پر عذاب نہیں دیتا جب تک ان میں میرا کوئی رسول موجود نہ ہو۔ جب لوگ عہدِ رسالت سے دور ہوں سابقہ شریعت میں تحریف و تبدیلی آچکی ہو۔ اور ان میں کوئی ایسا اللہ تعالیٰ کا پیغمبر نہ آیا ہو جو انہیں متنبہ کرے اور سمجھائے کہ جن واجبات کو تم چھوڑ رہے ہو ان کا چھوڑنا تمہارے لیے جائز نہیں تو ایسے لوگوں پر گرفت نہ ہوگی۔ اگر رسول بھیجے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بغیر کسی جرم کے عذاب میں مبتلا کرتا ہے حالانکہ ہمارا رب نہایت ہی عادل وحاکم ہے جو کبھی بھی کسی کو ناحق عذاب نہیں دیتا۔

حضور علیہ السلام کے والدین نے اپنے زمانے کے دوسرے لوگوں کی طرح ایسے زمانے میں زندگی بسر کی

جب کوئی غیر متبدل شریعت موجود نہ تھی اور نہ ہی کوئی رسول تھا۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے والدین کی وفات کے بہت عرصہ بعد اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا۔ آپ کے والدِ گرامی تو اس وقت فوت ہو گئے تھے جب آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال اس وقت ہوا جب آپ کی عمر مبارک چار سال یا اس سے بھی کچھ کم تھی۔ لہٰذا آپ کے والدین کریمین دوزخ کے عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح زمانہ فترۃ کے باقی لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ علماء امت کی اکثریت کا یہی قول ہے۔

اگر تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اہل فترۃ عذاب میں مبتلا ہیں تو اس حدیث کی رو سے باقیوں کو بھی ان پر قیاس کر لیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس معاملہ میں جتنی بھی احادیث مبارکہ ہیں وہ تمام کی تمام خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں۔ اخبار احاد کا قرآن پاک کے ساتھ مقابلہ نہیں کرایا جا سکتا۔

شاید تمہارے ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ یہاں تعارض پیدا ہوتا ہے۔ اگر بظاہر تعارض ہے تو اس کا رفع اس طرح ممکن ہے کہ وہ احادیث ان اشخاص کے ساتھ مخصوص ہوں جن کے احوال کا وہاں ذکر ہے۔ تو اب قیاس کیسے درست ہوگا۔ علاوہ ازیں ایسے موقع پر قیاس جائز بھی نہیں ہوتا۔

ممکن ہے ذہن میں یہ بات آئے کہ ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ اس واقعہ سے قبل کا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا تھا تاکہ آپ پر ایمان لے آئیں واقعتاً یہ زندگی ان کو نصیب ہوئی اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور یہ جمہور آئمہ کی رائے ہے جیسا کہ ملا علی قاری نے بیان کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس زندگی کے بعد آپ کے والدین کو ایمان نصیب ہوا اور اس سلسلہ میں سابقہ آیات مبارکہ بھی ممد ومعاون ہیں کیونکہ وہ آیات کریمہ بھی آپ کے والدین کی نجات پر دلالت کرتی ہیں یوں ان آیات اور احادیث مبارکہ میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اولاً تو یہ احادیث مبارکہ احاد ہیں ثانیاً یہ آپ کے والدین کے دوبارہ زندہ ہونے سے قبل وارد ہوئی ہیں اور پھر ان احادیث مبارکہ میں چوٹی کے علماء کرام نے تکلم کیا ہے جس کے بعد ان احادیث سے استدلال کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ امام سیوطی نے تنہا اس موضوع پر تین رسائل لکھے جن کا ذکر ملا علی قاری نے بھی فرمایا ہے۔

ملا علی قاری کے رجوع کے معاملہ پر بھی سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں کہ ان کی آخری رائے کونسی ہے؟ تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے اگر اس رسالے کو آخری مان لیا جائے تو پھر لازم آئے گا

کہ ملاعلی قاری نے اپنی تصنیف شرح شفاء میں آپ کے والدین کریمین کے ایمان اور نجات کا جو قول کیا تھا اس سے رجوع کر لیا تھا یا شرح شفاء والا قول آخری ہو تو اب کفر سے ایمان کی طرف رجوع ہوگا۔ لہذا ہم اس نقطے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ ملاعلی قاری نے جو کچھ شرح شفاء میں لکھا وہ ان کی آخری رائے ہے اس صورت میں معاملہ بڑا واضح ہے لیکن اگر ملاعلی قاری کے رسالہ کو آخری قول قرار دیا جائے تو معاملہ نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور جو چیز اس معاملہ کو اور آسان کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ملاعلی قاری نے شرح شفاء میں اس بات کی تصریح کر دی کہ حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ علماء اجل کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور یہی قول جمہور ثقہ علماء کا بھی ہے اور اب اگر ملاعلی قاری ایسے قول سے رجوع کر کے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے رسالے میں ہے تو پھر گویا انہوں نے علماء امت اور جمہور کی مخالفت کی تو اس رسالے کی کیا قیمت ہوگی۔ جو جمہور اور ثقہ علماء کے مقابل ہو۔ اب ملاعلی قاری ایک طرف اور جمہور علماء دوسری طرف ہوں گے۔ پھر یہ بھی قول کرنا پڑے گا کہ ملاعلی قاری نے حق سے رجوع کر لیا اور ایسی بات کہہ دی جس کا بطلان واضح ہے۔

جب ہم نے ثابت کر دیا کہ امام اعظم کا موقف ہے کہ آپ کے والدین دین فطرت پر فوت ہوئے تو ملا علی قاری کا قول ازخود باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ امام اعظم کے مقابلے میں ملاعلی قاری کا کوئی مقام نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملاعلی قاری نے اپنے رسالے میں جو کچھ لکھا وہ امام صاحب کے محرف کلمات کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا اور ان کی سب سے قوی دلیل یہی الفاظ تھے اور پیچھے ہم تفصیلی دلائل سے واضح کر چکے ہیں کہ ان کلمات کی کوئی اصل نہیں بلکہ وہ تحریف شدہ ہیں۔

علامہ آلوی بغدادی کا شمار اسلاف ثقہ میں ہوتا ہے اپنی تفسیر روح المعانی میں "وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ" (پ ۱۹ الشعراء آیت ۲۱۹) کے تحت لکھتے ہیں کہ بے شک حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کا قول اہل سنت وجماعت کے کثیر علماء کا ہے۔

وانا اخشى الكفر على من يقول فيها رضى الله عنهما على رغم الف على القارى واضرابه بضد ذلك

میں ہر اس شخص کے بارے میں کفر کا خوف محسوس کرتا ہوں جو آپ کے والدین کے بارے میں کفر کا عقیدہ رکھتا ہو ملاعلی قاری اس معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے ان دونوں چچا ابوطالب وابولھب کے لیے رحمت ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھا۔ آپ کی دعوت حق کو اپنے

کانوں سے سنا اور پھر بھی کفر پر موت تک ڈٹے رہے۔

احادیث نبویہ کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کے ان دونوں چچاؤں نے آپ سے قرابت کی بنا پر عذاب کی تکالیف میں تخفیف پائی کیونکہ حدیث نبویہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں تخفیف کر دی۔ جب کہ آپ کے دوسرے چچا ابولہب کو بعض اوقات کے لیے عذاب میں تخفیف کر دی بلکہ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ کا مبارک وجود تمام کفار کے لیے رحمت ہے جنہوں نے کھلم کھلا آپ کو جھوٹا کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَاكَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (پ ۹ انفال آیت ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

تو پھر آپ کا وجود اپنے والدین کے لیے کیسے رحمت نہ ہوگا؟ جو دین فطرت پر فوت ہوئے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر جمہور ثقہ کا موقف ہے۔

(الذخائر المحمدیہ)

☆☆☆☆☆

امام اعظم کی روح پرور حکایات

مرتبہ: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

(۱) امام ابوحنیفہ کا ایک مناظرہ: ایک مرتبہ "قرآت خلف الامام" یعنی نماز میں امام کے پیچھے قرآت پڑھنے کے مسئلے میں مناظرہ کرنے کے لیے "محدثین" کا ایک گروہ حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس آیا آپ نے فرمایا کہ پوری جماعت سے بیک وقت مناظرہ غیر ممکن ہے لہذا آپ لوگ اپنی جماعت میں سے کسی ایک ایسے شخص کو منتخب کر دیں جو آپ لوگوں میں سے زیادہ صاحب علم ہو۔ تاکہ میں اس سے مناظرہ کروں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک شخص کو منتخب کر کے مناظرے کے لیے پیش کر دیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ کیا یہ شخص جو کچھ کہے گا وہ آپ سب لوگوں کا کہا ہوا مانا جائے گا؟ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ پھر حضرت امام نے دریافت فرمایا کہ اس کی ہار جیت آپ سب لوگوں کی ہار جیت شمار کی جائے گی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جی ہاں۔

حضرت امام نے فرمایا کہ یہ کیوں کر؟ لوگوں نے کہا کہ اس لیے کہ ہم نے اس شخص کو اپنا امام منتخب کر لیا ہے۔ لہذا اس کا کہا ہوا ہمارا کہا ہوا۔ اس کی ہار جیت ہماری ہار جیت ہوگی۔ حضرت امام نے فرمایا کہ بس مناظرہ ختم ہو گیا۔ یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم نے نماز میں جب ایک شخص کو اپنا امام بنا دیا تو اس کی قرآت ہماری قرآت ہوگی۔ لہذا مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرآت کی ضرورت نہیں۔ محدثین حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز استدلال سے حیران ہو کر لاجواب ہو گئے۔ (روح البیان، ج ۳ ص ۲۰۳)

نتیجہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دولت علم و عمل کے ساتھ ذہانت و دانائی اور عقل کا کمال بھی بے مثال عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے۔ اگر وہ اس پتھر کے ستون کو سونا ثابت کرنے کے دلائل پر اتر آتے تو وہ اپنی دلیلوں سے اس کو سونا ثابت کر دیتے۔

(۲) حاسد کا انجام: خلیفہ بغداد "ابوجعفر منصور عباسی" حضرت امام ابوحنیفہ کا انتہائی معتقد تھا اور آپ کو سلطنت بھر کے علماء پر فضیلت دیتا تھا۔ امام ممدوح کا اعزاز دیکھ کر محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) کو حسد ہونے لگا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے دربار شاہی میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ "تجھ پر تین طلاق۔" پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر کہا کہ انشاء اللہ تو کیا اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی؟

حضرت امام نے فرمایا کہ ہاں ضرور طلاق پڑ جائے گی۔ اس لیے کہ اس نے انشاء اللہ کو اپنے طلاق والے جملے سے الگ کر دیا۔ اس لیے یہ استثناء مفید نہیں ہوگا۔ یہ سن کر محمد بن اسحاق نے کہا کہ اے امیر المومنین! ذرا امام ابوحنیفہ کی جرأت دیکھئے کہ آپ کے دربار میں آپ کے سامنے، آپ کے جد امجد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مسلک کی مخالفت کر رہے ہیں۔ آپ کے جد امجد کا یہ قول ہے کہ انشاء اللہ اگر کلام سے الگ کر کے کہا جائے جب بھی یہ استثناء مفید

ہوتا ہے۔ یہ سنتے ہی ابوجعفر منصور مارے غصہ کے آگ بگولہ ہو گیا۔ اور کہا کہ کیوں جی؟ ابوحنیفہ! تمہاری یہ جرأت ہے کہ تم میرے دربار میں میرے جد کریم کے قول کی مخالفت کرتے ہو؟ حضرت امام نے بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ امیر المومنین! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کا مطلب کچھ اور ہے اور محمد بن اسحٰق کا منشاء کچھ اور ہے۔ محمد بن اسحاق یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بیعت کر کے باہر نکلیں اور انشاء اللہ کہہ دیں تو آپ کی بیعت ختم ہو جائے۔ یہ سنتے ہی ابوجعفر منصور مارے غصے کے سرخ ہو گیا اور جلادوں کو حکم دے دیا کہ محمد بن اسحاق کے گلے میں ان کی چادر کا پھندا ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لے جاؤ اور ان کو قید کر دو۔ (روح البیان ج ۵ ص ۲۳۵)

نتیجہ: حسد کتنی بری بلا ہے کہ محمد بن اسحٰق جیسی شخصیت جو فن مغازی کے امام کہلاتے ہیں اسی حسد کی نحوست سے دربار شاہی کی اعزازی کرسی سے جیل خانہ کی ذلت میں گرفتار ہو گئے۔ اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذہانت اور دانائی بروقت ان کا دفاع نہ کرتی تو محمد بن اسحاق نے تو امام ممدوح کے قتل ہی کا سامان کر دیا تھا۔ مگر یہ مثل کتنی سچی ہے کہ "چاہ کن را چاہ درپیش" یعنی جو دوسروں کے گرنے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود ہی اس کنویں میں گر پڑتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں "من شر حاسد اذا حسد" فرما کر حاسد سے خدا کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

بمیر تابرھی اے حسود کیں رنجے است
کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

یعنی اے حاسد! تو مر جا۔ اس لیے کہ حسد ایک ایسا رنج ہے کہ بغیر مرے ہوئے تو اس سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتا۔

(۳) عراق شہر نفاق: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حضرت امام مالک کی درسگاہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت امام مالک نے آپ کو پہچانا نہیں اور دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میرا وطن عراق (کوفہ) ہے۔ حضرت امام مالک نے فرمایا کہ وہی عراق جو شہر نفاق ہے۔ حضرت امام اعظم نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا ہاں ہاں! ضرور پڑھو۔ حضرت امام اعظم نے اس طرح تلاوت فرمائی۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ (پ ۱۱ التوبۃ آیت ۱۰۱)

حضرت مالک یہ سن کر تڑپ اٹھے اور کہا کہ قرآن صحیح صحیح پڑھو۔ غلط کیوں پڑھتے ہو؟

حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ یہ آیت کس طور پر ہے تو حضرت امام مالک نے فرمایا "ومن اهل المدينة مردوا على النفاق" حضرت امام اعظم نے فرمایا کہ بے شک یہی صحیح ہے الحمد للہ! آپ نے خود ہی فیصلہ فرما دیا کہ کون شہر نفاق کا رہنے والا ہے؟ یہ سن کر حضرت امام مالک چونک پڑے اور جب لوگوں نے بتایا کہ یہ فقیہ عراق امام اعظم ابوحنیفہ ہیں تو

حضرت امام مالک کو بڑی ندامت ہوئی اور انہوں نے آپ کا بے حد اعزاز و اکرام فرمایا۔ (نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۳)

نتیجہ: کسی نووارد شخص کے بارے میں بغیر پوری معلومات حاصل کیے ہوئے جلدی سے کوئی تبصرہ کر دینا بعض وقت بڑی ندامت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور کسی نووارد شخص کے بارے میں بلا پوری تحقیقات کے جلدی میں کوئی رائے بھی نہیں قائم کر لینی چاہیے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے پتے کی بات فرمائی ہے کہ ؂

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است!
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد!

ہر جنگل کے بارے میں یہی گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ یہ خالی ہی ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی چیتا سو رہا ہو۔ یعنی ہر فرسودہ حال کے بارے میں یہ گمان نہیں کر لینا چاہیے کہ یہ کمال سے خالی ہوگا۔ کبھی کبھی گدڑی میں "لعل" بھی ہوتا ہے۔

(۴) **امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری:** نامور محدث ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ حضرت سفیان ثوری کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو ہم لوگ ان کے پاس تعزیت کے لیے گئے۔ پوری مجلس علماء و مشائخ سے بھری ہوئی تھی۔ اسی حالت میں امام ابوحنیفہ بھی بمعہ اپنے تلامذہ کے وہاں پہنچے جب حضرت سفیان ثوری نے آپ کو دیکھا تو اپنی مسند چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کیا۔ پھر اپنی مسند پر آپ کو بٹھا کر خود مودب ہو کر سامنے بیٹھ گئے۔ جب امام ابوحنیفہ چلے گئے تو میں نے حضرت سفیان ثوری سے عرض کیا کہ حضرت! آج آپ کا یہ طرز عمل مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو بے حد ناگوار گزرا کہ آپ نے امام ابوحنیفہ کی تعظیم میں بہت مبالغہ فرمایا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ کیوں تمہیں ناپسند ہوا؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر صاحب علم ہیں میں ان کی تعظیم کے لیے کیوں کھڑا نہ ہوتا؟ اگر ان کے علم کی تعظیم کے لیے نہ اٹھتا تو ان کی فقہ کے لیے اٹھتا۔ اگر ان کی فقہ کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے تقویٰ کے لیے اٹھتا اگر ان کے تقویٰ کے لیے نہ اٹھتا تو ان کے سن و سال کا خیال کر کے کھڑا ہوتا۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری نے مجھے ایسا خاموش کر دیا کہ میں بالکل ہی لاجواب ہو کر رہ گیا۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص ۴۸)

نتیجہ: اللہ اکبر! کتنا نورانی اور بابرکت زمانہ تھا کہ اس مقدس دور کے علماء حق اخلاص اور للّٰہیت کا مجسمہ تھے۔ آج علماء کا باہمی تحاسد و تباغض دیکھ کر زندگی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ کاش! اپنی زندگی میں ہم بھی یہ رحمت والا دور دیکھتے مگر افسوس کہ ہم ایسے زمانے میں پیدا ہوئے ؂

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے، نہ یاروں میں وفا ہے!

(۵) **ابوحنیفہ غلطی نہیں کر سکتے:** ایک روز وکیع بن الجراح محدث کی مجلس میں کسی نے یہ کہہ دیا کہ امام ابوحنیفہ

نے فلاں مسئلے میں غلطی کی تو وکیع نے باوجودیکہ بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ فوراً فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ بھلا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسائل میں کس طرح غلطی کر سکتے ہیں؟ جب کہ ابو یوسف اور زفر جیسے صاحب قیاس اور یحییٰ بن زائدہ و حفص بن غیاث و حبان و مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسا ماہر لغت و ادیب اور داؤد طائی و فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی لوگ ان کی مجلس درس میں حاضر رہتے ہیں۔ جس کے ہم نشین و اہل مجلس ایسے ایسے باکمال ہوں وہ غلطی نہیں کر سکتا اور اگر اتفاقاً اس سے کبھی کوئی غلطی ہو بھی جائے تو اس کے ہم نشین اس غلطی کی اصلاح کر دیں گے۔ (تبصرہ تاریخ بغداد ص ۵۲)

(۶) پانچ مسئلے

خدا کی اک آیۂ شریفہ امام اعظم ابو حنیفہ
رسول مقبول کا خلیفہ امام اعظم ابو حنیفہ
فقہ سارے عیاں جس کے امام مانیں کمال جس کے
وہ حجت وصدق کا صحیفہ امام اعظم ابو حنیفہ
سلوک وعرفان کی علامت زفرق تابہ قدم کرامت
امام اعظم ابو حنیفہ امام اعظم ابو حنیفہ
زمانہ ہر عہد ہر صدی میں کرے گا اخذ فیوض جس سے
جہاں میں وہ ہستیٔ منیفہ امام اعظم ابو حنیفہ
وہ جس سے اذہان ہیں معطر وہ جس سے "تائب" بسا ہے گھر گھر
حدیث کی نکہت لطیفہ امام اعظم ابو حنیفہ

اب چند وہ مسائل جو سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے، ان کے جوابات سنیے اور حضرت امام صاحب کے علم خداداد کی داد دیجیے۔

پہلا مسئلہ: ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ عورت تند مزاج تھی۔ اس نے بھی قسم کھائی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوچا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو ہی نہایت افسوس ہوا۔

شوہر سیدنا حضرت امام سفیان ثوری قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس حاضر ہوا اور صورت واقعہ بیان کی۔ انہوں نے فرمایا کہ قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

وہ شخص وہاں سے مایوس ہوکر اٹھا اور حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ للہ آپ کوئی تدبیر بتائیں۔فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو،کسی پر کفارہ نہیں۔

حضرت امام سفیان ثوری قدس اللہ سرہ العزیز کو جب معلوم ہوا۔تو نہایت ہی برہم ہوئے اور حضرت امام صاحب کے پاس جاکر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتایا کرتے ہیں۔

حضرت امام صاحب نے اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ تم دوبارہ صورت واقعہ بیان کرو۔اس نے واقعہ کا اعادہ کیا۔تو حضرت امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری قدس اللہ سرہ العزیز کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔

حضرت سفیان ثوری نے پوچھا کیوں؟ فرمایا کہ جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہوچکی ہے پھر قسم کہاں رہی؟

سیدنا حضرت سفیان ثوری قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا۔درحقیقت آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔(الخیرات الحسان ص ۴۷)

دوسرا مسئلہ: کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ ہی اپنی دو لڑکیوں کی شادی دو مردوں سے کی جو آپس میں بھائی تھے۔ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان اور اکابر علماء کو مدعو کیا گیا۔سیدنا حضرت مسعر بن کدام۔ سیدنا حضرت سفیان ثوری۔سیدنا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شریک دعوت تھے۔

لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ دفعتاً صاحب خانہ بدحواس ہوکر گھر سے نکلا اور کہا غضب ہوگیا۔لوگوں نے پوچھا خیر ہے؟ بولا زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا اب کیا کیا جائے؟

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا،البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔

حضرت مسعر بن کدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ،امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت امام صاحب نے فرمایا۔شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں گا۔لوگ جاکر بلا لائے۔امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی اگر تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے؟ دونوں نے کہا ہاں۔حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دے دو،اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی ہے۔لوگوں نے آپ کے جواب کو پسند کیا

اور سیدنا حضرت مسعر بن کدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور امام صاحب کو بوسہ دیا۔(الخیرات الحسان ص ۴۴)

فائدہ: سیدنا حضرت امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو جواب دیا تھا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔لیکن حضرت امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا۔وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت وحمیت کے خلاف ہوگا،کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کرلیا تو دونوں میں خلوص واتحاد پیدا نہ ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی جائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: کوفہ میں ایک غالی شیعہ تھا جو سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کہا کرتا تھا کہ وہ یہودی تھے۔حضرت امام صاحب ایک روز اس کے پاس گئے اور فرمایا: تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈتے تھے،ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے اور دولت مند بھی ہے اور ساتھ ہی پرہیزگار،قائم اللیل اور حافظ قرآن بھی ہے۔

شیعہ نے کہا کہ اس سے بڑھ کر اور کون ملے گا ضرور آپ شادی ٹھہرا دیجیے۔حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ صرف اتنی بات ہے کہ وہ مذہباً یہودی ہے۔شیعہ یہ سن کر نہایت ہی برہم ہوا اور کہا۔ سبحان اللہ! آپ ایک یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں۔

حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا ہوا،خود پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے جب تمہارے اعتقاد کے مطابق یہودی کو اپنا داماد بنایا،تو تم کو کیا عذر ہے؟ خدا کی قدرت کہ اتنی بات سے اس کو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدہ سے توبہ کی۔(سیرت نعمان ص ۱۴۱)

چوتھا مسئلہ: محمد بن عبدالرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے،حضرت امام صاحب اور ان میں کسی قدر شکر رنجی تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ فیصلوں میں غلطی کرتے تھے تو حضرت امام صاحب ان کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔قاضی صاحب مسجد میں بیٹھ کر مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

ایک روز کام سے فارغ ہوکر مجلس قضا سے اٹھے۔راستہ میں دیکھا کہ ایک عورت کسی سے جھگڑ رہی ہے۔کھڑے ہوگئے۔اثنائے گفتگو میں عورت نے اس شخص کو یاابن الزانیین کہہ دیا یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے۔قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کرلی جائے۔پھر مجلس قضا میں واپس گئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کرکے درے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔

جب حضرت امام صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کی ہیں۔

(۱)....مجلس قضا سے اٹھ کر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔

(۲)......مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

(۳)......عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے، قاضی صاحب نے اس کے خلاف کیا۔

(۴)......ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور اگر دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے کہ زخم بالکل بھر جائیں۔ پھر دوسری حد لگائی جا سکتی ہے۔

(۵)......جس کو گالی دی گئی، اس نے جب دعویٰ ہی نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا؟ (الخیرات الحسان ص ۳۶)

پانچواں مسئلہ: ایک شخص حضرت امام صاحب کا مخالف تھا۔ ایک دن اس نے حضرت امام صاحب سے دریافت کیا کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو۔؟ جو جنت کی امید نہیں رکھتا اور دوزخ سے خوف نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں اور مردار کھاتا ہے اور نماز بلا رکوع وسجود پڑھتا ہے اور جس کو دیکھا نہیں اس کی گواہی دیتا ہے اور حق کو مبغوض سمجھتا ہے اور فتنہ کو دوست رکھتا ہے اور رحمت سے بھاگتا ہے اور یہودیوں اور نصرانیوں کی تصدیق کرتا ہے۔

آپ نے پوچھا کیا تجھے اس کا حل معلوم ہے؟ اس نے کہا نہیں، لیکن میں ان کلمات کو بہت برا جانتا ہوں۔ میں تم سے اس کے متعلق پوچھتا ہوں۔ پھر آپ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ تمہاری اس سائل کے متعلق کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ایسا شخص بہت برا ہے۔ یہ تو کافر کی صفتیں ہیں۔

آپ نے تبسم فرما کر فرمایا۔ ان کلمات کا قائل ولی اللہ ہے۔ فرمایا جنت کے رب کی امید رکھتا ہے اور جنت کی امید نہیں رکھتا اور دوزخ کے رب سے ڈرتا ہے مگر دوزخ سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عدل میں اس پر ظلم کرے گا اور وہ مچھلی کھاتا ہے جو مردہ ہوتی ہے اور نماز جنازہ پڑھتا ہے کہ جس میں رکوع وسجود نہیں ہوتا اور وہ اس خدا کی شہادت دیتا ہے جس کو دیکھا نہیں اور موت جو حق ہے اس سے بغض رکھتا ہے تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت زیادہ کرے اور مال واولاد جو فتنہ ہے دوست رکھتا ہے اور بارش سے جو کہ رحمت ہے بھاگتا ہے اور یہودیوں کے اس قول کی تصدیق کرتا ہے لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ اور نصرانیوں کے اس قول کی تصدیق کرتا ہے۔ لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ سائل نے اٹھ کر آپ کے سر مبارک کو چوما اور کہنے لگا کہ واقعی تم حق پر ہو۔

(الخیرات الحسان ص ۳۴)

(۷) تین مناظرے

پہلا مناظرہ: آپ نے بہت سے کامیاب مناظرے کیے ان میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں۔ سنیے!

ایک دفعہ سیدنا حضرت قتادہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کوفہ میں تشریف لائے اور اشتہار دیا کہ مسائل فقہ میں جس کو پوچھنا ہو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دوں گا۔ چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے اس لیے بڑا مجمع ہوا اور جوق در جوق

لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے۔ حضرت امام صاحب بھی موجود تھے آپ نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ ایک شخص سفر میں گیا۔ دو برس کے بعد اس کے مرنے کی خبر آئی۔ اس کی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی، چند روز کے بعد وہ شخص زندہ واپس آ گیا اولاد کی نسبت اس نے انکار کیا کہ میری صلب سے نہیں ہے۔ زوج ثانی دعویٰ کرتا ہے کہ اولاد میری ہے تو آیا دونوں شخص اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو کہ ولدیت سے انکار کرتا ہے حضرت قتادہ نے کہا، یہ صورت پیش بھی آئی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں لیکن علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے کہ وقت پر تردد نہ ہو۔

حضرت قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعویٰ تھا۔ فرمایا ان مسائل کو رہنے دو، تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔

امام صاحب نے فرمایا اس آیت میں کون مراد ہیں۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ. (پ ۱۹. النمل آیت ۳۹)

قتادہ نے کہا کہ آصف بن برخیا سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر مراد ہے جو اسم اعظم جانتا تھا۔

امام صاحب نے فرمایا کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں؟ قتادہ نے کہا کہ نہیں۔

امام صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانہ میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہ ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو؟

قتادہ نے کہا نہیں اور کہا کہ علم تفسیر کو چھوڑ دو اور علم عقائد کے متعلق پوچھو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ آپ مومن ہیں؟

قتادہ نے کہا امید رکھتا ہوں۔ امام صاحب نے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی؟

انہوں نے کہا۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا تھا کہ وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (پ ۱۹. الشعراء آیت ۸۲)

مجھ کو امید ہے کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز میری خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

امام صاحب نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے یہ سوال کیا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ تو انہوں نے جواب میں بَلٰی کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں۔ تو آپ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی؟ تب قتادہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ (الخیرات الحسان ص ۴۶)

دوسرا مناظرہ: ایک دفعہ ضحاک خارجی، جو خارجیوں کا سردار تھا اور بنی امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ توبہ کرو۔ آپ نے فرمایا کس بات سے توبہ کروں؟

ضحاک نے کہا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ علی (کرم اللہ وجہہ) نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھگڑے میں ثالثی تسلیم کر لی تھی۔ حالانکہ وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کا کیا معنی؟

امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھ کو تقریر کرنے کی اجازت دو۔

ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر آپس میں بحث کے وقت کوئی بات طے نہ ہو تو کیا علاج؟

ضحاک نے کہا کہ ہم دونوں ایک شخص کو منصف مقرر کریں چنانچہ ضحاک کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کا انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ یہی تو سیدنا حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا تھا پھر ان پر کیا الزام ہے؟ ضحاک دم بخود ہو گیا اور خاموش ہو کر اٹھ گیا۔ (الخیرات الحسان ص ۴۷)

تیسرا مناظرہ: ایک روز بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرآت خلف الامام کے مسئلہ میں امام اعظم سے گفتگو کریں۔ حضرت امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اتنے آدمیوں سے میں تنہا کس طرح بحث کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے۔ لوگوں نے منظور کر لیا۔

آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا تو بحث کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا، اسی طرح امامِ نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرآت کا کفیل ہے۔

(سیرت نعمان ص ۱۲)

سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ یہ درحقیقت اس حدیث پاک کی تشریح ہے جس کو امام ابوحنیفہ نے بسند صحیح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم تک پہنچایا ہے کہ۔

من صلی خلف الامام فقراۃ الامام قراۃ لہ.

جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اسی کی قرأت ہے۔ الحمد للہ رب العالمین

(بحوالہ نورانی مواعظ)

(۸) کمالِ استغنا: ابن ہبیرہ گورنر کوفہ نے ایک دفعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے بہ لجاجت کہا:

"آپ گاہے گاہے تشریف لے آیا کریں تو مجھ پر احسان ہوگا۔"

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "میں تم سے مل کر کیا کروں؟ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں

آ جاؤں گا۔ عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے اس کی مجھے کچھ حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے، اسے کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔" ابن ہبیرہ یہ سن کر دم بخود رہ گیا۔ (معجم۔ موفق)

(۹) یہ میرا فرض منصبی ہے: خلیفہ منصور اور اس کی بیوی حرہ خاتون میں کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ خاتون کی شکایت تھی کہ خلیفہ اس کے حق میں عدل سے کام نہیں لیتا۔ خلیفہ نے کہا: "تم کسی کو منصف قرار دو۔" خاتون نے امام اعظم کا نام لیا۔ خلیفہ نے اسی وقت امام اعظم کو طلب کر لیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھی۔ تا کہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا فیصلہ اپنے کانوں سے سن لے۔

منصور نے امام اعظم سے پوچھا: "از روئے شریعت ایک مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے؟" امام اعظم نے فرمایا: "چار"

منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ "سنتی ہو؟" پردہ سے آواز آئی: "ہاں! سنا!"

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے منصور کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا: "مگر یہ اجازت اس شخص کے لیے جو عدل پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً." (پ ۴ "النسآ" آیت ۳)

منصور خاموش ہو گیا۔ امام اعظم گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے حاضر خدمت ہوا اور بولا: حرہ خاتون نے آپ کی خدمت میں نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ آپ کی کنیز آپ کو سلام عرض کرتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی مشکور ہے۔"

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے روپے واپس کر دیے اور فرمایا: "خاتون سے کہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے یہ میرا فرض منصبی تھا۔ کسی غرض کے تحت نہیں۔ لہٰذا شکریہ کی ضرورت نہیں۔" (معجم۔ موفق)

(۱۰) اتنی سی بات کے لیے چندہ کیوں کرتے ہو؟: ابراہیم بن عتبہ چار ہزار روپیہ کے مقروض تھے اور ادا نہ کر سکتے تھے۔ اس ندامت کی وجہ سے انہوں نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ ان کے ایک دوست نے چندہ کر کے ان کا قرض ادا کرنا چاہا، لوگوں نے بقدر حیثیت چندہ دیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے پاس گئے تو آپ نے دریافت فرمایا: "کل قرضہ کس قدر ہے؟" اس نے کہا: "چار ہزار روپیہ۔" فرمایا: "اتنی سی بات کے لیے چندہ کیوں کرتے ہو؟" امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اسی وقت چار ہزار روپے ادا کر دیے۔ (بحوالہ سرمایہ آخرت)

(۱۱) آج بچے کے لیے جوتا خرید رہے ہیں!: حضرت یوسف بن خالد السمتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"ایک حاجی نے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں ایک ہزار پاپوش بطور تحفہ بھیجے۔ ایک یا دو دن گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا، آپ اپنے صاحبزادے کے لیے بازار سے جوتا خرید رہے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا: "ابھی تو کل آپ کے پاس ایک ہزار پاپوش تحفۃً آئے تھے۔ آج بچے کے لیے جوتا خرید رہے ہیں؟"

فرمایا: ''میرا قاعدہ ان تحفوں کے متعلق یہی ہے کہ اپنے شاگردوں اور متوسطین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔'' (معجم)

(۱۲) اتنے سے معاملہ پر یہ جھگڑے!: امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ ایک بار جب کہ آپ سفر حج میں تھے۔ عبداللہ سہمی بھی آپ کے ساتھ تھا۔ کسی منزل میں ایک بدوی نے اسے پکڑا اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کے سامنے لا کر کہا:

''اس پر میرے کچھ روپے قرض ہیں اور یہ ادا نہیں کرتا۔''

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے عبداللہ سے حقیقت دریافت کی۔ اس نے کہا: ''میں نے اس کا کچھ نہیں دینا ہے۔''

امام اعظم نے بدوی سے پوچھا: ''آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے؟'' اس نے کہا: ''چالیس درہم۔''

متعجب ہو کر فرمایا: ''زمانہ سے حمیت اٹھ گئی۔ اتنے سے معاملہ پر یہ جھگڑے۔'' یہ فرما کر چالیس درہم آپ نے اپنے پاس سے بدوی کو دے دیے۔ (معجم)

(۱۳) تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی ہے اسے اٹھالو: کوفہ میں ایک خوشحال تاجر کا کاروبار حوادث زمانہ کی نذر ہو گیا اور وہ پائی پائی کا محتاج ہو گیا۔ خویش واقارب نے آنکھیں پھیر لیں اور احباب اس سے ملنے سے احتراز کرنے لگے۔ بقول شاعر

بوقت تنگ دستی، آشنا بیگانہ مے گردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ مے گردد

ایک دن گلی میں ککڑیاں بیچنے والا آیا۔ محلہ کے بچے ککڑیاں خریدنے اور کھانے لگے۔ اس کی چھوٹی بچی یہ دیکھ کر روتی ہوئی اپنی ماں کے پاس آئی۔ بولی:

''امی! ککڑی لے دیجیے۔'' اس کی ماں کے پاس پیسے نہ تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ باپ دیکھ کر تڑپ اٹھا وقصد مجلس البرکۃ وھو مجلس ابی حنیفۃ۔ اس نے مجلس برکت میں جانے کا ارادہ کیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی مجلس اسی نام سے مشہور تھی۔ اس نے سوچا کہ امام اعظم سے کچھ رقم بطور قرض حاصل کرے۔ حضرت امام اعظم کی مجلس میں بہت سے لوگ حاضر تھے۔ یہ تاجر مجلس میں پہنچا۔ السلام علیکم کہہ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔

دل میں کئی بار آیا کہ حضرت امام سے عرض مدعا کرے۔ لیکن شرم وحیا کے باعث حرف مدعا زبان پر نہ لا سکا۔ کچھ دیر بعد خاموشی سے اٹھ کر چلا۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ نور فراست سے سمجھ گئے کہ یہ کوئی حاجت مند ہے، لیکن شرافت کی وجہ سے اپنا مدعا بیان نہیں کر سکا ہے۔ امام اعظم مجلس سے اٹھے۔ رازداری کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلتے گئے۔ وہ تاجر اپنے گھر میں داخل ہو گیا تو امام اعظم واپس آ گئے۔

رات ہوئی تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے پانچ سو درہم کی تھیلی اٹھائی اور تاجر کے مکان پر پہنچ کر دستک دی۔ جب وہ باہر نکلا تو امام اعظم نے تھیلی اس کی دہلیز پر رکھ دی اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے: ''دیکھو، یہ تمہارے دروازے پر تھیلی پڑی

ہے، اسے اٹھالو، یہ تمہارے لیے ہے۔''

تاجر نے تھیلی تو اٹھالی مگر چونکہ امام اعظم اپنا چہرہ مبارک کپڑے سے چھپائے ہوئے تھے، پہچان نہ سکا کہ یہ کون ہیں۔ گھر میں داخل ہو کر تھیلی کو کھولا تو اس میں ایک پرچہ لکھا ہوا دیکھا: ''ھذا المقد ارجاء بہ ابوحنیفۃ الیک من وجہ حلال فلیفرغ بالک۔ یہ رقم ابوحنیفہ تیرے پاس لایا جو حلال طریقہ سے حاصل کی گئی ہے، قلب کی فراغت سے اسے استعمال کرو۔ (مناقب موفق)

(۱۴) امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی شان سخاوت: امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا تجارتی کاروبار اس قدر وسیع تھا کہ لاکھوں کا کاروبار ہوتا تھا۔ تجارت اور کسب مال سے ان کا مقصود زیادہ تر عوام کو فائدہ پہنچانا تھا۔ آپ نے غرباء، مساکین، یتیموں، بیواؤں اور علماء اور طالب علموں کے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے اور تمام منافع ہر سال ان پر تقسیم کر کے ان کے گھروں میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے، حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت پوری کر دیا کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو علماء ومشائخ کے لیے بھی اسی قدر خرید کر کے ان کے گھروں میں پہنچا دیتے۔

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے، ان میں ایک شخص ظاہری شکل وصورت اور لباس سے مفلوک الحال دکھائی دیا۔ جب لوگ رخصت ہو کر چلنے لگے تو آپ نے اس مفلوک الحال سے فرمایا: ''ذرا ٹھہر جاؤ۔'' پھر آپ نے اپنی جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو اٹھانا۔

اس نے دیکھا کہ ایک ہزار روپیہ کی تھیلی رکھی ہے، اس نے عرض کی: ''حضور! میں دولت مند ہوں۔ مجھے اس کی احتیاج نہیں!''

آپ نے فرمایا: ''تو صورت ایسی بنانی چاہیے کہ دیکھنے والوں کو شبہ نہ ہو۔'' (معجم)

سخیاں زاموال برے خورند　　　بخیلاں غم سیم وزر میخورند

(سخی اپنے مال سے پھل کھاتے ہیں۔ بخیل سونے اور چاندی کا غم کھاتے ہیں از: حضرت سعدی علیہ الرحمۃ)

(۱۵) دس ہزار روپیہ کا قرضہ معاف: حضرت شقیق بلخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ایک دن میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے ساتھ جا رہا تھا کہ دور سے ایک آدمی سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے جونہی امام اعظم کو دیکھا، فوراً ایک گلی میں مڑ گیا۔ میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ مگر امام اعظم نے اسے نام لے کر پکارا۔ فرمایا: ''جس راہ پر تم چلے آ رہے تھے اسی راہ پر چلے آؤ۔'' وہ ٹھہر گیا۔ جب ہم اس کے قریب پہنچے، تو دیکھا کہ وہ شخص شرمایا ہوا اور گھبرایا ہوا تھا۔ امام اعظم نے فرمایا: ''تم نے اپنی راہ کیوں بدلی؟''

بولا: ''آپ کی دس ہزار کی رقم میرے ذمے قرض ہے۔ ادا کرنے میں بہت تاخیر ہو چکی ہے، ابھی تک ادا کرنے کی

استطاعت نہیں، اس لیے آپ کو دیکھ کر ندامت ہوئی اور میں نے راستہ بدل لیا۔"

امام اعظم علیہ الرحمتہ نے فرمایا: "سبحان اللہ! بس اتنی سی بات کے لیے تم نے مجھ سے چھپنے کی کوشش کی؟ وَقَدْ وَهَبْتُ مِنِّيْ كُلَّهٗ. (میں نے اپنی طرف سے قرض کی تمام رقم تجھے بخش دی۔) پھر فرمایا: "بھائی! مجھے دیکھ کر تیرے دل میں ندامت اور وحشت کی جو کیفیت پیدا ہوئی، خدا کے لیے معاف کر دو۔" (مترجم)

(۱۶) پانچ حدیثیں

مخدوم شیخ احمد مشکانوی قدس سرہ نے جامع الاصول کے متمات میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند جناب "حماد" کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ تحریر فرمایا کہ اے نورنظر! میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چن کر ایسی پانچ حدیثوں کو منتخب کیا ہے کہ اگر تم نے ان کو یاد کر کے ان پر پورے اعتماد کے ساتھ عمل کیا تو تم دونوں جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہو جاؤ گے۔

اور وہ پانچ حدیثیں یہ ہیں:

اول: حدیث انما الاعمال بالنیات یعنی تمام اعمال کے ثواب کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

دوم: آدمی کے اسلام کی خوبی میں سے یہ ہے کہ وہ تمام لایعنی اور بیکار چیزوں کو چھوڑ دے۔

سوم: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مومن) کے لیے اسی چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

چہارم: حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں بھی ہیں۔ جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے تو جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرتا رہا۔ اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا اور جو شخص ان مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا وہ کبھی نہ کبھی حرام میں بھی واقع ہو جائے گا۔ جیسے وہ چرواہا جو حمی (محفوظ شاہی چراگاہ) کے ارد گرد جانور کو چراتا ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اس کا جانور کبھی نہ کبھی حمی میں بھی داخل ہو جائے۔ خبردار! ہر بادشاہ کے لیے حمی ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ کی حمی اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ سن لو اور یقین رکھو کہ بدن میں گوشت کا ایسا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو پورا بدن درست ہو جائے گا اور جب وہ فاسد ہو جائے گا تو پورا بدن فاسد ہو جائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ وہ "دل" ہے۔

پنجم: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان سلامت رہیں۔ (بشیر القاری شرح صحیح البخاری ص ۹۵)

(۱۷) ایک ہفتہ میں حافظ قرآن: منقول ہے کہ جب امام محمد بن حسن شیبانی حضرت امام ابوحنیفہ کی خدمت میں علم فقہ پڑھنے کے لیے گئے تو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم پہلے قرآن مجید حفظ کر لو۔ پھر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ امام محمد ایک ہفتہ غائب رہے۔ پھر آٹھویں دن ابوحنیفہ کی درس گاہ میں حاضر ہو گئے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں

نے تم سے قرآن مجید حفظ کر لینے کو کہا تھا۔ تم پھر یہاں کیوں چلے آئے؟ امام محمد نے عرض کیا کہ حضور والا میں نے آپ کے حکم کے مطابق قرآن مجید حفظ کر لیا اس لیے حاضر ہو گیا ہوں۔ (روح البیان ج ۵ ص ۱۴۰)

نتیجہ: اس خداداد قوت حافظہ کو فضل خداوندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

ایں سعادت، بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علمائے سلف میں بہت سے ایسے خوش نصیب ہوئے ہیں۔ جن کی قوت حافظہ کو کرامت کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۸) روتے روتے نابینا ہو گئے: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ایک بہت جلیل القدر شاگرد "یزید بن ہارون واسطی" ہیں ان کے بارے میں "علی بن مدینی" فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر کسی کو حدیثوں کا حافظ نہیں دیکھا۔ یزید بن ہارون اپنی علمی جلالت کے ساتھ ساتھ ذوق عبادت میں بھی اپنے دور کے عدیم المثال ہی تھے ان کی آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں مگر خوف خداوندی سے دن رات اس قدر رویا کرتے تھے کہ مستقل طور پر ان کی آنکھوں میں آشوب چشم کی شکایت رہنے لگی۔ یہاں تک کہ آنکھوں کی خوبصورتی اور روشنی دونوں جاتی رہیں ان کی عادت کی کثرت کے بارے میں علی بن عاصم محدث کا بیان ہے کہ یہ پوری رات ہمیشہ جاگتے اور نوافل پڑھتے رہتے تھے اور اپنے استاد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرح تقریباً چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے ایک مدت تک بغداد میں حدیث کا درس دیتے رہے پھر آخری عمر میں اپنے وطن واسط چلے گئے اور سن ۲۰۶ھ یا سن ۲۱۷ھ میں وصال فرمایا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

تبصرہ: فقہا و محدثین ہوں یا صوفیہ و عابدین تمام خاصان خدا کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ خوف الٰہی سے بکثرت رویا کرتے تھے راتوں کو جاگ کر خدا کی عبادت کرنا اور خوف خداوندی سے تنہائی میں گڑگڑا کر رونا۔ اس کی فضیلت کوئی حضور سید المرسلین امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری ساری راتیں نفل نمازوں میں کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ پائے مبارک میں ورم آ جاتا تھا اور خوف و خشیت ربانی سے بار بار رویا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رجل ذکر اللہ خالیا ففاضت عیناہ یعنی جو شخص تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے سایہ رحمت کے نیچے سایہ عطا فرمائے گا۔ جس دن کہ اس کی رحمت کے سایہ کے سوا دوسرا کہیں کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ خوف خداوندی سے رونے والے کا ایک قطرہ آنسو دیکھنے میں تو وہ آنسو کا ایک قطرہ ہے مگر درحقیقت وہ رحمت الٰہی کا ایک سمندر ہے جو گناہوں کے لاکھوں دفتر کو دھونے کے لیے کافی ہے بڑے خوش نصیب ہیں وہ مسلمان

جو خدا کے ڈر سے بار بار اور زار وقطار روتے رہتے ہیں۔ کاش! خداوند کریم ہم گناہ گاروں کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ اللہ! یزید بن ہارون واسطی کتنے بڑے قسمت کے سکندر تھے کہ انہوں نے خوف خداوندی سے روتے روتے اپنی آنکھوں کی خوب صورتی اور روشنی کو قربان کر دیا۔ تو خداوند عالم نے ان کو اور بصیرت عطا فرما دیا کہ اپنی معرفت کی دولت سے انہیں مالا مال فرما دیا اور عرش سے فرش تک ساری کائنات عالم کو ان کے پیش نظر کر دیا کیا خوب فرمایا۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمتہ نے اپنی مثنوی میں شریف **فرمایا**۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء
از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی لوح محفوظ اولیاء اللہ کے سامنے ہو جاتا ہے جس میں لکھے ہوئے علوم و معارف ہر قسم کی خطا سے محفوظ ہیں۔ سبحان اللہ! لوح محفوظ جس میں ہر چھوٹی بڑی بات اور ماضی وحال و مستقبل کے سارے حالات من جانب اللہ تحریر ہیں وہ جن کی نگاہوں کے پیش نظر ہوں۔ بھلا ان کے علوم و معارف کا کیا عالم ہوگا اور پھر ان کے تصرفات و کرامات کی بادشاہی اور شہنشاہی کی کیا شان ہوگی؟ کیوں نہ ہو کہ

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں

(بحوالہ روحانی حکایات)

☆☆☆☆☆

تقلیدِ شخصی کی شرعی حیثیت

از: علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمتہ متوفی ۱۴۲۰ھ (انڈیا)

تقلید کا مادہ قلادہ ہے' قلادہ کے معنی پٹے کے ہیں' باب تفعیل میں جا کر اس کے معنی گلے میں پٹے ڈالنے کے ہو گئے۔ اصطلاح شرح میں تقلید کے معنی علماء نے یہ لکھے ہیں۔ تسلیم قول الغیر بلا دلیل دوسرے کی بات بلا دلیل مان لینا۔

اسی کو علامہ سمہودی نے عقد الفرید میں یوں بیان فرمایا۔

التقلید قبول القول بان یعتقد من غیر معرفۃ دلیل کسی کی بات دلیل جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتقاد جم جائے۔

اگر دلیل کے ذریعہ کسی بات کے حق کا اعتقاد ہو تو یہ تقلید نہیں بلا دلیل محض قائل کے ساتھ حسن ظن کی بناء پر اس کی کہی ہوئی بات پر اعتقاد جم جائے کہ چونکہ یہ شخص اعلیٰ درجے کا دیندار' صادق' امین' علوم وفنون کا ماہر فائق ہے اس لیے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے' یہی تقلید ہے۔

معمولات شرعیہ سے قطع نظر کرتے ہوئے جب ہم روزمرہ کے حالات اور اپنی طرز زندگی پر نظر کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر لحہ میں تقلید کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں اس میں عوام وخواص' شہری' دیہاتی' ہر طبقہ کے لوگ مساوی حصہ دار ہیں۔

آپ غور کریں ایک بچہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ' اپنے مربی کی تقلید کے سہارے پروان چڑھتا ہے۔ ایک بیمار اپنے معالج کی تقلید ہی کر کے شفایاب ہوتا ہے۔ ایک مستغیث کسی قانون دان' وکیل کی تقلید کر کے ہی اپنا حق پاتا ہے۔ راستے سے نابلد ایک راہ رو کسی راستہ بتانے والے کی تقلید کر کے ہی منزل مقصود تک پہنچتا ہے۔ ایک ناخواندہ اپنے معلم کی تقلید ہی سے صاحب علم وفضل بنتا ہے۔ صنعت وحرفت سے عاری کسی ماہر فن استاد کی تقلید کر کے ہی صنعت کار ہوتا ہے وہ روزمرہ کی باتیں ہیں کہ ان سے نہ تو انکار کی کوئی گنجائش ہے اور نہ بحث وتمحیص کی۔ ایک بنگالی کا بچہ اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مچھلی بھات کھاتے ہیں تو وہ کوئی دلیل طلب کیے بغیر خود بھی مچھلی بھات کھانے لگتا ہے۔ دھوتی باندھنے لگتا ہے۔ بنگالی بولی سنتا ہے تو خود بھی بنگالی بولنے لگتا ہے۔ یوں ہی پنجابی کا بچہ اپنے والدین کی عادت وخصلت دیکھ کر روٹی گوشت کھانے لگتا ہے۔ شلوار قمیص پہننے لگتا ہے۔ پگڑی باندھنے لگتا ہے۔ پنجابی بولنے لگتا ہے۔ یہی تقلید ہے۔

مکتب میں ایک بچہ گیا' معلم نے بچے کو ایک حرف پر انگلی رکھ کر بتایا کہ یہ "الف" ہے۔ بچے نے بلا دلیل مان لیا کہ یہ الف ہے' دوسرے حرف پر انگلی رکھ کر معلم نے بچے سے کہا "با" بچے نے بلا بحث وتمحیص اسے مان لیا کہ یہ "با" ہے

کبھی کسی بچے نے اپنے استاد سے یہ مطالبہ نہیں کیا ہے کہ کیوں پہلے والے حرف کو "الف" کہتے ہیں اور دوسرے کو "با" بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر بچہ اس کیوں اور کیونکر کے چکر میں پھنسا تو اصل تعلیم سے بھی محروم رہ جائے گا۔

ایک مستغیث وکیل کے یہاں جاتا ہے' اپنا مدعا بیان کرتا ہے وکیل اسے مشورہ دیتا ہے کہ وہ تعزیرات ہند کی فلاں دفعہ کے ماتحت دعویٰ کرے' مستغیث بلا چون وچرا وہی کرتا ہے' اسی کا نام تقلید ہے۔

ایک مریض معالج کے یہاں گیا۔ اس نے مرض کی تحقیق کر کے اس کے لیے ایک نسخہ لکھا' دنیا کا کوئی مریض حکیم ڈاکٹر سے یہ بحث نہیں کرتا کہ میری بیماری کا نسخہ یہی کیوں لکھا ہے یہ دوائیں کس طرح میرا مرض دور کریں گی جو مریض اس بحث میں پڑا وہ اچھا ہو چکا؟

آپ ایک مسافت طے کر رہے ہیں' ایک چوراہے پر پہنچ کر حیرت زدہ ہو کر کھڑے ہو گئے کہ اب دائیں جائیں کہ بائیں یا سیدھے آگے چلا چلوں' اچانک کوئی مقامی آدمی آ گیا آپ اس سے سوال کرتے ہیں کہ فلاں جگہ کون سا راستہ جائے گا۔ وہ جدھر بتاتا ہے آپ اس کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے بلا دلیل اسی راستے پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔

اب آپ حضرات غور کریں' اگر ہم تقلید کو اپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری معیشت کی گاڑی ایک انچ آگے نہیں چل سکے گی' ہم اپنی زندگی کے گوشہ گوشہ میں تقلید کے محتاج ہیں اور یہ احتیاج قوم کے ہر فرد کو عام ہے' جس طرح ایک جاہل بیماری میں ڈاکٹر کا قانونی ضرورت میں وکیل کا راستہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں رہنما کی تقلید کا محتاج ہے اسی طرح ایک عالم بھی اور جس طرح ایک دیہاتی خورد ونوش، بول چال، تعلیم وتربیت میں اپنے ماں باپ استاد کا مقلد ہے اسی طرح ایک شہری بھی۔

اب اگر تقلید کو ہم اپنے تمدن سے نکال دیں تو ہماری زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے گی۔ غور کریں اگر بیمار معالج کے نسخہ کو استعمال کرنے سے پہلے نسخہ کے رموز سمجھنے کے لیے بحث شروع کر دے' شرح اسباب وعلامات قرابادین ومعالجات نفیسی کے اسباق پڑھنے لگے تو وہ اچھا تو کیا ہوا البتہ جلد ہی دوسرے عالم کا سفر کر جائے گا۔ یونہی ایک مستغیث وکیل سے قانون کی لم سمجھے بغیر دعویٰ نہ کرے تو اس کا حق مل چکا جب تک وہ ایل ایل بی کے نصاب پڑھنے کے لائق ہوگا۔ دعویٰ کی معیاد بھی ختم ہو جائے گی' اسی لیے ہر متمدن انسان کا اس پر اجماع ہے کہ جس فن کا انسان ماہر نہ ہو اس میں کسی ماہر فن کی تقلید کرے' اسی لیے ہر فرد بشر کسی نہ کسی دوسرے فرد بشر کی کسی نہ کسی معاملہ میں تقلید کرتا ہوا دیکھا جاتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ تقلید ہماری زندگی کا جزو لاینفک ہے اور بغیر تقلید کے زندگی بسر کرنا ناممکن ہے جس طرح ہم اپنی زندگی کے معمولات میں تقلید سے مستغنی نہیں ہو سکتے اسی طرح دینی معاملات میں بھی تقلید سے مفر نہیں' اس لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ تقلید فرض ہے اس کی فرضیت اور وجوب ایسا قطعی ہے کہ منکرین تقلید کے پیشوائے اعظم میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کو بھی معیار میں یہ لکھنا پڑا۔

"سو جو کوئی اہل ایسے ذکر کا ہوگا' عموماً خواہ کوئی ہو اس کا اتباع، وقت لاعلمی واجب ہوگا۔ (معیار الحق)

اس لیے کسی بھی دیندار یا مدعی دینداری کی یہ ہمت نہیں کہ وہ تقلید کی فرضیت سے انکار کر سکے معاملہ یہ ہے کہ اگر تقلید کو فرض قرار نہ دیں تو پھر دین پر عمل معتذر اور شدید معتذر ہو جائے گا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ ہم کو اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور اتباع و اطاعت موقوف ہے۔ قرآن واحادیث کے حصول پر نہ صرف حصول' بلکہ یہ بھی جاننے پر کہ ان میں کون ناسخ ہے' کون منسوخ ہے' کون خاص ہے' کون عام ہے' کون ظاہر اور کون خفی' کون نص ہے' کون مشکل' کون مفسر ہے' کون مجمل' کون محکم ہے' کون متشابہ وغیرہ وغیرہ سینکڑوں باتیں ایسی ہیں کہ جب تک انسان سب پر کامل عبور حاصل کر کے قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط واستخراج پر کامل دستگاہ نہ رکھے' قرآن وحدیث پر عمل ناممکن ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

والـذين يتـوفـون منكم ويذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا. (پ ۲، البقرہ آیت ۲۳۴)

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔

اس کے بعد اسی سورہ کے اکتیسویں رکوع میں ہے۔

والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا وصية لا زواجهم متاعا الى الحول غير اخراج.

اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان ونفقہ دینے کی بے نکالے۔

ایک ہی سورہ ایک ہی پارہ میں ایک ہی مسئلہ کے بارے میں دو مختلف احکام ایسے مذکور ہیں کہ ان دونوں کو پڑھ کر آدمی چکرا جائے کہ وہ عمل کس پر کرے' پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کی عدت 'ایک' سال ہے' عربی زبان کا ماہر سے ماہر پروفیسر عربی زبان پر کتنا ہی عبور رکھتا ہو کس آیت پر عمل کرنا چاہیے' بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں' اور آگے پڑھیے ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اس کی عدت چار مہینے دس دن۔ یا ایک سال ہے مگر سورہ طلاق میں حاملہ عورتوں کی عدت کے بارے میں فرمایا گیا۔

واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن. (پ ۲۸، الطلاق آیت ۵)

اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جن لیں۔

اس نقطہ پر آ کر سورہ بقرہ اور سورہ طلاق کی آیتوں میں شدید تعارض ہے ایک شخص مرا اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس

کی عدت کیا ہوگی؟ چار مہینے دس دن یا ایک سال یا وضع حمل۔

اور سنتے چلیے اسی سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع میں ہے۔

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرن ا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین .

تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں کسی کو موت آئے اگر کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لیے موافق دستور یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر۔

لفظ اقربین عام ہے اولاد بھائی' بہن' دادا دادی وغیرہ سب کو شامل ہے اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ شریعت نے کسی کا کوئی حصہ مقرر نہیں فرمایا ہے۔ یہ مورث کے صواب دید پر ہے' جس کے لیے جتنا چاہے وصیت کر جائے اسکی وصیت کے مطابق رشتہ داروں حتی کہ ماں باپ کو بھی حصہ ملے گا مگر سورۂ نساء کا دوسرا رکوع تلاوت کریں۔

اس میں ماں' باپ' میاں' بیوی' بیٹی' بیٹا' پوتی پوتا وغیرہ کے شرعی احکام کی تعیین تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے' عربی زبان کا کوئی کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو محض زبان دانی سے وہ اس گتھی کو ہرگز ہرگز نہیں سلجھا سکتا۔

یہ چند مثالیں میں نے قرآن مجید سے تقریب فہم کے لیے پیش کر دی ہیں' اگر تفصیل کی جائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے گا۔ احادیث میں اس قسم کے اشکالات کی کوئی گنتی نہیں۔

اب اگر تقلید کو درمیان سے نکال دیا جائے تو فرض عین کہ ہر مسلمان اُن تمام تفصیلات کو جانے جن سے اس قسم کی مشکلات حل ہو سکیں۔ اب اگر ہر مسلمان کو ان تمام تفصیلات کے جاننے کا مکلف کیا جائے تو۔

اولا ..... یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص اُن تمام علوم کو حاصل کر سکے جو مجتہدین کے لیے ضروری و لازم ہیں۔

ثانیا: اگر بالفرض یہ تمام علوم حاصل ہو بھی جائیں تو تفقہ فی الدین جو خالص خداداد اور وہبی صلاحیت ہے' سب کو بلکہ اکثر کو کہاں نصیب۔

حضرت امام بخاری جیسے امام فن و ماہر حدیث نے اسی وہبی فضل خداوندی تفقہ فی الدین کی کمی کی وجہ سے ایسے عجیب و غریب فتوے دیئے کہ حیرت ہوتی ہے مثلاً مشہور ہے کہ امام بخاری نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی عورت کا دودھ مدت رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

بخاری کو اٹھا کر دیکھیے۔ آپ انگشت بدنداں رہ جائیں گے' ایک جگہ ہے کہ پانی نجاست پڑنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا جب تک پانی میں تین اوصاف رنگ یا بو یا مزہ نہ بدل جائے۔

دوسری جگہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہے۔ ایسا کہ اسے سات مرتبہ دھوئیں۔

اب آپ غور کریں ایک برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منہ ڈال دیا' پانی کا نہ رنگ بدلا' نہ بو' نہ مزہ تو لازم کہ

پانی پاک رہے اور برتن' بہر حال ناپاک۔

امام بخاری کے حفظ و اتقان تقویٰ پرہیزگاری روایت حدیث میں احتیاط کے کمال سے انکار نہیں' مگر تفقہ فی الدین ایک الگ نعمت ہے جو ہر حافظ الحدیث کو نہیں ملتی' اسی لیے تو ایک جلیل القدر محدث نے فرمایا۔ الاحادیث مضلة الاللفقهاء

اور حضرت امام اعمش قدس سرہٗ نے بڑی صفائی اور دیانت داری کے ساتھ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تفقہ فی الدین کا اعتراف کرتے ہوئے خود حضرت امام صاحب سے فرمایا۔ نحن الصیادلة وانتم الاطباء ہم دوا فروش ہیں اور تم لوگ طبیب ہو۔

ثالث: چلیے تفقہ فی الدین بھی حاصل ہو گیا اور وہ تمام علوم و فنون جو لوازم اجتہاد ہیں، حاصل ہو جائیں تو دینداری اور للّٰہیت کا آج کتنا فقدان ہے' اسے کون نہیں جانتا حال یہ ہے کہ بہت سے "ابوحنیفۂ دوراں اور نعمان زماں" بننے والوں نے جوش عداوت و فور محبت و افراط عقیدت کی بنیاد پر اپنے نوک قلم سے کیا کیا گل کھلائے' اس کی تھوڑی سی سیر کرتے چلیں۔

ا۔ سارے دیوبندیوں و غیر مقلدین نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی "ایضاح الحق" کی ایک عبارت پر اسے کافر گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا' مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے طائفہ کے امام کی عبارت ہے تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

۲۔ ابھی چند دن کی بات ہے کہ مفتی دیوبند مولوی مہدی حسن نے جناب قاری طیب صاحب کی ایک عبارت پر فتویٰ دیا کہ اس میں الحاد ہے...... مگر جب معلوم ہوا کہ یہ تو ہمارے آقا کی عبارت ہے تو فتویٰ بدل گیا۔

۳۔ قاسم نانوتوی صاحب کے اس شعر

جو چھو بھی دے سگ کوچہ ترا جو اس کی نعش

یقین ہے خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

پر پوری برادری نے وہ وہ فتویٰ دیئے کہ مزہ آ گیا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہ ہمارے پیر مغاں کا شعر ہے تو تاویل کے نام پر شاہنامہ کے ہفتخواں کا باب کھول دیا۔

۴۔ گنگوہی صاحب کو بکرے کے خصیے بہت پسند تھے اور انکو بہت مفید بھی ہوئے اس لیے فتویٰ دے رکھا تھا کہ یہ حلال ہیں۔ یہ فتویٰ ان کے مجموعہ فتاویٰ کے پہلے ایڈیشن میں موجود بھی ہے' مگر جب پوری دنیا نے تھو تھو کیا۔ دوسرے ایڈیشنوں میں ایسا غائب کیا کہ فتاویٰ رشیدیہ ہی کو خصی کر دیا۔

ایسی صورت میں امت کے عام افراد کو تقلید کیے بغیر چارہ نہیں اس لیے کہ اگر تقلید کو بدعت سیئہ و حرام قرار دے دیا جائے تو پھر قرآن و حدیث پر عمل کرنا سوائے معدودے چند حضرات کے امت کے اکثر افراد کو محال ہو جائے۔ پھر لازم یہ

کہ پوری امت کو قرآن وحدیث پر عمل کا مکلف کرنا وسعت سے زیادہ تکلیف دینا ہوا۔ جو نص قرآنی "لا یکلف اللّٰہ نفسا الا وسعھا" کے صریح منافی ہے لاجرم امت کے دو گروہ ہوئے ایک مجتہدین دوسرے غیر مجتہدین غیر مجتہدین کو حکم دیا گیا کہ وہ دینی معاملات میں مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان کا اتباع کریں ارشاد ہے "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" اہل علم سے پوچھو جب کہ تمہیں علم نہیں۔

اس آیت کے مخاطب غیر اہل علم ہیں اور اہل ذکر سے مراد اہل علم اور سوال سے مقصود اہل علم کے ارشاد پر اتباع کا لازم ہونا ہے اس قدر پر کسی کو اختلاف نہیں بلکہ اب تو بعد اللتیا والتی یہ بھی طے ہو گیا کہ اہل ذکر سے خاص مجتہدین مراد ہیں۔

بس جب کہ بہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ غیر اہل ذکر پر اہل ذکر کا اتباع واجب ہے اور فریقین اس پر متفق کہ اہل ذکر سے مجتہدین مراد ہیں تو ثابت ہو گیا کہ غیر مجتہد پر مجتہد کی اتباع واجب ہے یہی تقلید ہے۔

اس لیے کہ اگر مجتہد کی اتباع وضوح دلیل کے بعد ہوگی تو یہ مجتہد کی اتباع نہ ہوئی بلکہ اپنی تحقیق پر عمل ہوا۔ اس لیے مجتہد کی اتباع تقلید میں منحصر ہے۔ اس قدر پر اتفاق کے بعد وہ اصل اختلاف جس نے کروڑوں گھروں میں آگ لگا رکھی ہے جس پر تمام امت کے ناجی یا ناری ہونے کا فیصلہ موقوف ہے وہ تقلید شخصی ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ اب ہر شخص کو خواہ عالم ہو خواہ غیر عالم واجب ہے کہ وہ آئمہ اربعہ میں کسی ایک کی جملہ امور فقیہ میں تقلید کرے۔

صرف چند معدودے نفر جن کے دامن انبیائے کرام و اولیاء عظام کی اہانت سے بھی داغ دار ہیں جس کی بنا پر وہ امت اجابت سے یقیناً خارج ہیں۔ تقلید شخصی کو حرام بدعت بلکہ شرک حتی کہ "یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللّٰہ" کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں۔

فعلیکم یا معشر المومنین باتباع الفرقة الناجیة المساة باھل السنة ولا جماعة فان نصرة اللہ تعالیٰ و حفظه وتوفیقه فی موافقتھم وخذلا نه وسخطه و مقته فی مخالفتھم وھذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة ھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا من ھذه المذاھب الاربعة فھو من اھل البدعة والنار (کتاب الذبائح)

اے مومنو! تم پر فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت کی اتباع لازم ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور حفظ و توفیق ان کی موافقت میں ہے اور اس کی ناراضگی اور عذاب ان کی مخالفت میں ہے اور فرقہ ناجیہ نے آج اس پر اجماع کر لیا ہے کہ وہ صرف مذاہب اربعہ حنفی مالکی شافعی حنبلی ہیں اور جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہوگا، وہ بدعتی جہنمی ہے۔

منکرین تقلید کے امام الائمہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "عقد الجید" میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان فی الاخذ ھذه المذاھب الاربعة مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنھا کلھا مفسدة کبیرة ونحن نبین ذلک بوجوه

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بھاری فساد ہے ہم ان کو چند طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

احدھا ان الامة قد اجتمعت علی ان یعتمدوا علی سلف فی معرفة الشریعة فالتا بعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابة وتبع التابعین اعتمد وعلی التابعین وھکذا فی کل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلھم والعقل یدل علی حسن ذالک لان الشریعة لا یعرف الا بالنقل والا ستنباط والنقل لا یستقیم الا بان یاخذ کل طبقة عمن قبلھا بالاتصال ولا بدفی الاستنباط من ان یعرف مذاھب المتقدمین لئلا یخوج من اقوالھم فیخرق الاجماع وبینی علیھا ویستعین فی ذالک بمن سبق لان جمعی الصناعات کالصرف والطب والشعر والحدرة والتجارة والصیاغة لم یتیسر لا حد الابملازمة اھلھا وغیر ذلک نادر بعید لم یقع وان کان جائزا فی العقل واذا تعین الاعتماد علی التاویل السلف فلا بد من ان یکون اقوالھم اللتی یعتمد علیھا مروبة بالاسناد الصحیح اور مدونة فی کتب مشھورته وان یکون منقحته یتبین الراجع من المرجوح من محتملا تھا تخصیص عمومھا فی بعض المواضع ویجمع المختلف منھا وتبین علل احکامھا والا لم یصح الاعتماد علیھا ولیس مذھب فی ھذا الازمنة المتاخرة بھذا الصفة الاھذه المذاھب الاربعة.

اول یہ کہ امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلے والوں پر اعتماد کیا۔ اس کی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے اس لیے کہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر نہیں پہچانی جا سکتی اور نقل نہیں درست ہوگی۔ مگر اسی طرح کہ ہر طبقہ اپنے پہلے والوں سے متصلا حاصل کرے اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تا کہ ان اقوال سے باہر نہ جائیں کہ خرق اجماع ہو جائے اور تا کہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لیے کہ تمام صنعتیں مثلاً سناری اور طب اور شعر اور لوہاری اور تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی میسر نہیں ہوئی مگر اس کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے اور بغیر اس کے بہت نادر غیر واقع ہے۔ اگر چہ عقلاً جائز سمجھے اور جب یہ متعین ہو گیا کہ (شریعت کی معرفت) میں سلف کے اقوال ہی پر اعتقاد ہے تو ضروری ہے کہ انکے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح

سے ظاہر ہوا اور عام کی تخصیص مذکور ہو متضاد اقوال میں تطبیق ہو احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں۔ ورنہ اُن پر اعتماد صحیح نہیں اور اس پچھلے زمانہ میں کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں سوائے ان چار مذاہب کے۔"

مذکورہ بالا عبارتوں سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ فرقہ ناجیہ صرف اہلِ سنت و جماعت ہے انکے علاوہ وہ دوسرے تمام فرقے خواہ وہ اپنا نام کچھ بھی رکھیں جہنمی اور بدعتی ہیں۔

۲۔ اس پر اجماع ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے۔

۳۔ تقلید شخصی میں عظیم مصلحت ہے اور اس کے ترک میں فساد کبیر ہے۔

۴۔ شریعت کی معرفت نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور یہ دونوں سلف کے اقوال جاننے پر موقوف ہیں۔

۵۔ سلف میں صرف آئمہ اربعہ کے اقوال اسنادِ صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور صرف انہیں کے مذاہب کے منقح ہیں۔

۶۔ سلف میں آئمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال نہ تو اسنادِ صحیح کے ساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کے ساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مجتہدین میں سے صرف آئمہ اربعہ کے مذاہب لائق اعتماد قابل عمل ہیں اور یہی علت ہے ان میں سے کسی ایک پر عمل کے وجوب پر اجماع نہ ہونے کی اور اجماع خواہ کسی عصر کا ہو حجت شرعی ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لا یجتمع امتی علی الضلالۃ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔

نیز قرآن میں فرمایا گیا:

ومن یشا ق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساء ت مصیرا

اور جو رسول کا خلاف کرے اس کے بعد کہ حق کا راستہ اس پر ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کے راستے سے الگ راستہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور یہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

لہٰذا اس میں شک وشبہ نہ رہا کہ اس عصر میں واجب ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کی جائے' انکے علاوہ دوسرے آئمہ کی تقلید ممنوع ہے اس لیے ان کے مذاہب اتنے احتیاط اور جامعیت کے ساتھ آج موجود نہیں کہ ان کا اتباع کیا جا سکے۔ رہ گئی ایک صورت یہ کہ آئمہ اربعہ میں کسی معین کی تقلید نہ کی جائے بلکہ بعض مسائل میں ایک کی بعض میں دوسرے کی۔ اس میں کیا حرج ہے۔؟

پہلا حرج یہی ہے کہ وہ خرق اجماع ہے۔ اجماع اس پر ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو جملہ امور میں اس کی تقلید

کرے بعض مسائل میں ایک کی بعض مسائل میں دوسرے کی یہ ناجائز اور گناہ ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ یہ حقیقت میں امام کی تقلید نہ ہوئی اپنے نفس کی تقلید ہوئی اس لیے کہ دوسرے امام کی تقلید ایک امام سے عدول کر کے دوسرے امام کی طرف رجوع کی بنیاد کیا ہوگی؟ اپنی پسند کے کچھ مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد پسند آیا تو اسے اختیار کیا اور بعض دوسرے مسائل میں دوسرے امام کا اجتہاد پسند آیا تو اُسے اختیار کیا، یہی تو ہوائے نفس کی پیروی ہے اگر یہ اعراض ورجوع دلیل کی قوت وصنعت کی بناء پر ہے تو یہ تسلیم قول بلا دلیل نہ ہوا۔ دلیل ہوا پھر تقلید نہ رہی اور کلام تقلید میں ہے۔

تیسرا حرج یہ ہے یہ نص قرآنی سے حرام ہے کہ کبھی ایک طریقہ اختیار کیا جائے کبھی اس کے برعکس دوسرا ہم کو حکم ملا ہے کہ ہم ایک ہی راستے کو اختیار کریں۔ اور اسی کی پیروی کریں' چند راستے کا اتباع نہ کریں فرمایا گیا۔

ولاتتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ چند راستوں پر مت چلو ورنہ اس کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کہیں چند راستے گئے ہوں تو منزل پر وہی پہنچے گا جو ان میں کسی ایک کو اختیار کرے اور جو کبھی ایک راستہ پر کبھی دوسرے پر پھر تیسرے پر پھر چوتھے پر پھر پہلے پر اور پھر دوسرے پر علی ہذا القیاس چلتا رہے گا۔ وہ راستہ ناپتا ہی رہ جائے گا' منزل تک ہرگز نہ پہنچے گا۔

اس لیے آج واجب ہے کہ جو حنفی ہے وہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور جو شافعی ہے وہ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور جو مالکی ہے وہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اور جو حنبلی ہے وہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جملہ فقہی مسائل میں تقلید کرے امت کے کسی فرد کو ان کے علاوہ کسی مجتہد کی تقلید جائز نہیں اور تلفیق لا کے کچھ مسائل میں ایک کی اور کچھ مسائل میں دوسرے کی' یہ بھی حرام وگناہ ہے' یہ اتباع شریعت نہیں' اتباع ہوائے نفس ہے۔

علماء احناف کی تقلید پر ایک بہت مشہور و معروف اعتراض امرتسری آنجہانی صاحب کا یہ ہے کہ تقلید کی تعریف ہے۔ "تسلیم قولہ الغیر بلا دلیل" اور علماء احناف۔ چونکہ ہر مسئلہ کی دلیل جانتے ہیں اس لیے یہ مقلد نہ ہوئے۔ مجتہد ہوئے۔ عرصہ ہوا مئو (ہندوستان کے ایک شہر کا نام) میں یہ سوال اٹھا تھا اسی وقت اس خادم نے یہ جواب ' یا تھا کہ تقلید کی تعریف میں بلا دلیل کا تعلق تسلیم سے ہے۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ کسی کی بات کا ماننا بلا دلیل ہو یعنی ماننے کی بنیاد دلیل نہ ہو چونکہ اس قول کی دلیل بہت قوی ہے لہٰذا مان لیا ہے بلکہ ماننے میں دلیل کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے بچے ماں باپ کی بات مانتے ہیں۔ جانتے ہیں۔ طالب علم استاد کی بات مانتے جانتے ہیں اور مریض طبیب کی بات مانتا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی بات کو ماننا بلا دلیل ہے مگر اس کی دلیل بھی جانتا ہو یا بعد میں جاننے لگے۔ دلیل جاننا تقلید کے منافی نہیں جب کہ وہ علت تسلیم نہ ہو'

دلیل کا جاننا اُس وقت منافی ہے جب کہ تسلیم کی علت اور سبب دلیل ہو مثلاً یہ کہ چونکہ اس بات کی دلیل بہت قوی ہے۔ لہذا اسے مان لیا جائے اور فلاں کی دلیل بہت کمزور ہے لہذا اسے ترک کر دیا۔

اس طرح کا ماننا دلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے یہ تسلیم القول بلا دلیل نہیں بدلیل ہے لیکن اگر ہم ایک بات کو مان رہے ہیں مگر ماننے میں دلیل کو دخل نہ ہو ماننا بلا دلیل ہو تو یہ تقلید ہے' خواہ اس کی دلیل جانتے ہوں' خواہ نہ جانتے ہوں علمائے احناف کا حال یہی دوسرا ہے کہ وہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال اوران کے مذہب مہذب کو بلا دلیل مانتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتدائے شعور ہی سے ہم وضو' غسل' طہارت' نماز' روزہ وغیرہ سب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق کرتے ہیں اور اس کی تفاصیل کو حق مانتے ہیں۔ جب شرح وقایہ اور ہدایہ وغیرہ پڑھتے ہیں تو دلیل سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ماننا بلا دلیل ہوا۔ یہ دوسری بات ہوئی کہ مان لینے کے بعد دلیل بھی جان گئے۔

☆☆☆☆☆

تقلید شخصی مکہ مکرمہ کے مفتی اعظم کی نظر میں

از فتوی: حضرت شیخ عبدالرحمن سراج مکی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۴ھ)

مسجد الحرام کے امام خطیب مدرس اور مفتی احناف تھے۔ آپ کی اسلامی عقائد و احکامات پر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ "ضوء السراج علی جواب المحتاج" یادگار ہے۔ فاضل بریلوی نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ تصدیق کرنے والے شیخ الاسلام علامہ سید احمد بن زینی دحلان کی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰۴ھ) مسجد الحرام کے امام مدرس اور مفتی شافعیہ تھے۔ عالم اسلام کے بے شمار اکابر علماء و مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی اور سندھ کے نامور عالم دین خواجہ محمد حسن جان سرہندی جیسے اکابر علماء نے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ علامہ دحلان کی ایک اہم تصنیف "الدرالسنیہ فی الرد علی الوھابیہ" ہے جو کہ ۱۳۲۰ھ میں قاہرہ مصر سے شائع ہوئی۔ اور اس کے اردو ترجمے بھی شائع ہوئے۔ (از قلم۔ راشدی)

السوال : ماقولکم دام فضلکم فی ان العامی هل یجب علیه فی زماننا هذا تقلیدواحد من المجتهدین الاربعة اوله ان یقلد من شاء من العلماء وعلی تقلید وجوب تقلید احد منهم هل یجوز التقلید الشخصی بان یقلد احد واحدا منهم بالتعیین فی جمیع الفروع ام لا؟

الجواب : الحمد لله وحده ومن ممد الکون استمدالتوفیق والعون انه یجب علی المقلد الذی لم یبلغ درجة الاجتهاد فی زماننا هذا تقلید واحد منهم و ان التقلید الشخصی جائز بل مستحسن بل لازم علی القول المشهور عند الحنفیة والشافعیة

اما الاول فلان التقلید بغیر هؤلاء الاربعة من المجتهدین وان کان جائزاً عقلاً وشرعاً تقلید هم لکنه لمالم یثبت تدوین مذهب وذلک الغیروضبط قواعده واستقراراحکامه وتحریر تلک الاحکام فرعاًفرعاً کما ثبت لمذاهب هؤلاء الاربعة یجب علی المقلد تقلید واحد منهم لان مذاهبهم قددونت و قواعد هاقد ضبطت واحکام تلک القواعد قد استقرت وتابعیهم قد حرر وها غایة التحریر بحیث لا یوجد حکم الا وهو منصوص اما اجمالا واما تفصیلا.

قال المحقق ابن الهمام فی آخر تکملة تحریر الاصول نقل امام الحرمین اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة بل یقلدون من بعد هم الذین تدبروا ووضعوا ودونوا

وعلیٰ هذا ما ذکره بعض المتاخرین من منع تقلید غیر الاربعة الانضباط مسائلهم وتقییدها وتخصیص عمومها ولم یدرمثله فی غیرهم لا نقراض اتباعهم وهو صحیح انتهیٰ

وقال المحقق ابن نجیم فی ذیل القاعدة الاولیٰ من الفن الاول من الاشباه ناقلا عن التحریر ان الاجماع قد انعقد علیٰ عدم العمل بمذهب مخالف للائمة الاربعة انتهیٰ وقال الطحطاوی فی حاشیة علیٰ لدر فی کتاب الذبائح قال بعض المفسرین فعلیکم یا معشر المسلمین اتباع فرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرة الله وحفظه و توفیقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجیة قداجتمعت الیوم فی مذاهب الاربعة هم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجامن هذه المذاهب الاربعة فهومن اهل البدعة والنار انتهیٰ

وقال المحقق ابن حجر المکی فی الفتح المبین شرح الاربعین للامام النووی امافی زماننا فقال بعض ایمتنا لایجوز تقلید غیر الائمة الاربعة الشافعی ومالک وابی حنیفة واحمد بن حنبل رضوان الله علیهم لان هؤلاء عرفت قواعد مذهبهم واستقرت احکامهم و کثرتا بعوهم و حرروها فرعاً فرعاً وحکماً و حکماً فلا یوجد حکم الا وهو منصوص لهم اجمالا او تفصیلا بخلاف غیرهم فان مذاهبهم لم تحرر ولم تدون کل ء فلا یعرف لها قواعد یستخرج احکامها فلم یجز تقلیدهم فیما حفظ عنهم لانه قد یکون مشروطا بشروط اخریٰ وکلوها الی فهم من قواعدهم فقلت الثقة بما یحفظ عنهم من قیود او شروط فلم یجز التقلیدح انتهیٰ. فظهر مما نقلنا ان العامی یحب علیه فی زماننا هذا تقلید واحد من المجتهدین الاربعة رضوان الله علیهم اجمعین ولیس له ان یقلد غیرهم.

واما الثانی فلانه اقرب الی الضبط وابعد عن الخبط وفی ترکه خوف تلاعب متلاعب بمذاهب المجتهدین ولزوم مفاسد یتعسر اصلاحها علی المصلحین فلهذا اجتهد الفحول من علماء اهل السنة والجماعة سلفاً وخلفاً فی تحریر مذهب من قلدوه وما خلطوا ذلک المذاهب بمذهب غیره واختار المحققون منهم اتباع المقلد لمذهب امامه فی کل تفصیل.

وقال الامام الغزالی فی بحث ارکان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر علی کل مقلدا

تباع مقلده فی کل تفصیل فاذاً مخالفة المقلد متفق علی کونه منکراً بین المحصلین انتهیٰ وقال القهستانی فی شرح مختصر الوقایة قبیل کتاب الاشربة واعلم ان من جعل الحق متعدد اکالمعتزلة اثبت للعامی الخیارفی الاخذ من کل مذهب مایهواه ومن جعل الحق واحدا کعلمائنا الزم للعامی اماماواحدا کمافی الکشف فلواخذ من کل مذهب مباحه صارفاسقا تاما کما فی شرح الطحاوی انتهیٰ

وقال الامام الشعرانی فی المیزان امامن لم یصل الیٰ شهود عین الشریعة الاولیٰ وجب علیه التقلید بمذهب واحد خوفامن الوقوع فی الضلال وعلیه عمل الناس الیوم انتهیٰ و قال المحدث الدهلوی ولی الله فی عقد الجید المرجح عندالفقهاء ان العامی المنتسب الیٰ مذهب لا یجوزله مخالفة انتهیٰ

ومن قال ان التقلید مطلقااوالتقلید الشخصی بدعة وضلالة فهو مبتدع ضال ویلزم علیٰ قوله ان السواد الاعظم من الامة المحمدیة اجتمعوا علی الضلالة وان مائة الوف منهم من العلماء العظام والاولیاء الکرام وغیرالمحصورین من الصلحاء الفخام الذین اتفقت جمهوراهل السنة والجماعة علیٰ عظم درجتهم وجلالتهم وصلاحهم وورعهم و صلابتهم فی امر الذین کانو امبتد عین ضالین وما تواعلی البدعة والضلالة حاشاثم حاشا ان یکونو اکلک

وقد قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الله لایجمع امتی اوقال امة محمد علی ضلالة ویدالله علی الجماعة من شذشذ فی النار رواه الترمذی وقال اتبعواالسواد الاعظم فانه من شذشذ فی النار بل هذ الشرذمة القلیلة یخاف علیهم ان یکونوا کل الشیطان و ان یخلعوا ربقة الاسلام عن اعناقهم.

قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة رواه احمد' وقال من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه رواه احمد وابوداؤد

والعجب من هؤلاء الجهلة انهم یدعون الناس الی تقلیدهم ویمنعون الناس عن تقلید الائمة المجتهدین الذین انعقد الاجماع علیٰ کمال علمهم ودیانتهم وورعهم وقوة اجتهاد هم فی

استنباط للمسائل و غاية سعيهم في امر الدين وفقنا الله واياهم للصواب والله اعلم وعلمه اتم، امر برقمه خادم الشريعة عبدالرحمن بن عبدالله سراج الحنفي مفتي مكة المكرمة كان الله لهما. (مهر)

۱. حامدا مصليا مسلما ولقد اجا مولانا مفتي الاسلام دام مجده في ما افاد ا. (شيخ محمد رحمت الله. مهر)

۲. الحمد لله وحده وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم على من لانبي بعده قد اطلعت على ما حرره مفتي الانام ببلد الله الحرام من الجواب عن السوال عن وجوب التقليد لواحد من الائمة الاربعة من غير ترديد فوجدته جوابا صحيحا مطابقا لما هو في المذاهب منصوص عليه فيجب الرجوع عند الاختلاف اليه وفيه كفاية ومقنع لمن كان بمرىءٍ من التوفيق ومسمع والله سبحانه وتعالىٰ اعلم. امر برقمه المرتجي من ربه الغفران احمد بن زين دحلان مفتي الشافعية بمكة المحمية غفر الله له ولوالديه ومشايخه ومحبيه وجميع المسلمين.

۳. الحمد لله وحده وصلى الله تعالىٰ علىٰ من لانبي بعده رب زدني علما. امابعد فقد اطلعت على هذا السوال وما حرره مولانا مفتي مكة المشرفة في الحال في خصوص التقليد الواحد من الايئمة الاربعة هو عين الصواب الموافق لنصوص المذهب بلاشك ولا ارتياب وحيث انه جواب صحيح مطابق للسنة السنية والشريعة النبوية فيجب ان يكون المعول عليه والمرجع عند الاشتباه اليه والله الموفق للصواب واليه المرجع والماب والله اعلم خادم الشريعة ببلد الله المحمية ابوبكر محي بيسوني مفتي المالكية كان الله في عونه (مهر)

۴. الجواب صواب علي بن محمد بن حميد مفتي الحنابلة بمكة المكرمة (مهر) (ماخوذ

کتاب تنبیہ الوہابین ص ۱۴ ۔۔۔

عربی کا اردو ترجمہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے مکہ مکرمہ اس باب میں کہ ہمارے زمانے میں عامی کو چاراماموں میں سے ایک کی تقلید واجب ہے یا عالموں میں سے جس کی چاہے تقلید کر لے۔ اور درصورت کہ ایک امام کی تقلید واجب ٹھہری تو کیا تقلید شخصی یعنی ایک ہی امام کی پیروی سب فروع میں جائز ہے۔ یا نہیں بینوا توجروا

جواب: ساری حمد و ثنا خدائے یکتا کے لیے خاص ہے' جہان کے مددگار سے توفیق اور مدد کا خواستگار ہوں۔ بے شک ہمارے زمانے میں آئمہ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید واجب ہے اس پر جو درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے۔ اور تحقیق تقلید شخصی جائز اور پسندیدہ ہے بلکہ حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک لازم ہے۔

پہلی بات یعنی آئمہ اربعہ میں سے ایک امام کی تقلید کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ ہر چندان چاراماموں کے سوا کسی دوسرے مجتہد کی تقلید بھی عقلاً وشرعاً جائز ہے مگر چونکہ ان چاراماموں کے علاوہ کسی کے مذہب کی تدوین' قواعد کا ضبط' حکموں کا استقرار اور سب فروع کی تحریر عمل میں نہیں آئی اس لیے چاروں اماموں میں سے ایک مجتہد کی تقلید واجب ہے کیونکہ ان کے مذاہب بخوبی مدون ہو گئے ہیں اور قاعدے مضبوط اور احکام مقرر ہیں۔ اور ان کے تبعین بھی سب مسائل عمدگی سے لکھتے ہیں یہاں تک ہر ہر جزئی خواہ اجمالاً ہو خواہ تفصیلاً منصوص ہے۔

محقق امام ابن ہمام نے کتاب تحریرالوصول کے تکملہ میں امام الحرمین سے نقل کیا ہے کہ محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ عام مسلمان صحابہ کبار کی تقلید سے منع کیے جائیں بلکہ تقلید بعد والوں کی کریں جو تدبر سے کام لیے' قاعدے وضع کیے اور مذہب مدون کیے۔ اور اسی بنیاد پر ہے جو بعض متاخرین نے چاراماموں کے سوا کسی اور کی تقلید کو منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ انہیں چار مذہبوں میں ضبط تقلید اور تخصیص موجود ہے چنانچہ ایسا انتظام کسی اور مذہب میں نہیں ہے کیونکہ ان کا تابع کوئی نہیں رہا۔ اور یہ تصریح متاخرین کی صحیح ہے۔ انتھی

اور محقق ابن نجیم مصری نے بھی اشباہ کے پہلے فن کے پہلے قاعدے میں تحریر سے نقل کیا ہے کہ ان چار مذہبوں کے مخالف پر عمل کرنے میں اجماعی ممانعت ہے انتھی اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار کے کتاب الذبائح میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ سب مسلمانوں پر فرقہ ناجیہ اہلسنت کا اتباع لازم ہے۔ اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کی نصرت اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہلسنت کی موافقت میں ہے۔ اور غضب وعذاب الٰہی اور رسوائی اہلسنت کی مخالفت میں ہے اور یہ فرقہ ناجیہ آج چار مذہبوں میں منحصر ہے۔ یعنی حنفی' مالکی' شافعی' اور حنبلی اور جو شخص ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ بدعتی اور ناری ہے انتھے اور محقق ابن حجر مکی فتح المبین میں جو امام نووی کی اربعین کی شرح ہے لکھتے ہیں۔ لیکن ہمارے زمانے میں تو ہمارے بعض آئمہ دین نے فرمایا ہے کہ چاراماموں یعنی امام شافعی۔ امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے علاوہ کسی دوسرے کی تقلید جائز نہیں اس لیے کہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کے قاعدے مشہور اور احکام مقرر ہیں اور ان کے تبعین نے ہر فرع اور ہر حکم کو لکھ دیا ہے کوئی حکم غیر منصوص نہیں خواہ اجمالاً یا تفصیلاً برخلاف دوسرے مذہبوں کے کہ وہ ایسے مرتب اور مدون نہیں نہ ان کے قواعد مشہور ہیں جن سے احکام نکالے جائیں تو ہمیں ان کے محفوظ

احکام میں بھی تقلید جائز نہ ہوئی کیونکہ کبھی کوئی بات کسی ایسی شرط سے مشروط ہے جوان کے قواعد سے مفہوم ہے یعنی صریح مذکور نہیں پس قیود اور شروط محفوظ کا بھی اعتبار کم ہوگیا تو ان کی اب تقلید جائز نہ ہوئی۔ انتھے لہذا ان منقولات سے ظاہر ہے کہ ہمارے زمانے میں عوام یعنی مجتہدین سے کم رتبے کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کریں ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔

دوسری بات یعنی تقلید شخصی کا جواز اور لزوم تو اس لیے کہ وہ بہت مضبوط ہے۔ خبط سے بہت دور ہے اور اس کے ترک میں مجتہدین کے مذہبوں سے لہو ولعب کا خوب ہے نیز تقلید شخصی کے ترک میں ایسے فساد لازم آتے ہیں جن کی اصلاح کسی اصلاح کرنے والے سے ناممکن ہے۔ اسی واسطے بڑے بڑے نامی گرامی علمائے اہلسنت نے خواہ متقدمین میں سے تھے یا متاخرین سے اپنے امام کے مذہب کے لکھنے میں ایسی کوشش کی کہ وہ دوسرے مذہب سے خلط نہ ہو۔ اور محققین نے یہی اختیار کیا ہے کہ مقلد کو ہر معاملے میں اپنے امام ہی کی تقلید کرنی چاہیے۔

حضرت امام غزالی نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ارکان میں لکھا ہے کہ ہر مقلد پر ہر مسئلے میں اپنے امام ہی کی تقلید لازم ہے اور امام کی مخالفت گناہ ہے۔ انتہی اور قہستانی نے مختصر الوقایہ کی شرح میں کتاب الاشربہ کے پہلے لکھا ہے جان لو کہ جس نے معتزلہ کی طرح حق کو متعدد قرار دیا اس نے عام مسلمانوں کے لیے ہر مذہب پر عمل کرنے کا اختیار ثابت کیا۔ اور جس نے اہلسنت کے طور پر حق ایک ہی مقرر کیا اس نے ایک ہی امام کی پیروی کو لازم ٹھہرایا جیسا کہ کشف میں لکھا ہے لہذا جس نے ہر مذہب سے اپنے مطلب کے موافق لے لیا وہ پورے طور پر فاسق ہوگیا جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے۔ (انتھی)

اور امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے کہ جو شخص عین شریعت اولی کے شہود تک یعنی رتبہء اجتہاد تک نہیں پہنچا اس پر ایک ہی مذہب کی تقلید واجب ہے تا کہ گمراہ نہ ہو اور اسی وجوب تقلید شخصی پر مسلمانوں کا عمل ہے انتہی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عقد الجید میں لکھا ہے کہ فقہا کے نزدیک اسی کو ترجیح ہے کہ مذہب کے مقلد کو اپنے مذہب کی مخالفت جائز نہیں انتہی اور جس نے کہا کہ مطلق تقلید یا تقلید شخصی بدعت اور گمراہی ہے۔ تو وہ خود بدعتی اور گمراہ ہے اور اس کے قول پر لازم آیا کہ امت مرحومہ کا سواد اعظم گمراہی پر ہے۔ اور لاکھوں مقلد مسلمان جن میں بے شمار علمائے عظام، اولیاء کرام اور صلحائے عظام داخل ہیں۔ اور جن کی عظمت شان جلالت، برہان صلاح وتقوی اور صلابت دینی پر جمہور اہلسنت و جماعت متفق الکلمہ شاہد ہیں۔ وہ سب کے سب بدعتی اور گمراہ تھے اور بدعت وگمراہی پر مرے۔ پناہ بخدا پھر پناہ بخدا ایسے قول وقائلین سے۔ حالانکہ بے شک وہ لوگ ایسے نہ تھے جیسا کہ یہ لوگ ان پر گمان کرتے ہیں۔

اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور خدائے تعالی کا دست قدرت جماعت پر ہے جو جماعت سے نکلا وہ آگ میں جا پڑا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم سواد اعظم کی پیروی کرو۔ بے شک جو ان سے نکلا وہ آگ میں جا پڑا۔

لہذا لاکھوں خواص وعام اہل اسلام مقلدین مذہب گمراہ نہیں ہیں بلکہ یہ چند شخص منکرین تقلید جن پر سخت خوف ہے کہ شیطان کے منظور اسلام کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار دیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسا کہ بکریوں کا بھیڑیا اکیلی اور کنارے رہنے والی کو پکڑ لیتا ہے۔ اختلاف سے بچو اور جماعت وجمہور سے مل جاؤ۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد نے اور حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اسلام کی جماعت سے بالشت بھر نکلا تو بے شک اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

روایت کیا اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے۔ تعجب ہے ان جاہلوں سے جو لوگوں کو اپنی تقلید کی طرف بلاتے ہیں اور آئمہ مجتہدین کی تقلید سے ہٹاتے ہیں جن کے کمال علم ودیانت اور پرہیزگاری واجتہاد پر سب کا اجماع ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو اور ان کو نیک توفیق دے۔

اور خدائے تعالی بہتر جانتا ہے یہ جواب لکھوایا!! عبدالرحمن بن عبداللہ سراج مکہ مکرمہ کے مفتی نے اللہ تعالی ان کی مدد فرمائے۔ (مہر)

تصدیقات

۱۔ مولانا مفتی اسلام نے بہت عمدہ جواب کا افادہ فرمایا ہے۔ ان کی بزرگی ہمیشہ رہے۔ از شیخ محمد رحمت اللہ (مہر)

۲۔ خدائے یکتا کو سب حمد ہے اور اللہ تعالی کا درود وسلام ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں نے مکہ شریف کے مفتی اسلام کے جواب کا مطالعہ کیا جو آئمہ اربعہ سے ایک امام کی تقلید کے سوال پر تحریر فرمایا ہے تو میں نے اس کو صحیح جواب مذاہب حقہ کے مطابق پایا۔ اختلاف کی حالت میں اس تحریر کی طرف رجوع واجب ہے اور اس میں اس کے لیے کفایت وقناعت ہے جس کو توفیق سے مدد ملی اور خدائے تعالی زیادہ جاننے والا ہے۔ اسے احمد بن زین دحلان مکی شافعیوں کے مفتی نے لکھوایا، اللہ تعالی اس کو اور اس کے والدین کو اور اس کے مشائخ دوستوں کو اور سب مسلمانوں کو بخشے۔ (مہر)

۳۔ خدائے یکتا کے لیے ساری حمد وثناء ہے۔ اور خدا کا درود ہو ان پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اے اللہ! مجھ کو

زیادہ علم دے۔ اما بعد میں مطلع ہوا سوال اور مفتی مکہ معظمہ کے اس جواب پر جو تقلید شخصی کے ثبوت میں لکھا گیا ہے۔ یہ عین صواب اور بے شک مذہب کی تصریحات کے موافق ہے اور چوں کہ یہ صحیح جواب شریعت اسلامیہ کے موافق ہے تو اسی پر اعتبار کا دارومدار ہے اور اشتباہ کے وقت اس کی طرف رجوع لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ موفق صواب ہے اور اسی کی طرف مرجع ومآب ہے۔ ابوبکر محی بسیونی مکی مالکیوں کے مفتی نے اسے لکھا اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے۔ (مہر)

ہے۔ الجواب صواب علی بن محمد بن حمید مفتی الحنابلۃ بمکۃ المکرمۃ

☆☆☆☆☆

تقلید آئمہ دین

از: مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (انڈیا)

اہلِ اسلام کو احکامِ شرعی سے روشناس کرانے والے علمائے راسخین اور صلحائے کاملین ہیں جنہیں دو قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے ان میں سے ایک جماعت محدثین کی اور دوسری جماعت مجتہدین کی ہے۔ علمائے محدثین حدیثِ رسول کو تنقیدی زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں اور صحت روایات کا بھر پور خیال رکھتے ہیں اور علماء مجتہدین کا کام آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے مسائل واحکام کا استنباط کرنا ہے اور یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے میدان میں کامیابیوں سے ہمکنار ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے دوری ناسخ ومنسوخ، محکم ومؤول مقدم ومؤخر اور متضاد نصوص کے تطابق کی عدم معرفت کی وجہ سے اہلِ حق کو اس زمانہ میں کسی ایسے پیشواء کی پیروی کرنی ضروری ہے جو زمانہ رسول کی قربت، وفورِ علم، کثرت روایات، کمال تقویٰ اور ملکہ استنباط کا حامل ہو، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان جماعتوں میں مذکورہ صفات کس جماعت کے اندر ہیں تو لیجئے درج ذیل عبارات ملاحظہ کیجئے۔

حضرت سفیان ابن عیینہ (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں

الاحادیث مضلة الاللفقها حدیثیں فقہاء کو گمراہ نہیں کرتیں۔

ابن الحاج محمد الفاسی المالکی نے مدخل میں لکھا ہے۔

وھم اعلم بمعانی الاحادیث فقہاء معانی احادیث کے زیادہ جان کار ہوتے ہیں۔

امام ترمذی نے جامع ترمذی ابواب الجنائز میں ابن حجر نے قلائد میں اور غیر مقلدوں کے رئیس ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا۔

لایجوز لا حدان یا خذ من الکتاب والسنة مالم یجتمع فیه شروط الاجتهاد

جس کے اندر اجتہاد کے شرائط موجود نہ ہوں اسے بذات خود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ تخریج کرنا جائز نہیں اور کفایہ میں ہے۔

العامی اذا سمع حدیثا لیس له ان یا خذ بظاهره الجواز ان یکون مصروفا عن ظاهره اومنسوخا بخلاف الفتوی

عام آدمی جب کوئی حدیث سنے تو اسے جائز نہیں کہ ظاہر حدیث سے مسئلہ نکال لے، ہو سکتا

ہے کہ وہ اپنے ظاہر سے پھری ہوئی ہو یا فتویٰ اس کے خلاف ہو اور وہ منسوخ ہو۔

تقریر شرح تحریر میں بھی ایسے ہی مذکور ہے اور لفظ منسوخا کے بعد "بل علیہ الرجوع الی الفقھاء" کا اضافہ ہے یعنی عام آدمی کو فقہاء کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (اصول ... مطبوعہ ترکی)

فقہا کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قانون اسلام کے جاننے والوں سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کیا جائے یہی تقلید ہے۔

تقلید کا معنی: تقلید کا مادہ قلادہ ہے قلادہ کے معنی پٹے کے ہیں، باب تفعیل میں جاکر اس کے معنی گلے میں پٹہ ڈالنے کے ہوگئے، اصطلاح شرع میں تقلید کا معنی علماء نے یہ لکھا ہے۔

تسلیم قول الغیر بلادلیل دوسرے کی بات بلادلیل مان لینا اسی کو علامہ سمہودی نے عقد الفرید میں یوں بیان فرمایا ہے۔

التقلید قبول القول بان یعتقد من غیر معرفة دلیل کسی کی بات دلیل جانے بغیر اس طرح مان لینا کہ اس پر اعتقاد جم جائے۔

اگر دلیل کے ذریعہ کسی بات کے حق کا اعتقاد ہو تو یہ تقلید نہیں، بلادلیل محض قائل کے سامنے حسن ظن کی بنا پر اس کی کہی ہوئی بات پر اعتقاد جم جائے کہ یہ شخص اعلیٰ درجہ کا دیندار، صادق، امین اور علوم وفنون کا ماہر ہے، اس لیے جو بات کہتا ہے وہ حق ہے یہی تقلید ہے۔

(مقالات امجدی ص ۹۱، از مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ مطبوعہ دائرۃ البرکات گھوسی انڈیا)

پیغمبر اسلام ﷺ نے ارشاد فرمایا" من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ نکال دیا۔

اقسام تقلید: (۱) تقلید ناروا (۲) تقلید جائز بلکہ واجب۔

تقلید ناروا: کفار کا اپنے آباء اور گمراہ پیشواؤں کی تقلید کرنا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیه ابا ئنا اولو کان اباء ھم لایعقلون شیئاً ولا یھتدون۔

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا، کیا اگر چہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

یوں ہی جاہل عوام کا خلاف شرع رسوم کی پابندی میں اپنے جاہل آباء یا گمراہ لوگوں کی تقلید کرنا۔ یہ تقلید اگر ایمانیات سے متعلق ہے تو کفر ورنہ حرام وناروا ضرور ہے۔

تقلید جائز بلکہ واجب: مشہور ومستند مفسر قرآن حضرت قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ نے اس تقلید کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

کاتخاذ الا نداد وتحلیل المحرمات وتحریم الطیبات وفیه دلیل علی المنع من اتباع الظن راساً، وما اتباع المجتھد لمااری الیه ظن مستند الی مدرک شرعی فوجوبه قطعی. (تفسیر بیضاوی، ص ۱۴۲ سورہ بقرہ)

جیسے (اللہ) کا شریک بنانا محرمات کو جائز اور طیبات کو حرام سمجھنا، یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ ظن اور گمان کی اتباع سے یکسر پرہیز کیا جائے، اور جب یقین مجتہد کی معرفت کرلے کہ وہ شرعی ادراک کا حامل ہے تو اس کا اتباع ضروری ہے۔

نیز قاضی صاحب نے اولو کان ....الی .... لایھتدون کی تفسیر میں بتایا۔

ھو دلیل علی المنع من التقلید لمن قدر علی النظر والا جتھاد واما اتباع الغیر فی الدین اذا علم بدلیل ماانه محق کالانبیاء والمجتھدین فی الاحکام فھو فی الحقیقة لیس بتقلید بل اتباع لما انزل اللہ تعالی. (ایضا)

فھو فی الحقیقة لیس بتقلید بل اتباع لما انزل اللہ تعالی (تفسیر بیضاوی ص ۱۴۲ سورہ بقرہ مکتبہ رشیدیہ ...)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص غور وفکر اور اجتہاد پر قدرت رکھتا ہو وہ تقلید نہ کرے لیکن دین کے معاملہ میں کسی شخص کا اتباع جب کہ دلائل سے جان لیا جائے کہ وہ حق ہے، جیسے انبیاء اور احکام میں اجتہاد کرنے والے تو حقیقت میں یہ تقلید نہیں بلکہ خدا کے اتارے ہوئے احکام کی پیروی ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جن کے اندر اجتہاد کی قوت موجود ہو انہیں کی پیروی کی جائے غیر مجتہد کی نہیں، اب رہا آئمہ اربعہ کی تقلید کرنا تو ان کی تقلید مذکورہ بالا عبارات ہی سے واضح ہو جاتی ہے کیونکہ علماء کا ان حضرات کے مجتہد ہونے کے بارے میں اجماع ہے، تو احکام میں ان حضرات کی تقلید کرنا حقیقتاً ما انزل اللہ کی متابعت ہے، اماموں کی تقلید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے

اماموں میں سے کسی ایک کی پیروی کی جائے، ہر امام فقیہ اور مجتہد کامل تھے، اماموں سے مراد درج ذیل حضرات ہیں۔

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ (۲) امام مالک (۳) امام شافعی (۴) امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مذکورہ اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے ان کے علاوہ دوسرے آئمہ کی تقلید ممنوع ہے اس لیے کہ ان کے اقوال نہ تو اسنادِ صحیح کیساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کیساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں، اور نہ اتنی احتیاط کے ساتھ موجود ہیں کہ ان کا اتباع کیا جاسکے، رہ گئی ایک یہ صورت کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی معین کی تقلید نہ کی جائے، بلکہ بعض مسائل میں ایک کی، بعض میں دوسرے کی اس میں کیا حرج ہے۔

پہلا حرج: یہ کہ خرق اجماع ہے، اجماع اس پر ہے کہ جس امام کا مقلد ہو جملہ امور میں اس کی تقلید کرے، بعض مسائل میں ایک کی بعض مسائل میں دوسرے کی، یہ ناجائز اور گناہ ہے۔

دوسرا حرج: یہ کہ حقیقت میں امام کی تقلید نہیں ہوئی، اپنے نفس کی تقلید ہوئی، اس لیے کہ دوسرے امام کی تقلید ایک امام سے عدول کر کے دوسرے امام کی طرف رجوع کی بنیاد کیا ہوگی؟ اپنی پسند کے کچھ مسائل میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد پسند آیا تو اسے اختیار کرلیا اور بعض دوسرے مسائل میں دوسرے امام کا اجتہاد پسند آیا تو اسے اختیار کرلیا۔ یہی تو ہوائے نفس کی پیروی ہے اگر یہ اعراض ورجوع دلیل کی قوت وضعف کی بنا پر ہے تو یہ تسلیم قول بلا دلیل نہ ہوا یا دلیل ہوا، پھر تقلید نہ رہی اور کلام تقلید میں ہے۔

تیسرا حرج: یہ ہے کہ یہ نص قرآنی سے حرام ہے کہ کبھی ایک طریقہ اختیار کیا جائے کبھی اس کے برعکس دوسرا ہم کو حکم ملا ہے کہ ایک ہی راستے کو اختیار کریں اور اسی کی پیروی کریں، چند راستے کا اتباع نہ کریں، فرمایا گیا۔

وَلَاتَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ (پ۸، الانعام آیت ۱۵۳)

ترجمہ: اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کردیں گی۔ (مقدمات ابدی ص ۱۰۶)

جو شخص بعض مسائل میں ایک امام اور بعض میں دوسرے امام کی پیروی کا قائل ہے تو وہ مذہب اسلام کا حامی نہیں بلکہ دین کے معاملہ میں کھلواڑ کر رہا ہے اور یہ فعل حرام وممنوع ہے اس شخص کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں منافق کے متعلق وارد ہے، سرکار دوعالم ﷺ فرماتے ہیں۔

مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين تعير الىٰ هذه مرة والىٰ هذه مرة.

(صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۷۰ مکتبہ رشیدیہ دھلی)

منافق کی مثال اس آوارہ بکری کی ہے جو دو بکروں میں سے کبھی ایک کے پاس جاتی ہے اور کبھی دوسرے کے پاس۔

نیز ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا۔

ا ن شر الناس ذوالوجهين الذى يا تى هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه (صحیح بخاری)

لوگوں میں سب سے برا شخص دوہری پالیسی والا ہے جو ایک مرتبہ یہاں سے آتا ہے اور ایک مرتبہ وہاں سے اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے۔

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا

(پ۱۰، التوبۃ آیت ۳۷)

ترجمہ: ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں۔

تقلید کے متعلق مزید قرآنی دلیلیں: ارشاد خداوندی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پ۵، النساء آیت ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔

آیت مذکورہ کے تحت شیخ سلیمان علیہ الرحمۃ نے تفسیر جمل جلد اول ص ۴۱۴ میں تحریر فرمایا ہے۔

آیتِ مذکورہ شریعت کے چار دلائل کی ایک قوی دلیل ہے یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس کہ یہی چار ادلہ شرع آئمہ اربعہ کے معمول ہیں اس آیت کریمہ سے ان کی تقلید واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔

ایک جگہ اور قرآن ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (پ۵، النساء آیت ۸۳)

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان

سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔

آیتِ مذکورہ میں اُولــي الاَمــرْ سے مراد علماء اور فقہاء ہیں جو نصوص سے استنباط احکام کی صلاحیت رکھتے ہیں، نہ کہ حکام وقت جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بالفرض اگر آیت کا مصداق حاکم وقت ہی ہے تو اس کا ذی علم، دیانتدار اور صاحبِ استنباط ہونا شرط ہے، جیسے خلفاء راشدین اور عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ تو ثابت ہو گیا کہ استنباط کی صلاحیت اور دیانتداری شرط ہے نہ کہ حکومت و امارت، حاکم جاہل، فاسق یا کافر ہو، اور احکام خداوندی کے خلاف حکم نافذ کرے تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔

لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق (الجامع صغیر الجز الثانی ص۲۰۳ دار الفکر بیروت)

''اُولي الاَمر'' کی وضاحت میں چند حدیثیں پیش ہیں۔ سنن دارمی میں ہے۔

اخبرنا یعلی حدثنا عبدالملک عن عطاء قال اُولي الامرای اولی العلم والفقه

اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں

الاتقان میں حضرت امام سیوطی نے لکھا ہے۔

عن ابی طلحة عن ابنِ عباس قال اولی الامر اهل الفقه والدين

اولی الامر سے مراد علماء فقہ و دین ہیں

اخرج ابن جریر والمنذر و ابن ابی حاتم والحاکم عن ابنِ عباس وعن مجاهد هم اَهلُ الفقه والدين. ان (اولی الامر) سے مراد اہل فقہ و دین ہیں۔

تفسیر کبیر جلد ثالث ص ۳۷۵، شرح مسلم از امام نووی جلد ثانی صد ۱۲۴، تفسیر معالم التنزیل و تفسیر نیشاپوری میں بھی مذکورہ بالا روایات کی تائید ملتی ہے۔ (اصول اربعہ ص ۷۷، از خواجہ محمد حسن جان سرہندی سندھی حیدرآباد)

اب ہم دوسرے مقصد کی طرف چلتے ہیں وہ یہ کہ ''اجماع اور قیاس'' بھی ادلہ شرعیہ ہی سے ہیں لہٰذا انکے ثبوت میں آیات واحادیث اور سلف صالحین کے چند اقوال پیش ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَاتَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (پ ۵ النساء آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور (جو) مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے،

اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے۔

اس آیت کے تحت حضرت امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ثالث ص ۲۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان الشافعی سئل من اية فی كتاب الله، تدل علی ان الاجماع حجة فقراء القرآن ثلاث مائة مرة حتى وجد هذه الآية، وتقرير الاستدلال ان اتباع غير سبيل المؤمنين حرام فوجب ان يكون اتباع سبيل المؤمنين واجبا. (حاشيه شيخ زاده علی تفسير البيضاوی الثانی ص ۱۰ مطبوعه استنبول ترکی)

امام شافعی (رحمتہ اللہ علیہ) سے پوچھا گیا کہ قرآن کی کوئی آیت تلاوت فرمائیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ اجماع حجت ہے، آپ نے تین سو مرتبہ قرآن کی تلاوت کی یہاں تک کہ یہ آیت پالی استدلال یوں کیا جائے گا کہ جب غیر مسلموں کے راستے کی پیروی حرام ہے تو مسلمانوں کے راستے کی پیروی ضروری ہے۔

تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت سے متعلق درج ہے فرماتے ہیں۔

هو دليل علی ان الاجماع حجة لايجوز مخالفتها كما لا يجوز مخالفة الكتاب والسنة.

(تفسیر نسفی الجزء اول ص ۲۵۱، اصح المطابع بمبئی انڈیا)

وہ اس بات پر دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے جس طرح کتاب اور سنت کی مخالفت جائز نہیں اسی طرح اجماع کی بھی مخالفت جائز نہیں۔

اور تفسیر بیضاوی میں ہے

والاية تدل علی حرمة مخالفة الاجماع..... واذا كان اتباع غير سبيل المؤمنين محرما كان اتباع سبيلهم واجبا (تفسیر بیضاوی علی حاشیہ حاشیہ شیخ زادہ الجزء الثانی ۴۹۸ استنبول)

آیتِ مخالفت اجماع کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور جب غیر مسلمین کا اتباع حرام ہے تو مسلمانوں کی پیروی واجب ہوگی۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ علماء نے تقلید کو واجب قرار دیا ہے اور لامذہبیت کو سخت گناہ لکھا ہے تو علماء کی مخالفت کرنا گویا اس آیتِ کریمہ کی مخالفت ہے کیونکہ حق جل مجدہ نے اس امت کا وصف

یوں بیان کیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (پ ۴ آل عمران آیت ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہتر ہو اُن سب اُمتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں' بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

العلم ثلاثة اية محكمة او سنة قائمة او فريضة عادلة (مشکوۃ ص ۳۵ کتاب العلم)

علم اور معلومات شریعت تین چیزیں ہیں ایک آیتِ محکم ظاہر المعنی غیر منسوخ دوم پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت جو کہ صحیح اور درست ہے سوم اجماع وقیاس جو آیات واحادیث سے مستنبط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

فريضه عادله آن است كه مثل و عديل كتاب و سنت است اشارت است باجماع و قياس كه مستند و مستنبط اندازان وباين اعتبار آن رامساوى و معادل كتاب و سنت فرمود و تعبير ازان بفريضه عادله ازاں وجه كه تنبيه باشد برآن كه عمل بآنها واجب است ، چنانچه بكتاب و سنت پس حاصل حديث آن شد كه اصول دين چهار اند كتاب وسنت واجماع و قياس (اصول اربعہ ص ۸)

فریضہ عادلہ کتاب وسنت کے مساوی ہے، اس سے اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کتاب وسنت ہی سے مستنبط ہیں اسی وجہ سے ان کو کتاب وسنت کے مساوی اور برابر قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تعبیر فریضہ عادلہ سے اس وجہ سے ہے کہ اس بات پر تنبیہ ہو کہ ان پر عمل کرنا واجب ہے اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اصولِ دین چار ہیں کتاب وسنت، اجماع اور قیاس۔

دارمی میں ہے۔

كان ابوبكر رضى الله عنه اذا ورد عليه الخصم نظر فى كتاب الله فان وجد مافيه يقضى بينهم قضىٰ به وان لم يكن فى الكتاب و علم من رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ذلك الامر سنة قضىٰ به فان اعياه خرج فسأل المسلمين الى ان اذا اجتمع رايهم علىٰ امر قضىٰ به رواه الدارمى (اصول اربعہ ۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو پہلے کتاب اللہ میں تلاش فرماتے اور اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ اگر کتاب میں نہ پاتے تو حدیث رسول کے پیش نظر فیصلہ کرتے اور اس سلسلہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت معلوم ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر سنت نبوی میں بھی نہ پاتے تو عام مسلمانوں سے پوچھتے اگر ان کی رائے کسی ایک صورت پر متفق ہو جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کردیتے۔

كان عبدالله بن عباس اذا سئل عن الامر فكان فى القرآن اخبر به فان لم يكن فى القرآن و كان عن رسول الله ﷺ اخبر به فان لم يكن فعن ابى بكر و عمر فان لم يكن فيه امر برايه ، وفى رواية نظر ما اجتمع عليه الناس اخذ به (رواہ الدارمی اصول اربعہ ص ۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اس کا حکم اگر قرآن میں پاتے تو اس کے مطابق حکم دیتے اگر قرآن میں نہ پاتے تو سنت رسول اللہ ﷺ سے حکم صادر فرماتے اور اگر اس میں بھی نہ پاتے تو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں کے مطابق حکم دیتے، اگر ان کا بھی کوئی فیصلہ نہ ملتا تو اپنی رائے سے فتویٰ دیتے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کے اجماع شدہ مسئلہ کو اختیار کرتے۔

مذکورہ بالا دلیلوں سے بخوبی واضح ہو گیا کہ مومنین کاملین کا اجماع ایک قطعی دلیل ہے جو ادلہ شرعیہ ہی کی ایک شق ہے لہٰذا اس کا منکر دینِ حق کا منکر ہے۔

حجیت قیاس: شریعت اسلامیہ کا چوتھا ماخذ قیاس واجتہاد ہے ترمذی ابوداؤد، دارمی نے تخریج فرمایا۔

عن معاذ بن جبل ان رسول الله ﷺ لما بعثه الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاء قال اقضى بكتاب الله قال فان لم تجده فى كتاب الله ، قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فى سنة رسول الله قال اجتهد برايى ولا آلوا قال فضرب رسول الله على صدره وقال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى به رسول الله (مشکوۃ باب العمل فی القضاء والخوف منہ ص ۳۲۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن (کا قاضی بنا کر) بھیجا تو فرمایا جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے۔

عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر تم رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی نہ پاؤ۔ عرض کیا میں اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر دستِ اقدس مار کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر تعریف ہے جس نے رسول اللہ کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی جسے رسول اللہ پسند کرتے ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ اجتہاد صرف اور صرف انہیں امور میں کیا جائے گا جن کا واضح حکم کتاب وسنت سے نہ ملے آئمہ دین ومجتہدین عظام کا قیاس محض ان کی ذاتی رائے نہ ہوتی تھی بلکہ کتاب و سنت اجماع امت خلفائے راشدین کی ہدایات تعامل صحابہ کو معیار بنا کر کسی مسئلہ کا حکم ظاہر کرنا ہوتا تھا اور اس قیاس یا رائے کا محمود ومطلوب ہونا کتاب مجید کی آیت لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (پ ۱۱ التوبہ آیت ۱۲۲) سے ثابت ہے جو لوگ آئمہ مجتہدین پر قیاس واجتہاد کی بنا پر طعن کرتے ہیں انہیں اس قیاس سے مفر نہیں ہے غور کیجئے جن مسائل پیش آمدہ کے متعلق قرآن وحدیث اور اجماع امت خاموش ہوں ان کا حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ سوائے اجتہاد وقیاس کے اور کیا ہے؟ اور قیاس واجتہاد کی مخالفت میں جو آیات واقوال پیش کیے جاتے ہیں، دراصل ان میں اس قیاس اور اجتہاد کی مذمت ہے اور اسے فاسد وباطل قرار دیا گیا ہے جو محض اپنی خواہشات نفسانی کی بنا پر کیا جائے، لیکن وہ قیاس واجتہاد جو کتاب وسنت کو معیار بنا کر کیا جائے وہ تو فقہ اسلامی کا ایک اہم ماخذ ہے حضور سید عالم نورِ مجسم ﷺ نے حضرتِ ابنِ مسعود سے فرمایا کہ قرآن وسنت کے مطابق فتویٰ دو اور جب قرآن وسنت میں کوئی حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو (دین مصطفےٰ ص ۲۱۸)

متذکرہ بالا سے واضح ہو گیا کہ مجتہد کی رائے اور قیاس ادلہ شرعیہ ہی سے ہے اس لیے اس کا منکر یقیناً گمراہ ہوگا۔ اس جگہ قیاس سے مراد وہ قیاس ہے کہ مقیس علیہ ایک ایسی علت ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہو جو علت مقیس میں ہے وہی علت نص میں بھی ہو تو اسے علماء علت مشترکہ کہتے ہیں۔ اس کے سوا ہر کس وناکس کا قیاس قابلِ قبول نہیں علل نصوص کو مجتہد اور فقیہ کے علاوہ دوسرا نہیں جانتا۔

مجتہد کے شرائط: مجتہد کے لیے مخصوص صلاحیتوں اور شرطوں کا ہونا لازمی اور ضروری ہے مثلاً وہ متقی، پرہیزگار، صائب الرائے، صاحبِ راست، انصاف پسند، پاکیزہ اخلاق کا مالک ہو،

زبان عرب، لغت، صرف ونحو، معانی، قرآن وسنت تفسیر، اسباب نزول، راویوں کے حالات جرح و تعدیل کے طریقوں سے ناسخ ومنسوخ کی حقیقت سے مذاہب سلف سے واقفیت رکھتا ہو اور دلائل شرعیہ سے مسائل کا استنباط کرنے (نکالنے) پر قادر ہو، قیاس کے اصول وقواعد کو جانتا ہو یا یوں کہیے کہ درجہ اجتہاد صرف اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو پوری شریعت کے مقاصد کو سمجھتا ہو اور دلائل شرعیہ سے مسائل کے استخراج کی قدرت رکھتا ہو۔ (الموافقات جلد اول ص ۴۴ بحوالہ دین مصطفےٰ ۲۳۰)

نیز یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مجتہد کو بھی قیاس واجتہاد صرف ان مسائل میں جائز ہے جن کے متعلق قرآن وسنت اور اجماع امت میں صریح حکم نہ ملے اگر کسی مسئلے میں قرآن وسنت اجماع امت نے واضح احکام دے دیے ہیں تو پھر قیاس واجتہاد ناجائز وممنوع ہے۔ چنانچہ مجتہد مطلق سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کسی بات کا حکم معلوم کرنے کے لیے میں سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر مجھے کوئی حکم قرآن مجید میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر قرآن وسنت دونوں سے حکم شرعی معلوم نہ ہو تو پھر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے اقوال اور فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں، اور کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کے اقوال مختلف ہوں تو ان میں سے اس کو اختیار کرتا ہوں جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا قول وعمل نہ ملے تو پھر تابعین کرام کے فیصلوں پر غور وفکر کر کے اپنی الگ رائے قائم کر کے اس پر عمل کرتا ہوں۔ (الانتقاء لابن عبدالبر، بحوالہ، دین مصطفےٰ ص ۱۴۴ علامہ سید محمود احمد رضوی المتوفی ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۹ء)

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا؟ : یہ کہنا تو غلط ہے کہ اس زمانہ میں مجتہدانہ شان کا عالم پیدا نہیں ہو سکتا ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آئمہ مجتہدین مثلاً امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے بعد آج تک کوئی بھی ان لوگوں کے پایہ کا پیدا نہیں ہوا اور یہ مسلم ہے وہ لوگ اجتہاد کے درجہ پر فائز تھے نہ جانے کتنے ہی اولیاء صلحاء محدث ومفسر اس روئے زمین پر پیدا ہوئے اور ان کے اندر دینی معلومات کا سمندر بھی موجزن تھا اس کے باوجود بھی انہوں نے آئمہ اربعہ ہی کی اقتداء اور تقلید میں اپنی عافیت سمجھی اور آج تک انہیں مذکورہ بالا آئمہ کے مقلد پوری دنیا میں پائے جا رہے ہیں وہ افراد چند ہی ہوں گے جن کے یہاں تقلید آئمہ کوئی چیز نہیں انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

تقلید آئمہ اربعہ لازم ہے: ایک جماعت بڑے طمطراق سے کہہ دیتی ہے کہ جب قرآن وحدیث اور افعال صحابہ ہمارے درمیان موجود ہیں تو انہیں چھوڑ کر مجتہدین علماء کی پیروی کیوں کی جائے۔ توان معترضین کو خوب اچھی طرح سے جان لینا چاہیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو امور جہاد اور ترقی اسلام کی مشغولیت نے کتب تفاسیر اور کتب احادیث کی تدوین کا موقع ہی نہیں دیا۔ نیز ان کے قلوب پر انوار رسالت اس طرح جلوہ گر تھے کہ ان لوگوں نے تدوین کتاب کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔ اور اسی نور کی روشنی کی وجہ سے وہ راہِ راست پر تھے اور جب رسول اللہ ﷺ کا ظاہری دور ختم ہوگیا اور اختلافات نے سر اٹھانا شروع کردیا ہر شخص ایک دوسرے کے خلاف صحابہ کرام کے اقوال سے دلیلیں پیش کرنے لگا اس کی وجہ سے طالبانِ حق کو مذہب اسلام کے سمجھنے میں پریشانیاں لاحق ہونے لگیں تو رب العزت نے اپنے فضل وکرم سے امت مرحومہ کے لیے چار متقی علماء وصلحاء کا انتخاب کیا اور انہیں بکمال احتیاط استنباط واجتہاد کی طاقت عطا فرمائی جن کی تقلید نے مخلوق کو گمراہی کے میدان سے نکال کر شاہراہ ہدایت پر لاکھڑا کردیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ.

علامہ سید علی سمہودی شافعی (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں۔

قال المحقق الحنفیه الکمال ابن الهمام رحمه الله علیه نقل الامام الرازی اجمع المحققون علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة بل یقلدون من بعدهم الذین یسروا ووضعوا ودونوا (عقد الفرید)

محقق حنفیہ کمال ابنِ ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے امام رازی سے نقل کیا کہ محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی تقلید نہ کریں بلکہ ان کے بعد والوں کی تقلید کریں جنہوں نے مسائل میں آسانیاں پیدا فرمائی اور ان کی وضع وتدوین کی۔

عبارت بالا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ جو حضرات درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ہیں وہ مجتہدین کی بہ نسبت عوام کے زمرے میں داخل ہیں وہ آئمہ اربعہ کی تقلید چھوڑ کر منزل مقصود (عقبیٰ کی کامیابی) نہیں حاصل کرسکتے۔ کیونکہ آئمہ اربعہ کے مذاہب کی بنیاد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر ہے جیسا کہ ان کی مرویات سے واضح ہے۔

امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مجتہدین سے مراد یہی چار ہستیاں ہیں جن کی پیروی لازم

ہے امت کے اس اجماع کے ثبوت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں۔

ان الله لا یجمع امتی او قال امة محمد علی الضلالة وید الله علی الجماعة من شذ شذ فی النار (مشکوٰۃ ص ۳۰ باب الاعتقاد بالکتاب والسنة، مکتبہ رشیدیہ)

بے شک اللہ تعالی میری امت کو یا یہ کہا کہ محمد کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا اور اللہ کی مدد جماعت (اہلِ سنت) کے ساتھ ہے، جو اس سے الگ رہا وہ دوزخی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۷۱)

ترجمہ: جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

آیت میں امام سے مراد وہ امام اور پیشوا ہیں جنھوں نے اپنے پیروکاروں کو ہدایت یا گمراہی کی دعوت دی، قیامت کے روز ہر شخص اپنے امام اور پیشوا کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا، چاہے وہ پیشوا کسی بھی قسم کے ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر شخص کو اپنے لیے ایک پیشوا کا انتخاب کرنا چاہیے اور وہ پیشوا ایسا ہو جو بھلائی کی طرف رہنمائی کرے اور برائی کے راستوں سے روکے۔

وجوب تقلید کے سلسلے میں قرآن مقدس کا ایک اور ارشاد پیش خدمت ہے رب تعالی فرماتا ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ ۱۷ الانبیاء آیت ۷)

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

اس آیت میں تین امور غور طلب ہیں، اول، سوال کرنا، دوم اہلِ ذکر سے سوال کرنا نہ کہ ہر کس وناکس سے، سوئم، سوال کسی چیز سے ناواقفی کی وجہ سے ہوتا ہے، تو جو شخص قرآن وحدیث سے مسئلہ نہ نکال سکے اس پر لازم ہے کہ اپنے مذہب کے مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرے اور یہی تقلید ہے، اگر سوال نہیں کیا اور مجتہد کے اقوال پر عمل نہیں کیا بلکہ انکار کیا تو یہ غیر مقلدیت ہے۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اہلِ ذکر کون لوگ ہیں آیا آئمہ مذاہب یا نیم خواندہ، اس آیت کی وضاحت درج ذیل حدیث کی روشنی میں سمجھیں۔

اخرج ابن مودریه عن انس قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان الرجل یصلی ویصوم ویحج ویغزوانه المنافق قالوا یارسول الله بما ذاد خل علیه النفاق قال لطعنه علی امامه من قال قال الله فی کتابه فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون. (جاء الحق اول بحوالہ درمنثور)

ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی نماز پڑھے گا روزہ رکھے گا، غزوہ کرے گا، حالانکہ وہ منافق ہوگا، عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ان کے اندر نفاق کیسے سرایت کر جائے گا؟ فرمایا اپنے امام کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے۔ اور امام کون ہے فرمایا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا فاسئلوا اھل الذکر اہلِ ذکر امام ہیں۔

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اُولُوا الامر ہی کو اھلِ الذکر بھی کہا جاتا ہے۔ گزشتہ اوراق میں یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ الوالامر علماء راسخین اور آئمہ مذاہب اربعہ ہیں، انہیں حضرات کی شان میں قرآن مقدس ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ (پ ۳، البقرۃ آیت ۲۶۹) اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (پ ۲۸، الحشر آیت ۲)

ترجمہ: تو عبرت لو اے نگاہ والو۔

ساتھ ہی ساتھ ان سطور سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہلِ ذکر سے وہ حضرات مراد نہیں ہیں جنہوں نے فارسی اور اردو کی چند سطریں پڑھ لی ہوں، زہد و تقویٰ کی الف با سے بھی واقف نہ ہو علماء ربانیین کے کوچے میں کبھی بھولے سے بھی قدم نہ رکھا ہو، قرآن کی تفسیر اور احادیث کی توضیح میں اپنی رائے کو قولِ فیصل تصور کرتے ہوں ایسے ہی لوگوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ فی النار (الجامع الصغیر' الثانی ص ۱۲۸ دارالفکر بیروت)

جس نے قرآن کی تفسیر میں بغیر علم کے کچھ کہا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

مجتہدین کی پیروی کرنا اور ان سے مسئلہ دریافت کر کے اس پر عمل کرنا کس قدر ضروری ہے۔ اس سے متعلق ایک حدیث پیش ہے جس سے مجتہدین کی اہمیت اور ان کا مقام بخوبی سمجھ میں آ جائے گا۔

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا مناحجر فشجہ فی راسہ فاحتلم فسال اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم قالوا مانجدلک رخصۃ وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلماقدمنا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرنا بذلک قال قتلوہ قتلھم اللہ الا سالوا اذا لم یعلموا فانما شفاء العی السوال انما کان یکفیہ ان یتمم ویعصب علی جرحہ خُرقۃ ثمہ یمسح علیھا ویغسل سائر جسدہ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ کتاب الطھارۃ)

حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر کے لیے نکلے ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کے سر پر پتھر لگا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ ضرب کی چوٹ سے اسے احتلام ہو گیا۔ اس نے اس بارے میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ تم لوگ میرے لیے تیمم کی اجازت پاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا ہمارے خیال میں تجھے تیمم کی اجازت نہیں کیونکہ تیرے پاس پانی موجود ہے پس اس شخص نے غسل کیا اس سے اس کی موت واقع ہو گئی جب ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اللہ انہیں قتل کرے۔ جب یہ لوگ مسئلہ نہ جانتے تھے تو انہوں نے کیوں نہ دریافت کر لیا کہ نا سمجھی اور نادانی کا علاج تو دریافت کرنا ہے۔ اس کے لیے تیمم کافی تھا اور زخم پر کپڑا باندھ لینا پھر زخم پر مسح کر لینا اور جسم کے باقی اعضاء دھو لینا۔

مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہوا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے مجتہدین صحابہ سے فتویٰ نہ لینے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے عتاب کے ایسے مرتکب ہوئے کہ رسول اللہ نے ان کے حق میں قتلھم اللہ فرمایا تو ان نیم خواندہ لوگوں کا کیا حال ہوگا جو علماء راسخین کے اقوال سے گریز کر کے تفسیر بالرائے اور احادیث کے من مانی مطالب بیان کرتے ہیں۔ اور بھولے بھالے عوام کا ایمان غارت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بری قوم سے تمام مسلمانوں کو بچائے۔

اخیر میں غیر مقلدوں کے معتمد اعلیٰ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب "عقد الجید" کے ایک اقتباس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے جو دنیائے غیر مقلدیت میں زلزلہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے فرماتے ہیں۔

مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے اعراض کرنے میں بھاری فساد ہے ہم ان کو چند طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

اول یہ کہ امت نے اجماع کر لیا ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف پر اعتماد کیا جائے، تابعین نے اس معاملہ میں صحابہ پر اعتماد کیا۔ اور تبع تابعین نے تابعین پر، اسی طرح ہر طبقہ میں علماء نے اپنے پہلوں پر اعتماد کیا۔ اس کی اچھائی پر عقل دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط کے بغیر نہیں پہنچائی جا سکتی۔ اور نقل نہیں درست ہوگی مگر اس طرح کے ہر طبقہ اپنے پہلے والوں سے متصلاً حاصل کرے، اور استنباط کے لیے یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب کو جانا جائے تا کہ ان کے اقوال

سے باہر نہ جائیں کہ خرق اجماع (اجماع کے خلاف) ہو جائے اور تاکہ انہیں اقوال کو بنیاد بنایا جائے۔اور اگلوں سے اس میں مدد لی جائے اس لیے کہ تمام صنعتیں مثلاً سناری اور طب اور شعر اور لوہاری اور تجارت اور رنگ ریزی کسی کو بھی میسر نہیں ہوتی مگر اس کے ماہرین کے ساتھ کام کرنے سے اور بغیر اس کے بہت نادر غیر واقع ہے اگرچہ عقلاً جائز ہے اور جب یہ متعین ہو گیا کہ شریعت کی معرفت میں سلف کے اقوال ہی پر اعتماد ہے تو ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد ہو اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں مدون ہوں۔اور یہ کہ منقح ہوں کہ ان محتملات میں راجح مرجوح سے ظاہر ہو، اور عام کی تخصیص مذکور ہو۔متضاد اقوال میں تطبیق ہو احکام کی علتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں اور اس پچھلے زمانہ میں کوئی مذہب اس صفت کے ساتھ موصوف نہیں۔سوائے ان چار مذاہب کے۔

(امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل)

مذکورہ بالا اقتباس سے درج ذیل نتائج برآمد ہوئے:

ا۔اس پر اجماع ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے (۲) تقلید میں عظیم مصلحت ہے اور اس کے ترک میں فساد کبیر ہے (۳) شریعت کی معرفت نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور یہ دونوں سلف کے اقوال جاننے پر موقوف ہے (۴) سلف میں صرف آئمہ اربعہ کے اقوال اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور صرف انہیں کے مذاہب منقح ہیں (۵) سلف میں سے آئمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال و اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کے ساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں۔

ان ابحاث سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ مجتہدین میں سے صرف آئمہ اربعہ ہی کے مذاہب لائق اعتماد اور قابل عمل ہیں۔

جو شخص تقلید شخصی کا منکر ہو، اور آئمہ اربعہ کی تقلید کو لازم نہ جانے وہ راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے۔

☆☆☆☆☆

تقلید اور اہلِ حدیث

از: حضرت مفتی محمد امین نقشبندی (فیصل آباد)

اے میرے عزیز! جان لینا چاہیے کہ فی زمانہ دین کے چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے، کہ تقلید کے سوا چارہ نہیں، کیونکہ عوام قرآن و حدیث سے کما حقہ واقف نہیں ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ کون سی حدیث صحیح ہے اور کون سی ضعیف، کون سی ناسخ ہے اور کون سی منسوخ، کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، لہذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ عامۃ الناس علماء کی طرف رجوع کریں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔(پ ۱۷ الانبیاء آیت ۷)

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

اور حدیث پاک کے احوال مذکورہ بالا کو آئمہ مجتہدین ہی جانتے ہیں، اس لیے تقلید آئمہ مجتہدین کے سوا چارہ نہیں ہے۔

نیز تقلید شخصی سبیل المومنین بن چکی ہے کہ ہجرت کے دو سو سال بعد اولیاء ابدال، اوتاد، غوث، قطب سارے کے سارے چاروں اماموں میں سے کسی ایک کے مقلد ہوئے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے انصاف میں تحریر کیا ہے۔

وبعد المائتين ظهر فيهم المذاهب اللمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه (هداية الطريق)

یعنی دو سو سال بعد مسلمانوں میں آئمہ مجتہدین کے مذاہب ظاہر ہو گئے اور بہت کم لوگ تھے جو کسی مجتہد معین پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔لہذا شاہ ولی اللہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ تقلید کے از آئمہ مجتہدین سبیل المومنین بن چکی اور سبیل المومنین کا خلاف کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔(پ ۵ النساء آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔(حسبنا اللہ نعم الوکیل)

نیز آئمہ اربعہ میں سے امام معین کی تقلید کرنا سواد اعظم کا طریقہ ہے۔ سواد اعظم کی پیروی شرعاً ضروری ہے، لہذا تقلید شرعاً ضروری ہوئی چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتبعوا السواد الاعظم ولما اندرست المذاهب الحقة

الاھذہ الاربعة کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنھا خروجاعن السواد الاعظم (عقدالجید)

یعنی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اے میری امت تم سواد اعظم کی اتباع کرو اور جب کہ یہی چار مذاہب حقہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) باقی رہ گئے تو ان چار کی اتباع کرنا سواد اعظم کی اتباع ہے، اور ان چاروں سے نکل جانا سواد اعظم سے نکل جانا ہے۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اعلم ان فی ھذا الاخذ بھذہ المذاھب الاربعة مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنھا کلھا مفسدة کبیرة (عقدالجید)

یعنی جان لینا چاہیے کہ ان چار مذاہب کے ساتھ منسلک ہونے میں بہت بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے نکل جانے میں فساد کبیر ہے۔

نیز صاحب تنویر نے امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

قال بعض المفسرین فعلیکم یامعشر المؤمنین اتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فان نصرة اللہ تعالیٰ وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ ومقتہ فی مخالفتھم وھذا الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاھب الاربعة وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجا عن ھذہ الاربعة فھو من اھل البدعة النار۔ (مقدمة البریة)

یعنی بعض مفسرین نے فرمایا۔ اے ایمان والو تم پر یہ لازم ہے کہ تم نجات پانے والے گروہ کی اتباع کرو جس گروہ کا نام اہلسنت وجماعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق اس گروہ کی موافقت میں ہے اور اس گروہ اہلسنت وجماعت کی مخالفت میں عدم توفیق اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کا غضب ہے اور یہ نجات پانے والا گروہ آج مذاہب اربعہ میں منحصر ہے، اور وہ یہ ہیں حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی اور جو شخص ان چار سے نکل گیا وہ بدمذہب اور دوزخی ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

نیز صحیح مسلم میں ہے:

قال النبی ﷺ الدین النصیحة قلنا لمن قال للہ ولرسولہ ولائمة المسلمین وعامتھم"

اس کی شرح کرتے ہوئے امام نووی شارح صحیح مسلم نے فرمایا:

" وقد یتناول ذالک علے الائمة الذین ھم علماء الدین وان من نصیحتھم قبول ما رووہ وتقلیدھم فی الاحکام واحسان الظن بھم (نووی شرح مسلم)

یعنی یہ خیر خواہی آئمہ دین کو بھی شامل ہے کہ وہ علماء دین ہیں اور ان کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ دین کے بارے میں فرمایا ہے اسے قبول کرلیا جائے اور دین کے احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور پھر ان کے ساتھ حسن ظن رکھا جائے۔

اہلحدیثوں کی قسمیں

جاننا چاہیے کہ اہل حدیث کی دو قسمیں ہیں۔

۱)...... باادب اہلحدیث اور ان کا دوسرا نام محدثین کرام ہے۔

۲)...... بےادب اہلحدیث ان کو غیر مقلدین اور وہابی کہا جاتا ہے۔

اور یہ تقسیم حضرت مغیرہ محدث نے کی ہے فرمایا۔

کان مرة خیار الناس یطلبون الحدیث فصار الیوم شرار الناس یطلبون الحدیث لوا ستقبلت من امری استدبرت ما حدثت (فقہ الفقیھہ)

یعنی ایک وہ وقت تھا کہ اچھے لوگ حدیث مبارک پڑھتے تلاش کرتے تھے مگر آج بدترین لوگ طالبان حدیث ہیں کاش! کہ میں پہلے جانتا جو میں نے اب جان لیا تو میں حدیث پاک بیان ہی نہ کرتا۔

۱)...... مشہور ومعروف عالم دین مولانا عبدالجبار صاحب کو کسی نے بتایا کہ مولوی عبدالعلی اہلحدیث جو کہ مسجد تلیاں والی امرتسر میں امام ہیں وہ آپ کے مدرسہ غزنویہ میں پڑھتے بھی ہیں۔ اس مولوی عبدالعلی نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ (سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے تو میں اچھا اور بڑا ہوں کیونکہ انہیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اور مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں۔

یہ سن کر مولانا عبدالجبار صاحب جو کہ بزرگوں کا نہایت ہی ادب احترام کیا کرتے تھے حکم دیا کہ نالائق عبدالعلی کو مدرسہ سے نکال دو اور ساتھ ہی فرمایا کہ عنقریب یہ مرتد ہو جائے گا۔

چنانچہ اس کو مدرسہ سے نکال دیا گیا اور پھر ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ مولوی عبدالعلی مرزائی ہو گیا اور لوگوں نے اسے ذلیل کر کے مسجد سے بھی نکال دیا۔

ازاں بعد کسی نے مولانا عبدالجبار سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کافر ہو جائے گا۔ فرمایا کہ جس وقت مجھے اس کی گستاخی کی خبر ملی اس وقت بخاری شریف کی یہ حدیث میرے سامنے آگئی۔

من عادی لی ولیاً فقد اذ نتہ بالحرب (حدیث قدسی)

یعنی جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے خلاف میں اعلان جنگ کرتا ہوں۔

اور میری نظر میں امام ابوحنیفہ ولی اللہ تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی اعلیٰ چیز چھینتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں ایمان سے اعلیٰ کوئی چیز نہیں ہے اس لیے اس شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا تھا۔ (کتاب مولانا داؤد غزنوی ص ۱۹۱)

۲)...... علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتاوی شامی (ردالمحتار) میں صاحب درمختار کے اس قول کہ اگر کوئی شخص حنفی مذہب چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لے تو اسے تعزیر (سزا) دی جائے گی۔ اس کی وضاحت کرتے

ہوئے فرمایا:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفة خطب الیٰ رجلٍ من اہل الحدیث ابنته ، فی عہدا ابی بکرا الجوز جانی فابی الا ان یترک مذہبه فیقرء خلف الامام ویرفع یدیه عند الانحطاط وغیرہ ذلک فاجابه فزوجه فقال الشیخ بعد ماسئل عن ہذہٖ و اطرق راسة النکاح جائز ولکنی اخاف علیه ان یذہب ایمانه وقت النزع لانه استخف بمذہبه الذی ہو حق عندہ ترکه لاجل جیفة منتنة (شامی باب التعزیر)

یعنی حضرت شیخ ابوبکر جوزجانی کے زمانہ میں ایک حنفی نے کسی اہل حدیث سے رشتہ طلب کیا تو اس نے اس شرط پر رشتہ دینا منظور کیا کہ وہ حنفی مذہب چھوڑ دے، اور فاتحہ خلف الامام پڑھے۔ رفع یدین کرے وغیرہ وغیرہ۔ اس حنفی نے یہ شرط قبول کرلی اور نکاح کرلیا۔ پھر یہ مسئلہ حضرت شیخ ابوبکر جوزجانی سے پوچھا گیا تو آپ نے سر جھکالیا پھر سر اٹھا کر فرمایا۔

نکاح تو ہوگیا لیکن مجھے خوف ہے کہ اس حنفی کا جان کنی کے وقت ایمان چھین لیا جائے گا کیونکہ اس نے ایک مردار چھڑے کی خاطر اپنا حق مذہب چھوڑ دیا ہے اور مذہب حق کو ہلکا جانا ہے۔

اس واقعہ کو پڑھ کر ہر ذی عقل انسان بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ علامہ شامی نے یہ واقعہ اس لیے نقل فرمایا ہے کہ حق مذہب چھوڑنے کی یہ سزا ہے کہ ایمان چھن جانے کا خطرہ ہے۔

لیکن بعض کلمہ گو علماء کی دیانت کا اندازہ لگائیے۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ میں اسی عبارت کو اسی کتاب اسی باب سے نقل کیا، پڑھ لیجئے۔

”حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفة خطب الیٰ رجل من اصحاب الحدیث ابنته ، فی عہدا ابی بکر الجوز جانی فابی الا ان یترک مذہبه ، فیقرا کلف الامام ویرفع یدیه عند الانحطاط وغیر ذالک فاجابه وزوجه فقال الشیخ بعد ماسئل عن ہذہٖ واطراق راسه النکاح جائز“ (فتاوی ثنائیہ جلد دوم۔ ص ۲۰۰ مطبع اشاعت دینیات)

ترجمہ: ایک حنفی نے ایک اہلحدیث کے ہاں نکاح کرنا چاہا تو اس نے اس شرط پر نکاح کیا کہ آج سے وہ حنفی اہلحدیث بن جائے یعنی امام کے پیچھے الحمد پڑھے اور رفع الیدین کرے وغیرہ۔ یہ واقعہ ابوبکر جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کے وقت کا ہے شیخ سے جب اسی مسئلہ کا سوال کیا گیا تو سوچ کر جواب دیا کہ نکاح جائز ہے۔

دیکھا آپ نے! بددیانتی کی مثال اس سے بھی کوئی بڑی ہوسکتی ہے کہ جس مقصد کے لیے علامہ شامی نے یہ واقعہ نقل فرمایا وہ پوری کی پوری عبارت ہی ہضم ہوگئی۔ اور صرف اپنے مذہب کی ترویج کے لیے نہ خدا تعالیٰ کا خوف رہا نہ عاقبت کا ڈر۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

سورہ فاتحہ کے بعد: فقیر کے استاذ محترم نے بیان فرمایا" ہندو پاک کی تقسیم سے پہلے امرتسر میں ایک مولوی

صاحب تھے جو اس قسم کا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم بھی عامل بالحدیث ہیں اور ہم حدیث پاک سے ذرہ برابر ادھر ادھر نہیں چل سکتے۔ ایک صاحب ان کے ہاں پہنچ گئے اور پوچھا" مولوی صاحب! کیا آپ کا عمل حدیث پاک پر ہے" وہ بولے" بالکل جناب! ہم ہی تو عامل بالحدیث ہیں ہم تو حدیث رسول کے ذرہ بھر ادھر، ادھر نہیں چل سکتے۔

اس شخص نے پوچھا" مولوی صاحب دین کے بارے میں قیاس کرنا کیسا ہے؟ مولوی صاحب نے فوراً فتویٰ لگا دیا کہ دین کے معاملہ میں قیاس کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں" اس شخص نے کہا" مولوی صاحب آپ سے میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ مسئلہ کا جواب حدیث رسول ﷺ سے دیا جائے۔ مولوی صاحب نے کہا" جو چاہو پوچھ لو! ہر مسئلہ کا جواب حدیث رسول سے دیا جائے گا۔"

اس نے کہا" مولوی صاحب! جب نماز میں امام" ولاالضآلین" کہے تو آمین کہنا چاہیے یا نہیں۔

مولوی صاحب نے کہا مقتدی ضرور آمین کہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو" پھر اس شخص نے پوچھا" مولوی صاحب یہ بتائیں کہ مقتدی کو امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھنا ضروری ہے۔ یا نہیں؟" مولوی صاحب نے کہا" الحمد شریف تو واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ حدیث پاک میں ہے اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔

پھر اس شخص نے سوال کیا" مولوی صاحب بتائیے کہ ایک نمازی اس وقت آیا جب کہ امام صاحب نے آدھی سورہ فاتحہ پڑھ لی تھی اور آنے والے نے امام کی اقتداء میں نماز کی نیت باندھ کر الحمد شریف پڑھنا شروع کردی اس نے آدھی الحمد شریف پڑھی تھی کہ امام نے" ولاالضالین" کہہ دیا۔ اب مقتدی آمین کہے یا نہ کہے اگر نہیں کہتا تو حدیث پاک کے خلاف کر رہا ہے حدیث پاک کا فرمان ہے جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو اور اگر وہ مقتدی اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے آمین کہتا ہے تو وہ الحمد شریف جو وہ پڑھ رہا ہے اس کے درمیان آمین کہے گا اور درمیان میں آمین کہاں ہے؟ مولوی صاحب! یہ دین کا مسئلہ ہے لہذا حدیث پاک سے جواب دیا جائے۔ رائے قیاس سے آپ نے یہ بات کہی تو تمہارا سارا دعویٰ دھڑام سے گر جائے گا۔

مولوی صاحب سوچ کر کہنے لگے۔

"بھائی! میری طبیعت ناساز ہے وزیر آباد میں ہمارے مسلک کے ایک چوٹی کے مولانا صاحب ہیں یہ مسئلہ وہ حل کردیں گے""

اس شخص نے گاڑی کا ٹکٹ لیا اور سوار ہو کر وزیر آباد پہنچ گیا اور مولوی صاحب سے مسئلہ دریافت کر کے جواب مانگا تو مولوی صاحب بولے بھائی مجھے پیچش لگے ہوئے ہیں ہمارے ایک عالم فاضل ملتان میں تشریف فرما ہیں وہاں چلے جاؤ، وہ حل کردیں گے۔ جب وہ صاحب ملتان شریف پہنچے اور مسئلہ دریافت کیا تو مولوی صاحب نے فرمایا۔

اے دوست! مجھے اسہال آرہے ہیں تم کسی اور سے دریافت کرلو۔ چلو چھٹی ہوگئی اور آج تک اس کا جواب نہ بن پڑا، آج بھی اگر کوئی حضرت صاحب یہ مسئلہ حل کردیں تو بسر و چشم قبول کرلیا جائے گا مگر شرط وہی ہے کہ جواب

حدیث پاک سے دیں عقل رائے یا قیاس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور ہم حنفیوں کے نزدیک تو یہ مسئلہ نہایت ہی آسان ہے کہ امام کی قرأت حکماً مقتدی کی قرأت بھی ہے لہذا جب ولا الضالین کہے مقتدی آہستہ سے آمین کہے۔

نیز اہلحدیث کی دوسری قسم کے متعلق امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مافی الدنیا قوم شر من اصحاب الحدیث (فقہ الفقیهه) یعنی دنیا میں اہلحدیث سے کوئی قوم بدتر نہیں ہے۔ نیز اسی دوسری قسم کے متعلق محدث مغیرہ نے فرمایا لو کانت لی اکلب کنت ارسلت علے اصحاب الحدیث (فقہ الفقیہ) یعنی کاش! کہ میرے پاس کتے ہوتے تو میں ان کو اہلحدیث پر چھوڑتا۔ اور اسی قسم دوم میں سے بے ادب اہلحدیث مولوی عبدالعلی امرتسری کا واقعہ ملاحظہ کریں جو کہ پچھلے صفحات پر مذکور ہوا، نیز یہ حضرت محدث مغیرہ یا اعمش رحمۃ اللہ علیہا پر ہی منحصر نہیں کہ انہوں نے دوسری قسم کے بے ادب لوگوں کو برا اور بدترین قوم کہا ہے، بلکہ وہ لوگ جو آیتیں پڑھ پڑھ کر کہتے پھرتے ہیں کہ نبی ولی کچھ نہیں کر سکتے، نبیوں ولیوں کو کچھ اختیار نہیں ایسے بے ادب لوگوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی بدترین مخلوق جانتے تھے۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد درج فرمایا ہے:

وکان یراهم شرار خلق اللہ وقال انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین (صحیح بخاری باب قتل الخوارج)

کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما خارجیوں کو بدترین مخلوق جانتے تھے اور فرماتے کہ یہ لوگ قرآن پاک کی وہ آیتیں جو کافروں (بتوں) کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کو ایمان والوں (نبیوں ولیوں) پر چسپاں کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بڑا رحیم و کریم ہے، حی و قیوم ستار و غفار ہے، اپنی رحمت سے ہمیں باادب رکھے، اور ادب والوں کے ساتھ ہمارا حشر نشر کرے اور بے ادبوں سے ہمیں بچائے۔ آمین

بجاہ حبیبہ الکریم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالی علیہ وعلے آلہ واصحابہ اجمعین فقیر ابوسعید

محمد امین غفرلہ ولوالدیہ

نوٹ: مندرجہ ذیل مضمون مسلک اہلحدیث کے مشہور عالم دین مولوی وحید الزماں کا ہے۔ جو کہ ان کی مایہ ناز اور مشہور تصنیف تیسیر الباری شرح صحیح بخاری میں شائع شدہ ہے۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ تاکہ راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کیلئے مشعل راہ ہو اور ایمان والوں کے لیے باعث اطمینان قلب ہو۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے واللہ الهادی ونعم الوکیل۔

☆☆☆☆☆

بیان تقلید

از: مولوی وحید الزماں

جاننا چاہیے کہ بعض محققین نے تقلید مذہب معین کو مذہب اربعہ میں سے واجب کہا ہے اور بعضوں نے مستحسن تو موافقت ان دونوں قولوں میں اس طور پر ہے کہ جو شخص عالم فن حدیث کا ہووے چاروں مذہب کے ماخذ اور اصول سے واقف ہو کلام اللہ کی آیات منسوخہ اور معانی ان کے سے بخوبی مطلع ہووے۔ اور معرفت ضعف حدیث صحت میں بہرہ تام رکھتا ہو کیفیت رُواۃ سے آگاہ ہو بہت احادیث اس کو مستحضر ہوں۔ اکثر کتابیں حدیث کی اسکے مطالعے سے گذری ہوں تو سب صورتوں کا جو شخص جامع ہووے اس کو تقلید مذہب معین کرنا مستحسن ہے اور جس شخص میں یہ شرائط متحقق نہیں تقلید کا وجوب اسی کے حق میں ہے اور اس زمانے میں ایسا شخص جو ان شرائط مذکور کا جامع ہووے اکثر مقاموں میں متحقق نہیں اگر چہ ممکن الوجود بامکان عقلی ہے۔

اور تقلید ائمہ مجتہدین مسائل شرعیہ میں درحقیقت اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" اور اسی واسطے مفسرین نے "وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ" سے امراء و سلاطین مسلمین مراد لئے ہیں نہ مجتہدین (☆ اس وجہ سے کہ حکم مجتہدین شریعت میں اطاعت خدا و رسول ہے اس واسطے کہ اگر معارض حکم خدا اور رسول ہوتا تو علماء امت اور مجتہدین واولی الامر منکم سے مراد ہوتے) چنانچہ بیضاوی میں ہے کہ اسکی تائید کرتا ہے۔ "قول اللہ تعالیٰ کا" فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ"۔ (پ۵، النساء، آیت ۵۹) اس واسطے کہ مقلد کو جائز نہیں کہ نزاع کرے مجتہد سے اسکے حکم میں بخلاف امراء کے اور عبارت اس کی یہ ہے۔

"وهو يؤيد الوجه الاول اذ ليس للمقلد ان ينازع المجتهد فی حكمه بخلاف المروس انتهت."

کیونکہ علمائے اہل اجتہاد کی اطاعت خدا اور رسول کی نہ ہوگی حالانکہ وہ لوگ حاملان علم نبوت اور شارحان کتاب وسنت ہیں اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا "العلمآء ورثة الانبياء اور علمآء امتی کانبیآء بنی اسرآئیل." اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ جو بعض جہلا اعتراض کرتے ہیں کہ تقلید ابی حنیفہ اور شافعی وغیرہما کی ایسی ہے کہ جیسے مشرکین تقلید اپنے آباؤ اجداد کی کرتے ہیں جواب اس کا یہ ہے کہ قیاس اس تقلید کا مشرکین کی تقلید پر قیاس مع الفارق ہے کیونکہ مقلدین مجتہدین کو وسائط بلوغ علم نبوت اور وسائل وصول احکام شریعت سمجھ کر تقلید کرتے ہیں بالاستیصال ان کو مصدر احکام نہیں جانتے ہیں۔ امام ابوجعفر نے بسند متصل نقل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہم اخذ کرتے ہیں اول ساتھ کتاب کے پھر ساتھ سنت کے پھر ساتھ قضایائے صحابہ کے اور عمل کرتے ہیں ہم جس پر اتفاق ہوتا ہے صحابہ کا اور جس میں کہ اختلاف ہوتا ہے صحابہ کا اس کو قیاس کرتے ہیں اور مسئلے پر اور روایت کی بیہقی نے مدخل میں بسند صحیح حضرت امام ابوحنیفہ سے۔

عن ابی عبدالله بن المبارک قال سمعت ابا حنیفة یقول اذاجآہ عن النبی صلی الله علیه وسلم فعل الراس والعین واذاجآء عن اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم نختار من قولهم واذاجآء من التابعین زاحمناهم .

یعنی جس وقت آئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تو وہ سرآنکھوں پر ہے اور جس وقت صحابہ سے ہو اس (☆یعنی اقوال مختلفہ صحابہ سے جس کا قول اشبہ الصواب ہوا سے اختیار کرتے ہیں) میں بہتر کو اختیار کرتے ہیں ہم اور جس وقت تابعین سے آیا ہو سے ان کی مزاحمت کرتے ہیں۔

یعنی اس میں کلام کرتے ہیں اور قیاس کو دخل دیتے ہیں اور کس طرح امام صاحب تابعین کے قول میں مزاحمت نہ کریں گے کیونکہ وہ بھی تابعین میں سے ہیں اور روضۃ العلماء سے مذکور ہے۔

''اترکو قولی بخبر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم''

یعنی فرمایا امام صاحب نے ترک کرو قول میرا بمقابلہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

اور فرمایا: ''اذا صح الحدیث فهو مذهبی۔'' یعنی جب صحیح ہو جاوے حدیث تو وہی میرا مذہب ہے۔

اور ''صراط مستقیم'' میں ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ متفق ہیں کہ حدیث ہر چند اسناد اس کی ضعیف ہو مقدم اور اولی ہے قیاس سے اور اجتہاد سے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بدوں ضرورت کے عمل قیاس پر ہرگز نہیں کیا۔ اور میزان شعرانی میں ہے۔

'' وما طعن احد فی قول من اقوالهم الا لجهله به اما من حیث دلیله واما من حیث دقة مدارکه علیه لا سلیما الامام الاعظم ابو حنیفة الذی اجمع السلف والخلف علی علمه ورعه وعبادته ودقة مدارکه واستنباطاته وحاشاه من القول فی دین الله بالرای الذی لاشهدله ظاهر کتاب ولا سنة.''

یعنی نہیں طعن کیا کسی نے بیچ قول کے اقوال مجتہدین سے مگر جاہلوں نے اس قول کے کہ جاہل اس کی دلیل سے یا دقت اور باریکی اس کی خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ اجتماع کیا سلف اور خلف نے ان کے علم اور ورع اور عبادت اور وقت مدارک اور استنباط ان کے پر اور بیچ قول سے دین خدا میں اس رائے سے کہ نہیں شہادت دی ہو اس کی کتاب یا سُنّت نے۔''

اور لیکن وجوب تقلید کا واسطے غیر مجتہد کے تو اتفاق کیا اس پر علمائے امت نے کہا جلال الدین محلی نے شرح جمع الجوامع میں ہے:۔

''یجب علی العامی وغیره ممن لم یبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معین من مذاهب المجتهدین.''

واجب ہے عامی اور غیر عامی پر جو نہ پہنچا ہو درجہ اجتہاد کو التزام ایک مذہب معین کا مذہب مجتہدین سے۔

اور کہا شیخ محی الدین نے روضۃ الطالبین میں:۔

''اما الاجتهاد المطلق فقالو اختتم بالائمة الاربعة حتی اوجبوا تقلید واحد من هؤلاء علی امته ونقل امام الحرمین الا جماع علیه .''

یعنی اجتہاد مطلق تو ختم ہو گیا ساتھ ائمہ اربعہ کے اور واجب ہے تقلید ایک کی ان میں سے امت پر اور نقل کیا امام الحرمین نے اجماع اس پر۔ اور بحرالعلوم نے شرح تحریر ابن الہمام میں لکھا ہے:۔

''غیر المجتهد المطلق یلزمه تقلید مجتهد ما من المجتهدین المطلقین.''

یعنی جو مجتہد مطلق نہ ہو اس کو لازم ہے تقلید کسی مجتہد مطلق کی۔ تو اگر کوئی اس مقام پر کہے کہ ان اقوال سے اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ تقلید کسی کی ائمہ اربعہ میں سے واجب ہے اور ہم بھی کسی مسئلے میں جو مخالف ائمہ اربعہ کے ہو عمل نہیں کرتے بلکہ کسی مسئلے پر موافق ابوحنیفہ کے اور کسی پر موافق شافعی کے اسی طرح عمل کرتے ہیں تو جواب اس کا یا تو حصول درجہ اجتہاد ہے کہ جس کا قول صحیح حدیث کے موافق پاتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں تقلید کی کیا حاجت ہے؟ اور اگر بغیر حصول اجتہاد کے یہ امر ہے تو مخالف حق اور باطل ہے کیونکہ اتفاق کیا علماء نے اس بات پر کہ نہیں جائز ہے غیر مجتہد کو کہ عمل کرے ایک مسئلے میں رائے ابوحنیفہ پر اور دوسرے میں رائے شافعی پر' کہا ملا علی قاری نے رسالے میں اپنے کو تالیف کیا اسکو قفال کی رد میں:۔

'' بل وجب علیه ان یعین مذهبا من المذاهب اما مذهب الشافعی فی جمیع الفروع والوقائع واما مذهب مالک واما مذهب ابی حنیفة وغیرهم ولیس ان ینتحل من مذهب الشافعی ما یهواه ومن مذهب ابی حنیفة ما یر ضاه ولانا لو جوزنا ذالک لا دی الی الخبط والخروج عن الضبط وحاصله یرجع الی التکلیف لا ن مذهب الشافعی اذا قتضی تحریم الشئی ومذهب ابی حنیفة مثلا ابا حة ذالک الشیء بعینه اوعکس ذالک فهوان شآء مال الی الحلال وان شآء مال الی الحرام فلا یتحقق الحلة والحرمة وفی ذالک اعدام التکلیف وابطال فائدته واستیصال قاعدته وذالک باطل انتهی ماذکره.''

یعنی بلکہ واجب ہے اس پر تعین ایک مذہب کی یا مذہب شافعی کی جمیع فروع اور وقائع میں یا مذہب مالک کی یا مذہب ابوحنیفہ وغیرھم کی اور یہ نہیں کہ جو جی چاہے مذہب شافعی سے اختیار کرے اور جو جی چاہے مذہب ابوحنیفہ سے کیوں کہ جواز میں اس کے کام موّدی ہوگا طرف خبط اور نکلنے کے ضبط سے اور حاصل اس کا نفی تکلیف کی کیونکہ جب مذہب شافعی مقتضی تحریم کو کسی امر کے ہے اور مذہب ابوحنیفہ کا مثلاً اس کی تحلیل کو تو جب چاہے مائل ہو طرف حلال کے اور جب چاہے طرف حرام کے تو حلت اور حرمت کا تحقق و تقرر جاتا رہا اور اس میں صریح اعدام تکلیف ہے اور ابطال ہے اسکے فائدے کا اور استیصال ہے اس کی بنا کا اور یہ باطل ہے۔ اور کہا تحریر صحیح میں:

'' لا خیر فی ان یکون حنیفاً فی بعض المسائل وشافعیاً فی بعض اخر.''

یعنی نہیں بہتر ہے کہ حنفی ہو بعض مسائل میں اور شافعی ہو بعض میں۔ اور شرح عین العلم میں ہے۔

"فلو التزم احدمذهباً كابى حنيفة والشافعى فلزم عليه الاستمرار فلا يقلد غيره فى مسئلة من المسائل."

یعنی جس نے لازم پکڑا ایک مذہب مثلاً مذہب ابی حنیفہ یا مذہب شافعی کا تو واجب ہے کہ ہمیشہ اسی مذہب پر رہے اور سوا اس کے کسی مسئلے میں غیر مقلد کی تقلید نہ کرے۔ اور کہا ابن عبدالبر علیہ الرحمۃ نے:

" ان تتبع رخص المذاهب غير جائز بالا جماع."

یعنی تلاش رخصتوں کا ہر مذہب میں ممنوع ہے بالاجماع۔ اور تفسیر احمدی میں ہے:۔

" اذاالتزمه مذهبا يجب عليه ان يدوم على مذهب التزم ولا ينتقل عنه الى مذهب اخر."

یعنی جس مذہب پر التزام کرے تو چاہئے کہ مداومت کرے اس پر اور نہ پھر جاوے طرف دوسرے مذہب کے۔

الحاصل ان روایات واقوال سے بخوبی واضح ہے کہ جو شخص پایہ اجتہاد کا نہ رکھتا ہو خواہ عامی ہو یا غیر عامی تقلید مذہب معین کی اسکو واجب ہے اور وجوب وحقیقت تقلید پر بہت سی دلیلیں ہیں کہ ان کو اس مقام میں ذکر کرنا مناسب ہے۔

دلیل پہلی: یہ ہے جو ہم نے اس مقام میں قول اکابر علمائے امت کے اس باب میں بیان کیے۔ ایسی ہے کہ اس میں خصم کو جائے کلام نہیں۔

دلیل دوسری: وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب ارشاد فرمایا کہ مسائل میرے ماخوذ ہیں احادیث اور آیات سے تو دو حال سے خالی نہیں یا اس قول کی تصدیق کرتے ہو یا انکار کرتے ہو اور اس کو کذاب جانتے ہو۔ بر تقدیر اول تو تابعداری اس مذہب کی جمیع مسائل میں واجب ہوگی، اور بر تقدیر ثانی میں اگر احتمال کذب کا جیسے امام صاحب کی طرف سے اس طرح جائز ہے کہ احتمال کذب کا بخاری ومسلم کی طرف ہوئے مثلاً جب امام صاحب کہ مصداق

''خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم."

کے ہیں یوں فرمادیں کہ مسائل بیان کیے ہوئے ہمارے ماخوذ ہیں کتاب اور سنت اور قضائے صحابہ سے تو قول ان کا لائق اعتماد نہ ہو اور جب بخاری ومسلم وغیرہما کہ ان سے نہایت متاخر ہیں ذکر کریں کہ یہ حدیث ہم کو فلانے سے پہنچی ہے تو قول ان کا بغیر گفتگو کے مقبول ہو جائے تو جیسا جائز ہے کہ امام اعظم نے کذباً یہ کہا ہو کہ مسائل بیان کیے ہوئے میرے ماخوذ ہیں کتاب اور سنت سے اور واقع میں وہ مسائل اختراعی وعقلی ہوں اسی طرح جائز ہے کہ بخاری ومسلم وغیرہما نے کذباً کہا ہو یہ حدیث ہم کو فلانے سے پہنچی ہے تو ایک کی بات کو صادق جاننا اور دوسرے کی بات کو باوجود بزرگی اور فضل کے کذب شمار کرنا ترجیح بلا مرجح بلکہ ترجیح مرجوع ہے

دلیل تیسری: یہ ہے کہ اس زمانے میں اکثر غیر مقلد جو علماء سے سن لیتے ہیں کہ یہ قول موافق حدیث کے ہے اور اس پر عمل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ قول ان علماء کا جن کو امام صاحب کی نسبت بالکل وقوف نہیں لائق اعتبار ہو جائے اور امام صاحب کا قول لائق اعتماد اور عمل کے نہ ہووے اور یہ نہایت درجے کا جہل ہے۔

دلیل چوتھی: یہ ہے کہ اکثر علماء اور اولیاء اللہ اس اُمت میں اتباع مذہب حنفیہ کرتے چلے آئے ہیں تو احتمال بطلان اس مذہب کا ایک شخص کے قول سے کس طرح جائز ہوگا۔

ع: ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چسان بگسلد این سلسلہ را

دلیل پانچویں: یہ ہے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

اتبعو السواد الاعظم فمن شذشذفى النار ۔ یعنی اطاعت کرو بڑے گروہ کی اور جو اس میں سے نکل جائے نکلا دوزخ میں۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيراً۔ یعنی جو شخص مومنوں کی راہ کے سوا اور راہ طلب کرے پھیریں گے ہم اس کو جس طرف پھیرا اور داخل کریں گے ہم اسکو جہنم میں اور بری ہے وہ جگہ پھر جانے کی۔

اور حالانکہ اکثر لوگ امت کے تقلید مذہب ابی حنیفہ پر ہیں اور بعض باقی اوپر مذاہب ثلاثہ باقیہ کے کہا ملا علی قاری نے۔

" واما اتباع ابى حنيفة قديما وحديثا ففى الازدياد فى جميع البلاد سيما فى بلاد الروم وماوراء النهروولاية الهند والسند واكثر اهل خراسان وعراق مع وجود كثير ين فى بلاد العرب بالا تفاق واظن انهم يكونون ثلثى المسلمين بل اكثر عنده المهند سين بالا تفاق."

یعنی اتباع مذہب ابی حنیفہ کا تو زیادتی پر ہے قدیم سے جدید سے تمام شہروں میں خاص کر کے روم کے ملکوں میں اور ماوراء النہر کے اور ولایت ہندوستان اور سندھ اور اکثر اہل خراسان اور عراق میں باوجود اسکے کہ بہت لوگ ہیں عرب میں بالاتفاق اور جانتا ہوں۔ میں کہ ہوں گے۔ وہ دو ثلث مسلمانوں کے بلکہ اکثر نزدیک مہندسین کے بالاتفاق۔

اور اکثر اولیاء اللہ اور کاملین اسی مذہب کے مقلد ہے درمختار میں ہے:

"وقد اتبعه على مذهبه كثير من الاولياء الكرام ممن اتصف بثبات المجاهدة وركض فى ميد ان المشاهدة كابراهيم بن ادهم وشفيق بن البلخى ومعروف بن الكرخى وابى يزيد البسطامى وفضيل بن عياض وداؤد الطائى وابى حامد بن اللفاف وخلف ابن ايوب وعبدالله بن المبارك ووكيع بن الجراح وابى بكر بن الوراق وغير هم."

آخر تک اور ایسا ہی ذکر کیا اکثر علما نے اور کہا اہل کشف نے کہ جیسا مذہب امام ابوحنیفہ کا قدیم سے ہے اسی طرح آخر تک رہے گا اور دیکھنے کی بات ہے کہ امام اعظم صاحب اتباع حدیث میں اوروں سے زیادہ ہیں کہ حدیث

مرسل کو قبول کرتے ہیں اور قیاس کو اسکے مقابلے میں جائز نہیں رکھتے تو افسوس ہے ان لوگوں پر کہ باوجود مشاہدے ان اموارت کے اور اس احتیاط بلیغ کے ان لوگوں کو اصحاب رائے شمار کرتے ہیں اور اس مذہب کے مسائل کو اپنے زعم باطل کے موافق خلاف حدیث اور آیات کے سمجھتے اور ان کے تابعوں کو کہ سواد اعظم میں داخل ہیں گمراہ اور خاطی کہتے ہیں مثل مشہور ہے کہ "چاند پر خاک ڈالنے سے اپنے ہی منہ پر خاک پڑتی ہے" جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت دیا ہے وہ لوگ کبھی حشر تک اس طریقہ سنیہ سے باز نہ آئیں گے اور بعض لوگ جو مصداق يتبعون ماتشابه منه ابتغآء الفتنة کے ہیں باغوائے مفسدین شاید کہ اس سے محروم رہیں۔

" يريدون ليطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون."

دلیل چھٹی: یہ ہے کہ بوقت تسلیم کے جب کوئی مسئلہ مسائل حنفیہ میں سے اس قسم کا نکال دو کہ جس کی کوئی دلیل حدیث صحیح یا ضعیف یا آیت قرآن سے نہ ہو اس صورت میں اگر خاص اس مسئلے میں کلام کرو اور اس پر عمل نہ کرو تو تمہارا لائق قبول ہوگا اور وہ جو مسئلہ رفع یدین یا قراءت میں پیچھے امام کے یا قلتین کے مسئلے میں کلام کرتے ہیں تو سب مسائل کو ہم نے فضل الٰہی سے اس کتاب میں بہ تفصیل بیان کیا ہے اور تمام شافعی کے مذہب میں بھی بہت سے ایسے مسئلے ہیں جن کی دلیل ضعیف اور ان میں کلام ہے مثلاً جہر بسم اللہ اور حدیث نہ ہونا خون اور پیپ کا اور کھانا اس ذبح کا جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہوئے قصداً اور کوئی مذہب ایسا نہیں کہ مسئلے میں اس کے ادلہ قویہ ہوں سب قسم کے مسائل ہوتے ہیں ہاں ایسا قول نہ ہو جو مخالف صریح حدیث کے اور کسی دلیل سے اس میں تمسک نہ ہو۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

جواب ان مطاعن کے جن کو اکثر غیر مقلدین بیان کرتے:

طعن پہلا: ہم لوگ احادیث کے اوپر عمل کیا کرتے ہیں اور تعجب ہے کہ قول ابوحنیفہ کا تو قابل قبول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قابل عمل نہ ہووے؟

جواب: احادیث پر عمل کرنا تو عین ہمارا مطلوب ہے مگر یہ کہ جس شخص کو معرفت حدیث کی اور ناسخ ومنسوخ کی ہووے اور معانی حدیث کے سمجھتا ہوئے اور طریقہ استنباط جانتا ہووے تو اس شخص کو عمل بالحدیث جائز ہے اور جس میں یہ شرط متحقق نہیں اس کو عمل کرنا ظاہر الفاظ حدیث پر دیکھ کے جائز نہیں تقریر شرح تحریر میں یہ ہے۔

وليس للعامي الاخذ بظاهر الحديث لجواز كونه مصروفا عن ظاهره اومنسوخا بل عليه الرجوع الى الفقهآء لعدم الاهتدآء فى حقه الى معرفة صحيح الاخبار وسقيمها وناسخها ومنسوخها فاذا عتمد كان تاركا للواجب عليه انتهى.

یعنی نہیں جائز ہے عامی کو تمسک کرنا ساتھ ظاہر حدیث کے بسبب جواز مصروف ہونے اس کے ظاہر سے یا منسوخ ہونے اسکے بلکہ لازم ہے عامی پر رجوع طرف فقہا کے جہت عدم اہتداء کے حق میں اسکے طرف معرفت صحیح احادیث اور سقیم اور ناسخ اور منسوخ کے پس اگر اعتماد کرے گا ظاہر حدیث پر تو ہوگا تارک اس چیز کا جو واجب ہے اس پر۔

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں مسطور ہے۔

"العامي اذا سمع حديثا ليس له ان يا خذ بظاهره لجوازان يكون مصروفا عن ظاهره اومنسوخا بخلاف الفتوىٰ."

اور معنی اسکے وہی ہیں جو اوپر بیان کئے اور بھی کفایہ میں مرقوم ہے۔

" ان المفتي ينبغي ان يكون ممن يوخذ عنه الفقه ويعقد عليه فى البلدة فى الفتوىٰ واذا كان المفتي على هذه الصفة فعلى العامي تقليده فان كان المفتي اخطاءَ فى ذلك ولايعتبر بغيره هكذاروى الحسن عن ابى حنيفة وابن رستم عن محمد وبشير عن ابى يوسف انتهت.

یعنی چاہیے کہ مفتی ہو وہ ان شخصوں سے کہ لی جاتی ہے ان سے فقہ اور اعتماد کیا جاتا ہے ان پر شہر میں بیچ فتویٰ کے اور جبکہ ہو مفتی اس صفت پر پس عامی لازم ہے تقلید اس کی اگرچہ مفتی نے خطا کی ہو اس مسئلے میں اور نہ اعتبار کرے ساتھ غیر اس مفتی کے ایسی ہی روایت کی ہے حسن نے ابوحنیفہ سے اور ابن رستم نے امام محمد سے اور بشیر نے امام ابو یوسف سے اور مسلم الثبوت میں ہے کہ اجماع کیا ہے محققین نے اوپر منع عوام کے تقلید صحابہ سے بلکہ ان پر لازم ہے اتباع ان لوگوں کی کہ جلا دی ہے انہوں نے اور باب کیا ہے انہوں نے پس مہذب اور منقح کیا ہے انہوں نے اور جمع کیا ہے انہوں نے اور اسی پر بناء کیا ہے ابن الصلاح نے منع کو تقلید سے سوا چار اماموں کے کیونکہ یہ بات نہیں جانی گئی ہے غیر میں ان چار کے اور اس میں کلام ہے اور وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کا کلام سمجھنا کچھ مشکل نہیں ان معنی کر صحیح ہے کہ اصل مضامین اسکے ایسے نہیں ہیں کہ بیان کئے سے سمجھ میں ہر خاص وعام کے نہ آئیں مثل مطالب منطق اور علوم فلسفہ کے اور ان معنی کر غلط ہے کہ اسکے حقائق کو سمجھ کر عبارت سے نکال لینا اور بیان کر دینا ہر امی اور ان پڑھ کو آسان ہے بلکہ بعض مضامین ظاہر میں نہایت آسان اور سہل ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کی سوا واقفین کے اور کو نہیں کھلتی۔

پس اگر ظاہر پر ایسے مضمون کے یہ شخص بدوں تحقیق کے واقفوں سے باوجود استطاعت اور قدرت سوال پر عمل کرے گا۔ تو عجب نہیں کہ مواخذہ دار ہوئے علاوہ اسکے قول امام ابوحنیفہ پر ہم اس طرح سے عمل نہیں کرتے کہ یہ بالذات ان کا ہی قول ہے بلکہ اس طرح پر کہ یہ قول ان کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہے اور شریعت کے ہے تو قول ابوحنیفہ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ منافات نہیں بلکہ کوئی قول ابوحنیفہ کا اس قسم سے نہیں پایا جاتا جس کی دلیل کچھ احادیث وآیات سے نہ ہوئے اور پھر درصورت یہ کہ عمل عامی کو ظاہر حدیث پر منع ہوئے اور قول ابوحنیفہ کا موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہو تو عمل کرنا احادیث پر اپنی رائے کے موافق اور ترک کرنا تقلید ابوحنیفہ کی نہایت عقل انصاف سے بعید ہے۔

اور ابو شامہ سے جو منع تقلید میں مروی ہے تو بر تقدیر صحت نقل کے وہ طعن نسبت ان لوگوں کے ہے جنہوں نے حرام کہا ہو نظر کرنے میں کتب احادیث میں اور ہم لوگ اس کو ہرگز حرام نہیں کہتے بلکہ موجب اجر جزیل اور ثواب کا جانتے ہیں اور مشارق الانوار میں جو خلاف حدیث کے چلنے سے منع کیا ہے بعد متفق ہو جانے اس بات کے کہ یہ مخالف

ہے اس حدیث کے سومخالف ہمارے نہیں ہے۔ اور علی ہذا القیاس یہی مراد ان قولوں سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ مصلحت اور قرار داد علماء کا آخر زمانے میں تعیین اور تخصیص مذہب ہے کہ ضبط اور ربط کارِ دین و دنیا اسی میں ہے پہلے سے مخیّر ہے جس کو چاہے اختیار کرے ہوسکتا ہے اور بعد اختیار ایک مذہب کے دوسرے مذہب کی طرف جانا ہے تو ہم سوظن اور تفرق کے اعمال اور احوال میں نہ ہوگا پس قرار داد متاخرین مختار ہے اور اسی میں خیر ہے اب کسی مجتہد کے تابع کو نہیں پہنچتا ہے کہ اگر حدیث مخالف اپنے مذہب کے پائے۔ تو اپنے مذہب کو چھوڑ دے اور اس حدیث پر عمل کرے۔ یہ طریقہ محققین کا ہے علماء کو اس زمانے میں سوا متابعت مجتہدوں کے کوئی طریقہ نہیں ہے اور حکم مجتہد کا درحقیقت حکم کتاب وسنت ہے۔

اور کلام صاحب فتح العزیز یعنی مولانا شاہ عبدالعزیز کا اس آیت کی تفسیر (☆ اضراب عن متابعة الله ورسوله والى متابعة الاباء اى على كنم ماتما بعت خدا اور رسول پیروی میکم آن عمل راکه با فتح پدران خود ایران عمل) میں (☆نہیں پیروی کرتے ہیں ہم مگر جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو۔)

(۲) بل نتبع ما الفينا عليه اباء نا منع میں اس تقلید کے کہ مشرکین اس کو مقابلے میں حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور کس طرح مولانا صاحب منع کرتے ہیں اس تقلید کو حالانکہ وہ خود بھی مقلد تھے اور خود اس تفسیر میں ''ولا تجعلوا لله اندادا'' کے تحت فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے جن کی اطاعت بحکم خدا فرض ہے مجتہدین شریعت اور شیوخ طریقت ہیں کہ حکم ان کا بھی واجب الاتباع ہے عوام امت پر کیونکہ اسرار شریعت اور وقائع طریقت ان کو میسر ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فاسئلو اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔

یعنی پوچھ لو نصیحت والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے عقد الجید میں لکھا ہے۔

''جان لو! بے شک کرنے میں ساتھ ان مذاہب اربعہ کے مصلحتِ عظیمہ ہے اور اعراض میں اس سے بڑا مفسدہ ہے اور ہم بیان کریں گے اسکو کئی وجوں سے انتہی۔

طعن دوسرا: دیکھو صحاح ستہ کی کتابیں جو احادیث کے فن میں اور کتابوں سے زیادہ معتبر ہیں اکثر جا حدیثیں شافعیہ کے موافق ہیں حنفیہ کے مخالف تو اولی اس صورت میں عدم اتباع مذہب حنفیہ ہوگا۔

جواب: صحاح ستہ کے ماسوا اور بہت سی کتابیں حدیث کی ہیں کہ جن کو محدثین نے بیان کیا ہے مثلاً معاجم طبرانی کی موطا امام محمد کی مصنف ابن ابی شیبہ کی کتابیں، دار قطنی کی تصانیف طحاوی کی تصانیف ابن حبان اور حاکم کی وغیرہا اور صحاح ستہ کی شہرت مبنی ہے اس بات پر کہ اکثر حدیثیں ان کتابوں کی صحیح ہیں جیسا کہ ان کا ذکر اوپر ہم کر چکے ہیں اور یہ لازم نہیں کہ جو حدیث ان کتابوں میں نہ ہووے وہ صحیح نہ ہووے۔ سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں بخاری ومسلم کی شرط پر کہ ان کتابوں میں موجود نہیں۔

طعن تیسرا: حنفی لوگ اس جا مخالفت حدیث کی کرتے ہیں اور قیاس اور رائے کو دخل دیتے ہیں اسی واسطے نام

ان کا اہل الرائے ہوا اور یہ نام ان کا قدیم سے ہے ترمذی میں جا بجا دیکھو مسائل مذہب حنفیہ کو لکھا ہے۔ وهو قول اهل الرای۔

جواب: ظاہر اہل الرائے کہنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ امام ابوحنیفہ صاحب کے وقت میں مدارک اور باریکی استنباطات اس قسم کی تھی کہ بعض اہل عصر کی سمجھ میں قول ان کا بلا تامل وفکر نہیں آتا تھا اس وجہ سے بعض لوگوں نے ان کو اہل الرائے کہنا شروع کیا اور یہ نام وجہ طعن نہیں ہوسکتا۔

لاَّ اس صورت میں کہ مسائل ان کے صرف رائے اور اختراع عقل پر مبنی ہوں حالانکہ کوئی مسئلہ ان کا اس قسم کا نہیں جس کے ساتھ اور مجتہد نے بھی تمسک نہ کیا ہو اور کیونکر اہل الرائے یہ لوگ ہوں گے حالانکہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف ومُرسل مقدم تر اور اولیٰ تر ہے قیاس اور اجتہاد سے برخلاف شافعی کے وہ حدیث مرسل کو قبول نہیں کرتے تو اگر کسی نے از راہ تعصب یا کسی اور وجہ سے کوئی کلمہ خلاف ان کی شان کے کہا تو اس پر اعتبار کرنا درصورت یہ کہ وہ مطابق واقع اور نفس الامر کے نہ ہوئے نہایت جہالت ہے اور کوئی ایسا شخص جو کسی فن میں کامل ہووے نہیں گذرا کہ کسی نے اس کے کلام میں رد وقدح نہ کیا ہو اور اسکی شان میں کچھ نہ کہا ہو۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو باتفاق مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کے اولیائے کبار میں سے ہیں اور کسی کو اہل حق میں ان کی ولایت اور علو درجہ میں کلام نہیں لیکن ابن جوزی محدث نے ان کی شان میں کیا کیا کہا ہے اور اسی قبیل سے محاربات ومشاجرات ومنازعات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سمجھنا چاہیے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری جانب کو بُرا کہنے لگے مثلاً ترمذی نے امام ابوحنیفہ کی شان میں جو بیان کیا تو اب ترمذی کی برائی کرنا ہم کو لازم نہیں یا ابن جوزی نے از راہ خطا کے غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کہا اس سے ابن جوزی کی برائی کرنا اور اُن پر طعن کرنا لازم نہیں۔

طعن چوتھا: یہ جو چار مذہب لوگوں نے مقرر کر لئے ہیں اس کا حکم کچھ خدا اور رسول نے نہیں فرمایا ہے بلکہ ان لوگوں نے اپنے دل سے چار مذہب ٹھہرا کے حق کو ان میں حصر کیا جو قول ان کے مخالف ہے اس کو باطل بنایا پس دلیل شرعی اس باب میں کوئی پائی نہیں جاتی۔

جواب: دلیلیں شرع میں چار ہیں ایک ان میں اجماع اُمت بھی اور اطاعت ہے اور اطاعت اہل اجماع کی فرض ہے اور اجماع کیا امت محمدی ﷺ نے ان چار مذہبوں پر اور اتفاق کیا اس بات پر کہ جو ان چاروں کے مخالف ہو باطل ہے اشباہ میں ہے۔

وما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع وقدصرح فى التحرير ان الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف الاربعة لا نضباط مذاهبهم وكثيرة اتباعهم۔''

یعنی جو حکم مخالف ہو ان چار اماموں کے قول کے سو وہ اجماع کے مخالف ہے اور تصریح کی ہے ابن الہمام نے تحریر میں کہ تمام علماء کا اجماع ہوا ہے عمل نہ کرنے پر اس مذہب کے جو مخالف ہیں ان چار اماموں کے اس واسطے کہ ان اماموں کا مذہب ضبط اور آراستہ ہوا ہے اور ان کے اتباع کرنیوالے بہت لوگ ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ان اماموں کے مقلدین سواد اعظم میں داخل ہیں اور سواد اعظم کی متابعت کو حدیث میں حکم ہے اور اس کا بیان گذرا اور نہایت المراد میں مرقوم ہے۔

" وفی زماننا هذا آنحصرت صحة التقلید فی هذه المذاهب الا ربعة فی الحکم المتفق علیه بینهم وفی الحکم المختلف فیه ایضاقال المنادی فی شرح الجامع الصغیر ولا یجوز الیوم تقلید غیر الائمة الاربعة فی قضآء ولا افتآء.

یعنی ہمارے اس زمانے میں منحصر ہوئی ہے تقلید ان چار مذہب میں خواہ متفق ہو خواہ حکم مختلف پھر ان چار کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اور کہا مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں جائز نہیں ہے اس زمانے میں تقلید کرنی سوا ان چار اماموں کے نہ تو قضا میں نہ فتویٰ میں۔

یعنی کسی کو درست نہیں کہ ان مذاہب کے سوا اور کا حکم کرے اور مفتی کو درست نہیں کہ برخلاف ان کے فتویٰ دے اور تفسیر احمدی میں ہے۔

قد وقع الاجماع علی ان الا تباع انما یجوز للاربعة فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهدا مخالفالهم .

یعنی بے شک اجماع ہوا ہے اس بات پر کہ اتباع سوائے ان چار مذہبوں کے کسی کا جائز نہیں سو نہیں جائز ہے اتباع اس شخص کا جو نیا مجتہد مخالف ان کے نکلے۔ اور اُسی کتاب میں ہے۔

" والا نصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة واتباعهم فضل الهی وقبوله عندالله تعالیٰ لا مجال فیه للتوجیهات والادلة "

یعنی انصاف یہ ہے کہ منحصر ہونا مذہبوں کا ان چار میں اور اتباع ان کی فضل الٰہی ہے اور مقبولیت ہے اس کی نزدیک اللہ تعالیٰ کے اور اس باب میں دلیل اور توجیہ کو دخل نہیں۔

طعن پانچواں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں ہر ایک صحابی جیسی حدیث کو پاتے تھے اس پر عمل کرتے تھے مجتہد ہو یا عامی نہ یہ کہ کسی صحابی معین کی جو مجتہد ہوتا صرف اس کی تقلید پر اکتفا کرتے اپنی اپنی سمجھ کے موافق عمل میں لاتے تھے تو اب زمانے میں بھی موافق اس کے موافق عمل کرنا ثواب ہے کچھ حرج نہیں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد مبارک میں یا اس زمانے میں جو آپ کی وفات کے قریب تھا اکثر لوگ صحابی موجود تھے کسی حدیث کو جو غیر معتبر ہو کبھی بیان نہیں کرتے تھے احتمال کذب کا ان کی نسبت ہرگز نہ تھا۔ اسی واسطے جو شخص کہ کوئی حدیث کسی صحابی یا تابعی مقبول سے سنتا تھا بوجہ اعتبار کے اس پر عمل کرتا تھا برخلاف اس زمانے کے کہ ہزاروں قسم کی حدیثیں اور قصے لوگوں نے جھوٹ ایجاد کر لیے ہیں، راوی حدیث کے سب قسم کے ہونے لگے تو اس صورت میں ہر شخص کے کہنے کے موافق عمل کرنا ناجائز ہوا جو لوگ کہ حال اور کیفیت رواۃ اور احادیث سے واقف تھے وہ لوگوں کو بتلا دیتے تھے۔ اور لوگ ان کی تقلید کرتے تھے تو زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنا اس زمانے کا

حماقت ہے اور بہت سے مطاعن جو غیر مقلدین بیان کرتے ہیں ان کا جواب بھی ان جوابات سے نکل آئے گا اور جب مشہور طعنوں کا یہ خیال ہوا تو معلوم نہیں کہ جو اور طعن ہیں وہ کیسے ہوں گے مسلمانوں کو لازم ہے کہ ان کی باتوں کی طرف خیال نہ کریں جس طریقے پر کہ اکابر علمائے امت اور ہزاروں اولیاء اللہ محبوب خدا کے چلتے رہے اسی پر چلیں۔

کید اول: اور ایک مکر اس فرقے کا یہ ہے کہ نام اپنا بمقابلہ حنفی شافعی کے "محمدی" رکھا ہے اس وجہ سے کہ ہم لوگ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار کرتے ہیں۔ اس کی پیروی کرتے ہیں برخلاف مقلدین کے ان لوگوں نے خلاف طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوحنیفہ اور شافعی کا طریقہ اختیار کر لیا۔ اور جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو ترک کیا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ طریقہ ابوحنیفہ یا شافعی کا بعینہٖ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کچھ اس کے مخالف نہیں اور تسمیہ ان کا ان نسبتوں کے ساتھ بوجہ تقلید مذہب معین کے ہے ورنہ تمامی اہل حق محمدی ہیں حاجت ان کی تخصیص کی کیا ہے۔

کید دوم: دوسرے یہ کہ اس زمانے میں جو معروف کتابیں مشتہر اور رواج پا گئی ہیں مثل مشکوٰۃ شریف وغیرہ کے ان میں سے اپنے مذہب کے موافق احادیث نکال کے عوام مقلدین سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیثیں صحیح ان کتابوں میں منحصر ہیں اور تمہارے مسائل صریح مخالف ان احادیث کے ہیں تو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چھوڑ کے قول ابوحنیفہ کا اختیار کرتے ہو اور نہیں جانتے کہ بہت سی کتابیں ایسی حدیث کی ہیں کہ انہوں نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی اور ہزاروں حدیثیں صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ان کتابوں میں موجود ہیں"۔

فقط

مولوی وحید الزماں کے اس بیان تقلید پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر اعتراض کا جواب گھر سے ہی دستیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ماننے، حق کو قبول کرنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میرے عزیز! فقیر آپ کی خدمت میں دردمندانہ اور خیر خواہی کے جذبہ کے ماتحت اپیل پیش کرتا ہے کہ آپ اس دوسری پارٹی کا ہرگز ہرگز ساتھ نہ دیں۔ نہ ان کی باتیں سنیں۔ یہ لوگ فروعی مسائل چھیڑ کر اور ملمع سازی کر کے چوپڑی چپڑی باتیں سنا کر تجھے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے اور جب تو ان کے ساتھ چل پڑے گا تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے ساتھ تیری عقیدت کم ہوتی جائے گی اور پھر حبیب خدا سید انبیاء رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں فرق آنا شروع ہو جائے گا اور ایمان کمزور ہونا شروع ہو جائے گا کیونکہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کا رکن اعظم ہے اور جب ایمان کمزور ہو گیا تو مرتے وقت شیطان لعین تیرا ایمان آسانی سے چھین لے گا (العیاذ باللہ العیاذ باللہ) اور اگر ایمان چھن گیا تو نامراد جہنم میں دھکیلا جائے گا اور پھر ابداً آباد ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہوگا۔ حسبنا الله ونعم الوکیل .

فقیر ابو سعید محمد امین غفرلہٗ یکم رجب ۱۴۱۰ھ

حضرتِ امام ابوحنیفہ اور اُن کا استدلال

از: صاحبزادہ سید نصیرالدین نصیر گیلانی (گولڑہ شریف)

بہ ظاہر رائے و قیاس پر مبنی حنفی طریقہ استدلال قرآن وسنت سے معارض معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ خودنصِ قرآن کے عین مطابق ہے، سورہ بنی اسرائیل میں جامعیت قرآن کا مضمون بیان ہوا ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۸۹)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی۔''

لیکن اگر اس کے عملی انطباق کو سامنے رکھا جائے تو جزئیات تو الگ رہیں تمام کلیات بھی قرآن حکیم میں مفصل مذکور نہیں ہیں، خود نماز ہی کو سامنے رکھیے، نماز ادا کرنے کا کامل طریقہ، یا اس کے ارکان و فرائض کی ادائیگی کا اسلوب کسی ایک جگہ بھی تشریحاً بیان نہیں کیا گیا۔ تو کیا (معاذ اللہ) قرآن حکیم کا محولہ بالا ادعا خلاف واقعہ سمجھا جائے، نہیں ہرگز نہیں قرآن حکیم نے دو اہم باتوں کو بار بار موضوعِ سخن بنا کر انسان کی یہ مشکل حل کر دی ہے۔

قرآن حکیم میں حضور ﷺ کے افعال و اقوال کی اطاعت کرنے کا مضمون اطاعت کے صریح الفاظ سے تقریباً ۳۵ مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ اور حضور ﷺ کے ہر قول و عمل کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، ان ارشادات کے ذریعے شریعت مطہرہ کے قوانین کو ''سُنّت'' کے قیمتی اور گراں قدر موتیوں سے مالا مال کیا گیا ہے۔ تاہم اس مفید اضافے کے باوجود ہر دور کی تشریحی اور قانونی ضرورتیں پوری نہیں کی جاسکتیں، تو پھر کیا وہی سابقہ نتیجہ اخذ کیا جائے۔ ''قطعاً نہیں''

قرآن مجید میں (قرآن وسنت) کے ساتھ ساتھ جس تیسرے اہم اصول کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، اس میں بڑی آفاقیت اور عالم گیری شان پائی جاتی ہے، چنانچہ اسی بنا پر قرآن حکیم میں مادہ عقل کا انچاس (۴۹) مرتبہ، مادہ فکر (سوچ بچار) کا اٹھارہ (۱۸) بار، فقہ (سمجھ بوجھ) کا بیس (۲۰) بار اور مادہ تدبر گہرے (سوچ بچار) کا چار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اور اگر مادہ علم کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ مادۂ علم کے مشتقات کا سات سو اٹھتر (۷۷۸) بار ذکر آیا ہے، ان میں سے چند ایک ارشادِ باری حسبِ ذیل ہیں۔ ارشاد ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (پ ۲۶ محمد آیت ۲۴)

ترجمہ: تو کیا وہ قرآن کو سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر اُن کے قفل لگے ہیں۔

سورۂ نحل میں ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (پ ۱۴ النحل آیت ۴۴)

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اُتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اُترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

نیز فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (پ ۲۰ العنکبوت آیت ۴۳)

ترجمہ: ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔''

قرآن حکیم میں اس تواتر اور کثرت کے ساتھ تعقل و تفکر کے ذکر سے بجا طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن زندگی کے معاملات میں عقل و فکر سے کام لینے اور قرآن وسنت کے کلیات کی روشنی میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ بایں ہمہ اگر عقل کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی انسانی قوتوں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے۔

اسی لیے اس ضمن میں اہم ہدایات دی گئی ہیں کہ عقل کو قرآن وحدیث کے تابع رکھو، اور ان محکم اصولوں کی روشنی میں قدم اٹھاؤ، جو قرآن وسنت کی شکل میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ سورۃ النساء میں اس اصول کا جامع ترین انداز یوں ذکر کیا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (پ ۵ النساء)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں اس بنیادی اصول کا یوں ذکر ملتا ہے کہ حضرتِ معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب مجھے یمن کا گورنر تعینات کیا تو پوچھا۔ ''تم کس کی رُو سے فیصلہ کرو گے، عرض کیا، قرآن کی رو سے، فرمایا، اگر قرآن میں وہ حکم مذکور نہ ہو تو؟ عرض کیا سنت کی رُو سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر اُسے سنت میں بھی نہ پاؤ تو؟ انہوں نے عرض کیا اس وقت رائے سے اجتہاد کروں گا، اس پر حضور ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اس خدا کے لیے

ہیں جس نے رسول خدا ﷺ کے قاصد کو مرضی رسول ﷺ پر چلنے کی توفیق بخشی۔ اور عالمِ اسلام کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہی اصولوں کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مسلک کی بنیاد اٹھائی اور استدلال کے اصول وضع کیے۔ اور یہ امر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے اصول استنباط انہی آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں مرتب کئے تھے۔

امام ابوحنیفہ خود اپنے اصولوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انی اخذ بکتاب اللہ اذا وجدته فیه فمالم اجده فیه اخذت بسنة رسول اللہ والاثار الصحاح عن التی نشت فی ایدی الثقات فاذا لم اجد فی کتاب اللہ والا بسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اخذت بقول اصحابه من شئت وادع قول من شئت ثم لا اخرج من قولهم الیٰ غیرهم فاذاانتهی الامر الیٰ ابراهیم، والشعبی، والحسن، وابن سیرین، وسعید بن المسیب، فلما ان اجتهد کما اجتهدوا (تہذیب التہذیب، الانتقاء مطبوعہ قاہرہ)

ترجمہ: میں سب سے پہلے مسئلے کا حل قرآن میں تلاش کروں گا اگر وہاں نہ ملے تو سنتِ رسول ﷺ کی جانب رجوع کرتا ہوں اور صحیح وثقہ روایات سے استفادہ کرتا ہوں، اگر مجھے مذکور مسئلہ دونوں میں نہ ملے تو اقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر غور کرتا ہوں، پھر ان میں کسی ایک قول کو لے لیتا ہوں اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا، لیکن جب نوبت ابراہیم (نخعی) شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن المسیب تک پہنچتی ہے تو پھر ان کے مقابلے میں میں خود اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اپنے اپنے وقت میں اجتہاد کیا تھا۔"

کچھ لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قلتِ روایت حدیث کی شکایت کرتے ہیں حالانکہ ان کے تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف حدیث بلکہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین تک انہیں ازبر تھے اور آپ کا طریقہ انہی آثار و روایات پر مبنی ہوتا تھا اور پھر جس مجلس فقہ میں استنباط مسائل کا کام ہوتا تھا، اس میں آپ کے شاگردوں میں سے یحییٰ بن سعید القطان، عبداللہ بن المبارک، یحییٰ بن زکریا، داؤد الطائی، جیسے اعلیٰ پایہ کے کئی محدث موجود تھے۔ پھر حضرتِ امام صاحب کے اپنے شیوخ حدیث بے شمار تھے۔ اور انہیں کوفہ کی بڑی بڑی درسگاہوں سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تھا۔ جیسا کہ سطورِ بالا میں مذکور ہوا۔

حضرتِ امام ابوحنیفہ کے طرز استدلال کو اگر ایک جملے میں بیان کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ

فاضل امام کا طریقہ استنباط "رائے وقیاس" پر مبنی تھا۔ امام صاحب کے مسلک کی یہی سب سے بڑی خصوصیت اور مخالفین کے یہاں یہی اس کا سب سے بڑا عیب ہے، اور یہی وہ اہم وصف ہے جس سے مسلک ابوحنیفہ کا ہمیشہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مخالفین اسے قرآن وسنت کے بالمقابل اپنی من مانی رائے پیش کرنے کے مترادف خیال کرتے ہیں حالانکہ رائے اور قیاس کے یہ الفاظ تو مسلک حنفی کے قرآن وسنت کے گہرے ارتباط کا پتہ دیتے ہیں۔

مسلک "رائے" کی اجمالی تاریخ: ان دونوں الفاظ میں سے لفظ "قیاس" تو اب اتنا متعارف ہو چکا ہے کہ اس کی حمایت میں مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ قیاس کے مخالفین (ظواہر) میں سے ابن حزم جیسے لوگ بھی "قیاس عقلی" کا وجود تسلیم کر چکے ہیں، تاہم لفظ "رائے" کچھ کھٹکتا ہے اس لیے شروع میں اس کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔

اصطلاحِ فقہ میں بالخصوص قرنِ اول میں قیاس کے متبادل یا اس کے مترادف کے طور پر "رائے" کی اصطلاح بکثرت مستعمل تھی۔ متعدد احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اس کا ذکر ملتا ہے چند ایک مثالیں حسب ذیل ہیں۔

سطورِ بالا میں حضرت معاذ بن جبل کے حوالے سے یہ روایت منقول ہوئی ہے، اس میں حضرت معاذ نے قیاس کرنے کے لیے حسب ذیل جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

اجتهد برای "میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا" جب کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے۔

انی انما اقضی بینکم برای فیمالم ینزل علی فیه

جن معاملات کے لیے وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

حدیث مذکور کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب القضا بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد میں اس حدیث سے اگلی حدیث میں حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی۔

ان عمر ابن الخطاب قال وهو علی المنبر یا ایهاالناس ان الرای انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مصیباً لا ان اللہ کان یریه وانما منا الظن والتکلف.

اے ایمان والو حضور اقدس ﷺ کی رائے مبارک حقیقتِ حال کے عین مطابق ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حقائق احوال سے آگاہ فرما دیتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں لفظ یُرید سورۃ النساء کی اس آیت کی طرف لطیف اشارہ کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ارشاد ہے،

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ (النساء، آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے۔

رائے کے متعلق حضور ﷺ کے اس ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان فرمودہ نقطۂ نظر کا باہمی ربط یوں ہوگا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جن معاملات میں وحی جلی یا فرشتہ کا نزول نہ ہو تو میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں، یہاں آپ نے وحی جلی یا فرشتہ کے عدم نزول کی صورت میں اپنے فیصلے "رائے" سے تعبیر فرمایا۔ یہ رائے صرف وحی کی تقابلی صورت میں رائے کہلا سکتی ہے مگر اسے وحی خفی یا الہام کے عمل دخل سے خالی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ محولہ بالا آیت اس حقیقت پر شاہد ہے کہ حضور ﷺ کا ہر فیصلہ وحی الٰہی سے مؤید ہوتا تھا۔ اور پھر بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ کے جملے پر غور کرنے سے جو ایک اور بڑی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اس جملے کے ذیل میں وحی و الہام کی تمام اصناف و اقسام آ جاتی ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے کسی فیصلے کو الہامی تائید کے بنیادی عنصر سے قطعاً الگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ یہ دونوں لازم و ملزوم قرار دیے جائیں گے۔

جو لوگ کسی غیر نبی کی رائے کو نبی کی رائے کے برابر یا اس کا سہیم و شریک قرار دیتے ہیں وہ گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں۔ اس لیے کہ کسی غیر نبی کی رائے میں احتمالِ خطا و نسیان ہے۔

جب کہ نبی کی رائے احتمالِ خطا سے بلند، مبرا اور منزہ ہوتی ہے۔ گویا وحی جلی یا عدمِ نزول فرشتہ کی صورت میں حضور ﷺ کی رائے پر کسی فقیہ یا مجتہد کی رائے کو قیاس ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ثابت ہوا کہ رائے کے متعلق جو کچھ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ بھی برحق ہے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاص اشتباہ کا ازالہ کرتے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی رائے مبارکہ کے سلسلے میں اپنے جس مؤقر نقطۂ نظر اور اپنی جس مہتم بالشان رائے کا اظہار فرمایا وہ بھی اپنی جگہ ایک غیر معمولی صداقت و حقیقت ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ نتیجہ ماخوذ ہوا کہ "رائے" کا لفظ اپنے اندر کس قدر پاکیزہ تخلیقی و تحقیقی

مطالب لئے ہوئے ہے کہ خود سید عالم ﷺ نے وحی جلی یا عدم نزول فرشتہ کی صورت میں نہ صرف اُسے اپنی ذات مقدسہ کے ساتھ انتسابی شرف بخشا بلکہ قیامت تک اپنی امت میں پیدا ہونے والے تمام فقہاء و مجتہدین پر اس کا دروازۂ جواز بھی کھول دیا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و سنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہما و اجماع میں پیش آمدہ مسائل و معاملات کا حل دستیاب نہ ہونے کی صورت میں "رائے" کا استعمال امت کے لئے ایک گونہ اتباع سنت بھی ہے۔ مگر اس سنت پر عمل پیرا ہونے سے پہلے ہمیں اپنے گریبانوں میں بھی جھانک لینا ہوگا کہ آیا ہم میں اجتہاد و تفقہ کی استعداد و اہلیت اور اس کے اساسی شرائط و لوازم بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ بہر حال۔

قابلیت ہو تو دیدارِ جمال اچھا ہے
ورنہ اس کوچے کا پھر ترک خیال اچھا ہے

بحمد للہ دیگر ائمہ فقہ کی نسبت ہمیں اپنے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں وہ تفقہ کی جملہ شرائط اور اجتہاد کی وہ تمام صفات و خصوصیات اپنے پورے نقطۂ عروج و کمال پر نظر آتی ہیں۔

یہ اُن کی دَین ہے جسے پروردگار دے

ایک دوسری روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یوں مذکور ہے:

اقض بالکتب والسنة اذا وجد تهما فاذا لم تجد الحکم فیهما اجتهد برأیک.

ترجمہ: "جب تک قرآن و سنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فتویٰ دو اور جب تم قرآن و سنت میں کوئی حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔"

محمد الخضر می رحمۃ اللہ علیہ اس بحث کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صحابہ و تابعین علیہم الرضوان کا یہ معمول تھا کہ جب انہیں کتاب و سنت میں کوئی نص صریح نہ ملتی تو وہ رائے کی طرف رجوع کرتے۔ جیسا کہ اُن کے فتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے اور اس دور میں "رائے" کا مدار قرآن و سنت کے بعض عامۃ الورود قسم کے ارشادات مثلاً لا ضرر و لا ضرار۔ (نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ) دع مایریبک الی مالا یریبک (شک والے کام چھوڑ کر ایسے کام کرو جن میں شک نہ ہو) وغیرہ پر مبنی ہوتے تھے۔ لیکن اُس زمانے میں "رائے" کے لئے کوئی اصول مقرر نہ تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے نتیجے میں "نقصان" پہنچنے لگا۔ کیونکہ اس میں بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی بنا پر بعد ازاں اس کے لئے حدود وشرائط کا تعین کیا گیا، اور یہ ضروری قرار دیا گیا کہ رائے کے لئے قرآن وسنت پر مبنی کسی اصل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وہ قیاس ہے جسے چوتھے مآخذ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

انہی محمد الخضری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر حضرت فاروق اعظم، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی کو "رائے قیاس" کے نمائندے بیان کیا ہے۔ تاہم ایک قدیم مصنف ابن قتیبہ الدنیوری (متوفی ۲۶۷ھ) نے اس فہرست میں ابن لیلیٰ، امام اوزاعی" سفیان ثوری، مالک بن انس اور خود حضرت امام صاحب اور ان کے نامور تلامذہ کو بھی شامل کیا ہے۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ

۱۔ رائے اور قیاس درحقیقت ایک ہی امر کا نام ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بھی صحابہ کرام وتابعین میں بہت سے حضرات رائے وقیاس سے کام لینے میں مشہور تھے۔

مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں جن تجدیدی امور کا بیڑا اٹھایا اور رائے وقیاس کو جن قیمتی اصولوں اور تجربات سے روشناس کیا، اُن کی فہرست بہت طویل ہے۔ فقہ اور اصولِ فقہ پر لکھی جانے والی تمام تصانیف اس طرزِ استدلال کی عمدگی اور برجستگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس کا ایک ہلکا سا اندازہ آئمہ کبار کے ان بیانات سے ہوسکتا ہے، جو امام صاحب کے ایک مخالف خطیب بغدادی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ بغداد" میں کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث میں پیش کیے ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ابنِ عیینہ: میری آنکھوں نے امام ابوحنیفہ جیسا (باکمال) شخص نہیں دیکھا۔

۲۔ امام مالک بن انس: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوتِ استدلال کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی پہاڑ کو سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو ثابت کر سکتے تھے۔

۳۔ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ: میں نے ابوحنیفہ سے بڑا کوئی فقیہہ نہیں دیکھا۔ یہی قول امام شافعی سے بھی مروی ہے۔

۴۔ عبداللہ بن مبارک: جب لوگ فقہ کی طرف سے غافل سو رہے تھے تو یہ امام صاحب تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنے تفقہ سے جگایا اور فقہ کو خوب واضح کیا۔ آثار اور فقہ فی الحدیث کے لیے ایک مقیاس صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابوحنیفہ کے نام نامی سے منسوب رہے گا۔

۵۔ یحییٰ بن معین: میرے نزدیک ایک فقہ تو صرف حنفی فقہ ہے۔

الغرض سولہ (۱۶) صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث (ماذا قیل فی ابی حنیفه) میں بے شمار آئمہ کبار اور ماہرین فقہ وقیاس کے بیانات زیرِ بحث لائے گئے ہیں جن کی بنا پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق استدلال کے بیان کے لیے تو ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہے، چہ جائیکہ ایک چھوٹے سے مضمون میں اسے بیان کیا جا سکے۔ تاہم اس طرزِ استدلال کے چند نمایاں اور روشن پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مناسب ہوگا۔ اگر تفاصیل اور بعض پہلو قلم زد ہو جائیں تو اس کے لیے مضمون نگار کو پیشگی معذور سمجھا جائے۔ بہرحال امام ابوحنیفہ کے طرزِ استدلال کے چند نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اجتماعی یا گروہی مباحثہ: امام ابوحنیفہ نے جب اس عظیم الشان کام کا آغاز کیا تو انہوں نے امت مسلمہ کو انتشار خیالات سے بچانے کے لیے اجتماعی یا گروہی مباحثے کا طریقہ ایجاد کیا اور فقہی مسائل پر غور کرنے کے لیے ایک مجلسِ فقہ تشکیل دی، مشہور مستشرق پروفیسر شاخت (Schacht) اس موقع پر لکھتا ہے۔

"امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جس طریق سے فقہ کو تدوین کا ارادہ کیا، وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص کا انتخاب کیا اور ان کی ایک مجلس بنائی، الطحاوی نے ان میں سے تیرہ (۱۳) کے نام دیئے ہیں۔ جن میں امام ابویوسف، اور زفر بن الہذیل نمایاں شخصیتیں تھیں۔ اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہوگیا۔ جس نے امام ابوحنیفہ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا، امام اعظم کی زندگی ہی میں اس مجلس کے فتاویٰ نے حسنِ قبول حاصل کرلیا تھا۔ جیسے جیسے یہ فتاویٰ تیار ہوتے تھے، ساتھ ساتھ تمام ملک میں پھیلتے جاتے تھے۔" (اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ ابوحنیفہ ج ۱ص ۸۴۷)

قلائد عقود الدرر والعقیان کے مصنف نے کتاب القیانہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس طرح تدوین پانے والے مسائل کی مجموعی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار (۱۲۹۰۰۰۰) سے کچھ زیادہ تھی۔ (ایضاً)

اس مجلس اور گروہی مباحثے کے ذریعے جس میں نامور اہل علم شریک ہوتے تھے امام صاحب ایک طرف تو فقیہانہ طرز پر علماء کی تربیت فرما رہے تھے جس نے آگے چل کر فقہ کی تحریک پر ایک نمایاں اثر ڈالا۔ اور دوسری جانب اس اجتماعی عمل سے زیر بحث مسئلے کے ہر پہلو پر پوری طرح غور وخوض کرنے اور اپنے طریقہ استدلال میں ہمہ گیری اور آفاقیت کا عنصر موجود کرنے کے لیے بڑی مفید پیش رفت کی صورت پیدا کی۔

۲۔ اصول فقہ کا بانی: اور مؤسس امام شافعی کو بیان کیا جاتا ہے، جنہوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر اپنی تصنیف الرسالہ اور کتاب الاامما میں بحث کی، لیکن محققین کے نزدیک امام شافعی اصول فقہ کے پہلے باقاعدہ مصنف تو ہو سکتے ہیں بانی نہیں، وہ اس بناء پر کہ ابن ندیم صاحب الفرست کے مطابق اس موضوع پر اولین تصنیف امام ابو یوسف نے مرتب کی تھی۔ مگر وہ دستبرد زمانہ کا شکار ہو گئے تھے ظاہر ہے کہ یہ تصنیف ''امام ابوحنیفہ'' کے اختیار اصول وقوانین کے مطابق ہی ترتیب دی گئی ہوگی۔ ویسے بھی جیسا کہ سطور بالا میں تفصیلاً ذکر ہوا امام صاحب نے خاص اصول وقوانین کے تحت مسائل فقہ کا استنباط کیا انہی اصولوں کو امام ابو یوسف نے مرتب کیا تھا۔ مگر وہ تصنیف ضائع ہو گئی۔ چنانچہ بعد ازاں جو تصانیف اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی نمایاں ترین خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان میں فقہی اصول ان فروعات فقیہ کی روشنی میں مرتب ہوئے جو آئمہ حنفی ہی سے منقول تھے۔ اس نوع کی تصانیف میں الدبوسی کی تقدیم الدولہ الجصاص رازی کی کتاب الاصول، البزدوی کی کتاب الاصول، السرخسی کی تمہید الفصول، النسفی کی کتاب المنار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نوٹ: یہ مضمون جس قدر مل سکا قارئین کی نذر ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرتِ امام ابوحنیفہ ''امام اعظم'' کیوں؟

الکلامُ المحکم فی تائید الامام الاعظم

از: علامہ مفتی محمد اشرف قادری مراڑیاں شریف (گجرات)

سوال: ''امام اعظم'' کا معنی ہے ''سب سے بڑا پیشوا'' اور وہ حضور اکرم ﷺ ہیں۔ لہذا ابوحنیفہ کو ''امام اعظم'' کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

السائل: عبدالرب (غیر مقلد) لیہ۔ پنجاب

جواب: اس سوال کا منشاء محض دو مفروضے معلوم ہوتے ہیں جن کو سائل کے ذہن میں متعصب یا کم علم غیر مقلد وہابی مولویوں نے گویا حقیقت واقعی بنا کر راسخ کر دیا ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ سائل یہ سمجھتا ہے کہ حنفی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے مقابلے میں اپنا امام و پیشوا مان کر گویا شرک فی الرسالت کے مرتکب ہو رہے ہیں دوسرے یہ کہ سائل وہابی ''امام اعظم'' کے لغوی و اصطلاحی معنوں کے فرق سے جاہل ہونے کی بناء پر یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ حنفی امام ابوحنیفہ کو ''امام اعظم'' کہہ کر گویا علی الاطلاق ہر پیشوا سے بڑا پیشوا مانتے ہیں۔ حالانکہ مطلقاً ہر پیشوا سے بڑے پیشوا تو جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو یہ گویا امام صاحب کو حضور علیہ السلام کے مقابلے میں بلکہ آپ سے بڑھ کر ماننا ہوا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں مفروضے دروغ بے فروغ غلط محض اور حنفیوں پر افتراء عظیم و بہتان مبین ہیں۔ جنہیں نام نہاد اہلحدیث مولویوں نے اپنے وہابیت مآب پیروکاروں کو بے وقوف بنانے اور سیدھے سادھے ان پڑھ مسلمانوں کو دھوکا دینے کی غرض سے گھڑ لیا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہم امام ابوحنیفہ اور دوسرے آئمہ مجتہدین کو علوم نبوت کا خادم کتاب وسنت کا مفسر و شارح ہونے کی حیثیت سے اپنا پیشوا مانتے اور انہیں فقہ دین و اجتہاد و استنباط میں ماہر جانتے ہوئے قرآن وسنت کے مشکل و پیچیدہ اور نت نئے پیش آمدہ غیر منصوص مسائل کا شرعی حل معلوم کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ان کو معاذ اللہ پیغمبر ﷺ کے مقابلے میں اپنا امام یا پیشوا ہرگز نہیں مانتے بلکہ ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے ان خدام (مجتہد اماموں) کو حضور کے مقابلے میں اپنا امام یا پیشوا مانے وہ قطعاً مسلمان نہیں۔ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

امام اعظم کا معنیٰ:

الحمد للہ! نام نہاد اہلِ حدیث وہابیوں کے پہلے مفروضے کا ابطال بلکہ استیصال اوپر کی چند سطروں میں علی

وجہ الکمال ہو چکا اب دوسرے مفروضے کا قلع قمع کرنے کے لیے امام اعظم کے لغوی و اصطلاحی معنوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

تو ''امام'' کا لغوی معنی ہے پیشوا جس کی پیروی کی جائے چنانچہ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی لکھتے ہیں والامام ما ائتم بہ من رئیس اوغیرہ (القاموس المحیط ج ۴ ص ۷۷ طبع بیروت) اور اعظم کا لفظ ''عظمتہ'' سے افعل التفضیل کا صیغہ ہے' جس کے معنی ہیں سب سے بڑا بہت بڑا تو امام اعظم کا لغوی معنی ہوا۔ سب سے بڑا پیشوا یا۔ بہت بڑا پیشوا۔ ان لغوی معنوں میں لفظ ''امام اعظم'' کا مصداق علی الاطلاق بلاشبہ سوائے امام الرسل سید الکل حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات والاشان کے ساری مخلوق میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ فداہ روحی وابی وامی

لیکن اصطلاح فقہاء میں لفظ امام کے معنی ہیں نماز پڑھانے والا' حکمران' ماہر فقہ' مجتہد یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا۔ تو ''امام اعظم'' کے اصطلاحی معنے ہوئے سب سے بڑا یا بہت بڑا نماز پڑھانے والا امام' سب سے بڑا یا بہت بڑا حکمران' سب سے بڑا یا بہت بڑا ماہر فقہ' سب سے بڑا یا بہت بڑا مجتہد۔''

اب جاننا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ کا لقب ''امام اعظم'' ایک خالص اصطلاحی ترکیب ہے نہ کہ لغوی' اس ترکیب میں ''امام'' کے آخری اصطلاحی معنے یعنی مجتہد مراد ہیں۔ یعنی ''امام'' بمعنی ''مجتہد'' اس مشہور عالم اصطلاح کے مطابق ''امام اعظم'' کے معنی یہ ہیں۔ ''مجتہد اماموں میں سب سے بڑا مجتہد' بہت بڑا مجتہد'' یہ بھی معلوم ہو چکا کہ مجتہد امام نبی یا رسول نہیں ہوتا بلکہ پیغمبر کا امتی اور خادم و غلام ہوتا ہے۔ لہٰذا اس مشہور عام اصطلاح فقہاء کے مطابق امام اعظم کا لقب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تو ہر طرح موزوں اور درست ہے۔ مگر سید الخلق علی الاطلاق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے لیے بالکل غیر موزوں اور نادرست ہے۔ کیونکہ ان معنوں کے لحاظ سے حضور علیہ السلام کو امام اعظم کہنا گویا آپ کو نبوت و رسالت کے مرتبے سے اتار کر امت کے مجتہدین کے گروہ میں لا کھڑا کرنے کے مترادف ہوگا۔ جو کہ آپ کی شان اقدس میں یقیناً تنقیص کا موجب ہے۔ اب مسئلہ بالکل واضح ہے کہ ہم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اعظم کہہ کر ان کو کوئی رسول اللہ ﷺ کے مقابلے کی شخصیت قرار نہیں دیتے بلکہ ان کو حضور علیہ السلام کے خدام کے ایک گروہ آئمہ (مجتہدین) کا سردار یعنی اس گروہ خدام نبوی میں سب سے بڑا خادم قرار دیتے ہیں۔ فاین ھذا من ذلک' الحمد للہ دوپہر کے سورج کی روشنی میں وہابی غیر مقلد مولویوں کا مفروضہ محض فرضی ثابت ہوا۔ جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

غیر حنفی علماء کی تصریحات: یوں تو بے شمار علماء امت نے مختلف مذاہب و مسالک سے متعلق ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے امام اعظم کا لقب بکثرت اپنی تصنیفات میں بیان و تسلیم کیا ہے۔ اگر صرف ان کثیر التعداد حوالوں کو یکجا کیا جائے تو بلاشبہ اس موضوع پر ایک کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہم یہاں پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مخالفین کی کتابوں سے چند ایک شہادتیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اگر سائل کے دل میں ذرا سا بھی جذبہ انصاف ہے تو حضرت امام کا لقب ''امام اعظم'' تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ ان میں پہلی شہادت علامہ ذہبی کی ہے اور باقی سب غیر مقلد نام نہاد اہلحدیث وہابیوں کے گھر کی شہادتیں ہیں۔

علامہ ذہبی کی شہادت: شیخ المحدثین' قدوۃ الحفاظ امام شمس الدین محمد الذھبی الشافعی جو کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعصب کا سلوک کرنے میں مشہور ہیں' تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمة الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان. ترجمہ: یہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان کی سوانح حیات ہے۔

(مناقب الامام ابی حنیفہ الذھبی ص ۷ مطبوعہ مصر)

فتاویٰ نذیریہ کی شہادت: نام نہاد اہلحدیثوں کے شیخ الکل علامہ نذیر حسین دہلوی صاحب کے دستخطی تصدیق کردہ فتویٰ کے ابتدائی سطور میں واشگاف طور پر لکھا ہوا ہے۔

'' امام المشارق والمغارب ' الشیخ المفخم ابو حنیفہ امام اعظم.

(فتاویٰ نذیریہ ص ۵۳۷' جلد ۲' مطبوعہ لاہور)

ترجمہ: مشرقوں اور مغربوں کے امام عظیم المرتبت بزرگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

فتاویٰ نذیریہ کی مزید شہادتیں:

غیر مقلد وہابیوں کے مسلمہ بزرگ علامہ نذیر حسین دہلوی صاحب کی اسی کتاب ''فتاویٰ نذیریہ'' میں جلد اول ص ۱۶۹ پر دو بار جلد دوم ص ۵۴۳ پر دو بار اور جلد سوم ص ۱۳۱ پر ایک بار امام ابوحنیفہ کا یہ عظیم الشان لقب ''امام اعظم'' واضح طور پر لکھا ہوا موجود ہے۔

مولوی محمد یوسف جبل پوری کی شہادت: یہ الحاج مولوی حافظ محمد یوسف جبلپوری (صاحب حقیقۃ الفقہ) نام نہاد اہلحدیثوں کے وہ مایہ ناز بزرگ ہیں جنہوں نے توہین و تنقیص شان امام اعظم میں کذب و دجل و فریب کا کوئی طریقہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ گویا امام ابوحنیفہ کا بغض ان کی گھٹی میں ملا تھا۔ الکذوب قد یصدق (بڑے جھوٹے کے منہ سے کبھی کبھار سچی بات بھی نکل جاتی ہے۔) کے مطابق حضرت موصوف نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے جس میں

لکھا ہے۔

''لوگوں نے اس معاملہ میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے کسی نے تو انتہائی افراط میں یہاں تک غلو کیا کہ آپ کی مدح میں احادیث وضع کرلیں۔ کسی نے در پردہ یہاں تک تفریط کی کہ بہت سے گندے مسائل وضع کرکے آپ کے ذمے لگا دیے۔ اس لیے وہ حالات درج کرنا چاہتا ہوں کہ جو افراط وتفریط سے محفوظ ہیں۔ اس کو جناب امام کی کسرشان پر محمول نہ فرمائیں ورنہ میرے نزدیک تو آپ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دائرۃ المعارف ص ۱۵۱ میں نقل فرمایا۔

ابو حنیفۃ الامام الاعظم فقیہ العراق کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیر الشان قال ابن المبارک افقہ الناس وقال الشافعی الناس فی الفقہ عیال علیٰ ابی حنیفۃ وقال یزید ابن ھارون ' ماراءیت احداً اورع ولا اعقل من ابی حنیفۃ.

ترجمہ: حضرت ابوحنیفہ (مجتہد اماموں میں سب سے) بڑے امام ہیں عراق کے فقیہ ہیں۔ آپ امام تھے پارسا تھے عالم تھے۔ عامل تھے عبادت کرنے والے تھے بڑی شان والے تھے ابن مبارک نے کہا (کہ آپ) بڑے فقیہ تھے لوگوں میں' امام شافعی نے فرمایا کہ لوگ عیال (محتاج) تھے فقہ میں ابوحنیفہ کے کہا یزید (ابن ہارون) نے نہیں دیکھا میں نے کسی کو زیادہ پارسا اور عقل والا امام ابوحنیفہ سے انتہی بلفظہ۔

(حقیقۃ الفقہ حصہ اول ص ۱۳۹ مطبوعہ انڈیا)

دیکھیے اب تو سائل کے بہت ہی پسندیدہ بزرگ مولوی جلیپوری صاحب بھی کتنے صاف الفاظ میں حضرت امام کا لقب ''امام اعظم'' اپنی کتاب میں امام ذہبی سے نہ صرف نقل کررہے ہیں بلکہ اوپر یہ بھی تسلیم کررہے ہیں کہ میرے نزدیک تو آپ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

خدارا انصاف! ہم امام ابوحنیفہ کو ''امام اعظم'' کہیں تو یہ وہابیوں کے اصول سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مقابلہ ہوگیا تو مولوی جلیپوری صاحب تو حضرت امام کو ''امام اعظم'' سے بڑھ کر مان رہے ہیں۔ حالانکہ معترض کا کہنا ہے کہ امام اعظم رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو پھر امام اعظم سے بڑھ کر خدا ہی ہوا۔ اب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مولوی جلیپوری غیر مقلد کا امام اعظم سے بڑھ کر ماننا یہ گویا خدا کے ساتھ مقابلہ ہوا اور خدا کے ساتھ مقابلہ شرک عظیم ہے۔ تو نتیجتاً وہابیت مآب مولوی یوسف جلیپوری مشرک ٹھہرے۔ یہ ہے وہابی اصول کا کرشمہ۔ اب سائل کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو اپنے مولوی یوسف صاحب جلیپوری کو مشرک مان لے اور یا امام ابو حنیفہ کو امام اعظم تسلیم کرتے ہوئے یہ مان لے کہ آپ کا یہ لقب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ نہیں ہے۔ کہیئے کون سا راستہ بہتر ہوگا؟

اور اگر اس خالص اصطلاحی ترکیب کو وہابی اصول کے مطابق جبراً'' عام لغوی معنے'' دے کر خواہ مخواہ حضرت امام کیلئے ناجائز قرار دینا ہی ہے تو بات صرف ایک لفظ ''امام اعظم'' پر ہی ختم نہیں ہوجائے گی بلکہ یہاں اور بھی بہت سی اسی قسم کی اصطلاحی ترکیبیں ہیں۔ ان سب کا بھی اسی فتوے کی تلوار سے سر قلم کرنا ہوگا مثلاً

ا۔ صدیق اکبر:۔ ''صدیق'' کا لغوی معنیٰ ہے بہت سچ بولنے والا اور اکبر کا لغوی معنیٰ ہے سب سے بڑا۔ تو اس ترکیب کا عام لغوی معنیٰ ہوا۔ سب سے بڑا بہت سچ بولنے والا۔ تو اس معنیٰ کے لحاظ سے لفظ ''صدیق اکبر'' صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی فٹ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا.'' (پ۵' النساء آیت:۸۷)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (پ ۵' النساء آیت ۱۲۲)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

لہٰذا وہابی اصول کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیق اکبر کہنا ناجائز بلکہ شرک صریح ہوا۔

۲:۔ ''فاروق اعظم'' فاروق کا عام لغوی معنیٰ ہے فرق کرنے والا' حق و باطل میں فرق کرنے والا اور اعظم کا معنیٰ ہے سب سے بڑا۔ تو اس ترکیب کا عام لغوی معنیٰ ہوا۔ سب سے بڑا حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ تو اس عام لغوی معنے کے اعتبار سے بلاشبہ فاروق اعظم۔ بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لقب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ساری مخلوق میں حضور سے بڑا حق و باطل میں فرق کرنے والا اور کوئی نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ لہٰذا وہابیوں کے اصول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاروق اعظم کہنا ناجائز بلکہ صراحتاً شرک فی الرّسالۃ ہونا چاہیے۔

۳:۔ ''قائد اعظم'' قائد کا لغوی معنیٰ رہبر' سردار اور اعظم کا معنیٰ سب سے بڑا ہے۔ تو قائد اعظم کا عام لغوی معنیٰ یہ ہوا۔ سب سے بڑا رہبر یا سردار۔ تو اس معنے کے لحاظ سے بے شک قائد اعظم جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا شان ہوسکتی ہے۔ کیونکہ باجماع مسلمین پوری کائنات میں آپ سے بڑا کوئی رہبر ہے نہ کوئی سردار۔ لہٰذا نام نہاد اہلحدیث وہابیوں کے نزدیک بانی پاکستان جناب محمد علی جناح کو قائد اعظم کہنا بھی بالکل ناجائز وحرام اور شرک فی الرّسالۃ ہونا چاہیے۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

اب ہم خصوصی طور پر غیر مقلد وہابیوں کے گھر سے اس نوعیت کی چند ترکیبیں پیش کرتے ہیں جن کو وہ خود

اپنے بزرگوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً۔

(ا) وہابی اہلحدیثوں کی مشہور کتاب "فتاویٰ نذیریہ" شائع کردہ اہلحدیث اکادمی لاہور کے سرورق پر مشہور غیر مقلد عالم جناب میاں محمد نذیر حسین دہلوی کے نام کے ساتھ ایک بہت بڑا لقب لکھا ہوا ہے یعنی شیخ الکل۔ حال ہی میں نام نہاد اہلحدیث وہابیوں کی ایک نئی کتاب "فتاویٰ برکاتیہ" گوجرانوالہ سے چھپ کر آئی ہے۔ اس کے سرورق پر بھی اس کے مصنف مولوی ابوالبرکات احمد غیر مقلد کے نام کے ساتھ جو القاب لکھے گئے ہیں ان میں شیخ الکل کا لقب سر فہرست ہے۔ مذکورہ کتاب فتاویٰ برکاتیہ کے ص ۶۳ و ص ۶۹ وغیرہ متعدد مقامات پہ یہی شیخ الکل کا لقب مشہور غیر مقلد وہابی مولوی حافظ محمد گوندھلوی صاحب کے نام کے ساتھ بھی لکھا ہوا ہے۔

اب اس لقب کے معنوں پر غور کیجئے "شیخ" کا معنی ہے بزرگ استاذ پیر و مرشد اور کل کا معنی ہے "سب" تو شیخ الکل کا معنی ہوا۔ سب کا بزرگ' استاذ یا پیر' اور یہ ظاہر ہے کہ ان معنوں میں یہ لقب "شیخ الکل" صرف اور صرف امام الرسل سید الکل جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات اقدس کے لیے درست ہوسکتا ہے۔ لہذا وہابیوں کا اپنے مولویوں کو شیخ الکل کہنا معاذ اللہ شانِ نبوی کا مقابلہ کرنا اور شرک فی الرسالۃ ہوا۔

(ب) وہابیوں کی اسی کتاب "فتاویٰ برکاتیہ" کے ص ۵۸ وغیرہ دیگر متعدد مقامات پہ اہلحدیث غیر مقلد مولوی حافظ محمد گوندھلوی صاحب کے نام کے ساتھ مفتی اعظم لکھا ہے۔ حالانکہ مفتی اعظم کا معنی ہے سب سے بڑا مفتی (فتویٰ دینے والا) جس طریقے سے "امام اعظم" پر وہابی' اعتراض کیا کرتے ہیں اس طرح سے اس پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے۔ کہ "مفتی اعظم" (سب سے بڑا فتویٰ دینے والا) علی الاطلاق تو خود اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ (پ ۵' النسآء آیت ۱۲۷)

ترجمہ: تم فرمادو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا ہے۔

لہذا انہی اصول فضول کے مطابق وہابی اہلحدیث اپنے مولویوں کو مفتی اعظم کہہ کر معاذ اللہ خدا تعالیٰ کے ساتھ برابر شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

(ج) وہابیوں کی نہایت مستند و مشہور کتاب "عرف لجادی" مطبوعہ بھوپال ۱۳۰۱ھ کے پیش لفظ میں ایک وہابیت نواز عورت "نواب شاہجہان بیگم" کے نام سے قبل اس کا لقب "البطل الاعظم" لکھا ہوا ہے حالانکہ عورت کے لیے "البطلۃ العظمٰی" بصیغہ مؤنث ہونا چاہیے تھا۔ بہرحال "بطل" کا لغوی معنی ہے "بہادر" اور اعظم کا معنی سب سے بڑا تو "البطل الاعظم" کا معنی ہوا۔ سب سے بڑا بہادر۔ تو اس معنے کے اعتبار سے "البطل الاعظم" یعنی سب سے بڑے بہادر حضرتِ سرورِ کائنات جناب رسول اکرم ﷺ ہیں نہ کہ کوئی اور

چنانچہ حدیث صحیح میں ہے۔

وكان صلى الله تعالى عليه وسلم اشجع الناس'

ترجمہ: اور حضور ﷺ سب لوگوں سے بڑے بہادر تھے۔ (صحیح البخاری صحیح مسلم مسند احمد ص ۳ جلد ۲ طبع بیروت)

حدیث پاک تو رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑا بہادر بتائے اور نام کے اہلحدیث وہابی ایک عورت کو جو صنف نازک کہلاتی ہے' حضور کے مقابلے میں البطل الاعظم (سب سے بڑی بہادر) قرار دیں ایمان سے بتایئے کہ یہ توہین نبوی اور شرک فی الرسالۃ ہے یا نہیں؟ اور یہ سب کرشمہ اسی وہابیت مآب اصول کا ہے جس کی بنا پر وہابی مولوی ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "امام اعظم" کہنا ناجائز ٹھہرا کر اپنے پیروکاروں کو الو بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ وہابی اصولوں کے نتائج کتنے بھیانک اور کتنے خطرناک ہیں۔ حالانکہ حق و حقیقت پر مبنی وہی بات ہے جو ہم اوپر سطور گزشتہ میں امام اعظم کا معنی بتاتے ہوئے بیان کر آئے ہیں۔ امید ہے کہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے ورنہ

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو پھر ان سے خدا سمجھے۔

امام ابوحنیفہ کو "امام اعظم" کیوں کہا جاتا ہے؟

اب رہ گئی یہ بات کہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "امام اعظم" کیوں کہا جاتا ہے؟ تو اس کی بہت سی وجوہ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلحاظ طبقہ دیگر مشہور ہمعصر مجتہد اماموں سے بڑے ہیں۔ آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے جو کہ خیر القرون علی الاطلاق یعنی قرن اول کا زمانہ ہے اور آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ آٹھویں سوال کے جواب میں باحوالہ گزر چکا ہے جب کہ آپ کے ہمعصر آئمہ مجتہدین مثلاً امام مالک و امام اوزاعی وغیرھما' نیز آپ کے بعد کے آئمہ مثلاً امام شافعی و امام احمد بن حنبل وغیرھا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے کسی ایک کو بھی طبقہ تابعین میں سے ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو امام اعظم کہتے ہیں۔ چنانچہ

امام شهاب الدين احمد بن حجر المكي' شيخ الاسلام حافظ ابو الفضل شهاب الدين احمد بن علي المعروف "ابن حجر" العسقلاني شارح صحيح البخاری کے فتاویٰ سے نقل فرماتے ہیں۔

وفي فتاوىٰ شيخ الاسلام ابن حجر "العسقلاني" انه ادرك جماعة من الصحابة كانوا بالكوفة بعد مولده بها سنة ثمانين فهو من طبقة التابعين ولم يثبت ذلك لاحد من آئمة

الامصار المعاصرين له كالا وزاعى با شام والحمادين بالبصرة والثورى بالكوفة ومالك بالمدينة والليث بن سعد بمصر (انتهى)

ترجمہ: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (عسقلانی) کے فتاویٰ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا جو ۸۰ھ میں آپ کی پیدائش کے بعد وہاں موجود تھے۔ لہٰذا آپ طبقہ تابعین میں شامل ہیں جب کہ یہ فضیلت آپ کے معاصر مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے آئمہ میں سے کسی کے لیے مثلاً اوزاعی کے لیے جو شام میں تھے اور حماد بن سلمہ وحماد بن زید کے لیے جو بصرہ میں تھے اور کوفہ میں سفیان ثوری اور مدینہ شریف میں مالک اور مصر میں لیث بن سعد کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی۔

۲۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ مجتہد امام ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مجموعہ قرآن وسنت کی روشنی میں شرعی اجتہاد کے ہمہ گیر اصول وقواعد وضع کیے۔ ہر باب سے متعلق دشوار وپیچیدہ مسائل کو حل اور غیر منصوص مسائل کا استخراج واستنباط فرمایا نیز علم شریعت کے بکھرے ہوئے مسائل کو کتاب الطهارة سے لے کر کتاب الميراث تک فقہی ابواب کی موجودہ ترتیب کے مطابق کتب اور ابواب پر باقاعدہ تحریری طور پر مرتب و مدون کر کے ان کو آسان اور ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا پھر بعد کے تمام آئمہ مجتہدین وفقہاء مصنفین امام مالک، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم ودیگر علماء نے انہی اصولوں وقواعد سے استفادہ کیا اور اپنی تصنیفات میں اسی ترتیب کو اپنایا۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کا کلام نویں سوال کے جواب میں گزر چکا ہے اور امام احمد بن حجر المکی الشافعی، شافعی المذہب ہونے کے باوجود امام اعظم کی اس اولیت کے بارے میں اعتراف حق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

انه اول من دون علم الفقه ورتبه ابواباً وكتباً علىٰ نحوما هو عليه اليوم وتبعه مالك فى موطئه ومن قبله انما كانوا يعتمدون على حفظهم (الخيرات الحسان ص ۳۸ مطبوعه مصر)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے ابواب وکتب (فقہیہ) کی موجودہ ترتیب پر مرتب کیا اور آپ ہی کی ترتیب کی امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مؤطا میں پیروی کی ورنہ آپ سے پہلے تو علماء محض اپنے حفظ پر اعتماد کرتے تھے۔

خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن داؤد الخریبی سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

"یجب علىٰ اهل الاسلام ان یدعوا الله لابی حنیفة فی صلاتهم قال وذكر حفظه

عليهم السنن والفقه (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۴)

ترجمہ: اہل اسلام پر لازم ہے کہ اپنی نماز میں امام ابوحنیفہ کے حق میں دعا کیا کریں کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے سنن (نبویہ) اور فقہ کو محفوظ کر دیا۔

یہی مضمون مشہور اہلحدیث غیر مقلد عالم مولینا محمد داؤد غزنوی نے حافظ ابن کثیر کی کتاب " البداية والنهاية' کے حوالے سے نقل کیا اور نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ اسے امام صاحب کا بلند مرتبہ تسلیم کرتے ہوئے دلیل کے طور پر ذکر کیا۔ دیکھو مقالات مولینا محمد داؤد غزنوی' مطبوعہ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۵۶

اور امام محدث وفقیهه قاضی ابوعبدالله حسين بن على الصيمرى اپنی سند کے ساتھ امام شافعی کا مندرجہ ذیل قول نقل کرتے ہیں۔

من لم ينظر فى كتب ابى حنيفة لم يتبحر فى الفقه (اخبار ابى حنيفة واصحابه ص ۸۱ طبع بيروت)

ترجمہ: جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرے وہ علم فقہ وشرائع میں تبحر نہیں ہو سکتا۔"

امام صیمری کے شاگرد علامہ خطیب بغدادی اپنی سند متصل کے ساتھ امام شافعی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

"من اراد ان يعرف الفقه فليلزم اباحنيفة واصحابه فان الناس كلهم عيال عليه فى الفقه (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۱۱)

ترجمہ: جو شخص فقہ وشرائع میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو لازم پکڑ لے کیونکہ لوگ سب کے سب فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔"

اور امام محدث محمد شمس الدین الذہبی اپنی سند متصل کے ساتھ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اجتمعنا عند ابى حنيفة فى يوم مطمين فى نفسى من اصحابه منهم داؤد الطائى و القاسم بن معن وعافيه بن يزيد وحفص بن غياث ووكيع ابن الجراح ومالك بن مغول وزفر فاقبل علينا بوجهه وقال انتم مسار قلبى وجلاء حزنى واسرجت لكم الفقه والجمعته وقد تركت الناس يطعون اعقابكم ويلتمسون الفاظكم (مناقب الامام ابى حنيفه ص ۱۷ طبع مصر)

ترجمہ: ہم امام ابوحنیفہ کے چند شاگرد جن میں داؤد طائی، قاسم بن معن (ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑپوتے) عافیہ بن یزید، حفص بن غیاث، وکیع ابن الجراح (امام شافعی کے استاد) مالک بن مغول اور زفر رضی اللہ

تعالیٰ عنہم تھے ایک بارش والے دن میں امام ابوحنیفہ کے پاس جمع تھے امام صاحب نے اپنا چہرہ ہماری طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ تم لوگ میرے دل کے سرور اور راز دان اور میرے غم کو غلط کرنے والے ہو۔ میں نے فقہ کو تمہارے لیے ہموار و آسان کر کے اس کی باگ دوڑ تمہارے ہاتھوں میں دے دی ہے اب سارے لوگ تمہارے نقش پا کی اتباع اور تمہاری باتوں کی جستجو کیا کریں گے۔

۳۔ کمالِ عقل و ذہانت، فقہی بصیرت، اجتہادی قوت اور علمی و عملی فضیلت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پایہ اپنے تمام ہمعصروں اور بعد کے آئمہ سے نہایت بلند تھا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ اپنی ان خداداد صلاحیتوں اور علمی و عملی خوبیوں کی وجہ سے علوم شرعیہ میں پوری امت کے مقتداء و پیشوا ہیں لہذا اس وجہ سے بھی آپ کو امام اعظم کہا جاتا ہے چنانچہ امام ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمری اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

کنت عند مالک بن انس فدخل علیه رجل فرفعه ثم قال اتدرون من هذا حین خرج؟ قالو الاوعرفته انا فقال هذا ابوحنیفة العراقی لو قال هذه لاسطوانه من ذهب الخرجت کما قال لقد وفق له الفقه حتی ما علیه فیه کبیر مرنة قال ودخل علیه الثوری فاجلسه دون الموضع الذی اجلس فیه ابا حنیفة (اخبار ابی حنیفة واصحابه ص ۷۴ مطبوعه بیروت)

ترجمہ: میں امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا کہ اتنے میں ان کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ اس سے ادب و احترام سے پیش آئے پھر جب وہ شخص چلا گیا تو شاگردوں سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو یہ کون تشریف لائے تھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں مگر میں (عبداللہ بن مبارک) نے ان کو پہچان لیا۔ چنانچہ امام مالک نے فرمایا کہ یہ عراق کے ابوحنیفہ تھے۔ (ان کے علمی پایہ اور زور استدلال کا یہ عالم ہے کہ) اگر کہہ دیں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو وہ ویسا ہی نکل آئے جیسا کہ انہوں نے کہا ہو۔ ان کو مہارت فقہ کی وہ توفیق دی گئی ہے کہ اب ان پر اس کے مسائل کو حل کرنا کوئی زیادہ دشوار نہیں ہے۔ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ پھر حضرت سفیان ثوری آپ کے پاس آئے تو ان کو امام ابوحنیفہ سے کم مرتبہ کی جگہ پر بٹھایا۔

اور خطیب بغدادی علامہ احمد بن علی بن ثابت اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت ربیع بن یونس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

دخل ابو حنیفة یوماً علی المنصور وعنده عیسی بن موسیٰ فقال للمنصور هذا عالم الدنیا الیوم فقال له یا نعمان عمن اخذت العلم قال عن اصحاب عمر عن عمر و عن اصحاب علی عن علی وعن اصحاب عبدالله عن عبدالله وما کان فی وقت بن عباس علی

وجه الارض اعلم منه قال لقد استو ثقت لنفسک (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۹۹)

ترجمہ: ایک روز امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت عیسیٰ بن موسیٰ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ منصور سے کہنے لگے یہ (ابوحنیفہ) آج دنیا کے بڑے عالم ہیں۔ تو منصور نے امام صاحب سے کہا اے نعمان۔ آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر کے شاگردوں سے حضرت عمر کا، حضرت علی کے شاگردوں سے حضرت علی کا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علم حاصل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں روئے زمین پر ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔ منصور نے کہا کہ آپ نے اپنے لیے مضبوط علم حاصل کیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول "تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال (محتاج) ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے اور امام محمد شمس الدین الذھبی ابن عباس کے واسطے سے امام ابوبکر المروزی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ۔

سمعت ابا عبدالله احمد بن حنبل یقول لم یصح عند نا ان ابا حنفیة رحمه الله قال القرآن مخلوق فقلت الحمد لله یا اباعبدالله هو من العلم بمنزلة فقال سبحان الله هو من العلم والورع والزهد وایثار الدار الاخرة بمحلٍ لا یدرکه فیه احد. (مناقب الامام ابی حنیفة ص ۲۷ مصر)

ترجمہ: "میں نے ابوعبداللہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، فرماتے تھے کہ ہمارے نزدیک یہ ثابت نہیں کہ ابوحنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا ہے یہ سن کر میں نے کہا الحمدللہ اے ابوعبداللہ ان کا تو علم میں بڑا مقام ہے تو آپ فرمانے لگے سبحان اللہ وہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو علم و تقویٰ زہد اور دار آخرت کے اختیار کرنے میں اس مقام پر فائز ہیں کہ جہاں کسی اور کی رسائی نہیں ہو سکتی۔"

حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ حضرت محمد بن بشیر سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا تو وہ مجھ سے پوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں سے، یہ سن کر وہ فرماتے۔

لقد جئت من عند افقه اهل الارض (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۳ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ہے۔

یہی حافظ ابوبکر خطیب بغدادی، نیز امام محدث حافظ شمس الدین محمد الذھبی، امام محدث و فقیہ سفیان بن

عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ۔

مامقلت عینی مثل ابی حنیفة (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶، مناقب الامام ابی حنیفة الذهبی ص ۱۹ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: میری آنکھ نے (علم وفضل میں) ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مثل نہیں دیکھا۔

امام محدث وفقیہہ ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمری ان کے شاگرد حافظ ابوبکر خطیب بغدادی اور امام محدث حافظ شمس الدین الذهبی نے امام محدث وفقیہہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا۔

ان کان الاثر قد عرف واحتیج الی الرای فرأی مالک وسفیان وابی حنیفة وابو حنیفة احسنهم وادق فهم فطنة واغوصهم علی الفقه وهو افقه الثلاثة" (اخبار ابی حنیفة واصحابه ص ۷۷ طبع بیروت و تاریخ بغداد ص ۳۴۳ ج ۱۳ طبع مصر)

ترجمہ: اگر حدیث معلوم ہو اور اجتہادی رائے کی ضرورت ہو تو یہ رائے امام مالک، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ کی لینی چاہیے اور امام ابوحنیفہ کی نظر عقل وذہانت کے اعتبار سے ان سے زیادہ بہتر اور دقیق تر ہے۔ اور فقہ میں سب سے زیادہ گہری ہے۔ اور وہ ان تینوں میں زیادہ فقیہ ہیں۔"

امام محدث وفقیہہ ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمری اپنی سند کے ساتھ نصر بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ امام المحدثین "شعبہ" کو جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر ملی تو افسوس سے انا للہ وانا الیہ راجعون آیت پڑھی اور پھر فرمانے لگے۔

لقد طفئی عن اهل الکوفة ضوء نور العلم اما انهم لا یرون مثله ابداً

(اخبار ابی حنیفة ص ۷۲ طبع بیروت)

ترجمہ: بے شک اہل کوفہ سے نور علم کی روشنی بجھ گئی۔ سن لو اب لوگ ابوحنیفہ کی مثل کبھی نہ دیکھیں گے۔"

امام محدث حافظ شمس الدین الذهبی امام بخاری کے استاذ گرامی امام فقیہہ ومحدث امام مکی بن ابراهیم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ

کان ابو حنیفة اعلم اهل زمانه.

(مناقب الامام ابی حنیفة الذهبی ص ۱۹ طبع مصر، خلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال ص ۴۰۳ بیروت)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہوئے۔

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

القراءة عندی قراءة حمزة والفقه فقه ابی حنیفة (اخبار ابی حنیفة واصحابہ ص ۸۰، تاریخ بغداد ص ۳۴۷ جلد ۱۳)

ترجمہ: قراءت میرے نزدیک حمزہ کی قراءت اور فقہ امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔

یہی امام یحییٰ ابن معین اپنے استاذ گرامی امام المحدثین امام یحییٰ بن سعید القطان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

لاتکذب اللہ ماسمعنا احسن من رای ابی حنیفة وقد اخذنا باکثر اقواله.

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵ طبع مصر، مناقب الامام ابی حنیفة الذهبی ص ۱۹ مصر)

ترجمہ: ہم خدا کا نام لے کر جھوٹ نہ بولیں گے، ہم نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ بہتر اجتہادی رائے کسی کی نہیں سنی اور ہم نے ان کے اکثر فقہی اقوال اختیار کر لیے ہیں۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ گرامی امام وکیع فرماتے تھے۔

مالقیت احدا افقه من ابی حنیفة ترجمہ: "میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہہ کسی کو نہیں پایا"

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵ مطبوعہ مصر)

نیز امام محمد بن حسن جو کہ امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

"کان ابو حنیفة واحد زمانه ترجمہ: امام ابوحنیفہ یکتائے روزگار تھے۔"

(اخبار ابی حنیفة الصیمری ص ۳۲ طبع بیروت)

امام محدث شیخ الاسلام یزید بن ہارون جو کہ امام احمد بن حنبل کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

"کان ابو حنیفة...... احفظ اهل زمانه سمعت کل من ادرکته من اهل زمانه یقول انه ماراى افقه منه" (اخبار ابی حنیفة واصحابه للصیمری ص ۳۶ طبع بیروت)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے حدیث کے حافظ تھے آپ کے معاصر علماء میں سے جس جس کو میں نے پایا اسے یہی کہتے سنا کہ اس نے آپ سے بڑا کوئی فقیہہ نہ دیکھا۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے استاذ گرامی حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم القاضی فرماتے ہیں۔

" کان ابو حنیفة خلف من مضی وما خلف واللہ علی وجه الارض مثله.

(اخبار ابی حنیفة للصیمری ص ۳۶)

ترجمہ: ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلاف کرام کے صحیح جانشین تھے اور قسم بخدا انہوں نے اپنے بعد روئے زمین پر اپنی مثل کوئی نہ چھوڑا

امام محدث علی بن عاصم کہتے ہیں۔

لووزن عقل ابی حنیفة بنصف عقل اهل الارض لرجع بهم (اخبار ابی حنیفة واصحابه للصمیری ص ۳۰ طبع بیروت ۹ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۳ طبع مصر)

ترجمہ: اگر روئے زمین کے آدھے لوگوں کی عقل سے امام ابوحنیفہ کی عقل تولی جائے تو آپ کی عقل کا پلہ بھاری رہے گا۔"

نیز یہی امام علی بن عاصم فرماتے ہیں۔

"لووزن علم ابی حنفیة بعلم اهل زمانه لرجع علیهم" (اخبار ابی حنفیة ص ۹ مناقب الامام ابوحنیفه للذهبی ص ۲۰۹)

ترجمہ: اگر امام ابوحنیفہ کا علم ان کے تمام اہلِ زمانہ کے مجموعی علم سے تولا جائے تو یقیناً آپ کا علم ان سب کے علم سے بڑا ہوگا۔

اور امام محدث نضر بن شمیل فرماتے ہیں۔

"کان الناس نیاماً عن الفقه حتی ایقظهم ابوحنیفة بما فتقه و بینه ولحصر.

(تاریخ بغداد ص ۳۴۵)

ترجمہ: لوگ علم فقہ (کی باریکیوں) سے غافل تھے۔ یہاں تک کہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی موشگافیوں' عقدہ کشائی اور ان کی فقہی مسائل کی تشریح وتخیص نے لوگوں کو چونکا دیا۔

اور امام فقیہہ ومحدث حافظ محمد بن میمون فرماتے ہیں۔

لم یکن فی زمن ابی حنیفة اعلم ولا اورع ولا ازهد ولا اعرف ولا افقه منه تاالله ماسرنی بسماعی منه ماة الف دینار. (الخیرات الحسان ص ۳۲ مطبوعه مصر)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ان سے بڑے عالم' متقی' زاہد' عارف اور فقیہ کوئی نہ تھا۔ ان کا درس فقہ وحدیث سننے کی بجائے مجھے ایک لاکھ سونے کی اشرفیاں بھی ملتیں تو میں راضی نہ ہوتا۔

الغرض امام مالک' امام شعبہ' امام ابویوسف' القاضی امام سفیان ثوری' امام سفیان بن عیینہ' امام عبداللہ بن المبارک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' امام وکیع' عیسیٰ بن موسیٰ امام مکی بن سعید القطان۔' امام یحییٰ بن معین' امام مکی بن ابراہیم' امام محمد بن حسن' امام علی بن عاصم' امام نضر بن شمیل' اور حافظ محمد بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین' یہ پورے ستر آئمہ کرام ہیں جو سب کے سب اسلام کے صدرِ اوّل' اتباع تابعین اور سلف صالحین میں سے ہیں سب اساطین علم وفضل اور علمی دنیا کے آفتاب وماہتاب ہیں۔ ان کی جلالت شان اور علمی شکوہ کا یہ عالم ہے کہ ان کا نام آتے ہی بڑے بڑے اولیاء عرفاء' عبادوزہاد' مفسرین محدثین' فقہاء اور متکلمین کے سرادب واحترام سے جھک

جاتے ہیں۔ یہ سب یک زبان ہو کر تمام ہمعصر اور بعد کے علماء اعلام وآئمہ کرام پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی وعملی' عقلی وفکری' فقہی اور اجتہادی برتری کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان فرمارہے ہیں۔ کیا ان رجال علم کی روشن شہادتوں کے بعد بھی کسی مسلمان کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "امام اعظم" ہونے میں شک رہ سکتا ہے؟

مزید گھر کی شہادتیں:

اب ہم اس مسئلے پر بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں غیر مقلد اہلِ حدیث وہابیوں کے دو بڑے مقتدر عالموں کی مزید گواہیاں پیش کرتے ہیں تاکہ غیر مقلد سائل اگر مندرجہ بالا آئمہ سلف کے ارشادات سے بھی مطمئن نہ ہوا ہو تو کم از کم اپنے بزرگوں کی شہادتیں حق سن کر تو ضرور ہی اس کا دل نور یقین سے منور ہو جانا چاہیے۔ واللہ الھادی۔

نواب صدیق حسن خان کی گواہی:

غیر مقلد وہابیوں کے مقتدر پیشوا علامہ نواب صدیق حسن خان بھوپالی اپنی مشہور تصنیف "الحطته فی ذکر الصحاح السته" کے صفحہ ۴۲ پر رقمطراز ہیں۔

منهم الامام جعفر الصادق وابوحنیفة النعمان بن ثابت الامام الاعظم ومالک والا وزعی والثوری وابن جریج ومحمد بن ادریس الشافعی وغیرهم' وهذه الطبقات الثلاثة هی المشهود لهایا الخیر علی لسان نبینا صلی الله علیه وسلم وهم الصدر الاول والسلف الصالح والمحنج بهم فی کل باب (مقالات داؤد غزنوی ص ۵۲ مطبوعه مکتبه نذیریه لاهور)

ترجمہ: ان (طبقہ ثالثہ کے آئمہ کبار) میں سے امام جعفر صادق' امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت امام مالک امام اوزاعی' امام ثوری' ابن جریج' اور امام محمد بن ادریس شافعی وغیرھم ہیں' (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک کی گواہی کے مطابق یہی تین طبقے خیر وبرکت کے ہیں۔ نیز یہی اسلام کے صدرِ اول اور سلفِ صالحین ہیں جو ہر باب میں سند اور حجت کا درجہ رکھتے ہیں۔

ابراہیم میر سیالکوٹی کی گواہی:

مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی ہماری جماعت (اہلحدیث) کے مشہور مقتدر علماء میں سے تھے انہوں نے اپنی کتاب "تاریخ اہلحدیث" میں امام ابوحنیفہ کی مدح وتوصیف اور انکے خلاف ارجاء (فرقہ مرجیہ سے ہونا) وغیرہ الزامات کے دفعیہ میں ۸/۲۳x۲۹ سائز کے ۸ صفحات وقف کیے۔ پھر کسی جگہ ان کا ذکر امام اعظم کے نام سے

کرتے ہیں کسی جگہ سیدنا امام ابوحنیفہ کہہ کر ادب و احترام سے ذکر کرتے ہیں۔ اور اس ساری بحث کو آخر میں مولوی محمد ابراہیم اس فقرہ کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ خلاصۃ الکلام یہ کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں ہے کہ اس کی روایت کی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں۔ جن کو حافظ ذہبی جیسے "ناقدالرجال" "امام اعظم" کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (مقالات داؤد غزنوی صہ ۵۵)

مولوی داؤد غزنوی کی گواہی:

غیر مقلدین کے نہایت ہی مقتدر اور محترم عالم مولوی محمد داؤد غزنوی خود تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت الامام الاعظم" (مقالات مولوی محمد داؤد غزنوی ص ۵۵ شائع کردہ مکتبہ نذیریہ لاہور)

نام نہاد اہلحدیث غیر مقلد وہابیوں کے مسلمہ بزرگوں کی یہ تین شہادتیں ہیں جو کہ ہم نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معزز لقب "امام اعظم" کے ثبوت میں پیش کی ہیں جب کہ قبل ازیں اسی سوال کے جواب کے آغاز میں اس مسئلے پر چھ شہادتیں ان کے "فتاوی نذیریہ" سے اور ایک روشن شہادت مولوی محمد یوسف جبل پوری کی کتاب "حقیقۃ الفقہ" سے پیش کر آئے ہیں۔ وتلک عشرۃ کاملۃ ہماری دعا ہے کہ مولائے تعالیٰ انہیں نہ صرف سائل بلکہ تمام مدعیان اہل حدیث غیر مقلدین کے لیے چشم بصیرت بنائے۔ آمین۔

وما ذالک علی اللہ العزیز.

☆.☆☆☆☆

فقہ حنفی کی عالمی مقبولیت

از: صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی

پروفیسر ابوزہرہ مصری رقمطراز ہیں، مشرق میں آزاد اسلامی حکومتیں (۱) سلاجقہ (۲) آل بُویہ براعظم افریقہ میں (۳) طرابلس (۴) تیونس (۵) الجزائر (۶) اُندلس (۷) جزیرہ سسلی سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی نے قاہرہ (مصر) میں احناف کے لیے "مدرسہ سیوفیہ" قائم کرایا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصری عوام میں حنفی مذہب نے فروغ پایا۔ (۸) مصر (۹) شام میں حنفی مذہب عوام میں مقبولیت حاصل کرچکا تھا۔ مشرقی ممالک میں (۱۰) عراق (۱۱) خراسان (۱۲) سیستان (۱۳) ماوراء النہر (ماوراء النہر سے مراد روس کی آزاد مسلمان ریاستیں اُزبکستان، ترکمانستان، تاجکستان (بلخ، بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ ہیں۔ ازبکستان، چین، ایران اور افغانستان کی سرحدوں کی شاہراہ پر ہے جہاں ان تینوں ممالک کے راستے آ کر آپس میں ملتے ہیں۔) میں احناف کی بڑی اکثریت تھی۔

روس کی اسلامی ریاستوں میں (۱۴) آرمینا (۱۵) آذربائیجان (۱۶) تبریز (۱۷) رے (۱۸) اھواز کے رہائش پذیر بھی حنفی مذہب ہیں (۱۹) ایران میں پہلے احناف کی بڑی اکثریت تھی (۲۰) ہندوستان (۲۱) پاکستان میں بھی حنفی مذہب کا سکہ جاری ہے (۲۲) چین میں چالیس ملین سے زائد مسلمان سکونت پذیر ہیں، ان میں اکثریت حنفی مذہب کے پیروکار کی ہے (حیات حضرت امام ابوحنیفہ باب حنفی مذہب کی اشاعت عام مطبوعہ انڈیا، یہ کتاب ۱۹۴۵ء کی تحریر شدہ ہے۔)

مورخ ابن خلدون رقمطراز ہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین آج عراق، ہند (ہندوستان، پاکستان) چین، ماوراء النہر، بلاد عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۶۶۹)

حنفی مذہب کو کلی طور پر "سلطنت عثمانیہ" کے تمام صوبوں میں نہ صرف عوامی زندگی بلکہ سرکاری نظام عدل میں مستند مجموعہ قوانین کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ (شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۱۰۶)

ڈاکٹر صبحی محمصانی مصری لکھتے ہیں:

جو ممالک سلطنتِ عثمانیہ کے زیر حکومت رہے ہیں جیسا کہ مصر (۲۳) سوریا (شام) (۲۴) لبنان اُن کا مذہب بھی محکمۂ عدل و قضاء میں حنفی چلا آرہا ہے حکومت تیونس کا مذہب بھی یہی ہے۔ ترکی اور اس کے زیر اثر ممالک مثلاً شام اور (۲۵) البانیہ کے باشندوں کا مذہب بھی عبادات میں یہی ہے اور مسلمانانِ (۲۶) بلقان و (۲۷) قفقاز بھی مسائل عبادات میں اسی مذہب کے مقلد ہیں اسی

طرح (۲۸) افغانستان و (۲۹) ترکستان اور مسلمانانِ پاک و ہند و چین میں بھی یہی مذہب غالب ہے اور اس مذہب کے پیرو کار دوسرے ملکوں میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا دو تہائی ہیں۔ (فلسفہ شریعت اسلام صفحہ ۴۸ مطبوعہ مصر)

حنفی مکتب فکر وسطِ ایشیاء اور ہندوستان (پاک و ہند (۳۰) (بنگلہ دیش) میں غالب و فائق ہے۔ (شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۱۳۱)

بعض احمق الزام لگاتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے عہدہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) پر مامور ہو کر جبر و تحدید سے مذہب حنفی کو رواج دیا = اس الزام کا پروفیسر نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

امام اعظم ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے اور امام ابو یوسف کو خلیفہ ہارون رشید نے ۱۷۰ھ کے بعد عہدہ قاضی القضاۃ پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں مذہب حنفی کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا اور وہ امام اعظم کے شاگردوں کے ذریعہ کوفہ کے حدود سے باہر حرمین شریفین، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رافہ، نصیبین، دمشق، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اھواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کیش، صغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، بجستان، اور خوارزم وغیرہ مقامات میں پہنچ چکا تھا۔ (دیکھئے مناقب الامام الاعظم للکردری) اب بتلایئے کہ اسکا میابی کو کس کی طرف منسوب کریں۔ اگر مذہب حنفی حق نہ ہوتا تو امام صاحب یا امام ابو یوسف کے بعد جلد ناپید ہو جاتا۔ مگر ہم اس کے برعکس دیکھ رہے ہیں کہ حاسدوں کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود اس کو روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ مذہب حنفی کی اشاعت صرف اپنی ذاتی محاسن کی وجہ سے ہوئی ہے۔ امام صاحب کے ہزاروں شاگردوں نے جو آسمان فقہ کے ستارے ہیں، امام اعظم کے مسائل کی روشنی دور دور پھیلا دی تھی۔ (الاقوال الصحیحۃ فی جواب الجرح علی ابی حنیفۃ ص ۶۳ مطبوعہ ۱۹۱۳ء)

چند سال قبل ایک عرب محقق نے ائمہ اربعہ کے پیرو کاروں کے اعداد و شمار جمع کئے تھے۔ اس میں حنفی کی تعداد ۱/۲ ۸۶ ساڑھے چھیاسی کروڑ تھی، شافعی کی تعداد ۱/۲ ۴ ساڑھے چار کروڑ، مالکی کی تعداد ۳ کروڑ اور حنبلی کی تعداد صرف چالیس لاکھ ہے۔ (صراط مستقیم ص ۵۹ مطبوعہ ۱۹۹۶ء)

زمانہ ہر عہد، ہر صدی میں کرے گا اخذ فیض جس سے
جہاں میں وہ ہستی منیفہ، امام اعظم ابو حنیفہ

(ماخوذ سوانح امام المسلمین ص ۳۷ مطبوعہ لاڑکانہ)

پاک و ہند میں سنی حنفی اولیاء اللہ

از: مولانا انیس اختر مصباحی (دہلی) / صاحبزادہ سید زین العابدین راشدی

ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے مطالعے سے اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ حضرت رافع و حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو اصحاب بدر میں سے ہیں وہ سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ اور ان کے بعد مشہور راوی حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ (۵۰ھ) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت اور حضرت مہلب بن ابی صفرہ حضرت امیر معاویہ کے عہد امارت میں ہندوستان وارد ہوئے۔

جیسا کہ ابو محمد ویلوری تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے بعض ثقہ لوگوں نے خبر دی کہ کالی کٹ میں قدیم ایک عمارت کے سامنے مسجد پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر لکھا تھا "ان بناء ذلک المسجد سنۃ اثنین وعشرین من الھجرۃ" اس مسجد کی تعمیر ۲۲ھ میں ہوئی راوی نے کہا میں نے اس کو پڑھا ہے کہ اس پر تاریخ تعمیر (۲۲) نوشتہ تھی۔ راوی نے مزید کہا کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت رافع اور رفقاء اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی اسی مسجد کے قریب ہیں۔ (الادلۃ القواطع علی الزام العربیۃ فی التوابع ص ۷ مترجم)

اور یہی ابو محمد ویلوری دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ "اسلام کیرلہ شہر میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں آیا اس طرح کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر ہندوستان بھیجا اور وہ لوگ کالی کٹ پہنچے جہاں کے بادشاہ کا نام زمودن تھا جب اس نے ان کی آمد اور شق القمر کی خبر سنی جس کو "زمودن" اور تمام شہریوں نے دیکھا تھا اس واقعہ (شق القمر) کے بارے میں ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا جب ان کا مشاہدہ ان کی اطلاع کے مطابق ہوا تو خود ملک زمودن اور تمام شہری مشرف با اسلام ہو گئے۔ اور یہ ۲۷ھ کا واقعہ ہے (ایضاً ص ۶)

اور محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں رقم طراز ہیں ۴۴ھ میں امیر معاویہ نے زیاد بن ابیہ کو بصرہ خراسان اور سیستان کا حاکم مقرر کیا۔ اور اسی سال زیاد کے حکم سے عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے کابل فتح کیا اور اہل کابل کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔

کابل کی فتح کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک نامور عرب امیر مہلب بن ابی صفرہ "مرو" کے راستے کابل وزابل آئے اور ہندوستان پہنچ کر انہوں نے جہاد کیا اور دس یا بارہ ہزار کنیز و غلام اسیر کیے ان میں کچھ لوگ زیادہ اور آنحضرت کی نبوت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے۔ (ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸۰)

نوجوان سپہ سالار محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں دیبل (سندھ) کا تاریخی قلعہ فتح کیا اور پھر ایک طویل مدت کے بعد پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی اور سید سالار مسعود غازی وغیرہما نے میدان جہاد میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ان کی ایک مستقل الگ تاریخ ہے۔

یہاں اختصار کے ساتھ ہم ان احناف نفوسِ قدسیہ کے اسمائے گرامی درج کر رہے ہیں جنھوں نے اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اوراس کے پاکیزہ اخلاق کو عملی شکل میں پیش کر کے اوراپنے خونِ جگر سے اسلام کی آبیاری کر کے رفتہ رفتہ پورے خطہ ہند کو سرسبز وشاداب بناڈالا۔ (جو کہ سارے کے سارے احناف تھے۔)

☆ حضرتِ داتا گنج بخش علی ہجویری (ولادت ۴۰۰ھ/۱۰۰۹ء وفات ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء)

☆ حضرتِ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (ولادت ۵۳۷ھ/۱۱۴۲ء وفات ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء)

☆ حضرتِ سید عبداللہ شاہ غازی وفات ۱۵۱ھ

☆ حضرتِ خواجہ شاہ صدر الدین سید محمد احمد لکیاری سندھ (وفات ۶۰۰ھ)۔

☆ حضرتِ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (ولادت ۵۶۶ھ/۱۱۷۰ء وفات ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء)

☆ حضرتِ خواجہ فرید الدین گنج شکر (ولادت ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء وفات ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء)

☆ حضرتِ حافظ سید محمد عثمان سیوھانی لعل شہباز قلندر (وفات ۶۵۰ھ)

☆ حضرتِ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ولادت ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء وفات ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء)

☆ حضرتِ مخدوم علاء الدین صابر کلیری (ولادت ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء وفات ۶۹۰/۱۲۹۱ء)

☆ حضرتِ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء (ولادت ۶۳۶/۱۲۳۸ء وفات ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء)

☆ حضرتِ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (ولادت ۶۶۱ھ وفات ۷۸۲ء)

☆ امیر کبیر سید علی ہمدانی (ولادت ۷۱۴ھ وفات ۷۸۶ھ)

☆ حضرتِ مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی (ولادت ۷۰۷ھ وفات ۸۰۸ھ)

☆ حضرتِ شیخ سلیم چشتی (ولادت ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء وفات ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء)

حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت (ولادت ۷۰۷ / ۱۳۰۸ء وفات ۷۸۵ء/۱۳۸۳ء)

☆ حضرتِ سید عبداللہ شاہ جیلانی مکی (۱۰۶۰ھ)

☆ حضرتِ مخدوم بلال باغبانی (۹۲۹ھ)

☆ حضرتِ مخدوم نوح سرور صدیقی سہروردی (حالا ۹۹۸ھ)

☆ حضرتِ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۲ء وفات ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

☆ حضرتِ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (ولادت ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء وفات ۳۴ . . ۱۶۲۴ء)

☆ حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ)

☆ حضرتِ سید شاہ عبد اللطیف بھٹائی (۱۱۶۵ھ)

☆ حضرتِ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (۱۱۷۴ھ) وغیرھم رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین

ان اصحاب علم و فضل وارباب زہد و تقویٰ کے بعد تیرہویں صدی ہجری میں جن علماء و مشائخ کرام نے

کاروانِ عشق و عرفان کی رہنمائی کا شرف حاصل کیا اور سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کو صراطِ مستقیم پر گامزن رکھا ان کی ایک اجمالی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

☆ بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی فرنگی محلی (ولادت ۱۱۴۴ھ وفات ۱۲۳۵ھ)

☆ امام العارفین حضرت سید محمد راشد روضے دھنی ۱۲۳۳ھ

☆ حضرتِ شاہ محمد اجمل الہ آبادی (ولادت ۱۱۶۰ھ/ وفات ۱۲۳۶)

☆ حضرتِ شاہ انوار الحق فرنگی محلی (ولادت ۱۱۶۷ھ وفات ۱۲۳۶ھ)

☆ حضرتِ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (ولادت ۱۱۵۹ھ وفات ۱۲۳۹ھ)

☆ حضرتِ مولانا غلام علی دہلوی (ولادت ۱۱۵۸ھ وفات ۱۲۴۰ھ)

☆ حضرتِ مولانا ابو سعید مجددی رام پوری (ولادت ۱۱۹۶ھ وفات ۱۲۳۶ھ)

☆ حضرتِ شاہ ابو الحسن فرد پھلواروی (ولادت ۱۱۹۱ھ وفات ۱۲۶۵ھ)

☆ حضرتِ مولانا شاہ احمد سعید مجددی رام پوری (ولادت ۱۲۱۷ھ وفات ۱۲۷۷ھ)

☆ حضرتِ علامہ فضل حق شہید خیر آبادی (ولادت ۱۲۱۲ھ وفات ۱۲۷۸ھ)

☆ حضرتِ علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی (ولادت ۱۲۰۹ھ وفات ۱۲۸۵ھ)

☆ حضرتِ علامہ فضل رسول بدایونی (ولادت ۱۲۱۳ھ وفات ۱۲۸۹ھ)

☆ حضرتِ علامہ سید آل رسول مارہروی (ولادت ۱۲۰۹ھ وفات ۱۲۹۶ھ) وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

اور چودھویں صدی ہجری؛ جس میں مختلف ایمان شکن اور گمراہ کن تحریکوں، تنظیموں اور جماعتوں نے جنم لے کر صدیوں کے متوارث عقائد و نظریات کو تہہ و بالا کرنا شروع کیا اور عظمتِ توحید و ناموسِ رسالت پر حملے کیے جانے لگے تو یہ علماء حق اور مجاہدان صف شکن سینہ سپر ہو کر سامنے آگئے اور آج بھی سوادِ اعظم اہلِ سنت کا کاروانِ فکر و خیال اپنے انہیں اسلاف کرام کی روحانی قیادت و رہنمائی میں اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔

حضرتِ مولانا عبد الحیٔ فرنگی محلی (ولادت ۱۲۶۴ھ/ وفات ۱۳۰۴ھ) حضرتِ مفتی ارشاد حسین رام پوری (ولادت ۱۲۴۸ھ وفات ۱۳۱۱ھ) حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی (ولادت ۱۲۰۸ھ وفات ۱۳۱۳ھ)

حضرتِ مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری (وفات ۱۳۱۵ھ)

حضرتِ مولانا عبد القادر بدایونی (ولادت ۱۲۵۳ھ وفات ۱۳۱۹ھ) حضرتِ مولانا ہدایت اللہ رام پوری (وفات ۱۳۲۶ھ) حضرتِ مولانا خیر الدین دہلوی (ولادت ۱۸۳۱ء وفات ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) حضرتِ مولانا احمد رضا فاضل بریلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ وفات ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) حضرتِ شاہ ابو الخیر فاروقی دہلوی (ولادت ۱۲۷۲ھ/ وفات ۱۳۴۱ھ) حضرتِ شاہ علی حسین اشرفی (ولادت ۱۲۶۶ھ وفات ۱۳۵۵ھ) حضرتِ شاہ مہر علی

گولڑوی (ولادت ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۶ء وفات ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۶ء) فقیہ اعظم خواجہ محمد قاسم المشوری (۱۳۱۰ھ درگاہ مشوری شریف)

مفتی اعظم مولانا محمد صاحبداد خان جمالی ۱۹۶۵ء

☆ حضرتِ خواجہ غلام صدیق شہدادکوٹی ۔

☆ حضرتِ علامہ مفتی عبدالغفور ہمایونی ۱۹۱۸ء

☆ حضرتِ مخدوم حسن اللہ صدیقی ۱۹۲۰ء

☆ حضرت علامہ عبدالکریم درس ۱۳۴۴ھ

☆ حضرتِ علامہ ابوالفیض غلام عمر جتوئی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اُولٰئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (پ ۱۸۔ مجادلہ آیت ۲۲)

یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد کی۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ کا لازوال کارنامہ

از: مجاہد ملت شیخ حسین حلمی مدظلہ (استانبول)

مترجم: حسین علی نقشبندی (لاہور)

امام صاحب کا سب سے عظیم کارنامہ جس نے انہیں لازوال عظمت عطا کی یہ تھا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام کے قانونی نظام میں جو خلا پیدا ہوچکا تھا وہ حیران کن تھا۔

ایک طرف اسلامی حدود سندھ تک پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف اسپین تک تھیں اور بیسیوں قوموں کے رسوم ورواج اُن میں آچکے تھے۔ اندرونِ ملک مالیات کے مسائل، تجارت، زراعت، صنعت وحرفت، شادی و بیاہ کے مسائل دستوری، دیوانی، فوجداری، قواعد وضوابط روز بروز سامنے آرہے تھے۔ بیرون از ملک اقوام عالم سے بھی اس عظیم اسلامی سلطنت کے تعلقات تھے ان میں جنگ صلح سفارتی ضوابط، تجارتی لین دین، بحری، بری، اسفار، کسٹم وغیرہ کے مسائل درپیش تھے مسلمان چونکہ اپنا ایک مستقل نظریہ حیات اور بنیادی قانون رکھتے ہیں اس لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنے نظام قانون کے تحت ان بے شمار مسائل کو حل کراسکیں۔ اور حالت یہ تھی کہ کوئی مسلمہ آئینی ادارہ ایسا نہ تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد اہلِ علم اور فقیہ بیٹھ کر ان کا مستند حل پیش کرتے۔

اس صورت حال میں امام اعظم ابوحنیفہ نے حکومت سے بے نیاز ہوکر خود ایک غیر سرکاری مجلس واضع قانون (Private Legis Lature) قائم کی۔ یہ ہمت وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اپنی قابلیت کردار اور اخلاقی وقار پر پورا اعتماد حاصل ہو۔ حکومت وقت نے ان کی اس غیر سرکاری مجلسِ قانون سے پورا پورا استفادہ حاصل کیا۔

اِمام صاحب کے مدّونہ قوانین: امام صاحب کی کمال درجہ کی دانائی، دور اندیشی، مسلمانوں کے اجتماعی مزاج سے واقفیت، وقت اور حالات پر گہری نظر کے نتائج نصف صدی کے اندر ہی برآمد ہوگئے۔ اور ایک نجی اور مخلصانہ کوشش سے وہ خلا پر ہوگیا جو خلافتِ راشدہ کے بعد پیدا ہوچکا تھا۔

آنے والی ہر بڑی اسلامی سلطنت خواہ عباسیہ ہو، یا عثمانیہ ہو یا ہندوستان کے اندر مغل حکومت سب نے امام ابوحنیفہ کے مدونہ قوانین کو اپنی سلطنت میں رائج کیا۔ اس مجلس وضع قانون کے شرکاء امام صاحب کے اپنے شاگرد ہی تھے جن کو امام صاحب نے باقاعدہ قانونی مسائل پر سوچنے علمی طرز پر تحقیقات کرنے اور دلائل سے نتائج اخذ کرنے کی خصوصی تربیت دی تھی۔ یہ اراکین مجلس مختلف علوم کے خصوصی ماہر تھے مثلاً اگر ایک حدیث و تفسیر کا خاص ماہر ہے تو دوسرا صحابہ کے فتاویٰ اور قضاۃ کے نظائر کا وسیع عالم تھا۔ اسی طرح دیگر لُغت ادب تاریخ

دیر قیاس ورائے قانون ومغازی کے علوم میں درجہ اختصاص کے حامل تھے۔

اس مجلس کے اندر ۳۶ اراکین تھے ان میں ۲۸ قاضی ہونے کے لائق تھے۔ ۶ مفتی ۱۲ ایسے جو مفتی اور قاضی تیار کر سکتے تھے۔ (المکی ج ۲ ص ۱۳۳)

اس مجلس کا طریقہ کار یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش ہوتا، خدا اور خدا کے رسول کی تعلیمات ایمان واخلاص کو مدنظر رکھ کر اپنی مکمل صلاحیت کا اظہار کمال احتیاط سے کرتے، حتیٰ کہ بعض اوقات ایک مسئلہ پر بہت زیادہ وقت لگ جاتا۔ آخر میں جب ایک دو کے متفقہ طور پر رائے قرار پائی جاتی تو قاضی اول ابو یوسف کتب اُصول میں تحریر فرمادیتے۔ (المکی ج ۲ ص ۱۳۳)

صاحب فتاویٰ بزاریہ کا بیان ہے کہ تمام شاگرد دل کھول کر بحث کرتے امام صاحب توجہ سے ہر رکن کی تقریر سنتے آخر میں زیر بحث مسئلے پر جب امام صاحب تقریر فرماتے تو مجلس میں ایسا سکوت ہوتا جیسے کہ ان کے سوا کوئی موجود ہی نہ ہو آزادی رائے کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات فیصلہ امام صاحب کی رائے کے خلاف ہوتا۔ اور درج ہوتا اور اکثر مسائل پر فتاویٰ امام صاحب کے شاگردوں کے قول پر دیا جاتا۔

اور آج بھی دیا جاتا ہے۔ یہی فقہ حنفیہ ہے ظاہر ہے کہ فقہ حنفیہ امام صاحب کی ذاتی معلومات وفتاویٰ کا نام نہیں بلکہ دین حنیف کے قواعد وضوابط کا نام ہے۔ عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ تین دن تک مسلسل ایک مسئلہ پر بحث ہوئی اس کے تیسرے دن شام کو جب اللہ اکبر کی آواز اذان کے وقت بلند ہوئی تو پتا چلا کہ بحث ختم اور فیصلہ ہو گیا ہے۔ (المکی جلد ۲ ص ۵۲)

اس مجلس کے جملہ اخراجات امام ابوحنیفہ خود برداشت کیا کرتے تھے۔ صاحب قلائد عقود العقیان نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں جو مجموعہ مرتب کیا گیا تھا وہ انتہائی ضخیم اور عظیم تھا۔ اور اس میں ۱۲ لاکھ ۹۰ ہزار مسائل مدون تھے۔ شاید دنیا کی تمام کتب قوانین اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

ملتِ اسلامیہ آپ کے احسان کو فراموش نہیں کر سکتی۔ جس وقت آپ نے یزید ابن امر سے مشورہ کے لیے اجازت لی اور آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ وہاں پانچ یا چھ برس رہے وہاں سے آپ کو یہ ہدایت ملی کہ ابھی اگلی حکومت تک یہاں رہیں۔ پھر آپ واپس وطن لوٹے اس وقت بنوعباس کی حکومت تھی واپسی پر بھی آپ کو عراق کی عدالت عظمیٰ کے قاضی القضاۃ کے عہدہ کی پیش کش قبول کرنے کو کہا گیا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا لیکن خلیفہ منصور نے اس حد تک ان پر جبر کیا کہ آپ مجبوراً دار القضاۃ میں جا کر بیٹھے۔ اور ایک مقدمہ پیش ہوا۔ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اسی بناء پر آپ نے چند گھنٹوں کے بعد استعفیٰ دے دیا آپ کو قید خانہ میں ڈالا گیا اور آخری وقت ۱۵۰ ہجری (۷۶۸ء) میں آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا۔ آپ روزہ سے تھے آپ کو سو

کوڑے لگائے گئے آپ بے ہوش ہو گئے آپ نے ذرا سی ہوش سنبھالی تو آپ فوراً سجدہ میں گر پڑے۔ اور عالم سجدہ میں آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للّٰہ وانّا الیہ راجعون

آپ کے جنازہ میں ۵۰ ہزار آدمی شریک ہوئے مگر چونکہ اس جم غفیر کے لیے بیک وقت نماز جنازہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جگہ کی کمی تھی۔ لہذا ۶ مرتبہ بعد دوپہر تک جنازہ ہوتا رہا۔ آپ کے صاحبزادے کا نام بھی حماد تھا۔ اور آپ کے استاد مکرم کا نام بھی حماد تھا۔ آپ اپنے استاد کی اس حد تک عزت کرتے تھے کہ آپ نے کبھی ان کے مکان کی طرف پاؤں تک نہ کیے حالانکہ ان کے استاد کا دولت خانہ آپ کے گھر سے سات گلی دور کے فاصلہ تک تھا۔

امام ابن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم کی بے حد تعریف کی آپ نے فرمایا کہ جب کبھی مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوا میں نے فوراً آپ کی قبر پر جا کر ۲ رکعت نماز نفل ادا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے میری حاجت پوری فرمائی آپ کی قبر کافی عرصہ تک بغیر کسی تزئین کے رہی بالآخر ۹۵۹ ہجری میں سلطنتِ عثمانیہ کے عہد میں آپ کے روضہ کی تزئین ہوئی۔

آپ نے دورانِ حیات فرائض اور شروح پر کافی کتب لکھی ہیں اور ان کی تصدیق پر بھی کئی کتب لکھی جا چکی ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے کئی مجتہد تھے۔

عثمانیہ عہد کے اندر فقہ حنفیہ دور دراز تک پھیلا۔ اور یہ فقہ اس وقت کا سرکاری مذہب تھا۔ اور آج بھی عالم اسلام کے اندر نصف سے زیادہ مسلمان حضرات اسی مذہب حنفی کے پیروکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰانِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (پ ۸، الانعام آیت ۱۶۱)

ترجمہ: تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی۔ ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرک نہ تھے۔

آپ اس آیتِ مبارکہ کو غور سے سمجھئے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مضبوط دین دینِ ابراہیم ہی ہے اور اس بارے میں وہ کسی کو شریک لانے والا ہی نہ سمجھتے تھے۔

آپ کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے اندر ایک ایسا انسان پیدا ہوگا جس کا چہرہ روز حشر کو منور ہوگا ان کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی اور جن کا نام نعمان بن ثابت ہوگا۔ اور آپ کو ابوحنیفہ کہا جائے گا۔ وہ اللہ کے دین اور میری سنت کو آگے چلائے گا۔ میری امت میں سے ہر صدی میں اولیاء پیدا ہوا

کریں گے اور ان میں سے ہر صدی کے اندر ایک مجدد بھی ہوا کرے گا۔ ان میں سے ابوحنیفہ زیادہ درجوں کا مالک ہوگا دیکھئے کتاب۔ ''ہدایت موضوعات العلوم''

اُس کتاب کے اندر یہ بھی درج ہے کہ میری امت میں سے ایک ایسا انسان پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک خوبصورت سا نشان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کو چن لے گا اور تجدید اسلام ان کے ہاتھ سے کروائے گا۔

آپ کے بارے میں جناب علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا تھا۔

آؤ میں تم کو ایک انسان کے متعلق بتاؤں جن کا نام ابوحنیفہ ہے اور وہ کوفہ میں پیدا ہوں گے ان کا دل اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہوگا۔

اور وہ علم الحکمت دین کے بے پناہ عالم ہو نگے۔ امام شافعی نے فرمایا آپ تو آپ آپ کے بچے بھی علم فقہ کے ماہر ہیں اور وہ بھی آپ کے پیروکار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے روضہ کی ہر روز زیارت کرتا ہوں اور ۲ رکعت نماز ادا کر کے کسی بھی مشکل کے لیے وہاں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔

(The Sunny path Turky)

☆☆☆☆☆

اسباب شہادت

از: پروفیسر فیاض احمد کاوش، مرحوم (میرپور خاص)

مروان کا خونخوار گورنر ''ابن ہبیرہ'' مارے غصہ کے جہنم کی طرح بھڑک رہا تھا۔ فقیہ اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حکومت کے پیش کردہ ''عہدہ قضا'' کی قبولیت سے انکار کر کے وقت کے قاہر و جابر حکمران کی آتش غیظ و غضب کو ہوا دی تھی اور طیش میں آ کر سر دربار قسمیں کھا کھا کر اعلان کر رہا تھا:

''اگر اس خدمت کو اس نے قبول نہ کیا تو میں اس کے سر پر کوڑے مار کر رہوں گا۔'' (مناقب موفق ص ۲۲)

سننے والے دہشت سے کانپ رہے تھے! امیر نے قسم کھائی ہے اب یہ ظالم وہ سب کچھ کر گزرے گا جس کا اعلان کر رہا ہے!۔ ابن ہبیرہ کی اس ہولناک قسم کی خبر جب امام کو پہنچائی گئی تو لوگ خیال کرتے تھے کہ اس دہشت ناک خبر سے امام پر رعشہ طاری ہو جائے گا۔ مگر خلاف توقع یہ بات دیکھ کر لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ امام صاحب بڑے اطمینان سے فرما رہے تھے:

''دنیا میں اس کے مار لینے کو میں آخرت کے آہنی گرزوں کی مار سے آسان خیال کرتا ہوں۔''

اس کے بعد (رب تعالیٰ کی شان جبروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے) امام صاحب نے بھی (باطل کے مقابلہ میں) قسم کھائی اور بالکل اسی انداز سے قسم کھائی جس طرح ''ابن ہبیرہ'' اپنی گورنری کے گھمنڈ میں قسم کھا چکا تھا' چنانچہ امام وقت جو دین کے نشہ سے سرشار تھے' اپنے مولا پر ناز کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

خدا کی قسم خواہ مجھے ''ابن ہبیرہ'' قتل ہی کیوں نہ کر دے مگر یہ کام ہرگز نہ کرونگا۔''

امام کے سامنے تو آخرت تھی' وہ اپنے نور بصیرت سے آخرت کے آہنی گرزوں کی چمک دیکھ رہے تھے پھر بھلا وہ ابن ہبیرہ کے تازیانوں کی کیا پرواہ کرتے!

امام کی اس جوابی قسم کی خبر جب ابن ہبیرہ کو پہنچائی گئی تو مارے غصے کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا' پیچ و تاب کھاتے ہوئے رعد کی طرح گرجا:

''اب اس کا درجہ اتنا بلند ہو گیا ہے کہ میری قسم کا مقابلہ وہ اپنی قسم سے کرتا ہے۔''

ابن ہبیرہ کا دماغ تو آسمان پر تھا' مارے غرور کے وہ زمین پر پیر نہ رکھتا تھا کیونکہ وہ اپنے آقا مروان کے بعد اپنے آپکو کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں سے بلندتر سمجھتا تھا۔ امام کی قسم جب اس کے فرعونی تکبر کے بے وزن ستون گرانے لگی تو وہ اپنی جھوٹی بلندی کو قائم رکھنے کے لئے امام کے نورانی وجود کی خوبصورت عمارت کو ڈھانے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن قدرت مسکرا رہی تھی! وہ اس شخص سے پنجہ کشی کرنے چلا تھا جس کی یاد کا قیامت تک کے لئے کروڑ ہا کروڑ

انسانوں کے قلوب میں جاگزیں ہونا مقدر ہو چکا تھا۔!

بہر حال ابن ہبیرہ کے نہ ٹوٹنے والے پندار پر یہ ایسی چوٹ تھی کہ وہ تلملا اٹھا اور چیخ کر حکم دیا کہ۔

"امام کو فوراً حاضر کیا جائے۔"

سپاہی دوڑ پڑے۔ تھوڑی ہی دیر بعد امام صاحب "ابن ہبیرہ" کے روبرو کھڑے تھے...... اور وہ ان کے منہ پر قسم کھا کھا کر کہہ رہا تھا کہ:۔

"اگر اس نے حکومت کی خدمت قبول نہ کی تو اس کے سر پر اس وقت تک کوڑے برسائے جائیں گے جب تک کہ اس کا دم نہ نکل جائے۔"

ابن ہبیرہ جہنم کے عفریت کی طرح شعلے اگل رہا تھا مگر امام صبر و شکر کے "بحر الکاہل" بنے ہوئے تھے ان کے پائے استقلال میں ذرا سی لرزش بھی پیدا نہ ہوئی۔

جب ابن ہبیرہ نے اپنے وقتی اختیارات کی وسعتوں کو امام صاحب کی موت تک پہنچادیا تو امام صاحب نے بھی پلٹ کر ابن ہبیرہ کے اقتدار کے منہ پر اپنی راست گوئی کی ایسی ضرب لگائی کہ ابن ہبیرہ بلبلا اٹھا' چنانچہ امام نے شان بے نیازی سے فرمایا:۔

"مرنا صرف ایک بار ہے۔"

ابن ہبیرہ کو بھلا اس سے قبل کا ہے کو اس قسم کے سنگین جواب کا تجربہ ہوا تھا...... آپے سے باہر ہو کر چیخ پڑا۔

"جلواز! جلواز (تازیانہ بدست جلاد) فوراً "جلواز" دوڑ پڑے۔

اس شخص کے سر پر مسلسل بیس کوڑے مارے جائیں! فرعون صفت ابن ہبیرہ نے حکم دیا۔

امام کا سر کھلا ہوا تھا اور...... ایک...... دو...... تین...... کوڑے تھے جو پے در پے اس مقدس سر پر پڑ رہے تھے جس میں صرف ایک اللہ کی بڑائی سما گئی تھی اور کسی بھی فرعون وقت کی بڑائی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہی تھی! کوڑے کھاتے رہے اور خاموش کھڑے رہے' آخر کار یہ تاریخی جملے امام صاحب کی زبان حق ترجمان پر رقص کرنے لگے:

"یاد رکھ! (ابن ہبیرہ) ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے تو بھی کھڑا کیا جائیگا اور تیرے سامنے جس قدر آج میں ذلیل کیا جارہا ہوں اس سے کہیں زیادہ ذلت کے ساتھ تو خدا کے دربار میں پیش کیا جائے گا۔"

ابن ہبیرہ! تو مجھے دھمکاتا ہے حالانکہ میں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھنے والا ہوں۔"

آپ کو قید خانہ میں محبوس کیا گیا۔ رات کو خواب میں ابن ہبیرہ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اسکو فرمایا کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ تو میری امت کے ایسے شخص کو مارتا ہے جھڑکتا ہے جو بے گناہ ہے پس اس

نے آپکو رہا کر دیا۔

اس کے بعد آپ منصور عباسی کے زمانہ میں پھر اسی بات پر مسئول ہوئے۔ منصور نے قضاء کا منصب پیش کیا آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:۔

"مجھ میں عہدۂ قضا کی بجا آوری کی صلاحیت نہیں۔" (مناقب موفق ج ا ص ۱۷۰)

اس کھرے جواب پر منصور بھڑک اٹھا اور امام پر غلط بیانی کا الزام لگایا:۔

"تم جھوٹ بولتے ہو!" (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۰)

یہ سن کر امام صاحب بھی کب چوکنے والے تھے' مشہور ہے کہ جواب دینے میں امام صاحب کا جواب نہ تھا' لہٰذا امام صاحب نے اپنی خداداد ذہانت کا فوراً مظاہرہ کرتے ہوئے جوابی الزام لگایا کہ:

"لیجئے! اپنے خلاف آپ نے خود ہی جواب دے دیا۔ اب آپ کے لئے کیا یہ جائز ہے کہ اس شخص کو قاضی بنائیں جو جھوٹا اور کذاب ہو۔"

منصور تو امام صاحب کے پہلے ہی جواب سے بھپر چکا تھا' اس جواب الجواب سے تو اسکی عقلمندی کی رسوائی اور ذہنی شکست کا اعلان ہو رہا تھا لہٰذا مشتعل ہو کر بولا: "منصور قسم کھا بیٹھا ہے کہ اب تو تمہیں قضاء کا عہدہ قبول کرنا ہی پڑے گا۔" (تاریخ بغداد: بحوالہ بشر بن الولید الکندی)

پھر مطلق العنان حکمران کے منہ پر مجبور ناتواں امام نے جوابی قسم کھاتے ہو فرمایا:۔ کہ خدا کی قسم میں یہ (عہدہ) ہرگز قبول نہیں کروں گا۔"

واللہ! شوکت اسلام کے کیا تیور ہیں؟ غیرت ایمانی کا کیسا مظاہرہ ہے! حریت پسند فطرت کی یہ جراءت مندی دیکھ کر لوگ حیران تھے! آخر بر سر دربار امام کی یہ جسارت دیکھ کر منصور کے حاجب ربیع سے خاموش نہ رہا گیا غصہ سے بولا:

"ابوحنیفہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ امیرالمؤمنین کی قسم کے مقابلے میں قسم کھا رہے ہو!"

لیکن ابوحنیفہ اب ابوحنیفہ کب رہے تھے وہ تو محبوب خیرالانام بنتے جا رہے تھے۔ چنانچہ اسی طمطراق کے ساتھ ربیع کو جھڑکتے ہوئے ایک اور چوکا لگایا: "امیرالمؤمنین تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے میں مجھ سے زیادہ قادر ہیں۔"

اب تو منصور قطعی آپے سے باہر ہو چکا تھا اس کے بعد وہی ہوا جس کا خطرہ بہت پہلے سے لاحق ہو چکا تھا۔ غصہ سے پھنکارتے ہوئے پہلے تو منصور نے اقتدار کے نشے میں امام صاحب کو خوب برا بھلا کہا۔ جب اس سے دل کی بھڑاس پورے طور پر نہ نکلی تو کوڑا طلب کیا اور امام صاحب کے نحیف و نزار جسم پر اپنے مضبوط ہاتھوں سے کوڑے برسانے لگا آخر تھک گیا' مگر امام صاحب نے اللہ کی رسی اس مضبوطی سے تھامی تھی کہ اُف تک نہ کی امام جیسی مقدس ہستی اور وہ بھی عمر کے اس حصہ میں جبکہ امام کی عمر ستر سال کے قریب پہنچ چکی تھی' خلیفہ منصور کا یہ انتہائی ناروا سلوک اس کی ظالمانہ فطرت کا

ثبوت دے رہا تھا' اور اسکی بے رحم طبیعت کا صاف صاف اعلان کر رہا تھا۔

اس کے بعد دیکھنے والوں نے مشرق و مغرب کے امام کو منصور کے دربار سے اس حال میں نکلتے دیکھا کہ پشت مبارک ننگی تھی' بدن پر صرف شلوار تھی اور ایڑیوں پر خون بہہ رہا تھا۔ (عبدالعزیز بن عصام کی چشم دید شہادت' بحوالہ حضرت برہان الدین مرغینانی۔ موفق)

ہائے علم کی یہ توہین اور جید عالم پر یہ تشدد! اے دنیا تجھ پر تف ہے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اے آسمان! تو ٹوٹ کیوں نہ پڑا؟ اے زمین! تو پھٹ کیوں نہ گئی؟ لیکن چشم گردوں نے ابھی تو بہت کچھ دیکھنا تھا۔ اس حال میں منصور نے امام کو جیل بھیج دینے کے بعد جیلر (Jailer) کو یہ حکم دیا کہ

''امام پر سختی کی جائے اور خوب تنگ کیا جائے'' (مناقب موفق ص ۱۷۳)

چنانچہ: امام کے کھانے پینے پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں سختی اختیار کی گئی۔ (موفق ج ۲ ص ۱۷۴)

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ وہ کوئی عادی مجرم' چور' ڈاکو' غنڈے تو نہ تھے امام صاحب کی زندگی تو علمی زندگی تھی اور پھر ضعیفی بھی ستر سال کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اس پر منصور کا یہ ظلم و ستم توڑنا کہ غصہ کے عالم میں ایک دو نہیں لگاتار تیس تیس کوڑے امام کے نحیف و نزار جسم پر برسائے گئے اور پھر ستم بالائے ستم یہ قید و بند کی صعوبتیں اور کھانے پینے کی اذیتیں بھی حتی المقدور پہنچائی گئیں۔ ان خستہ و خراب حالات میں اگر زہر نہ بھی دیا گیا ہوتا تو ان سختیوں ہی سے امام کی زندگی کا خاتمہ ہو جانا یقینی معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں منصور کے مسلسل تشدد سے بیزار ہو کر امام صاحب آخر میں رو رو کر اپنے رب کے حضور ''بہت زیادہ دعا کرنے لگے'' (موفق ج ۲ ص ۱۸۲)

ہائے خدا معلوم کس قسم کی دعا کرتے ہوں گے؟

ابو جعفر منصور نے متعدد بار آپ کو جیل سے نکلوا کر لالچ اور تہدید کے ذریعہ سمجھانا چاہا مگر ہر دفعہ ناکام ہو کر دوبارہ جیل بھیج دیا گیا۔ کئی عرصہ کوڑوں سے پیٹا جاتا رہا اور بالآخر زہر کا پیالہ دے دیا گیا۔ (ابن خلکان' تاریخ الخلفاء)

منصور نے آپ کو ستو پینے کا حکم دیا۔ آپ نے انکار کیا' اس نے جبراً آپ کو پلائے' آپ اٹھ کھڑے ہوئے منصور نے پوچھا کہاں چلے ہو؟ فرمایا اپنے دوست کی طرف یعنی موت کی طرف' کیونکہ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ مجھے زہر پلایا گیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق جب آپ کو زہر کا پیالہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے قتل میں کیسے مدد کر سکتا ہوں' چنانچہ آپ کو لٹا کر زبردستی منہ میں زہر انڈیل دیا گیا۔ (مقدمہ ہدایہ مولانا عبدالحی لکھنوی)

جس وقت زہر جسم میں سرایت کر گیا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور اسی حالت میں انتقال فرمایا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

سوچنے کی بات ہے کیا منصب قضا سے انکار ایسا جرم تھا جس کی سزا قتل ہوتی' اور قتل بھی ایسے دردناک طریقے پر؟ جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی سارا بغداد گھر سے باہر نکل آیا اور چیخ چیخ کر رونے لگا۔ ایک بغداد ہی کیا بلکہ سارا عالم اسلام رونے لگا چنانچہ ابو رجاء الہروی کا بیان ہے کہ۔

''اتنے زیادہ آدمیوں کو میں نے روتے کبھی نہیں دیکھا'' (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۲)

امام احمد بن حنبل جو خود راہ استقامت کے کوہ گراں تھے' جب کبھی امام ابوحنیفہ کے ان شدائد کا تذکرہ فرماتے تو رو پڑتے۔

خیر! امام اعظم اس فانی دنیا کو چھوڑ گئے لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت کونین کی سب سے بڑی دولت اپنے گھر چھوڑ گئے یعنی ان کی ذاتی ملکیت سے۔

اور نہ پایا لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے گھر میں کچھ سوائے قرآن پاک کے ایک نسخہ کے'' (موافق ج ۲ ص ۱۸۱)

آپ نے ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کو حسن بن عمارہ قاضی بغداد نے غسل دیا اور عبداللہ بن واقد الہروی پانی ڈالتے رہے۔

حضرت حسن بن عمارہ آپ کو نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے واللہ تم سب سے بڑے فقیہ' بڑے عابد' بڑے زاہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچیں۔

(جواہر البیان ترجمہ خیرات الحسان)

نماز جنازہ میں پہلی مرتبہ پچاس ہزار افراد نے شرکت کی لیکن لوگوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی آخری مرتبہ نماز جنازہ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ آپ کے فرزند نے پڑھی۔ خلیفہ منصور نے قبر پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ (امام ابوحنیفہ، ابو زہرہ ص ۹۶)

مورخ خطیب کہتے ہیں کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھتے رہے جس سے ظاہر ہے کہ خواص و عوام میں آپ کی کتنی مقبولیت تھی۔

☆☆☆☆☆

حاضر ہوا میں امامِ اعظم کی لحد پر

از: مولانا صاحبزادہ محب اللہ نوری بصیر پوری

بغداد میں ایک رات عشاء کی نماز ادا کر کے لوگ مسجد سے نکل رہے تھے کہ ہم آستانہ عالیہ امام اعظم میں داخل ہوئے سب سے پہلے نماز کے لیے مسجد کا رخ کیا۔ مسجد میں خاصی رونق تھی کچھ لوگ سنتیں اور وتر ادا کرنے میں مصروف تھے ہم نے اپنی جماعت کروائی۔ مسجد نہایت وسیع و عریض اور دیدہ زیب ہے۔ منقش دیواریں خوبصورت اور دبیز قالین اور رنگا رنگ بلبوں اور قمقموں سے مزین جھاڑ فانوس، غرض رنگ و نور کا ایک حسین منظر نگاہیں خیرہ کیے دیتا تھا۔ مسجد کے کئی گوشے ہیں اور ہر گوشہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہے خصوصاً محراب و منبر تو حسن، نزاکت اور کاری گری کے شاہکار نمونے ہیں۔ منبر کی اکیس سیڑھیاں ہیں۔ جن کے سرے بہت خوب صورت گنبد ہے۔ جس میں مرکری بلب لٹک رہے ہیں جس سے یہ سارا منظر اور بھی دل کش دکھائی دیتا ہے۔ مسجد مکمل ائر کنڈیشنڈ ہے اور اس میں ہزاروں افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس مبارک مسجد میں اس سے پہلے کی حاضریوں میں اور اب کے بھی کئی نمازیں ادا کرنے کا موقع میسر آیا اور ہر دفعہ ایک نئی لذت اور روحانی کیفیت محسوس کی یقیناً یہ امام اعظم قدس سرہ العزیز کے قرب و روحانیت کی تاثیر ہے۔

مزار پرانوار: مسجد کے ایک گوشے میں تاجدار فقاہت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔ ایک دروازہ مسجد کی طرف سے جب کہ دوسرا پاگلی کی جانب سے کھلتا ہے ہم اسی دروازہ سے داخل ہوئے اندر بارہ دری ہے جسے مسجد ہی کی طرح قالینوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ آگے دروازہ ہے' جس پر تحریر ہے۔ "العلماء ورثة الانبياء" دروازہ سے گزرتے ہی سامنے اس محبوب ہستی کے مزار پرانوار کی نورانی جالیاں اور فردوس نگاہ ہوتی ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے جملہ فقہاء و علماء اور آئمہ مذاہب جن کے محتاج ہیں شاہانِ عالم اور اساطین فن کی گردنیں ان کی بارگاہ والا جاہ میں خمیدہ ہیں آدھی سے زیادہ جنہیں اپنا مقتداء گردانتی اور اسی نسبت سے حنفی کہلاتی ہیں کی سطوت و عظمت کا یہ عالم کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم محدث اور دنیا کے ایک تہائی مسلمانوں کے امام و مقتداء آپ کی قبر اطہر پر حاضر ہوتے تو اپنے مذہب کے برعکس امام اعظم کے احترام میں نماز فجر میں نہ قنوت پڑھتے ہیں اور نہ ہی بلند آواز سے تسمیہ پڑھتے۔ (الخیرات الحسان از ابن حجر ہیتمی شافعی ص ۹۳)

قضائے حاجات: یہی وہ مزار مبارک ہے جو قضائے حاجات کے لیے مجرب ہے' چنانچہ خطیب بغدادی شافعی اپنی سند کے ساتھ امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں' کہ "میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے برکت حاصل کرنے کے لیے روزانہ آپ کے مزار مبارک پر حاضری دیتا ہوں اور میرا معمول ہے کہ جب کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو آپ کی قبر انور پر حاضر ہو کر دو رکعت نفل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیا کرتا ہوں تو فوراً مشکل حل ہو جاتی ہے۔

امام اعظم کے روضۂ انور کے باہر خوبصورت منقش گنبد ہے اندرونی حصہ اور دیواروں پر انتہائی قرینہ سے آئینہ بندی کی گئی ہے' جن پر فانوس اور مرکری بلبلوں کی روشنی پڑتی ہے' تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں' سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی طرح آپ کے مزار مبارک کی جالی مبارک بھی خالص چاندی سے بنی ہوئی ہے' منقش اور نہایت دیدہ زیب ہے۔ جالی کے اندر شیشے کی دیوار ہے' جس سے قبر مبارک کا بلند و بالا تعویذ صاف دکھائی دیتا ہے' اور اس پر رنگ برنگی چادریں چڑھی ہوئی ہیں۔ روحانیت و علمیت کے کوہ گراں اور ملت اسلامیہ کے رجل عظیم کی بارگاہ میں لرزتے کانپتے حاضر ہوئے' سلام عرض کرنے کے لیے ابھی **السلام عليك يا امامنا الامام الاعظم** کے الفاظ زبان سے نکلے تھے کہ یوں محسوس ہوا جیسے رحمت و نور اور برکت و سرور کے ایک ہالے نے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔ جیسے شفیق ماں نے آغوشِ محبت میں چھپا لیا ہو' واقعی اپنے امام کے حضور حاضر ہو کر بے حد اپنائیت کا احساس ہوا' یہاں کا ماحول پرسکون' روح پرور اور نور سے معمور کیوں نہ ہو جب کہ اس جگہ وہ ہستی آسودہ خواب ہے جو فقہ و شریعت ہی کی نہیں طریقت و حقیقت کی بھی امام ہے۔ اور جہاں آپ آسودہ خواب ہیں ٹھیک اسی مقام پر آپ نے حیات ظاہری میں سات ہزار قرآن کریم ختم کیے تھے' انوار و تجلیات کی اس ملکوتی فضا میں سلام و فاتحہ خوانی کے بعد بارگاہ خداوندی میں دعا کی کہ مولیٰ ان کے صدقے ہمیں بھی علم و عمل' معرفت و روحانیت اور تقویٰ و طہارت کی دولت سے مالا مال فرما۔ دین کا حقیقی فہم' فقہ و بصیرت' ایمان کی سلامتی اور ہمت و استقامت عطا فرما آمین۔

دوسرا دن: الحمدللہ دوسرے دن پھر عشاء کی نماز ہم نے جامع الامام الاعظم میں ادا کی' نماز سے فارغ ہو کر خطیب صاحب (عزت مآب الشیخ عبدالغفور طہ القیسی نائب چانسلر صدام یونیورسٹی ممبر پارلیمنٹ) نے پہلے تو ہمیں قہوہ پلایا' پھر ساتھ لے کر دربار عالیہ پر حاضری دی' ہمارے ایک شریک سفر محترم اویس صاحب نے چادر پیش کی' خطیب صاحب نے سیڑھی منگوا کر اپنے احباب کی وساطت سے جالی مبارکہ کے اوپر چادر چڑھا دی پھر فاتحہ خوانی اور دعا ہوئی اس اثناء میں مزید چند عرب نوجوان بھی آ گئے۔ خطیب صاحب نے خود ہی نعت خوانی کی دیگر عرب ساتھی ان کی معاونت کر رہے تھے' اور بعض اشعار میں ہم بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ نعت خوانی کے بعد بتیاں بجھا دیں گئیں اور کلمہ طیبہ اور اسم جلالت کا ذکر ہوا۔ خلوت شبانہ میں امام طریقت و معرفت اور مجسمہ تقویٰ و طہارت ہستی کی بارگاہ میں ذکر الٰہی نے ایک سماں باندھ دیا۔ دلوں کے زنگ اترے اور آنسوؤں کی شکل میں گناہ بہہ رہے تھے۔ ذکر کے بعد درد و سوز اور اسی رقت انگیز کیفیت میں دعا ہوئی اور جب روضہ مبارکہ سے باہر نکلے تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔ اور دل اس احساس سے سرشار تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صدقے ہمارے حال پر کرم فرمائے اور انشاء اللہ تعالیٰ

بداں را بہ نیکا بہ بخشد کریم

آخر صحبت کا رنگ اور "جمال ہم نشیں" کی بھی تو کوئی تاثیر ہوتی ہے۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی برکت سے ان کا ہم نشیں محروم سعادت نہیں رہ سکتا۔" (از۔ سفر محبت)

امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی احترام انسانیت کے ضمن میں خدمات

از: علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب (لاہور)

اسلامی احکام ونظام کی غرض وغایت ہی احترامِ انسانیت ہے کیونکہ تمام شرعی احکام کا مدار انسان کا نفع ونقصان ہے۔ انسان کے لیے ہر مصلحت شرعاً مطلوب اور اس کے لیے مضرت شرعاً ممنوع قرار دی گئی ہے اسی لیے کائنات کی ہر مفید چیز انسان کے لیے مباح ہے اور ہر مضر چیز اس کے لیے محذور، گویا کائنات کا وجود صرف انسان کے لیے ہے اور تمام مخلوق اس کے تابع اور ظاہر ہے کہ متبوع ہمیشہ تابع سے افضل واکرام ہوا کرتا ہے۔ خالق کائنات کے ارشاد "خلق لکم ما فی الارض جمیعا " میں اسی حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے۔

انسان کو کرامت وشرافت کی بنا پر ہی مکلفِ عبادت قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر حاصل کائنات بنایا ہے۔ یہ پوری کائنات کا مجموعہ ایک جہاں ہے اور یہ جسمانی طور پر جمادات سے لے کر حیوانات تک مخلوق کا جامع ہے اور روحانی طور پر مجردات کا تشخص ہے جب پوری کائنات کا خلاصہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت سے سرشار ہو کر سربسجود ہوگا تو گویا پوری کائنات اپنے خالق ومالک کی مطیع وفرمانبردار قرار پائے گی اور یوں انسان کے ایک سجدہ کے ساتھ تمام مخلوق اپنے خالق ومالک کے سامنے سجدہ ریز ہوگی۔ غرض یہ کہ ایک طرف کائنات میں تصرف کے لیے خالق نے انسان کو تاج خلافت سے نواز کر مکرم فرمایا تو دوسری طرف مخلوق نے اپنی مملوکیت کے اظہار میں اپنا قائد بنا کر انسان کو محترم قرار دیا۔

ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر و البحر ورزقناھم من الطیبت وفضلنھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا (پ ۱۵، بنی اسرائیل آیت ۷۰)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔

فرما کر اللہ تعالیٰ نے انسانی کرامت کو واضح فرمایا تو دوسری طرف "انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان "۔
(پ ۲۲، الاحزاب، آیت ۷۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس

کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی۔

فرما کر انسان کو کائنات کا محترم قرار دیا ہے۔

فقہاءِ کرام کا اتفاق ہے کہ اسلامی احکام کا محور صرف پانچ امور ہیں انسان کا نفس، دین، مال، نسل، اور اس کی عقل چونکہ انسان کی حیات اور اس کی بقاء کا مدار یہ پانچ چیزیں ہیں اس لیے ان پانچ امور کے مصالح اور مفاسد کا حصول اور رفع ہی مقاصدِ احکام قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا فقہاء کرام نے اسلامی احکام کے انہی مقاصد اور مصالح کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور اجتہاد کے ذریعہ انہوں نے انسانی عظمت وکرامت کا تحفظ فرمایا ہے اسی بنیاد پر انہوں نے انسانی اعضاء واجزاء کا تبذل واستعمال اور ان کی خرید وفروخت کو ممنوع اور باطل قرار دیا کیونکہ انسان کی طرح اس کے اجزاء بھی شرعاً مکرم ومحترم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خلق لکم ما فی الارض جمیعا" فرما کر جس طرح کرامت انسانی کو باقی مخلوقات سے محفوظ فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ فرما کر انسانی کرامت کو خود انسان سے بھی محفوظ فرما دیا ہے۔ اسی لیے کوئی کٹا ہوا انسانی جز یا عضو بھی کسی انسان کے لیے استعمال کرنا انسانیت کی تحقیر وتذلیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے امان میں نقب زنی ہے اور شرعاً اس کے حکم کی پامالی ہے لہٰذا آنکھ جیسا معزز عضو تو درکنار انسان کے کٹے ہوئے بال اور ناخن تک کو بھی استعمال میں لانا فقہاء کرام نے حرام قرار دیا ہے، انسانی احترام کے پیش نظر کٹے ہوئے بالوں اور ناخنوں کو فقہاء کرام نے دفن کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

انسانی قدروں کے تحفظ میں فقہاء کرام نے سنہری باب قائم فرمائے لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسانی احترام کو ہی اپنے اجتہاد کی بنیاد قرار دیا ہے انہوں نے تمام اجتہادی مسائل میں خواہ ان کا تعلق انسان کے وضعی امور سے ہو یا فطری امور سے، ان سب میں انہوں نے انسانی احترام کو پیش نظر رکھتے ہوئے منفرد موقف اختیار فرمایا بلکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصول فقہ کی تعریف میں ہی انسانی نفس کے مفاد اور ضرر کی معرفت کو شامل فرمایا ہے۔ انہوں نے اصول فقہ کی تعریف یوں فرمائی ہے" معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا "یعنی انسان کے لیے مفید اور مضر امور کو پہچاننے کا نام اصول فقہ ہے یہاں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احترام انسانیت کے بارے میں مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

عرف وتعامل الناس: اسی لیے امام اعظم نے انسان کے قول وفعل کو ایک حد تک قانوناً

تحفظ دیتے ہوئے عرف اور تعامل الناس کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا تا کہ انسانی احترام کے پیش نظر ان کے وضع کردہ امور کو مہمل ہونے سے بچایا جا سکے یہی وجہ ہے کہ حنفی اصولوں کے تحت حلال وحرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے حتی الامکان عامۃ الناس کے معاملات کو درست قرار دیا گیا ہے بلکہ ان امور میں اس وقت تک عوام کی موافقت کی جائے گی، جب تک ان کی ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو۔

عرف وتعامل کے اعتبار سے جہاں احناف کے ہاں بہت سے معاشرتی مسائل حل ہوتے ہیں وہاں اس سے انسانی قدروں کے احترام کا بھی اظہار ہوتا ہے، کیونکہ اس سے انسان من حیث الانسان مسلمان ہو یا کافر، عالم ہو یا جاہل کے قول وفعل کو ایک طرح سے قانون اور مجموعی طور پر انسانی معاشرہ کو ایک طرح سے مقنن کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

شخصی آزادی: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے احترام انسانیت کی بنا پر شخصی آزادی کو انتہائی اہمیت دی ہے اور انہوں نے ہر پہلو شخصی آزادی کا تحفظ فرمایا ہے اور کسی طاقت کی مداخلت کی بجائے، آپ شخصیت سازی میں اخلاقی احساسات کو اجاگر کرنے کے قائل تھے تا کہ قانونی جبر کی بنا پر انسانی قدریں پامال نہ ہوں۔

ولایت نفس: انسان کے اکرام واحترام کے طور پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ولائت نفس کی بے مثال پاسداری فرمائی اسی لیے ان کے ہاں عاقلہ وبالغہ لڑکی کو اپنا نکاح کرنے کا خود اختیار ہے۔ اور اسی طرح آپ نے شادی شدہ لونڈی کے آزاد ہونے پر اس کو وسیع اختیار دیا ہے کہ وہ غلامی کے دور میں مالک کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کر سکتی ہے خواہ اس کا خاوند حر ہو یا عبد ہو

چونکہ معیار ولایت حاصل ہونے کے بعد انسان فطری طور پر اپنے ذاتی معاملات میں دوسرے کی مداخلت کو ہتک نفس قرار دیتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ احترام نفس کے طور پر اس کی ولائت کو تسلیم کیا جائے۔

تحفظ حقوق نفس: حنفی فقہ میں تحفظ حقوق کا مسئلہ نہایت اہم ہے، اس بناء پر حنفی قانون میں فقہ قضا علی الغائب کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تا کہ غیر حاضر شخص کے حقوق کو پامال ہونے سے محفوظ کیا جا سکے۔ اس طرح حقوق زوجیت کا تحفظ فرماتے ہوئے آپ نے نکاح کے لیے بنیادی مقاصد کے حصول کے امکان تک کسی حاکم یا قاضی کو حقوق زوجیت میں مداخلت کی اجازت نہیں دی حتی کہ آپ نے

مفقود الخبر کے حقوق نکاح کو اس وقت تک محفوظ قرار دیا جب تک اس کی زندگی کے عادی امکانات موجود ہیں۔ یوں ہی مدبر، مکاتب اور ام ولد کی بیع کو بھی آپ نے اس لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ اس سے ان لوگوں کا استحقاق مجروح ہوتا ہے۔

کیونکہ ان کو مالک کی طرف سے استحقاق حق حاصل ہو چکا ہے جس کو اب مالک کالعدم نہیں کر سکتا۔ اور یوں ہی اگر وصیت کے ذریعہ متعدد غلاموں کو مجموعی آزادی کا حق ملتا ہو تو آپ کے موقف میں وہ سب آزاد قرار دیے جائیں گے۔ اگر چہ ان سب کی قیمت وصیت کرنے والے کے ترکے کے ثلث سے زائد ہو لیکن زائد ہونے کی صورت میں ہر ایک غلام کو اپنے حصہ کی زائد رقم ورثا کو ادا کرنی ہوگی۔ چونکہ طبعی طور پر انسان اپنے حقوق کی پائمالی کو برداشت نہیں کرتا اور اس کو عزت نفس کے منافی جانتا ہے اس لیے تحفظ حقوق سے متعلق امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ منفرد فیصلے انسانی احترام کی اعلیٰ پاسداری ہے۔

ملکیت میں تصرف: اپنی ملکیت میں تصرف کی آزادی بھی حنفی فقہ کی خصوصیت ہے مثلاً جب کوئی لڑکا سن بلوغ میں کامل ہو جانے کے باوجود فضول خرچی سے باز نہیں آتا تو اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس لڑکے کو اپنے مال کے تصرف سے محروم و مجور قرار دے۔ اس طرح آپ نے دیوالیہ مقروض شخص کو بھی اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے محروم کرنے کا اختیار قاضی کو نہیں دیا۔ چونکہ اپنی ملکیت میں تصرف کی آزادی میں غیر کی مداخلت فطری طور پر انسانی حمیت کے لیے چیلنج قرار دی جاتی ہے اس لیے انسانی وقار اور اس کی غیرت کا تحفظ فرماتے ہوئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصرف کی آزادی کو احترام انسانیت کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔

فکری آزادی: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حریت فکر کے زبردست حامی تھے ان کا موقف تھا کہ صاحب فکر انسان کا آزاد رہنا ضروری ہے تا کہ وہ صحیح سوچ وفکر میں آزاد منش رہ سکے اس لیے آپ نے سرکاری ملازمت کو ممنوع قرار دیا۔ بلکہ آپ کی رائے میں اس کو خلیفہ یا حاکم کا ہدیہ یا وظیفہ بھی قبول نہیں کرنا چاہیے تا کہ وہ کلمہ حق کہنے میں بے باک رہ سکے۔

آپ کا یہ موقف بھی صاحب فکر انسان کی عظمت واحترام کا محافظ ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازمت انسانی سوچ اور فکر کو محروم کر دیتی ہے اور انسان کو ذہنی غلامی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جو کہ ایک کامل انسان کے مقام واحترام کے منافی ہے۔

احترام انسانیت دستور ہے: امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احترام انسانیت کو دستور

قرار دیتے ہوئے اہم فیصلے فرمائے ۷؎ عورت کے مہر کے مسئلہ میں آپ کا خصوصی موقف یہ ہے کہ اس کا مہر شرعی حق ہے جس میں کسی انسان کو بلکہ خود عورت کو بھی مداخلت کا اختیار نہیں لہذا کسی ولی یا خود عورت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بغیر مہر یا شرعی مقدار سے کم یا مہر میں مال کے بغیر کسی اور شرط پر نکاح کر سکے کیونکہ انسانی جز یا حصہ سے انتفاع یا اس کا استعمال احترام انسانیت سے منافی ہے۔ اور کرامت انسانی ایسا دستور ہے جس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اگر چہ خود خالق و مالک نے نکاح کی صورت میں انسانی جزو سے انتفاع کی اجازت بعض ضروری مقاصد کے لیے دی ہے جو کہ ایک استثنائی صورت ہے جس کو ایک مقررہ مالی معاوضہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔ لہذا یہ استثنائی صورت اپنی خصوصیات کے بغیر متحقق نہ ہوگی۔ ورنہ احترام انسانیت کے دستور کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ اسی قاعدہ کی بناء پر آپ نے چوری میں قطع ید کو بھی گراں قدر مال کی چوری سے مشروط کیا ہے۔ ورنہ معمولی مال کی چوری پر قطع ید انسانی احترام کے منافی ہے۔

کرامت انسانی کو دستور قرار دیتے ہوئے آپ نے جہاد میں گھوڑے کی شرکت پر غنیمت میں سے گھوڑے کے لیے مجاہد کے مقابلے دوگنا حصہ کی مخالفت فرماتے ہوئے فرمایا کہ انسان کے مقابلہ میں حیوان کو کسی بھی صورت میں اعزاز نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے انسانی احترام و اکرام کا دستور متاثر ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ احترام انسانیت کے ضمن میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی اجتہادی خدمات میں سے چند جزئیات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ ائمہ اسلاف کی متفقہ رائے ہے کہ احترام انسانیت ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ عوام الناس کو امام ابوحنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے لوگوں کے لیے احترام کی وسیع گنجائش پیدا کی ہے۔

اسی طرح دیگر موضوعات پر تفصیلی گفتگو سے امام اعظم کی احترام انسانیت سے متعلق خدمات کو پیش کیا جا سکتا ہے مگر اختصار ملحوظ خاطر ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی حبیبه محمد واله وصحبه اجمعین

☆☆☆☆☆

اسلام میں اجتہاد

از: علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب (لاہور)

اجتہاد کے لغوی معنی: مشقت برداشت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔

اجتہاد کے شرعی معنی: پوری دیانت سے فروعی شرعی احکام کو ادلہ شرعیہ سے مستنبط کرنے میں اپنی انتہائی علمی قوت کو صرف کرنا۔ (فتاوی رضویہ جلد ا ص ۳۷۵)

ادلہ شرعیہ: عام طور پر ادلہ شرعیہ کا اطلاق اصول شرع پر ہوتا ہے جو چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ مگر اجتہاد کی بحث میں ادلہ شرعیہ سے مراد وہ دلائل ہیں جن پر مذکورہ چاروں شرعی اصول مشتمل ہیں جو زندگی بلکہ نظام عالم کے تمام مسائل پر منطبق ہوتے ہیں۔ اور جن کو مجتہد احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں تفصیلی طور پر قائم کرتا ہے۔ (اجلی الاعلام ص ا، امام احمد رضا خان بریلوی)

ضرورت دلائل: چونکہ ہر مسلمان اپنے روزمرہ کے مسائل میں شرعی احکام کا مکلف ہے جس کا دارو مدار اس کے علم پر ہے جبکہ شرعاً وہی علم معتبر ہے جو کم از کم ایسی شرعی دلیل سے حاصل ہو جس سے اس کی طبیعت مطمئن ہو جائے یعنی جس دلیل سے ظن غالب حاصل ہو ورنہ۔

ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون۔

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو حالانکہ تمہیں علم نہیں۔

اور قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون۔

ترجمہ: فرما دو کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا اللہ پر افتراء باندھتے ہو، کا ارتکاب لازم آئے گا۔

اس لیے شرع میں کوئی ایسی بات مقبول نہیں جو شرعی دلیل پر مبنی نہ ہو۔ (فتاوی رضویہ ج ۴ ص ۳۸۲)

ضرورت اجتہاد: یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ نظام عالم میں ہر مسلمان زندگی بھر علمی تحقیقات میں مصروف نہیں رہ سکتا ورنہ نظام عالم معطل ہو کر رہ جائے گا اس لیے شرع نے تقسیم کار کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کو زندگی کا نظام چلانے اور نظام عالم کے بقاء و ترقی میں مصروف رہنے کا حکم دیا کہ مسلمان ایک ایسا گروہ تیار کریں جو جدید پیش آمدہ مسائل میں ان کے لیے علمی تحقیقات میں مصروف رہ کر مدلل احکام حاصل کر کے۔ عوام الناس تک پہنچائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (پ ١١ التوبه آیت ١٢٢)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ انکے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

مگر مسلمان خواہ عالم ہو یا غیر عالم مجتہد ہو یا غیر مجتہد ہر ایک اپنے اپنے مسائل میں شرعی دلیل سے اخذ کردہ علم کے مطابق عمل کا پابند ہے۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو دن رات علمی تحقیقات میں مشغول ہے اپنے روزمرہ کے مسائل میں ہر جزوی حکم کے مقابلہ میں دلائل کے جزیات قائم کرسکتا ہے مگر عامۃ المسلمین جو نظامِ حیات کے دوسرے شعبوں میں مصروف ہیں وہ کیسے اپنے ہر مسئلہ کے لیے تفصیلی دلائل قائم کرسکتے ہیں۔ ان کے لیے تو یہ تکلیف مالایطاق ہوگی۔ (اجلی الاعلام ص ۷) اب دو صورتوں میں سے ایک لازمی طور پر اختیار کرنی ہوگی یا تو عامۃ المسلمین کو بھی پابند کردیا جائے کہ وہ بھی نظام حیات کو معطل کردیں اور دن رات اپنے مسائل کے لیے دلائل شرعیہ تلاش کریں تاکہ شرعی احکام کے مکلف ہوسکیں۔ یا پھر عامۃ المسلمین کے لیے کوئی ایسا انتظام ہو کہ یہ لوگ نظامِ عالم میں مصروف رہ کر اس کی بقاء و ترقی کا باعث بنیں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ادلۂ شرعیہ سے ماخوذ احکام شرعیہ کے پابند بھی رہیں۔

چنانچہ قرآن پاک نے دوسری صورت کی طرف راہنمائی فرمائی اور فرمایا کہ ایک خاص گروہ ہی علمی تحقیقات کے ذریعے روزمرہ کے مسائل معلوم کرے اور عامۃ الناس کو بتائے اور عوام ضرورت کے وقت اس گروہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان سے سوال کریں جو وہ بتائیں وہی ان کے لیے شرعی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی دلیل کی دو قسمیں ہیں ایک تفصیلی دوسری اجمالی۔ عوام الناس کو اپنے روزمرہ کے مسائل کے لیے کلیہ کے طور پر ایک اجمالی دلیل عطا کردی گئی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے کافی بھی ہے اور آسان بھی فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون ۔ (اہل ذکر سے دریافت کرو جو تم نہیں جانتے) جس سے معلوم ہوا کہ معاشرہ میں اہل ذکر کا ہونا ضروری ہے، جو عوام کے لیے ان کے تمام مسائل میں شرعی دلیل مہیا کریں اور چونکہ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان تمام شعبہائے زندگی میں شرعی احکام کا مکلف ہے جس کے لیے اسے شرعی دلائل کی ضرورت ہوگی جس کے لیے قرآن پاک نے تنبیہ فرمائی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔ (پ ۱۴ النحل آیت ۱۱۶)

ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔

لہٰذا اہل ذکر ایسے حضرات ہوں جو خود تمام احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں دلائل کو جزئیہ کے طور پر جانتے ہوں یعنی احکامِ تفصیلیہ کے مقابلہ میں دلائل تفصیلیہ سے آگاہ ہوں انہی تفصیلی دلائل کے جاننے والے کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ جس طرح عوام الناس شرعی اجمالی دلیل فاسئلوا اھل الذکر سے اخذ کردہ علم کے مطابق احکامِ شرعیہ کے مکلف ہیں اسی طرح اہل ذکر بھی احکامِ شرعیہ تفصیلہ کے لیے ادلہ تفصیلیہ کو قائم کرنے کے مکلف ہیں اور جس طرح عام مسلمانوں کو اہل ذکر کی تقلید ضروری ہے ورنہ وہ سائل نہ قرار پائیں گے جبکہ ان کے لیے سائل ہونا واجب ہے اسی طرح اہل ذکر کا تقلید سے آزاد ہونا ضروری ہے ورنہ وہ سائل قرار پائیں گے جبکہ اہل ذکر مسئول ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج اول ص ۴۹۳)

مراتب اہلیت: امت مسلمہ کے جن دو طبقوں کا ذکر ضرورت اجتہاد کے ضمن میں ہوا وہ اسلامی معاشرہ کے دو ایسے طبقے ہیں جن میں سے علمی طور پر ایک انتہائی بلند ہے اور دوسرا انتہائی پست اس لیے دونوں سے متعلق احکام ایک دوسرے سے انتہائی مختلف ہیں یعنی مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع اور دوسرا عامۃ المسلمین مگر ان دونوں طبقوں کے درمیان متعدد ایسے طبقات ہیں جن میں سے بعض مقلد ہونے کے باوجود مجتہد کہلاتے ہیں ۔ اور بعض عالم اور فقیہ ہونے کے باوجود مقلد کہلاتے ہیں۔ (الموافقات ج ۴ ص ۱۱۲ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی)

اس کی وجہ یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں مصروف ہونے کے باوجود ہر ایک مجتہد مطلق نہیں بن سکتا ذکاوت طبع، شوق، محنت، وقت اور وسائل وغیرہ عوارض کی بناء پر فہم وادراک میں تفاوت ہوتا ہے۔ ظاہری اسباب کے تفاوت کی طرح باطنی کیفیات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ (الموافقات ص ۹۰ ج ۴) پھر مجتہد میں جو عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہ عام طور پر وہبی ہوتے ہیں اس لئے اجتہاد کے میدان میں

۱۔ بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو ظاہری اسباب حاصل کر لینے کے بعد ایسی قوت کے مالک ہو جاتے ہیں۔ جس کی بناء پر وہ احکام شرعیہ اور ادلہ تفصیلیہ کو قرآن و حدیث سے حاصل کرنے کے لیے استنباط و استخراج کے قواعد وضع کرسکتے ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ تمام احکام کے لیے تفصیلی طور پر دلائل کا استنباط کرسکتے ہیں یہ لوگ مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع کہلاتے ہیں۔ (رسم المفتی ص ۳ امام محمد امین ابن عابدین شامی)

۲۔ بعض وہ ہیں جو اگرچہ استنباط کے قواعد وضع کرسکتے ہیں مگر وہ کسی دوسرے امام کے قواعد کو ہی اپنا کر تمام مسائل اور ان کے دلائل کا استخراج کرتے ہیں۔ یہ حضرات مجتہد منتسب کہلاتے ہیں کیونکہ اجتہادی قوت کا کمال ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو دوسرے امام کے قواعد سے منسوب کرلیا ہے جبکہ (۳) بعض کو یہ قواعد وضع کرنے کی استعداد نصیب ہی نہیں ہوتی اس لیے وہ کسی امام کے وضع کردہ قواعد کے پابند رہ کر اجتہادی عمل

کرتے ہیں۔ ان حضرات کو مجتہد فی المذہب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قدرت نہ ہونے کی بناء پر انہوں نے کسی امام کے اصول و قواعد کو اپنایا اور اس امام کے اقوال و استخراجات کو دلائل سے مضبوط کیا اور (۴) بعض نے ان مسائل کے احکام کو بیان کر دیا جنہیں امام نے منصوص نہیں کیا ان حضرات کو مجتہد فی المسائل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بعض مسائل میں اجتہادی خدمات سرانجام دی ہیں۔ (۵) اور ان میں سے بعض اگرچہ قواعد وضع نہیں کر سکتے یا تمام احکام کے لیے دلائل قائم نہیں کر سکتے مگر کسی امام کے قواعد کے مطابق اس کے مجمل اور مبہم اقوال کی تشریح و تبیین کر سکتے ہیں ان کو اصحاب تخریج کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے امام کے قواعد کو بروئے کار لا کر اس کے اقوال کو واضح کیا ہے (۶) اور ایک وہ طبقہ ہے جو اپنے امام کے قواعد کی روشنی میں اس کے اقوال کی تطبیق اور ترجیح کا کام کرتا ہے مثلاً ایک مسئلہ من وجہ ایک قاعدہ کے تحت ایک حکم کو چاہتا ہے جبکہ من وجہ دوسرے قاعدہ کے تحت دوسرے حکم کو چاہتا ہے تو ایسی صورت میں ترجیح یا تطبیق کی ضرورت ہوتی ہے ان حضرات کو اصحاب ترجیح کہا جاتا ہے۔

اور فقہاء میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا مدارج میں حاصل شدہ کام کی تدوین اور ترتیب کا کام کیا ہے ان کو اصحاب متون کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے اجتہادی کام کو تدوین کی صورت میں پیش کیا۔

اور آخر میں فقہاء کا وہ طبقہ ہے جو معاشرے میں پیش آمدہ مسائل کو مدونہ کتب کے جزئیات سے حل کرتا ہے ان کو اصحاب فتاویٰ کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے مدونہ کتب کے مطابق فتاویٰ جاری کیے اور پیش آمدہ جزئیات کو کتب میں مذکورہ جزئیات پر قیاس کیا۔ (مفید المفتی ص ۱۲۱ از مولانا عبدالاول جونپوری رد المحتار ص ۵۰ ج ۱ از امام ابن عابدین شامی)

فقہاء کے آخری دو طبقے محض مقلد ہوتے ہیں مگر عوام کی نظر میں مسئول قرار پاتے ہیں لیکن پہلے چھ طبقات میں اول کے ماسوا باقی امور میں اپنے امام کی نسبت سائل اور مقلد قرار پائیں گے جن امور میں انہوں نے امام سے استفادہ کیا۔ ان امور میں مجتہد اور اہل ذکر قرار پائیں گے جن کو انہوں نے خود اپنی استعداد سے تیار کیا۔ لہذا یہ لوگ من وجہ مجتہد اور من وجہ مقلد اور سائل قرار پائے۔ (تاریخ المذاهب الفقهیه ص ۱۱۱ ابوزهره مصری)

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہلیت کے لحاظ سے امت مسلمہ چار حصوں میں منقسم ہے' مجتہد مطلق' مجتہد مقید' مقلد مستفید اور مقلد مفید۔

مجتہدین کے طبقات: (۱)۔ مجتہد مطلق یا مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد منتسب (۳) مجتہد فی المذہب (۴) مجتہد فی المسائل (۵) مجتہد صاحب تخریج (۶) مجتہد صاحب ترجیح آخری چار مجتہد مقید کی اقسام ہیں۔ (رسم المفتی ص ۳ ج ۱ شامی)

مقلدین کے مراتب: (۱) عوام الناس جو ہر مرحلہ میں سائل و مستفید ہی ہو سکتے ہیں (۲) اصحاب فتاویٰ (۳) اصحاب متون آخری دونوں مرتبے اگرچہ خالص مقلد ہیں مگر عوام الناس کے لیے مفید ہوتے ہیں اور ان کے لیے مجتہدین کی ترجمانی کرتے ہیں۔

مجتہد اور مقلد کی شرعی حیثیت: عوام الناس یعنی مقلدین جس طرح احکام شرعیہ پر عمل کے لیے دلائل شرعیہ کے حصول تک دو مرحلوں سے گزرتے ہیں ایک مرحلہ دلائل کے حصول کی نوعیت کا علم اور دوسرا مرحلہ بالفعل دلائل کا علم' پہلے مرحلے کے لیے قرآن نے ان کی رہنمائی کر دی ہے **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** جس کی بنا پر ان لوگوں کو احکام کی جزئیات کے لیے اہل ذکر کی طرف رجوع کرنے کو کہا گیا ہے اس مرحلہ میں عوام کے لیے یہ دلیل اجمالی ہے جس سے صرف دلائل تفصیلیہ کے حصول کی نوعیت حاصل ہوئی مگر ہر جزوی حکم کے لیے ان کو دلیل حاصل کرنا باقی ہے اور وہ مجتہدین کا وہ قول ہوگا جو وہ عوام کے سوال کے جواب کے طور پر پیش کریں گے اس مرحلہ کے لیے قرآن نے یوں رہنمائی فرمائی۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ ۵، النساء، آیت ۵۹)

ترجمہ: حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور انکا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس آیت میں اولی الامر سے مراد مجتہدین کرام ہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۱۵۰ ج ۱۰ امام فخر الدین رازی)

اس طرح ان کے جزوی حکم کی دلیل قول مجتہد قرار پائے گا۔ (الموافقات ص ۲۹۲ ج ۴ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی)

اس لیے عوام الناس اگر مقلد ہیں تو ایسی دلیل کی بنا پر جو قطعی بھی ہے اور شرعی بھی اور اگر وہ اپنی زندگی میں احکام شرعیہ کے عامل ہیں تو بھی وہ اپنے حق میں دلائل شرعیہ کی بناء پر عامل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے مرحلے کے لیے دلیل اجمالی ہے اور بطور قاعدہ کلیہ ہے اور دوسرے مرحلہ میں احکام کی تفصیلات کے مطابق دلائل بھی تفصیلی ہیں اسی طرح مجتہدین حضرات بھی اپنے دائرہ کار میں دو مرحلوں سے گزرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ کہ احکام تفصیلیہ کے لیے دلائل تفصیلیہ کی نوعیت کا علم جس کے لیے ایسی دلیل کی ضرورت تھی جو ان کو اجتہاد کا مکلف قرار دے کر ان پر اجتہادی عمل کو لازم کر دے اس بارے میں قرآن کریم نے راہنمائی دی ہے۔

قُلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (پ ۲۳، الزمر آیت ۹)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

لِيَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّيْنِ (پ ۱۱، التوبہ آیت ۱۲۲)

ترجمہ: دین کی سمجھ حاصل کریں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (پ۲۱ العنکبوت آیت ۶۹)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (پ۵۔ النساء آیت ۸۳)

ترجمہ: تو ضرور ان سے اُس کی حقیقت جان لیتے یہ جو بعد میں کاوش کرتے ہیں۔

ان آیات میں احکامِ تفصیلیہ کے لیے دلائل حاصل کرنے کے لیے اجتہاداً استنباط اور مجاہدہ برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی بناء پر یہ عمل واجب قرار پایا مگر یہ مذکورہ آیات دلائل کا اجمالی بیان ہے جب کہ احکام کے جزئیات کے مقابلہ میں تفصیلی دلائل قائم کرنا باقی ہے اور یہ تفصیلی عمل سے حاصل ہوں گے جس کی طرف مذکورہ آیات میں سے آخری آیت میں مجتہدین کے لیے تفصیلی دلائل کی طرف رہنمائی کردی اب جس طرح مجتہد اپنے اجتہادی عمل میں مصروف ہیں تو دلائل قطعیہ کی بناپر (اجلی الاعلام ص علامہ احمد رضا خان بریلوی)

اسی طرح وہ احکام تفصیلہ کے لیے تفصیلی دلائل وضع کرتے ہیں تو دلیل کی بناپر غرض یہ کہ ہر مسلمان اپنے دائرہ کار میں احکامِ شرعیہ پر عمل پیرا ہے تو صرف شرعی دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ علم کی بناپر اور کوئی مسلمان بھی بغیر دلیل محض تقلید کی بناپر عمل کا تصور نہیں کرسکتا اور جو کچھ بھی کرتا ہے وہ علیٰ درجه البصیرت کرتا ہے خواہ یہ مسلمان مجتہد ہوں یا مقلد (فتاویٰ رضویہ ص۳۸۳ جلد ا تاریخ المذاهب الفقهيه - ص۱۶۹)

اس تقریر سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہوگیا کہ شرع میں تقلید کی مذمت کی گئی ہے تو پھر کیونکر آئمہ کی تقلید کو ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ شریعت میں جس تقلید کی مذمت ہے وہ جاہلانہ تقلید تھی جو کسی دلیل پر مبنی نہ تھی بلکہ احبار ورہبان کے من گھڑت حلال وحرام کو حلال وحرام قرار دیا جاتا جب کہ احبار ورہبان کے پاس حلال وحرام کہنے کی کوئی دلیل نہ تھی اور نہ ہی عوام کے پاس ان کی پیروی کو لازم قرار دینے کی کوئی دلیل تھی۔

(ترمذی شریف ص۳۳۱ ۔ ج ۱۲: امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی)

لوگ اپنے آباء واجداد کی رسم پر عمل پیرا ہوتے جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم یہ عمل کیوں کرتے ہو تو جواب میں آباء واجداد کا حوالہ دیا جاتا جب کہ شرعی تقلید ایک ایسی دلیل پر مبنی ہے جو خود قرآن نے عطا کی ہے اور مقلد مسلمان قرآن کی نص قطعی فاسئلوا اهل الذكر پر عمل پیرا ہے نہ کہ آباء وجداد کی رسم پر اور نہ ہی کسی غیر اللہ کے حکم پر وہ اندھی تقلید کا حامل ہے بلکہ ہر مسلمان علیٰ وجہ البصیرت شریعت پر عمل پیرا ہے اور وہ اپنے عمل میں ایک کلیہ کے تحت جزئیات کا متلاشی ہے۔ (اجلی الاعلام ص ۷)

اجتہادِ وقت: اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ میں بعض ایسے مسائل نے جنم لیا جن کا حکم صراحتاً کتب فقہ

میں نہیں ملتا۔ اگر نئے مسائل کو غور وفکر سے دیکھا گیا تو ان کا ظاہر عدم جواز کو چاہتا ہے جب کہ وقتی ضرورت اس کے جواز کی طالب ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے اس لیے اس موقعہ پر مجتہد اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ان مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور امت کو ان درپیش مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کردیتا ہے مگر قابلِ غور امر یہ ہے کہ ایسے مسائل کی نوعیت کیا ہے اور ان کے حل کے لیے کس درجہ کے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ آج تک ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی پیدا ہونا ممکن ہے جو آئمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول وقواعد سے خارج ہو کیونکہ آئمہ اربعہ کے قواعد ایسے جامع ہیں جن کے تحت قیامت تک پیدا ہونے والے ممکنات داخل ہیں۔ (تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۸۰) بلکہ صرف تنہا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے وضع کردہ اصول و قواعد کے متعلق یہ دعویٰ مبنی برحقیقت ہے کہ ان کے قواعد ایسے جامع ہیں جو ممکنات پر حاوی ہیں اور آج تک کم از کم کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں کیا جاسکتا جو آپ کے وضع کردہ قواعد واصول استنباط سے خارج قرار دیا گیا ہو۔

لیکن تنزلاً ہم آئمہ اربعہ کے مجموعی قواعد کی بنیاد پر استفسار کرتے ہیں۔ کہ اگر کسی کے ذہن میں کوئی شبہ ہو تو وہ کوئی مثال پیش کرے ہاں وہ شخص جو قواعد واصول آئمہ سے بے خبر ہو تو وہ اپنی بے خبری کی بناپر شکوک وشبہات کا مظاہرہ کرسکتا ہے۔ مگر اہلِ علم ودانش اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے متعلق یہ اختلاف موجود ہے کہ وہ مجتہد مطلق یعنی مجتہد فی الشرع کے منصب پر فائز ہیں یا نہیں۔ (مــفـــيـــد الـمـفـتـی، تاریخ المذاہب الفقہیہ ص۳۲۳) اور اس اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے وضع کردہ قواعد آپ سے سابق آئمہ ثلاثہ کے وضع کردہ اصول سے خارج نہیں۔ بلکہ آپ کے اکثر اصول آئمہ سابقین میں سے کسی نہ کسی امام کے اصول سے ضرور مطابق ہیں۔ تو جب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے تیسری صدی ہجری تک اصول وقواعد اجتہادیہ کی وسعت اور جامعیت کا یہ عالم ہے کہ امام احمد بن حنبل کو ان سے خارج کسی قاعدہ کی گنجائش نہیں ملی تو آج کون ہے جو احمد بن حنبل کی طرح دس لاکھ احادیث کے متون واسناد کا حافظ ہوگا جو یہ دعویٰ کرے گا کہ قرآن وحدیث کا فلاں کلیہ یا جزئیہ ان آئمہ اربعہ کے قواعد سے خارج ہے جب یہ امر مسلم قرار پایا کہ آئمہ اربعہ کے اصول وقواعد قرآن وحدیث کے کلیات وجزئیات کو حاوی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اب جدید قواعدِ اجتہادیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نئے مجتہد کو تو ایسے جدید قواعد وضع کرنے ہوں گے جو آئمہ سابقین کے قواعد کے مغائر ہوں اور پھر ان قواعد کی روشنی میں استنباط کرے اور کسی دوسرے کے وضع کردہ قواعد واصول کی تقلید نہ کرے کیونکہ کسی دوسرے کی تقلید کرنے والا مجتہد مطلق کے عظیم لقب سے متصف نہیں ہوسکتا۔ شریعت تو اس حقیقت کا نام ہے جو قرآن وحدیث سے متفرع ہو جس کے اصول وضع ہوچکے ہیں اور کسی نئے قاعدہ کی کوئی

ضرورت باقی نہیں۔

ہاں شریعت کسی اور چیز کا نام ہو تو یہ ہماری بحث سے خارج ہے اس نفس الامر حقیقت کے معلوم ہو جانے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اب کسی مجتہد مطلق کی ضرورت نہیں اب اگر کسی وقت ضرورت پیش آتی ہے یا آسکتی ہے تو صرف اس امر کی کہ جب کوئی ایسا نیا مسئلہ پیش آئے جس کو مجتہد فی الشرع نے اپنے اصول کے تحت مستنبط نہیں کیا۔ یعنی امام نے اس کے استنباط پر نص وارد نہیں کی یا مجتہد امام نے اس کو مجمل چھوڑ دیا یا مبہم رکھا یا یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ کس قاعدہ کے تحت داخل ہوگا۔

جب کہ کئی وجوہ سے مسئلہ متعدد قواعد کے تحت آسکتا ہے تو ایسی ضرورت کے موقع پر ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اپنے امام کے قواعد پر رسوخ رکھتا ہے اور وہ اپنی مہارت کی بنا پر پیش آمدہ نئے مسائل کو مجتہد امام کے کسی اصول کے تحت داخل قرار دے کر اس کے لیے حکم کا استنباط کرے یا دوسری صورت میں ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اس کو کسی قاعدہ کے تحت قرار دیتے ہوئے تفصیل و تعیین کرے یا تیسری صورت میں ایسے مجتہد کی ضرورت ہے جو اس میں ترجیح کا عمل کر سکے جب کہ یہ تمام ممکنہ ضروریات مجتہد مقید کے افراد مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل مجتہد صاحب تخریج اور مجتہد صاحب ترجیح سرانجام دے سکتے ہیں۔

لہٰذا اگر ضرورت کسی وقت پیش آسکتی ہے تو مجتہد مقید کے آخری تین افراد میں سے کوئی فرد اسے پورا کر سکتا ہے۔ (ابوحنیفہ حیاتہ و عصرہ ترجمہ اردو ص ۶۸۷ از علامہ ابوزہرہ مصری)

چنانچہ تاریخ اسلام میں تیسری صدی ہجری کی ابتداء سے لے کر آج پندرہویں صدی ہجری کی ابتداء تک کسی مرحلہ پر مجتہد مطلق کی ضرورت کا پیش نہ آنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اب بھی اجتہاد مطلق کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تیسری صدی کے اوائل بلکہ اس کے بعد تک کا وہ زمانہ ہے جب کہ اسلامی ریاست کا دائرہ مختلف براعظموں تک پھیل رہا تھا اور نئے ملک اور نئی قومیں اور طرح طرح کے رسم و رواج اور ضروریات، شریعت کو دعوت فکر دیتے رہے مگر ان ادوار میں کسی مرحلہ پر یہ سوال پیدا نہیں ہوا کہ اب استنباط احکام شرع کے لیے نئے قواعد کی ضرورت ہے ہاں اندریں حالات جو بھی اجتہادی ضرورت پیش آئی تو آئمہ اربعہ کے مقلدین میں سے مجتہد حضرات نے اپنے امام کے قواعد و استنباط کی روشنی میں اس ضرورت کا حل تلاش کر لیا۔

آج کا دور تو وہ دور ہے جو اپنے سیاق میں صدیوں کے تجربات اور فقہاء آئمہ کرام کے وسیع ذخائر اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور فتوحات کا سلسلہ رک جانے کی وجہ سے اب صرف وہی ملک اور قومیں ہیں جو صدیوں سے شریعت کی حلقہ بگوش ہیں۔ پھر آج یہ دعویٰ کرنا کہ اسلام کو اجتہاد فی الشرع اور مجتہد مطلق کی

ضرورت ہے مضحکہ خیز ہے پھر اسلامی تاریخ میں جس شخص نے اجتہاد اور آزادی کا فکر دیا وہ ابن تیمیہ ہیں وہ چونکہ ایک عظیم جامع شخصیت تھی اور علوم کے ماہر تھے اس لیے اپنے اس فکر کے باوجود وہ آخر دم تک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور حنبلی مسلک کے پابند رہے کیونکہ کوئی بھی عالم ہونے کی حیثیت سے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب قرآن و حدیث سے استنباط کے لیے نئے قواعد کی ضرورت ہے بلکہ ابن تیمیہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی امام کا مقلد ہو کر اس کے اصول و قواعد کو اپنا کر اجتہادی خدمات سرانجام دی جائیں۔ (الموافقات، ص ۱۹۷ ج ۴)

چنانچہ اسلامی ادوار میں اجتہاد مقید کا یہ سلسلہ کبھی معطل نہیں رہا۔ آئمہ اربعہ کے اصول و قواعد کے مقلدین نے ہر دور میں ان قوائد کی روشنی میں اجتہادات سرانجام دیے ہیں۔ چنانچہ احناف میں نویں صدی میں امام ابن ہمام کمال الدین (صاحب فتح القدیر) اور دسویں صدی میں امام ابن کمال پاشا شمس الدین احمد، گیارہویں صدی میں امام ابن نجیم مصری اور انکے بھائی امام ابن نجیم (صاحب بحر الرائق) اور امام محمد حصکفی وغیرھم بارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ (ہندوستان) تیرھویں صدی میں امام طحطاوی مصری اور امام ابن عابدین شامی اور چودھویں صدی میں امام احمد رضا بریلوی (ہندوستان) یہ سب حضرات اجتہادی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

آخر الذکر امام احمد رضا بریلوی کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کو اگرچہ پچاس علوم میں امام قرار دیا گیا ہے مگر آپ کو فقہ میں جو خصوصی خداداد بصیرت حاصل تھی وہ سابقہ کئی صدیوں میں دور دور تک نظر نہیں آتی چنانچہ فقہ اور اصول فقہ میں آپ کا شاہکار فتاویٰ رضویہ جس کا نام "العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة" ہے اور یہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے میں آپ نے ان تمام مسائل پر بحث کی ہے جو اب تک صدیوں سے الجھے ہوئے تھے اور سابق مصنفین ان سے صرف نظر کرتے چلے آرہے تھے یا ان کو جوں کا توں ہی نقل کرتے چلے آتے تھے آپ نے ان مسائل کو پیش کیا اور پھر شرعی قواعد و اصول فقہ کی روشنی میں ان پر اشکال وارد کیے اور آخر میں ان کا حل پیش کیا غرضیکہ انہوں نے اپنی اس عظیم تصنیف میں حنفی آئمہ جن میں سے بعض مجتہد فی المسائل تھے اور بعض اصحاب تخریج یا ترجیح تھے ان کی عبارات کو قواعد امام کی روشنی میں واضح کیا یا ان میں تطبیق دی اور ساتھ ساتھ اصول مذہب حنفی کی تشریحات بھی کرتے چلے گئے۔ مقصد یہ ہے کہ فقہی میدان میں ضرورت کے وقت اجتہادی کام معطل نہیں رہا بلکہ باقاعدہ یہ کام سرانجام دیا جاتا رہا۔

امام ابوحنیفہ کے وضع کردہ اجتہادی اصولوں کی خصوصیت:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصول و قواعد کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ان کی وضع میں وسعت اور جامعیت کو پیش نظر رکھا

تا کہ ایک مسلمان جس حیثیت میں بھی ہو جس ضرورت میں بھی مبتلا ہو اور زندگی کے کسی بھی پہلو میں اس کو رہنمائی کی ضرورت ہو اس کو حنفی اصول کی روشنی میں یہ رہنمائی حاصل ہو جائے چنانچہ آپ نے اصول فقہ کا مفہوم دوسرے آئمہ کرام کے پیش کردہ مفاہیم کی نسبت زیادہ وسیع پیش فرمایا۔ دیگر آئمہ نے صرف احکام فرعیہ شرعیہ کو ہی اصول فقہ کی تعریف میں شامل کیا' جب کہ امام صاحب نے **معرفة النفس مالها وما عليها** پر اصول فقہ کی بنیاد رکھی ہے اس لیے دیگر آئمہ کے اصول انسان کے ظاہری افعال اور ان کے احکام کو محیط ہیں جب کہ امام صاحب کے اصول انسان کے نفسیاتی امور و احوال کو بھی شامل ہیں۔ (توضیح ص ۱۲۸ امام عبید اللہ بن مسعود)

اسی طرح دیگر آئمہ نے احکام میں صرف پانچ امور کو شامل کیا ہے جب کہ امام کی تعریف کے مطابق اس کے اقسام زیادہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً دیگر آئمہ کے نزدیک اباحتِ شرعیہ کے حکم کو تسلیم نہیں کیا گیا جب کہ امام ابوحنیفہ کی تعریف کے مطابق اباحت اصلیہ اور اباحت شرعیہ کا فرق واضح کیا گیا ہے اس طرح دیگر آئمہ کے نزدیک فرض اور واجب میں فرق نہیں مگر امام صاحب نے اس میں فرق کو واضح کر کے واجب کو علیحدہ حکم قرار دیا ہے۔ (ایضاً)

اسی طرح امام صاحب کی تعریف اعتقادی امور کو شامل ہے جب کہ دیگر آئمہ کی تعریف سے یہ خارج ہے۔

اسی طرح دیگر آئمہ کے اصولوں کا تعلق عام طور پر عبادات و معاملات اور مناکحات وغیرہ سے ہے جب کہ امام صاحب کے اصولوں کا تعلق مذکورہ امور کی طرح سیاست مدینہ اور احکام سلطانیہ بلکہ اس سے بڑھ کر بین الاقوامی امور سے بھی ہے۔ (ابوحنیفہ حیاتہ علامہ ابوزہرہ ص ۱۷۱)

یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں حکومت خواہ کسی بھی مسلک سے متعلق رہی ہو مگر احکام سلطانیہ اور سیاسی امور میں ہر اسلامی حکومت نے فقہ حنفی ہی کو اپنایا ہے۔

اس کے علاوہ معاشرتی زندگی میں رسم و رواج ضرورت اور حاجت' عام انسانوں کی سہولت اور اجتماعیت کو فقہ حنفی میں خصوصی اہمیت حاصل ہے بلکہ یہ امور اصول و قواعد میں شامل ہیں چنانچہ استحسان کی بنیاد انہی امور پر ہے اسی لیے عرف اور تعامل الناس کو بھی احکام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے اور ہر مسلمان کے قول و فعل کو قانوناً ایک حد تک تحفظ دیا گیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۳۸۵ رسم المفتی ص ۲۵ تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۹۳)

حنفی اصول کے تحت حلال و حرام میں ترمیم سے بچتے ہوئے باقی احکام میں حتی الامکان عوام کی موافقت سہولت اور ان کی اجتماعیت کو ترجیح دی جائے گی۔ (ایضاً ج ۹ ص ۹۷)

بلکہ عامۃ المسلمین کے معاملات کو اس وقت تک درست قرار دیا جائے گا جب تک ممانعت پر کوئی شرعی دلیل متحقق نہ ہو۔ (تاسیس النظر ص ۱۲۰ امام کرخی)

اسی خصوصیت کی بنا پر آئمہ اسلاف کی متفقہ رائے ہے کہ عوام کے لیے رفق و شفقت ہی ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۹)

امام شعرانی شافعی ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ عوام الناس کو امام ابوحنیفہ کے وجود پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے وسیع گنجائش پیدا کی ہے۔ (المیزان ۱۶۳)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں اجتہادی اصولوں میں عوام کی ضرورت اور ان کے تعامل کو پیش نظر رکھنے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے مختلف اطراف سے تعلق رکھنے والے اپنے تلامذہ کی بڑی تعداد کو اپنی مجلس میں حاضری کا پابند کر رکھا تھا تا کہ مختلف علاقوں کے عرف و تعمل سے آگاہی ہو سکے جب کہ امام صاحب خود بھی ایک تاجر کی حیثیت سے مختلف ملکوں اور علاقوں کا دورہ کرتے رہے اور وہاں کے عرف اور تعامل الناس کے ماہر تھے اس مجلس میں قواعد کے تحت جب استخراج اور استنباط کے لیے بحث ہوتی تو امام صاحب تعامل الناس کی بنا پر جب کوئی استحسانی فیصلہ فرماتے تو تلامذہ کی بحث ختم ہو جاتی۔ (تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۳۸)

حنفی اصولوں میں عوام الناس کے لیے آسانی اور وسعت: حنفی اصولوں کی بنیاد ہی اس امر پر ہے کہ عوام کو شدت اور تنگی سے بچایا جائے اور ان کے لیے آسانی کی گنجائش پیدا کی جائے چنانچہ شرعی احکام میں فرض و حرام یہ دو ایسے حکم ہیں جن پر پابندی کے لیے شدت اور سختی ہے۔ مثلاً فرض کا انکار کفر اور اس کا ترک موجب فسق ہے۔ اسی طرح حرام کو جائز قرار دینا کفر اور اس کا عمل موجب فسق ہے اب اگر فرض و حرام کا دائرہ وسیع ہو تو عوام کے لیے حرج اور تنگی کا دائرہ وسیع ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کو عوام کے لیے یسر پسند اور عسر ناپسند ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (پ ۲ البقرۃ آیت ۱۸۵)

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اسی لیے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے فرض اور حرام کی تعریفات میں سخت قیود لگا کر ان کا دائرہ اور تعداد کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی ہے' چنانچہ آپ کے نزدیک فرض و حرام کا اثبات ایسی نص سے ہوگا جو ثبوت اور دلالت دونوں طرح قطعی ہو اور اگر کوئی نص اس معیار پر نہ ہو مثلاً قطعی الثبوت ہو مگر قطعی الدلالۃ نہ ہو یا اس کے برعکس ہو' یا ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی نہ ہو تو ایسی نصوص سے فرض یا حرام ثابت نہ ہو سکے گا۔ (ردالمحتار ص ۶۴)

جب کہ دیگر آئمہ کرام کے نزدیک فرض اور حرام کے لیے یہ سخت شرائط نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں دیگر

آئمہ کے ہاں فرائض ومحرمات کی تعداد زیادہ ہوگی مگر امام ابوحنیفہ کے ہاں ہر شعبہ زندگی میں عام طور پر فرائض و محرمات کی تعداد کم ہوگی جس سے عوام الناس کو سہولت اور آسانی حاصل ہوگی اور نصوص کے ثبوت یا دلالت میں شبہ کا فائدہ عوام اور مکلفین کو حاصل ہوا اور یوں ان کے لیے کفر اور فسق کے مواقع اور ذرائع کم ہو گئے اسی طرح آپ کے وضع کردہ دیگر اصولوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں بھی عوام پر شفقت کا پہلو نمایاں نظر آئے گا مثلاً فرض کی ادائیگی کے اصول میں آپ کے نزدیک جو سہولت اور آسانی ہے وہ دیگر آئمہ کرام کے ہاں نہیں ہے کیونکہ حنفی اصول کے تحت مامور بہ کے اطلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر عمل کر لینا فرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہے مثلاً نماز میں رکوع یا سجدہ کو ادا کرنے میں رکوع کے لیے منہ کے بل جھک جانا اور سجدہ کے لیے زمین پر پیشانی کا لگا دینا کافی ہے کیونکہ قرآن میں رکوع اور سجدہ کا ذکر مطلق ہے اور اس میں کسی مزید قید کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا وَارْکَعُوْا اور وَاسْجُدُوْا کو ادا کرنے کے لیے رکوع اور سجدہ کے معنی کا مطلقاً تحقیق، فرض ادا کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سے زائد مثلاً طمانیت یا اعتدال یا کسی اور کیفیت کا ذکر نہیں ہے لہذا سجدہ اور رکوع کی ادائیگی میں یہ فوائد امور فرض نہ ہوں گے یوں امام ابوحنیفہ کے ہاں فرض کی ادائیگی میں سہولت اور آسانی ہوگی کیونکہ اطلاق میں وسعت ہے جب تقیید میں عُسر اور تنگی ہے حالانکہ دیگر آئمہ کے ہاں رکوع اور سجدہ کے فرض کو ادا کرنے کے لیے طمانیت کی زائد کیفیت فرض ہے، جس سے مکلف کو رکوع یا سجدہ کرنے میں دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔

(بحر الرائق ص ۲۹۳ جلد ۱، امام ابن نجیم زین الدین مصری)

امام ابوحنیفہ اور شخصی آزادی: امام صاحب کے اجتہادی قواعد میں شخصی آزادی کو انتہائی اہمیت حاصل ہے آپ نے ہر پہلو میں شخصی آزادی کا تحفظ فرمایا ہے اور کسی طاقت کی مداخلت کی بجائے آپ شخصیت سازی میں اخلاقی احساسات کو اجاگر کرنے کے قائل تھے تاکہ قانونی جبر کی بناء پر بغض وعناد کی فضا پیدا نہ ہو سکے۔

ولایت نفس: ولایت نفس کو تحفظ دیتے ہوئے آپ نے حرہ عاقلہ بالغہ لڑکی کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، جب کہ باقی تمام آئمہ کرام "لانکاح الابولی" کے تحت کسی قریبی مرد ولی کے بغیر اس کو نکاح کا اختیار نہیں دیتے امام صاحب کے نزدیک ولی کی یہ پابندی نابالغ، مجنونہ اور لونڈی کے لیے مختص ہے۔

(فتح القدیر ص ۲۹۱ ج ۲، امام ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد)

اسی طرح شادی شدہ لونڈی کے آزاد ہونے پر امام اعظم نے اسے وسیع اختیار دیا ہے کہ غلامی کے دور میں مالک کے کیے ہوئے نکاح کو وہ فسخ کر سکتی ہے خواہ اس کا خاوند حر ہو یا عبد ہو۔ جب کہ دیگر آئمہ کرام اس کو یہ اختیار صرف خاوند کے عبد ہونے کی صورت میں دیتے ہیں۔ مگر خاوند کے حر ہونے کی صورت میں وہ یہ اختیار نہیں دیتے۔ (ایضاً)

مدبر، مکاتب اور ام ولد کی بیع کو بھی امام صاحب نے اسی لیے ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ ان کو مالک کی طرف سے ایک طرح استحقاق آزادی حاصل ہو چکا ہے جس کو اب کالعدم نہیں کیا جا سکتا جب کہ دیگر آئمہ کرام مدبر کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جس سے اس کا استحقاق متاثر ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ ص ۲۵۵ ج ۲)

یوں ہی اگر وصیت کے ذریعہ متعدد غلاموں کو مجموعی آزادی کا حق ملتا ہو تو آپ کے نزدیک وہ سب آزاد ہو جائیں گے اگرچہ ان سب کی قیمت وصیت کرنے والے کے کل مال کے ثلث سے زائد ہو ثلث سے بڑھ جانے کی صورت میں ہر ایک اپنے حصہ کی زائد رقم ورثاء کو ادا کرے گا مگر دیگر بعض آئمہ کرام قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض کو آزاد اور بعض کو محروم قرار دینے کا اختیار ورثا کو دیتے ہیں جس سے بعض غلام استحقاق حریت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ (ردالمحتار ص ۱۴ جلد ۳)

تحفظ حقوق: حنفی فقہ میں حقوق کا تحفظ بھی اہم مسئلہ ہے، چنانچہ حنفی مذہب میں قضاء علی الغائب کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں غیر حاضر شخص کے حقوق پامال ہونے کا خطرہ ہے جب کہ دیگر آئمہ کرام کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے اسی طرح حقوق زوجیت میں قاضی یا حاکم کو اس وقت تک فسخ نکاح کے لیے مداخلت کا اختیار نہیں جب تک نکاح کے بنیادی مقاصد کی ادائیگی کا امکان باقی ہے مگر بعض دیگر آئمہ کرام بعض وقتی شکایت کی بناء پر بھی قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۲۶۸)

ملکیت کے تصرف: اپنی ملکیت میں تصرف کی آزادی بھی فقہ حنفی کی ایک خصوصیت ہے مثلاً جب کوئی لڑکا اپنے بلوغ میں کامل ہو جائے مگر اس کے باوجود فضول خرچی سے باز نہیں رہتا دیگر آئمہ کرام کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس فضول خرچ لڑکے کو اپنے مال میں تصرف سے محروم (محجور) کر دے مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بلوغ کامل کے بعد کسی شخص کو اپنے مال میں تصرف سے محروم کر دے اگرچہ قاضی کو اس صورت میں دیگر تادیبی کارروائی کا اختیار ہے مگر کسی عاقل بالغ کے حق تصرف کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ (فتح القدیر ص ۳۱۴ ج ۷)

اسی طرح دیوالیہ کی صورت میں مقروض کے متعلق بھی دیگر آئمہ کی یہی رائے ہے کہ قاضی اس کو اپنی ملکیت میں تصرف سے محروم کر سکتا ہے مگر امام اعظم کے نزدیک دیوالیہ مقروض کو بھی اپنی ملکیت میں تصرف سے محروم کرنے کا اختیار قاضی کو نہیں ہے اگرچہ یہاں بھی قاضی کو دیگر کارروائی کی اجازت ہے۔

حریتِ فکر: امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے میں حریت فکر کے زبردست حامی تھے ان کا موقف یہ تھا

کہ ایک عالم کو آزادی فکر کا حامل ہونا چاہیے اور اسے اپنی سوچ میں آزاد منش ہونا چاہیے' اسی لیے آپ کا موقف یہ تھا کہ عالم کو چاہیے کہ وہ حکومت کی ملازمت سے آزاد رہے بلکہ اس کو خلیفہ وقت یا اس کے کسی ماتحت سے کوئی ہدیہ یا وظیفہ وغیرہ قبول نہیں کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی سوچ وفکر میں آزاد رہ سکے' اور کلمہ حق کہنے میں بے باک رہ سکے چنانچہ آپ نے اپنی زندگی میں حکومت کی طرف سے متعدد پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور اپنی فکری آزادی کے تحفظ میں جان تک قربان کر دی۔ (تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۴۸_۱۴۹)

مذکورہ بالا وہ مسائل ہیں جن کو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں اقوام عالم نے اہمیت دی ہے جب کہ امام ابو حنیفہ نے تیرہ سو برس قبل ہی ان کی اہمیت کو واضح فرما دیا تھا اسی طرح آپ نے ان ممکنہ مسائل کے لیے بھی ضابطے وضع فرما دیے جن کا وجود آپ کے زمانہ بلکہ بعد تک بھی نہیں تھا تاکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل کو ان ضوابط کے تحت حل کر لیا جائے چنانچہ فرضی جزئیات کی بنیاد پر اصول وضع کرنے کے بارے میں جب امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں حالانکہ ایسے مسائل کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم ابتلاء اور تکلیف کے وقوع سے قبل ہی اس کا حل پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ (ابو حنیفہ وحیاتہ ص ۲۰۷)

فقہ حنفی کی اس وسعت کے پیش نظر یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل فقہ حنفی میں موجود ہے۔ (تاریخ بغداد ص ۳۴۸ ج ۱۳، امام حافظ ابوبکر احمد بن علی خطیب البغدادی)

۱۔ غلط فہمی کا ازالہ: اس مضمون میں ضرورت اجتہاد کے ضمن میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ معاشرہ کو اجتہادی عمل کی ضرورت ہے اور پھر بعد میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ضرورت کے مطابق اجتہاد کا سلسلہ جاری رہا ہے اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معاشرتی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے باصلاحیت لوگوں کو پیدا فرماتا رہے گا اس ضمن میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اجتہاد فی الشرع یا اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ اجتہاد مطلق کا معنی اور اس کا کام متعین ہے اس معنی کے لحاظ سے اب یہ کام لغو ہوگا کیونکہ غیر ضروری اور امر بالآخر لغو قرار پاتا ہے۔

مگر اجتہاد مطلق کے متعلق آج تک کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ یہ ممتنع ہے اور ممکن ہی نہیں رہا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی ایسی شرائط رکھی گئی ہیں اور نہ ہی فقہا کرام نے بیان کی ہیں جو مافوق البشریت ہوں اور ان کا حصول انسان کے لیے محال ہو یا انسان کی وسعت سے خارج ہو اس میں شک نہیں کہ شریعت میں احکام اور مفہومات کے لیے شرائط رکھی گئی ہیں اسی طرح شریعت اسلامیہ میں اجتہاد کے ہر مرتبہ کے لیے شرائط موجود

ہیں۔ لہذا مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع کے لیے بھی شرائط ہیں۔ ہر منصب کے لیے اس کے مناسب شرائط مقرر کیے جاتے ہیں۔ مجتہد مطلق کا منصب چونکہ عظیم ہے اس کے شرائط بھی اس منصب کے مناسب ہونے چاہئیں۔

اور یہ بات بھی انسانی فطرت میں شامل ہے کہ نا اہل ہونے کے باوجود انسان اعلیٰ منصب کا شوق رکھتا ہے مگر اس منصب کے شرائط اس کے لیے مانع قرار پاتے ہیں حالانکہ وہ اعلیٰ منصب کا شوق رکھتا ہے مگر اس منصب کے شرائط اس کے لیے مانع قرار پاتے ہیں حالانکہ وہ اعلیٰ منصب ممکن الحصول ہوتا ہے مگر اس کے باوجود نا اہل کے لیے ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ (تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۸۲)

اجتہاد مطلق اور اجتہاد فی الشرع ممکن ہے اس کی شرائط ممکن الحصول ہیں مگر شرائط کے حصول کے بغیر اجتہاد ممکن نہیں۔ اس حقیقت کے باوجود بعض لوگ غلط تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان کو شوق ہو تو وہ شرائط کے حصول کی کوشش کریں نہ کہ شرائط کو کالعدم قرار دیں۔ (تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۱۰)

۲۔ اجتہاد مطلق کی شرائط: شرائط وہ خارجی امور ہوتے ہیں جو کسی شے سے مقدم ہو کر اس کے وجود کے لیے موقوف علیہ بنتے ہیں اور اس شے کا وجود ان امور کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ان امور کے وجود سے اس شے کا وجود بھی متحقق ہو جائے۔ بلکہ اس شے کے وجود کے لیے کسی اور علت کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ (دائرہ المعارف الاسلامیہ ص ۲۰۰ ج ۱۱، دانش گاہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

شرعی اجتہاد چونکہ قرآن وحدیث سے استنباط کے ملکہ کا نام ہے اس لیے یہ مفہوم جن امور پر موقوف ہوگا وہ اس اجتہاد کے لیے شرائط قرار پائیں گے۔

چونکہ استنباط احکام قرآن وحدیث کے الفاظ ومعانی سے متعلق ہے اور یہ امر واضح ہے کہ لفظ بغیر معنی اور معنی بغیر لفظ معتبر نہیں اس لیے لفظ بحیثیت دال علی المعنی اور معنی بحیثیت مدلول لفظ معتبر ہوتا ہے۔ جب کہ معنی پر لفظ کی دلالت وضع کیے بغیر ممکن نہیں اس لیے لفظ کی بحث میں لفظ موضوع معتبر ہوگا۔ لہذا یہاں لفظ وضع دلالت اور معنی کی بحث مقدم ہوگی۔ (الحدیقۃ الندیہ ج ۱ ص ۲۹۸، علامہ عبدالغنی نابلسی)

اور پھر لفظ کی وضع لغوی' عرفی' اصطلاحی اور شرعی' معلوم کرنے کے بعد ہر وضع کے لحاظ سے لفظ کی اقسام پھر ان میں سے ہر قسم کی دلالت کے لحاظ سے اقسام' اس کے بعد دلالت کی تینوں قسموں کے اعتبار سے معنی کا مرحلہ آئے گا تو اب معنی کے اعتبار سے دیکھنا ہوگا کہ لفظ موضوع کی جو دلالت معنی پر ہو رہی ہے' اس میں ظہور ہے تو کس درجہ کا اور اگر خفا ہے تو کس درجہ کا ہے۔

اس لیے معنی کے لحاظ سے ظہور وخفا کی اقسام معلوم کرنا ہوں گی' اس کے بعد لفظ موضوع دال علی المعنی کے

استعمال کے لحاظ سے یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس لفظ کو حقیقی اور وصفی معنی یا کسی اور معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور پھر ہر صورت میں یہ دیکھنا ہے کہ یہ لفظ کسی معنی میں معروف اور متعین ہو چکا ہے یا نہیں؟ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اگر یہ لفظ مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے تو کس مناسبت سے' ان مناسبات اور علاقات وغیرہ کو معلوم کرنا اور پھر قرینہ کی بنا پر اس میں سے کسی ایک کو متعین کرنا ہوگا تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہاں مجاز کی کونسی قسم ہے۔ (الموافقات ج ۳ ص ۱۱۳)

ان تمام مراحل کے بعد آخر میں مراد کو سمجھنے کا مرحلہ آتا ہے کہ مخاطب مراد کا فہم لفظ سے حاصل کرتا ہے یا معنی سے اگر لفظ سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسی مراد کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

جس کے لیے متکلم نے کلام کیا ہے یا کسی اور مراد کو چاہتا ہے اور اگر معنی سے فہم مراد چاہتا تو لغوی معنی سے یا اصطلاحی معنی سے اپنی مراد کو حاصل کرنا چاہتا ہے غرض کہ لفظ' وضع دلالت استعمال اور فہم مراد تک لفظی ابحاث سے گزرنا پڑے گا جب کہ ان ابحاث کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے' ان ابحاث پر ملکہ حاصل کرنے کے بعد قرآن و حدیث کی طرف رجوع کا مرحلہ آتا ہے کیونکہ مذکورہ ابحاث کا تعلق تو لفظ سے تھا خواہ وہ کسی بھی زبان کا ہو۔

قرآن و حدیث چونکہ عربی زبان میں ہیں اس لیے عربی زبان کی خصوصیت کا علم بھی ایک مرحلہ ہے کیونکہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت نے اسے خصوصی مقام دیا ہے جو کہ دوسری کسی زبان کو حاصل نہیں ہے' دوسری تمام زبانیں اس کے مقابلہ میں عجمی قرار پاتی ہیں' اس لیے عربی کے خصوصیات اور امتیازات کا علم ایک علیحدہ مرحلہ ہے جو سر کرنا ہوگا۔ (ایضاً)

پھر کلام رسول اللہ ﷺ یعنی حدیث شریف جس کی خصوصیت تمام عربی زبان سے بڑھ کر ہیں اسی لیے خود آنحضرت ﷺ نے ''اوتیت جوامع الکلم'' فرمایا حدیث شریف جیسی جامع کلام کا احاطہ کرنے کے لیے عربی فصاحت و بلاغت کی انتہائی حدوں کو چھونا ضروری ہے۔ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس نے بلاغت کے میدان میں تمام بلغاء عرب کو' فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ'' کا چیلنج کیا ہے' جس کے جواب میں بلغاء عرب کے تمام فنون اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے کلام اللہ کو حد اعجاز قرار دے چکے ہیں اس لیے قرآن پاک جیسے کلام کو سمجھنے کے لیے علم بلاغت کی آخری حدوں کے ماوراء ایک خصوصی استعداد کی ضرورت ہے' جس سے اس کو سمجھا جانا ممکن ہے۔ (الحدیقۃ ص ۲۹۸ ج ۱)

اس بحث کا مقصد یہ بات واضح کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ اور معانی کے فہم کے لیے تمام علوم عربیہ اور علوم بلاغت میں ملکہ حاصل کرنا ازبس ضروری ہے جب کہ ان علوم کے اصولی اقسام کم از کم چھ ہیں۔ جن

میں سے ہر قسم کئی فنون پر مشتمل ہے حالانکہ ابھی تک قرآن و حدیث کے الفاظ اور معانی و صیغہ تک ہی رسائی ممکن ہوئی ہے۔ (الفضل الوہبی ص ۹ فاضل بریلوی، الموافقات ج ۳ ص ۱۱۴)

اور اگر قرآن و حدیث کے مرادی معانی کا فہم مقصود ہو تو پھر شرعی احکام کا استنباط کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے متعلق علوم میں ملکہ اور مہارت حاصل کرنا لازمی ہوگا (بحرالرائق ج ۶ ص ۲۶۵)

کیونکہ قرآن و حدیث کے متعلق خصوصی احکام ہیں جن کے مطابق قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح اور اس کے بیان میں کوئی شخص ذاتی رائے سے کوئی بات نہیں کرسکتا' ''من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا من النار'' دوسری روایت میں بغیر علم کی بجائے برایہ کے الفاظ ہیں ایک روایت میں فرمایا گیا' ''من قال فی القرآن برایہ فاصاب فقد اخطاء'' یعنی قرآن پاک میں رائے زنی سے کام لینے والے کے لیے یہ وعیدیں فرمائی گئیں ہیں حتی کہ بغیر علم اور بغیر دلیل شرعی کے اپنی رائے اور فہم سے کوئی بات درست کہہ دی جائے تو وہ بھی غلط ہوگی اور یہ جرم ہوگا۔ (ترمذی و ابوداؤد)

اسی طرح کی وعیدیں حدیث کے بارے میں بھی موجود ہیں' اس لیے ضروری ہے کہ قرآن فہمی کے لیے علم تفسیر اصول تفسیر قرآن پاک سے متعلق تواریخ وغیرہ میں مہارت خصوصی طور پر مجتہد کے لیے احکام سے متعلقہ آیات کی جملہ قرات کا علم بھی ضروری ہے۔ (الحدیقۃ الندیۃ)

اسی طرح حدیث میں بھی متعدد مراحل طے کرنے ہوں گے کیونکہ حدیث کی صحت اور قبولیت معلوم کرنے کے لیے راویوں سے متعلق فن نقد رجال جس میں ہر راوی کی سوانح اور اس کا صدق' حفظ و ضبط اور اس کی ثقاہت معلوم کرنا ہوگی تا کہ معلوم ہو سکے کہ صفات رواۃ کے لحاظ سے یہ حدیث کس مرتبہ میں ہے اور وصل و انقطاع کے لحاظ سے کون سی قسم ہے۔ (الفضل الوہبی ص ۸)

اس کے بعد تمام کتب احادیث یا ذخیرۂ حدیث میں سے معلوم کرنا ہوگا کہ اس حدیث کے راویوں کی تعداد کتنی ہے تا کہ تعداد روایت کے لحاظ سے اس کو تواتر یا شہرت اور غرابت میں سے کس درجہ میں شمار کیا جائے تا کہ حجیت کے لحاظ سے اس سے ماخوذ حکم کی نوعیت معلوم ہو سکے۔ (ایضاً)

جب کہ تیسرا مرحلہ نہایت دقیق ہے کہ اگر حدیث میں کوئی وجوہ و علل قادحہ ہوں تو غور و فکر سے ان کو معلوم کرے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۳۲)

مگر ابھی ان تین مراحل سے صرف حدیث کی قسم معلوم ہوگی اور یہ متعین ہوگا کہ یہ حدیث قابل استدلال ہے یا نہیں؟ یہاں تک ایک اعلیٰ محدث کی رسائی تو ہو سکتی ہے' مگر اجتہاد کا کام ابھی باقی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ علوم

عربیہ اور علوم قرآنیہ میں مہارت اور اس کے بعد فنِ حدیث اور اس کے معارف پر ملکہ حاصل کر لینے پر کوئی شخص مجتہد قرار پائے۔

امام بخاری علیہ الرحمہ جنہوں نے اس مرتبہ تک کمال حاصل کر لیا اور یہاں تک علوم حاصل کر لیے کہ اپنے اندر اجتہادی قوت محسوس فرمانے لگے حتیٰ کہ فقہاء محدثین میں سے بعض نے ان کو مجتہد بھی مانا مگر بخاری شریف میں ان کے استدلالات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ابھی اجتہاد کی منزل بہت آگے ہے۔

(الفضل الموہبی ص ۱۹ امام احمد رضا خان بریلوی)

اس لیے امام سفیان بن عیینہ جو امام شافعی اور امام احمد کے استاد اور امام بخاری کے دادا استاد عظیم محدث فقیہ اور تابعی ہیں نے فرمایا "الحدیث مضلة الا للفقهاء" جس کی تشریح علامہ ابن الحاج مکی نے مدخل میں یوں فرمائی۔

"يريد ان غيرهم قد يحمل الشئ على ظاهره وله تاويل من حديث غيره اودليل يخفى عليه بما لا يقوم به الا من استبحر و تفقه"

(یعنی امام سفیان کا مقصد یہ ہے کہ غیر مجتہد کو بھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ آئے اسی کو لے لیتا ہے حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے یا یہاں کوئی دلیل ہے جس پر وہ محدث مطلع نہیں جب کہ ان امور پر صرف مجتہد ہی کو قدرت ہو سکتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ امام اعمش نے امام ابو حنیفہ سے متعدد مسائل پوچھے جن کو آپ نے حل کر دیا تو امام اعمش نے فرمایا یہ جوابات آپ نے کہاں سے حاصل کیے؟ آپ نے جواب دیا ان احادیث سے جو میں نے آپ سے سنی ہیں۔ اس پر امام اعمش نے فرمایا تعجب ہے جو احادیث میں نے آپ کو ایک سو دن میں سنائی ہیں وہ آپ نے مجھے ایک ساعت میں بیان کر دیں۔

اور پھر فرمایا يا معشر الفقهاء انتم الاطبأ ونحن الصيادلة (المدخل ص ۱۲۲ ج ۱)
یعنی ہم محدثین صرف عطار ہیں اور اے گروہ فقہا! آپ طبیب ہیں۔

معلوم ہوا کہ علوم عربیہ، علوم بلاغت، علوم قرآنیہ اور فنِ حدیث و معارف حدیث کے حصول کے باوجود اجتہاد فی الشرع کا مقام حاصل ہونا ضروری نہیں اس حقیقت کو خود حضور پُرنور ﷺ نے بیان فرمایا۔

نضر الله عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه الی من هو افقه منه
اللہ تعالیٰ اس بندہ کو سر سبز و شاداب رکھے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی اور محفوظ کی اور ٹھیک ٹھیک

دوسروں تک پہنچا دی۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کی فقاہت کا علم نہیں رکھتے جب کہ دوسروں کو ان سے زیادہ لیاقت ہوتی ہے۔ (ترمذی)

علوم قرآن و سنت کے علاوہ اجماع و اختلاف کے مواضع اور اصول و قواعدِ قیاس کا علم، فقیہ النفس، صحیح العقیدہ اور اخلاصِ نیت بھی شرائط ہیں۔ (بحر الرائق ص ۲۶۵ ج ۲)

اس لیے تسلیم کرنا پڑے گا کہ مذکورہ بالا علمی شرائط کو پورا کر لینے کے بعد بھی مجتہد مطلق بن جانا ضروری نہیں بلکہ ملکہ اجتہاد کے لیے کچھ باطنی امور ایسے بھی ہیں جو مجتہد کی اہلیت کے لیے معاون ہوتے ہیں۔

(تاریخ المذاہب الفقہیہ ص ۱۰۹)

انہی باطنی کیفیات کے حصول کے لیے فقہا کرام نے مجتہد کے لیے شخصی شرائط کے تحت فرمایا کہ وہ عاقل و بالغ اور عادل ہونے کے ساتھ ساتھ ہر قسم کی نیکی کا پابند ہو اور ہر قسم کی آلائش سے پاک اور مقاصد شرعیہ، مصالح اسلامیہ کے فہم کا ملکہ رکھتا ہو اور عوام الناس کے عرف و محاورات کو سمجھتا ہو۔ ان امور سے اللہ تعالیٰ شرح صدر فرماتا ہے جس کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ (الموافقات ص ۱۰۶ ج ۴)

تاہم شرائط کا فقدان ہے تو ان کو غیر ضروری قرار دینے کا بھی کوئی جواز نہیں اور نہ ہی ان کو کالعدم قرار دینے کی ضرورت ہے اس وقت شوق اجتہاد کی ضرورت نہیں بلکہ مسائل کے حل کی ضرورت ہے جب کہ حل کے لیے قواعد اور مواد موجود ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وضع کردہ قواعد و اصول کی وسعت سے فائدہ اٹھایا جائے آپ نے ضرورت، حرج، عرف تعامل، اہم ملی ضرورت کے حصول اور انتہائی ملی فساد کے رفع کرنے کو لاینحل مسئلہ کے حل کے لیے بنیاد قرار دیا ہے لہٰذا معاشرتی ضرورت کے تحت ان چھ اصول میں سے کسی کو استعمال کرنا امام ابو حنیفہ کا وقتی اجتہاد قرار پائے گا۔ بشرطیکہ وہ مسئلہ آپ کے دوسرے قواعد کے تحت کسی طرح حل نہ ہوتا ہو۔

(اجتہاد الاعلام ص ۹)

دورِ حاضر کے شائقین اجتہاد کو غلط فہمی ہے جس کی بنا پر وہ اجتہاد کو معمولی اور آسان سمجھتے ہوئے اجتہاد مطلق کا واویلا کر رہے ہیں اور اس کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں۔

میرے خیال میں ایک غلط فہمی تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان حضرات کو مجتہد مطلق کے مفہوم سے آگاہی نہیں جس کا جواب اوپر بحث میں آ چکا ہے ان کی دوسری غلط فہمی غالباً یہ ہے کہ وہ قیاس کو اجتہاد مطلق قرار دیتے ہیں مگر یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اگر اجتہاد کے یہی معنی ہیں تو پھر یہ اجتہاد حنفی مفتیان کرام کا روزمرہ کا معمول ہے اور زور و شور سے جاری ہے جس کی بنیاد پر مفتیان کرام روزمرہ کے مسائل کا حل پیش کر رہے ہیں۔

مگر یہ واضح ہونا چاہیے کہ قیاس اور اجتہاد مطلق دو مختلف چیزیں ہیں کیونکہ قیاس میں غیر منصوص امر کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس کی علت مؤثرہ تلاش کی جاتی ہے تاکہ کسی منصوص امر کی علت کے ساتھ اس کا اشتراک ثابت کرکے منصوص حکم کو اس غیر منصوص میں منتقل کیا جائے جب کہ اجتہاد میں اس کے برعکس معاملہ ہوتا ہے وہ یہ کہ کسی ایسے امر کی علت تلاش کی جائے جس کا حکم منصوص ہو مگر اس کی علت معلوم نہ ہو کیونکہ جب تک اس منصوص امر کی علت نہ ہو اس وقت تک کسی دوسرے امر کا اشتراک معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس منصوص حکم کو منتقل کیا جا سکتا ہے اس لیے مجتہد اس منصوص الحکم میں حکم کی علت تلاش کرتا ہے تاکہ اس حکم میں کسی دوسرے امر کو اشتراک علت کی بناء پر شریک کیا جائے۔ قیاس میں جو عمل ہوتا ہے اس کو اصول اصطلاح میں تخریج المناط کہا جاتا ہے اور مجتہد جو عمل کرتا ہے اس کو تنقیح المناط کہا جاتا ہے غرضیکہ مجتہد کا عمل پہلے ہوتا ہے جس کے نتیجے میں قیاس کو عمل میں لایا جاتا ہے جب کہ قیاس کا عمل غیر مجتہد بھی کر سکتا ہے۔ (الموافقات ج ۴ ص ۹۵)

اس کے باوجود اگر غلط فہمی باقی ہو تو پھر اس کا مطلب واضح ہے کہ یہ لوگ معاشرتی مسائل کا حل نہیں چاہتے بلکہ معاشرہ میں فساد وافتراق چاہتے ہیں کیونکہ نفسانی خواہشات کا بے لگام غلبہ معاشرہ کو تباہ کر دیتا ہے اسی لیے حالیہ دور کے مفکر اور فقیہ علامہ ابوزہرہ مصری نے اجتہادی ضرورت کے داعی ہونے کے باوجود مذکورہ بالا شرائط کو متفق علیہ طور پر لازمی قرار دیا ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب وما توفیقی الا باللّٰہ العظیم

☆☆☆☆☆

امام بخاری شافعی مقلد تھے

از۔ علامہ پروفیسر نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ

(مؤلف سیرت رسول عربی ﷺ)

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد! فقیر توکلی ناظرین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس زمانہ پُرفتن میں فرقوں کی کثرت ہے اور ہر فرقہ یہی دعویٰ کرتا ہے کہ ہم حق پر ہیں' باقی سب گمراہ ہیں لہذا اگر سوال کیا جائے کہ ان میں سے اہل سنت وجماعت کون ہیں؟ تو جواب ہوگا کہ مقلدینِ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ' غیر مقلدین اس جواب سے بہت پیچ وتاب کھاتے ہیں کیونکہ وہ تقلیدِ ائمہ عظام بالخصوص تقلید سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور امام صاحب کو بُرا بھلا کہتے رہتے ہیں' یہ لوگ بڑے نادان ہیں کہ اس طرح اپنی نیکیاں امام صاحب کے نامہ اعمال میں درج کراتے رہتے ہیں' امام صاحب کی طرح کئی اور بزرگ بھی ہیں کہ جن کے نامہ اعمال میں وصال کے بعد بھی نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے چنانچہ حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نامہ اعمال کو رافضیوں اور خارجیوں نے جاری رکھا ہے اور صوفیاءِ کرام میں سے حضور غوث پاک سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ اکبر اور منصور حلاج وغیرہ کے نامہ اعمال بھی جاری ہیں۔ کاش! غیر مقلدین اس پر غور کریں۔ اگر فقط حافظ حدیث بننے سے کام چل سکتا ہے تو مؤلفینِ صحاح ستہ رحمہم اللہ تعالیٰ کیوں تقلید اختیار فرماتے؟ جب غیر مقلدوں سے اس کا کوئی معقول جواب نہیں بن پڑتا تو گھبراہٹ میں کبھی تو بزرگانِ دین کے حق میں دریدہ دہنی کرنے لگتے ہیں اور کبھی ان مؤلفین بالخصوص امام بخاری کی نسبت یوں گویا ہوتے ہیں کہ وہ شافعی نہ تھے بلکہ مجتہد مستقل تھے لہذا ان اوراق میں خصوصیت سے امام بخاری کے مقلد یا غیر مقلد ہونے کی بحث درج کی جاتی ہے۔

واللّٰہ ھو المستعان وعلیہ التکلان

کچھ عرصہ ہوا کہ اخبار اہلِ فقہ امرتسر میں بعض علمائے احناف نے امام بخاری اور انکی ''صحیح'' پر مضامین لکھے جو ایک کتاب کی شکل مرتب ہوکر'' الجرح علی البخاری'' کے نام سے موسوم ہوئے' اس کے جواب میں مولوی حاجی محمد ابوالقاسم بناری نے ''حل مشکلات بخاری'' شائع کی' لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کے متعلق جو کچھ مولوی ڈاکٹر سید عمر کریم عظیم آبادی کی طرف سے اول الذکر میں اور بناری کی طرف سے مؤخر الذکر کتاب میں مذکور ہے اسے نقل کردوں' اس نقل میں بغرض اختصار

سید صاحب کے مضمون کو قال العظیم آبادی سے اور اس کے جواب کو قال البنارسی سے شروع کیا جاتا ہے اور جواب الجواب اقول سے مزین ہوتا ہے۔

قال العظیم آبادی: اس زمانہ میں بخاری پرستوں نے جہاں کتاب بخاری کا درجہ قرآن شریف سے بڑھا دیا وہاں امام بخاری کو مجتہد مطلق بھی بنا دیا ہے حالانکہ یہ پکے اور متعصب شافعی المذہب تھے اور اس کا ثبوت دو طریقہ سے ہو سکتا ہے' ایک کسی مستند شخص کے قول سے اس کو ثابت کرنا'۔ دوسرا یہ امر دکھلانا کہ ان میں اجتہاد کی قوت مطلق نہ تھی' اور ایسی حالت میں ان کو سوائے مقلد ہونے کے کوئی چارۂ کار نہ تھا' امر اول کا ثبوت یہ ہے کہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ مصر جلد اص ۳۲ میں ہے۔ قال التاج السبکی ذکرہ العینی یعنی البخاری ابو عاصم فی طبقات اصحابنا الشافعیة.

ترجمہ: کہا تاج الدین سبکی نے کہ ابو عاصم نے بخاری کو شافعیوں کے زمرہ (کلاس) میں ذکر کیا ہے "پس قول" مذکورہ بالا سے جس میں قسطلانی نے تاج الدین سبکی کے اور تاج الدین سبکی نے ابو عاصم کے قول کو نقل کیا ہے۔ یہ امر بخوبی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے اور چونکہ یہ تینوں (امام قسطلانی' تاج الدین سبکی' ابو عاصم) اکابر محدثین اور آئمہ دین سے ہیں اسی واسطے ان سب کا قول سرسری نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا اور یہ قول اس وقت اور بھی زیادہ قابل قبول کے ہو جاتا ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ تینوں اشخاص مذکورہ بالا بھی شافعی المذہب تھے۔ (الجرح علی البخاری جلد اول صفحہ ۳)

قال البنارسی: اس قول میں صرف ابو عاصم شاذ ہے اور آپ کا اس تین شخصوں کا مذہب سمجھنا (قسطلانی' تاج الدین سبکی' ابو عاصم) غلط ہے کیونکہ قسطلانی و سبکی صرف ناقل ہیں اور یہ امر بدیہی ہے کہ نقل امر اس بات کو مستلزم نہیں کہ ناقل کے نزدیک بھی وہ صحیح ہو۔ کیا آپ نے نہیں سنا؟ نقل کفر کفر نباشد' باقی رہے صرف ابو عاصم' ان کا قول ایسا ہی ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل کو بھی مصنف طبقات شافعیہ والے نے شافعیوں میں شمار کر دیا ہے حالانکہ وہ خود صاحب مذہب مستقل ہیں' ورنہ لازم آئے گا کہ حنبلی و شافعی ایک ہی ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ پس جیسا کہ امام احمد شافعی نہیں ہو سکتے' امام بخاری بھی نہیں ہو سکتے ابو عاصم نے صرف توافق فی المسائل کی بنا پر ایسا کہا ہے ورنہ امام بخاری مجتہد مستقل تھے جیسا کہ علامہ اسمٰعیل عجلونی شامی حنفی الفوائد الدراری میں لکھتے ہیں کہ۔

کان مجتهد امطلقا واختاره السخاوی قال والمیل بکونه مجتهد امطلقا صرح به تقی الدین بن تیمیة فقال انه امام فی الفقه من اهل الاجتهاد انتهیٰ (الفوائد الدراری)

امام بخاری مجتہد مطلق تھے اور اس کو بخاری نے اختیار کیا اور ترجیح دیا ہے کہ امام سخاوی مجتہد مطلق

تھے اس کی تصریح ابن تیمیہ نے بھی فرمائی ہے کہ امام بخاری فقہ کے امام اور اہل اجتہاد سے تھے۔

پس جب امام بخاری کا مجتہد ہونا ثابت ہے تو یہ بدیہی ہے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا لہٰذا امام بخاری امام شافعی کے مقلد ہرگز نہیں ہو سکتے جس کی مفصل بحث میں نے اپنے رسالہ الریح القیم ص ۳ والعرجون القدیم ص ۱۲ تا ۱۴ میں کی ہے۔ پس امام بخاری کے مجتہد نہ ہونے کے ثبوت کے لیے جو دو طریقے آپ نے اختیار کیے تھے۔ (۱) کسی مستند شخص کے قول سے ثابت کرنا' یہ ثابت نہ ہو سکا بلکہ بخلاف اس کے ان کا مجتہد ہونا ثابت ہو گیا۔ (حل مشکلات بخاری حصہ اول ص ۲۸ تا ۲۹)

اقول: قاضی ابو عاصم العبادی کی پیدائش ۳۷۵ھ میں اور وصال ۴۵۸ھ میں ہے شیخ الاسلام تاج الدین سبکی ان کے حال میں لکھتے ہیں:۔

کان اماما جلیلا حافظاللمذهب بحرایتدفق بالعلم (طبقات الشافیعة الکبریٰ جزء ثالث ص ۴۲) یعنی ابو عاصم العبادی امام جلیل اور مذہب کے حافظ اور سمندر تھے کہ علم بہار ہے تھے انتہیٰ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۲۵۶ھ میں ہے اب غور کیجئے کہ جو بزرگ امام بخاری کے تقریباً سو برس کے بعد پیدا ہوا اور خود شافعی کہ مذہب شافعی کا حافظ تھا وہ اپنی کتاب طبقات جو اسی بارے میں ہے کہ فقہاء و محدثین میں سے کون کون سے شافعی المذہب گزرے ہیں امام بخاری کو زمرہ شافعیہ میں شمار کر رہا ہے پھر اس کے بعد اس بزرگ کی تائید پر تائید ہو رہی ہے ایسے بزرگ کے قول کو بنارسی چودھویں صدی میں بلا سند شاذ بتا رہا ہے اور تائید کنندگان کو محض ناقل غلط خیال کر رہا ہے' العجب ثم العجب! امام سبکی امام بخاری کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذکر ابوعاصم العبادی ابا عبدالله فی کتاب الطبقات وقال سمع من الزعفرانی وابی ثورو الکرابیسی (قلت) وتفقه علی الحمیدی وکلهم من اصحاب الشافعی (طبقات الشافعية جزء ثانی ص ۴)

ترجمہ ابو عاصم العبادی نے ابو عبداللہ (امام بخاری) کو اپنی کتاب طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی اور ابو ثور اور کرابیسی سے سماع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے امام حمیدی سے فقہ سیکھی اور یہ سب امام شافعی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ انتہیٰ غور کیجئے یہاں امام سبکی کس طرح امام ابو عاصم کی تائید کر رہے ہیں؟ گویا فرما رہے ہیں کہ امام بخاری واقعی زمرۂ شافعیہ میں ہیں کیونکہ انہوں نے فقہ امام حمیدی (متوفی ماہ شوال ۲۱۹ھ) سے پڑھی ہے اور امام زعفرانی اور ابو ثور اور کرابیسی اور حمیدی سب شافعی مذہب اور امام شافعی کے شاگرد ہیں۔ امام سبکی دوسری جگہ امام بخاری کے استادوں کا

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و (سمع) بمكة عن الحميدى و عليه تفقه عن الشافعى (طبقات جزء ثانی ص ۳) یعنی امام بخاری نے مکہ مشرفہ میں امام حمیدی سے سماع حدیث کیا اور انہی سے فقہ شافعی پڑھی ہے اور امام حمیدی کے ترجمہ میں ہے روى عن الشافعى و تفقه به (طبقات جزء اول ص ۲۶۳) یعنی امام حمیدی نے امام شافعی سے حدیث روایت کی اور انہی سے فقہ پڑھی انتہی پس ظاہر ہے کہ امام بخاری فقہ شافعیہ میں امام حمیدی کے شاگرد ہیں اور امام حمیدی امام شافعی کے شاگرد ہیں' غرض امام تاج سبکی شافعی (متوفی ۷۷۱ھ) نے ابو عاصم کی تائید مدلل طور پر کردی اور علامہ قسطلانی شافعی (متوفی ۹۲۳ھ) نے امام سبکی کے قول کو نقل کر کے برقرار رکھا لہٰذا یہ تائید پر تائید ہوگئی' شافعیہ کے علاوہ حنفیہ کرام بھی امام بخاری کو شافعی المذہب جانتے ہیں چنانچہ علامہ ازنیقی حنفی نے جو آٹھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں اپنی کتاب "مدینة العلوم" میں امام بخاری کو زمرۂ شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے مدینۃ العلوم کی عبارت کو یوں نقل کیا ہے۔ فلنذكر بعد ذلك نبذا من ائمة الشافعية ليكون الكتاب كامل الطرفين جائز الشرفين وهولاء صنفان احدهما من تشرف بصحبة الامام الشافعى والاخر من تلاهم من الائمة اما الاول فمنهم احمد خالد الخلال ابو جعفر البغدادى .... واما الصنف الثانى فمنهم محمد بن ادريس ابو حاتم الرازى و محمد بن اسمعيل البخارى و محمد بن على الحكيم الترمذى الخ (ابجد العلوم ص ۸۱۱)

ترجمہ۔ ہمیں چاہیے کہ اس کے بعد (یعنی آئمہ حنفیہ کے بعد) آئمہ شافعیہ کا کچھ ذکر کریں تاکہ ہماری کتاب دو طرف کی کامل اور دو شرف کی جامع بن جائے۔ اور آئمہ شافعیہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جنہیں امام شافعی کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور دوسرے وہ آئمہ جو ان کے بعد آئے پہلی قسم میں سے احمد خالد الخلال ابو جعفر بغدادی ہیں اور دوسری قسم میں سے محمد بن ادریس ابو حاتم رازی اور محمد بن اسمٰعیل بخاری اور محمد بن علی حکیم ترمذی ہیں انتہی۔

بنارسی کا قول کہ امام تاج سبکی نے طبقات میں امام احمد بن حنبل کو بھی شافعیوں میں شمار کر دیا ہے' درست نہیں بنارسی نے شاید طبقات کو دیکھا نہیں ورنہ ایسا نہ لکھتا۔ تاج سبکی نے امام احمد بن حنبل کو طبقہ اولےٰ میں شمار کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں الطبقة الاولىٰ فى الذين جالسوا الشافعى (طبقات جزء اول ص ۱۸۶) یعنی پہلا طبقہ ان لوگوں کے ذکر میں ہے جنہوں نے امام شافعی کے ساتھ مجالست کی انتہی چونکہ امام احمد بن حنبل امام شافعی کے شاگرد ہیں لہٰذا طبقہ اولیٰ میں ان کا ذکر کیا گیا مگر ساتھ ہی بتلا دیا ہے کہ

وہ مجتہد مستقل صاحب مذہب ہیں چنانچہ تاج سبکی کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

هو الامام الجليل ابو عبدالله الشيبانى المروزى ثم البغدادى صاحب المذهب (طبقات جزء اول ص ۱۹۹)

امام تاج سبکی نے امام بخاری کو دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے جس کی نسبت یوں فرماتے ہیں الطبقة الثانية فيمن توفى بعد المائتين ممن لم يصحب الشافعى وانما اقتفى اثره واكتفى بمن استطلع خبره واصطفى طريقه الذى اطلع فى دياجى الشكوك قمره. (طبقات جزء اول ص ۲۸۵)

ترجمہ: دوسرا طبقہ ان لوگوں کے ذکر میں ہے جن کی وفات ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی اور امام شافعی کی صحبت ان کو میسر نہیں ہوئی اور جنہوں نے صرف امام شافعی کے طریق کا اتباع کیا اور کفایت کی انہی شخصوں پر جنہوں نے امام شافعی کا حال دیکھا اور اختیار کیا امام شافعی کا طریقہ جس کا چاند شکوک کی تاریکیوں میں ظاہر ہوا۔ انتہی۔

پس امام بخاری کا مقلد شافعی ہونا ثابت ہوگیا۔

بنارسی نے امام بخاری کو مجتہد مستقل ثابت کرنے کے لئے علامہ اسمٰعیل عجلونی حنفی کا قول نقل کیا ہے مگر اس سے بنارسی کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیوں مجتہد مطلق دو قسم کا ہوتا ہے' ایک مستقل دوسرے منتسب' چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واعلم ان المجتهد المطلق من جمع خمسة من العلوم.....ثم اعلم ان هذا المجتهد قد يكون مستقلا وقد يكون منتسبا الى المستقل والمستقل من امتاز عن سائر المجتهدين بثلاث خصال كما ترى فى الشافعى احدها ان يتصرف فى الاصول والقواعد التى يستنبط منها الفقه.....وثانيها ان يجمع الاحاديث والاثار فيحصل احكامها ويتنبه لما خذ الفقه منها ويجمع مختلفها ويرجح بعضها علىٰ بعض ويعين بعض محتملها وذلك قريب من ثلثى علم الشافعى فى مانرى والله اعلم .....وثالثها ان يفرع التفاريع التى ترد عليه مما لم يسبق بالجواب فيه من القرون المشهود لها بالخير وبالجملة فيكون كثير التصرفات فى هذه الخصال فائقا على اقرانه سابقا فى حلبة رهانه مبرزا فى ميدانه وخصلة رابعة تتلوها وهى ان ينزل له القبول من السماء فيقبل الىٰ علمه جماعات من العلماء من المفسرين والمحدثين

والاصوليين وحفاظ كتب الفقه ويمضى علىٰ ذالك القبول والا قبال قرون متداولة حتى يدخل ذالك فى صميم القلوب والمجتهد المطلق المنتسب هو المقتدى المسلم له فى الخصلة الاولى الجارى مجراه فى الخصلة الثانية والمجتهد فى المذهب هوالذى سلم من الاولى والثانية وجرى مجراه فى التفريع على منهاج تفاريعه .

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ مجتہد مطلق وہ ہے جو پانچ علموں کا عادی ہو...... پھر یہ معلوم کرو کہ یہ مجتہد کبھی مستقل ہوتا ہے اور کبھی منسوب بہ مستقل' اور مجتہد مستقل وہ ہے کہ باقی مجتہدوں سے تین باتوں میں امتیاز رکھتا ہو جیسے یہ بات امام شافعی میں ظاہر دیکھتے ہو۔ اول یہ کہ ان اصول اور قواعد میں جن سے فقہ کا استنباط ہوتا ہے تصرف کرے...... دوسری بات مجتہد مستقل کی یہ ہے کہ احادیث اور آثار کو جمع کرے اور ان کے احکام کو بہم پہنچادے اور ان میں سے ماخذِ فقہ پر واقف ہو اور ان میں سے مختلف کی تطبیق کرے اور بعض کو بعض پر ترجیح دے اور بعض احتمالات کو معین کرے اور یہ بات ہمارے خیال میں علمِ امام شافعی کے دو تہائی کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری بات مجتہد مستقل کی یہ ہے کہ جو مسائل اس پر ایسے پیش ہوں جس کا جواب پہلے نہیں ہوا یعنی تینوں قرنوں میں جن کے بہتر ہونے کی شہادت ہو چکی ہے ان مسائل کی تفریعات نکالے یعنی جواب دے۔ حاصل یہ کہ ان تینوں باتوں میں اس کا بہت سا تصرف ہو اور اس میں اپنے ہمسروں پر فوقیت اور میدان مسابقت میں گوئے سبقت رکھتا ہو اور اس معرکہ میں سب سے بڑھا ہوا ہو' اور تین باتوں کے بعد ایک چوتھی بات ان سے لگی ہوئی یہ ہے کہ اس کے لئے مقبول ہونا آسمان سے اترے کہ اس کے علم کی طرف علمائے مفسرین اور محدثین اور ارباب اصول اور کتب فقہ کے حافظ گروہ کے گروہ جھک پڑیں اور اس مقبولیت اور علماء کے متوجہ ہونے پر زمانہائے دراز گزر جائیں یہاں تک کہ یہ قبول دلوں کی تہہ میں گھس جائے' اور مجتہد مطلق منتسب وہ پیروی کرنے والا ہے کہ مجتہد مستقل کی اول بات کو مانتا ہے اور دوسری بات میں اس کی روش اختیار کرتا ہے۔ اور مجتہد فی المذہب وہ ہے جو مجتہد مستقل کی پہلی اور دوسری بات مانتا ہے اور تیسری بات میں یعنی تفریع مسائل میں اس کی چال چلتا ہے انتہیٰ۔

(انصاف مع ترجمہ اردو بنام کشاف' مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۷۱ تا ۷۴' نیز دیکھو عقد الجید مع ترجمہ اردو صہ ۱۰)۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علامہ عجلونی نے جو امام بخاری کو مجتہد مطلق لکھا ہے' اس سے ان کی مراد کونسی قسم ہے؟ میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ علامہ عجلونی یا کسی اور کی یہ ہرگز مراد نہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق

مستقل تھے ومن قال به فعليه البيان ۔ ابن زیاد شافعی یعنی علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کے قول (کہ ابن جریر کے سوا اجتہاد مستقل کے درجہ کو کوئی نہیں پہنچا) کی تردید کرتے ہوئے اپنے فتاویٰ میں یوں لکھتے ہیں:

كلامه يقتضى ان ابن جرير لا يعد شافعيا وهو مردود فقد قال الرافعى فى اول كتاب الزكوة من الشرح تفرد ابن جرير لا يعد وجها فى مذهبنا وان كان معدودا فى طبقات اصحاب الشافعى قال النووى فى التهذيب ذكره ابو عاصم العبادى فى الفقهاء الشافعية وقال هو من افراد علمائنا واخذ فقه الشافعى على الربيع المرادى والحسن الزعفرانى انتهى ومعنى انتسابه الى الشافعى انه جرى على طريقة فى الاجتهاد واستقراء الا دلة وترتيب بعضها على بعض ووافق اجتهاده اجتهاده واذا خالف احيانا لم يبال بالمخالفة ولم يخرج عن طريقة الا فى مسائل وذلك لا يقدح فى دخوله فى مذهب الشافعى ومن هذا القبيل محمد بن اسمعيل البخارى فانه معدود فى طبقات الشافعية وممن ذكره فى طبقات الشافعية الشيخ تاج الدين السبكى وقال انه تفقه بالحميدى والحميدى تفقه بالشافعى واستدل شيخنا العلامة على ادخال البخارى فى الشافعية بذكره فى طبقاتهم وكلام النووى الذى ذكرناه شاهدله .

ترجمہ: سیوطی کا کلام اس بات کا مقتضی ہے کہ ابن جریر طبری کو شافعی شمار نہ کیا جائے۔ اور اس کا یہ کلام مسلّم نہیں کیونکہ رافعی نے شروع کتاب الزکوٰۃ کی شرح میں کہا ہے کہ تنہا ابن جریر کا قول مذہب میں کوئی صورت نہیں گنی جاتی' اگرچہ وہ خود اصحاب شافعی کے طبقات میں شمار کیا جاتا ہے' اور نووی نے تہذیب میں ذکر کیا ہے کہ ابو عاصم عبادی نے ابن جریر کو فقہائے شافعیہ میں بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ شخص ہمارے علمائے یگانہ میں سے ہے' اس نے شافعی کی فقہ ربیع مرادی اور حسن زعفرانی سے سیکھی' نووی کا کلام ختم ہوا' اور اس کے منسوب بشافعی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اجتہاد اور دلیلوں کی تلاش کرنے اور بعض کو بعض پر مرتب کرنے میں امام شافعی کے طریق پر چلا اور اس کا اجتہاد امام کے اجتہاد سے مواقف پڑا اور اگر کہیں مخالف ہوا تو مخالفت کی پرواہ نہیں کی اور امام کے طریقہ سے بجز چند مسائل کے خارج نہیں ہوا اور یہ امر اس کے شافعی مذہب میں داخل رہنے کا خلل انداز نہیں' اور محمد بن اسمٰعیل بخاری بھی اسی جنس کے ہیں کہ وہ طبقات شافعیہ میں گنے جاتے ہیں اور جن لوگوں نے ان کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے ان میں سے شیخ تاج الدین سبکی ہے کہ اس نے کہا ہے کہ بخاری نے فقہ حمیدی سے سیکھی اور حمیدی نے شافعی سے فقہ سیکھی

اور ہمارے استاد علامہ نے بخاری کے شافعیوں میں داخل کرنے پر یہ حجت پکڑی ہے کہ تاج الدین نے ان کو طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے اور نووی کا کلام جو ہم نے ذکر کیا اس امر کا شاہد ہے انتہیٰ۔

(انصاف مع ترجمہ اردو کشاف ص ۶۶، ۶۷)

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم امام بخاری کو مجتہد مطلق منتسب الی الشافعی تسلیم کر لیں تب بھی وہ زمرۂ شافعیہ سے خارج نہیں ہو سکتے مگر امام بخاری کے لئے ایسا مجتہد ہونا کسی خاص امتیاز کی وجہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مذہب شافعی میں ایسے بہت سے مجتہد ہوئے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں واما مذهب الشافعي فاكثر المذاهب مجتهدا مطلقاً یعنی چاروں مذہبوں میں سے مذہب شافعی میں زیادہ مجتہد مطلق پیدا ہوئے ہیں۔ (انصاف مع ترجمہ اردو صہ ۷۸)

بطور مثال چند نام مع حوالہ درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ امام ابن المنذر: كان اماما مجتهدا (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی اجز ثانی صہ ۱۲۶)

۲۔ امام ابن خزیمہ: امام الائمة ابوبكر السلمي النيشابوري المجتهد المطلق.

(طبقات ثانی صہ ۱۳۰)

۳۔ امام ابن جریر الطبری: الامام الجليل المجتهد المطلق (طبقات ثانی صہ ۱۳۵)

۴۔ ابو القاسم ابن ابی یعلی الدبوسی: كان قطباني الاجتهاد (طبقات رابع صہ ۶)

۵۔ ابو الفتح تقی الدین بن دقیق العید: شيخ الاسلام الحافظ الزاهد الورع الناسك المجتهد المطلق. (طبقات سادس صہ ۲)

۶۔ امام علی بن عبد الکافی السبکی: استاذ الاستاذ بن واحد المجتهدين. (طبقات سادس صہ ۱۴۷)

یہ سب مجتہد منتسب تھے، ان میں کوئی بھی مستقل نہ تھا چنانچہ علامہ سیوطی نے شرح التنبیہ میں لکھا ہے ولا اعلم احدا ابلغ هذه الرتبة من الاصحاب الا باجعفر ابن الجرير الطبري فانه كان شافعيا ثم استقل یعنی میں کسی کو اصحاب شافعی سے نہیں جانتا کہ اجتہاد مستقل کے درجے کو پہنچا ہو بجز ابو جعفر ابن جریر طبری کے کہ وہ شافعی تھا پھر مذہب میں مستقل ہو گیا (انصاف مع ترجمہ اردو صہ ۲۶) مگر ابن زیاد نے ثابت کیا ہے کہ ابن جریر بھی مجتہد نہ تھا جیسا کہ اوپر گذرا۔

بیان بالا سے معلوم ہو گیا کہ امام بخاری مجتہد مطلق مستقل نہ تھے بلکہ مجتہد مطلق منتسب الی الشافعی تھے مگر یہاں یہ بھی جتا دینا ضروری ہے کہ ان کے مجتہد منتسب الی الشافعی ہونے پر بھی علمائے کرام کا اتفاق نہیں۔ شیخ الاسلام تاج سبکی نے اپنے طبقات میں تصریح فرما دی ہے کہ فلاں بزرگ مجتہد مطلق تھا جیسا کہ

مثالوں سے ظاہر ہے مگر آپ نے امام بخاری کو مجتہد نہیں لکھا امام بخاری کی نسبت آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

هو امام المسلمين وقدوة الموحدين وشيخ المؤمنين والمعول عليه في احاديث سيد المرسلين وحافظ نظام الدين ابو عبدالله الجعفي مولاهم البخاري صاحب الجامع الصحيح (طبقات جز ثانی صہ ۲) یعنی وہ مسلمانوں کے امام موحدین کے پیشواء مومنوں کے شیخ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں معتمد علیہ اور دین کے نظام کے حافظ ابو عبد اللہ جعفی خاندان جعف کے مولا یعنی امام بخاری مؤلف جامع صحیح انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری کی شہرت محض فن حدیث میں ہے۔ امام یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) بخارا کے حال میں لکھتے ہیں وينسب الى بخارا خلق كثير من ائمة المسلمين في فنون شتى منهم امام اهل الحديث ابو عبدالله محمد بن اسمعيل (معجم البلدان جلد ثانی صہ ۸۵) یعنی بخارا کی طرف بہت سے لوگ منسوب ہیں جو مختلف فنون میں مسلمانوں کے امام ہیں ان میں سے اہل حدیث کے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل ہیں انتہیٰ۔ نظر بر اختصار میں دیگر حوالہ جات کو یہاں نقل نہیں کرتا۔ ان میں سے بالخصوص شیخ الاسلام تاج الدین سبکی کا قول نہایت وزن رکھتا ہے آپ شافعی ہیں۔ آپ کے والد مجتہد مطلق تھے، آپ خود بھی مجتہد مطلق ہیں۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی آپ کے حال میں تحریر فرماتے ہیں كتب مرة ورقة الى نائب الشام يقول فيها وانا اليوم مجتهد الدنيا على الاطلاق لا يقدرا حدير دعلى هذه الكلمة وهو مقبول فيما قال عن نفسه (حسن المحاضره فی اخبار مصر والقاهره جزء اول صہ ۱۵۰)۔

ترجمہ: قاضی القضاۃ شیخ الاسلام تاج سبکی نے ایک دفعہ حاکم شام کو رقعہ لکھا جس میں یہ قول درج تھا کہ میں آج دنیا کا مجتہد مطلق ہوں، کوئی شخص میرے اس قول کی تردید نہیں کر سکتا اور ان کا قول اپنی نسبت مقبول ہے انتہیٰ۔ جب ایسا شیخ کہ جس کو علامہ سیوطی بلکہ دنیا مجتہد مطلق تسلیم کرتی ہے۔ اپنی ایک تصنیف میں جو علماء وفقہائے شافعیہ پر حاوی ہے۔ امام بخاری کو مجتہد مطلق نہیں لکھتا حالانکہ دیگر ائمہ شافعیہ کے نام کے آگے جو اس رتبہ کے لائق ہیں ان کے مجتہد ہونے کی تصریح فرما دیتا ہے تو اس شیخ کے قول کے راجح بلکہ صحیح ہونے میں شک نہیں ہو سکتا، پھر وہ شیخ اپنے اس قول میں منفرد بھی نہیں، بلکہ کثرت سے دیگر ائمہ اس کی تائید کر رہے ہیں، سچ ہے اهل البيت ادرىٰ بما فيه ' ولی را ولی می شناسد' یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ امام ترمذی نے جو امام بخاری کے شاگرد ہیں اپنی جامع میں جہاں فقہاء کے مذاہب بیان کئے ہیں وہاں کہیں بھی امام بخاری کا ذکر نہیں کیا۔ ہاں حدیثوں کے متعلق امام بخاری کا جا بجا ذکر ہے پس

ثابت ہوا کہ امام بخاری کا مجتہد منتسب ہونا بھی قول مرجوح وضعیف بلکہ نادرست ہے لہٰذا امام بخاری کے مقلد شافعی اور شافعی المذہب ہونے میں کسی طرح کا شک نہ رہا۔

قال البنارسی :

امام بخاری کا مقلد نہ ہونا:

امام پر تیسرا اعتراض ''کہ مقلد شافعی تھے'' ایسا لچر ہے جیسے روز روشن کو شب سے تعبیر کرنا جو اُلٹی کھوپڑی والے کا کام ہے' اس لئے کہ جب امام کا مجتہد ہونا ثابت ہے اور خود حنفیہ کے اقوال سے' تو وہ مقلد کیونکر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ مجتہد مقلد نہیں ہوتا' بلکہ اجتہاد و تقلید میں تنافی و تضاد ہے اور عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ اتنا بڑا باکمال شخص امام الدنیا اپنے سے نیچے درجہ (امام شافعی) کا مقلد ہو...... **لا یقول بذلک الا من سفه نفسه** ہاں اگر کوئی ابن ہنیقہ کا شاگرد یہ کہے کہ 'اجتہاد کا دروازہ ائمہ اربعہ پر بند ہو گیا لہٰذا امام بخاری مجتہد مستقل نہیں ہو سکتے پس لامحالہ مقلد ہوں گے۔'' یہ اس کے حق پر اور کلنک کا ٹیکہ لگانے والا ثابت ہوگا اس لئے کہ خود محققین حنفیہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے ملا عبدالعلی بحرالعلوم حنفی نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں بڑے زوروں سے اس کی تردید کی ہے اور ایسے خیال کو ابوالہوی سے تعبیر کیا ہے و لتفصیل مقام اخرمن شاء فلیراجع الیھا۔ حاصل یہ کہ دروازہ اجتہاد کا کھلا ہوا ہے اور تا قیامت بند نہ ہوگا اور امام بخاری کا مقلد نہ ہونا بلکہ مجتہد مستقل ہونا اظہر من الشمس و ابین من الامس ہے۔

وھذا ھو المقصود و المراد و المطلوب (حل مشکلات بخاری، حصہ اول صہ ۷۸۔۹)

اقول: امام بخاری کو بعض متاخرین نے مجتہد منتسب لکھا ہے مگر ان کا یہ قول مرجوح وضعیف بلکہ نادرست ہے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر ہم ان کو مجتہد منتسب بھی تسلیم کر لیں تب بھی وہ مقلدین شافعی اور زمرۂ شافعیہ سے خارج نہیں ہو سکتے۔ امام بخاری کو مجتہد مستقل کہنا تمام دنیا میں بناری اور اس کے یاروں کی گھڑت ہے اور یہ اس کی نادانی کا نتیجہ ہے۔ اس بیچارے نے یہ لفظ تو سُنے سنائے لکھ دیئے کہ ''مجتہد مقلد نہیں ہوتا بلکہ اجتہاد و تقلید میں تنافی و تضاد ہے اجتہاد کا دروازہ ائمہء اربعہ پر بند ہو گیا''۔ مگر وہ یہ نہیں سمجھا کہ کس قسم کا مجتہد مقلد نہیں ہوتا، جس اجتہاد و تقلید میں تنافی و تضاد ہے وہ کس قسم کا اجتہاد ہے؟ اجتہاد کا دروازہ اگر ائمہ اربعہ پر بند ہو گیا تو کس قسم کے اجتہاد کا؟ اسی واسطے وہ امام بخاری کے مجتہد مستقل ہونے کو اظہر من الشمس بتا رہا ہے اور امام شافعی کو امام بخاری سے نیچے درجہ میں لکھ رہا ہے اور اس خیال میں ہے کہ ائمہء اربعہ کی طرح سینکڑوں ہزاروں اور بھی مجتہد مستقل ہوئے ہیں اور ہوں گے۔ ایسا نادان اگر مشکوۃ شریف یا بخاری شریف کے اردو ترجمہ خوان کو مجتہد مستقل کہہ دے تو کیا تعجب ہے؟ بہر حال ہمیں

شایاں نہیں کہ ایسے دریدہ دہن کا ترکی بہ ترکی جواب دیں بلکہ ہمیں چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلقِ عظیم کو اپنا اسوۂ حسنہ بنانے میں کوشش کریں۔

اب جناب مولانا مولوی عبداللہ صاحب حنفی خانقاہی بہاری کے مضمون کا کچھ حصہ قال البہاری کے عنوان سے درج کیا جاتا ہے اور بدستور سابق اس کا جواب اور جواب الجواب مذکور ہوتا ہے۔

قال البہاری: ناظرین! شحنہ کے یکم جولائی کے پرچہ میں ایک اعظم گڈھی مضمون نگار کی تحریر بعنوان ''امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کا مقابلہ'' دیکھی جس میں لائق مضمون نگار نے جھوٹ موٹ اپنے مجتہد امام بخاری کو فلک الافلاک پر پہنچانے میں حتی الوسع اپنے دانستہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس کے اپنے فرضی مجتہد مرحوم کے مقابلہ میں امام عالی مقام حضرت سیدنا ابوحنیفہ کی تحقیر تنقیص میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔

(الجرح علی البخاری حصہ اول صہ ۸۷)

قال البنارسی: دنیا میں اصلی مجتہد صرف ایک امام بخاری ہی ہوئے ہیں جو واقعی اس قابل ہیں کہ ان کا رتبہ فلک الافلاک سے بھی بالا ہو، ان کے علاوہ باقی اور نام کے مجتہد ضرور تھے، امام بخاری کا مجتہد ہونا ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہی نہیں: آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

(حل مشکلات بخاری حصہ دوم وسوم صہ ۳۴)

اقول: بناری اوپر لکھ چکا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تا قیامت بند نہ ہوگا جس کا مطلب یہ تھا کہ ائمہ اربعہ کی طرح اور بھی مجتہد ہوتے رہیں گے مگر یہاں یہ بتایا کہ دنیا میں اصلی مجتہد صرف امام بخاری ہیں، باقی سب برائے نام مجتہد ہیں، ایسے پراگندہ کلام کا کیا اعتبار ہے؟

قال البہاری: اس بات کو تمام اسلامی دنیا جانتی ہے کہ امام بخاری ایک مقلد شافعی طریقے کے تھے اور ان کے مقلد ہونے کی وجہ خاص یہ ہوئی کہ اپنے دانستہ تو بیچارے تمام عمر منصب فقاہت اور اجتہاد کے لئے خدا کے آگے روتے اور شور و فغاں مچاتے رہے مگر مشیت تو یہی تھی کہ وہ محض مقلد بنے رہیں، تب مقلد کے سوا مجتہد ہوتے تو کس طرح ہوتے؟ (الجرح علی البخاری صہ ۹۰)

قال البنارسی: امام بخاری کو مقلد کہنا ایسا ہی ہے جیسے سپید کو سیاہ اور دن کو رات کہنا، تعجب ہے کہ جو شخص اپنی کتاب میں امام شافعی کی جابجا تردید کرے وہ بھی ان کا مقلد کہا جاوے۔ امر واقعی یہ ہے کہ امام بخاری ہرگز مقلد نہ تھے بلکہ خود مجتہد تھے، اس کی بحث میں بہت سے رسائل میں کر چکا ہوں۔

(حل مشکلات بخاری حصہ دوم، سوم صہ ۳۵)

اقول: بناری دوسری جگہ یوں لکھتا ہے: ''امام بخاری کے اکثر مسائل امام شافعی سے مل گئے ہیں

لیکن وہ شافعی کے مقلد نہیں بلکہ بعض جگہ شافعی کا صریح خلاف کیا ہے۔ ان پر الزام تقلید شافعی کا نہایت غلط وباطل وافتراء ہے، جس کو میں اپنے کئی رسالوں میں مفصل لکھ چکا ہوں"۔

(حل مشکلات بخاری حصہ دوم وسوم صہ ۱۴۴)

بناری کی ہر دو عبارت سے پایا جاتا ہے کہ اس کے نزدیک امام بخاری کا بعض مسائل میں امام شافعی کے خلاف کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ امام بخاری مجتہد مستقل تھے نہ مقلدِ شافعی، اس کے جواب میں گزارش ہے کہ دنیا میں کسی نے امام بخاری کو مجتہد مطلق مستقل نہیں کہا اور نہ وہ ہیں، ہاں بعض متاخرین نے ان کو مجتہد مطلق یعنی منتسب الی الشافعی بتایا ہے مگر یہ قول مرجوح وضعیف بلکہ نادرست ہے بخاری شریف کے تراجم ابواب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے اجتہادِ منتسب میں کوشش کی مگر وہ سعی نامشکور وغیر مقبول ثابت ہوئی حتی کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں مذاہب فقہاء کو بیان کرتے ہوئے کہیں اپنے استاد امام بخاری کا نام تک نہیں لیا۔ ہاں احادیث کے متعلق ان کا بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ اگر ہم امام بخاری کو مجتہد مطلق منتسب الی الشافعی تسلیم بھی کر لیں تو بھی وہ مقلدین شافعی کے زمرہ سے خارج نہیں ہو سکتے جیسا کہ پہلے آ چکا ہے اور ان کے بعض مسائل میں خلاف شافعی کرنا ان کو زمرۂ شافعیہ سے نہیں نکال سکتا، چنانچہ شیخ الاسلام مجتہد مطلق تاج الدین سبکی امام ابن المنذر کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قال شيخنا الذهبي كان على نهاية من معرفة الحديث والاختلاف وكان مجتهد الا يقلد احدا (قلت) المحمدو الاربعة محمد بن نصر و محمد بن جرير وابن خزيمة وابن المنذر من اصحابنا وقد بلغوا درجة الاجتها د المطلق وايخرجهم ذالك عن كونهم من اصحاب الشافعي المخرجين على االصو المتمذهبين بمذهبه لوفاق اجهتهاد هم اجتهاده صل قداد عي من بعد هم من اصحا. الخلص كالشيخ ابى على وغيره انه وافق راء يهم راى الا امام الا عظم فتبعوه ونسبوا اليه الا نهم مقلدون فما ظنك بهؤلآه الاربعة فانهم وان خرحوا عن راى الا مام الاعظم فى كثير من المسائل فلم يخرجوا فى الاغلب فاعرف ذلك واعلم انهم فى احزاب الشافعية معدودون وعلى اصوله فى الاغلب مخرجون وبطريقه متهذبون وبمذهبه متمذهبون۔

(طبقات الشافعية الكبرى جزء ثانى صه ۱۲۶)

ترجمہ: ہمارے شیخ ذہبی نے کہا کہ ابن المنذر کو حدیث واختلاف میں غایت درجے کی معرفت حاصل تھی اور وہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے، میں کہتا ہوں کہ چاروں محمد یعنی محمد بن نصر اور محمد بن

جریر اور محمد بن خزیمہ اور محمد بن منذر ہمارے اصحاب شافعیہ میں سے ہیں اور وہ اجتہادِ مطلق کے درجہ کو پہنچ گئے تھے اور ان کے مجتہد مطلق ہونے نے ان کو امام شافعی کے ایسے اصحاب کے زمرہ سے خارج نہ کیا جو اصول شافعی تخریج مسائل کرتے اور مذہب شافعی پر چلتے تھے خواہ ان کا اجتہاد امام شافعی کے اجتہاد سے توفیق لے گیا، بلکہ ان چاروں کے بعد ہمارے بعض خالص اصحاب شافعیہ مثلاً ابو علی وغیرہ نے دعویٰ کیا کہ ہماری رائے امام اعظم (شافعی) کی رائے سے موافق نکلی اس لئے ہم نے امام شافعی کا اتباع کیا اور امام شافعی کی طرف منسوب ہوئے نہ یہ کہ ہم مقلد ہیں، پس ان چاروں کی نسبت تمہارا کیا گمان ہے جو اگر چہ بہت سے مسئلوں میں امام اعظم (شافعی) کی رائے سے نکل گئے ہیں مگر اغلب مسائل میں امام شافعی کی رائے سے نہیں نکلے، اسے خوب سمجھ لے اور جان لے کہ یہ چاروں زمرۂ شافعیہ میں گنے جاتے ہیں اور اکثر مسائل میں امام شافعی کے اصول پر تخریج مسائل کرنے والے اور طریق شافعی کے صاف کرنے والے اور مذہب شافعی پر چلنے والے ہیں انتہی۔

اس عبارت سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری مجتہد مطلق منتسب بھی نہ تھے ورنہ علامہ سبکی بجائے چاروں کے پانچوں لکھتے دوسرے یہ کہ اگر وہ مجتہد مطلق منتسب ہوتے تب بھی مقلدین شافعی میں شمار ہوتے خواہ بعض مسائل میں امام شافعی کے خلاف کرتے لہٰذا امام بخاری پر عدم تقلیدِ شافعی کا الزام نہایت غلط وباطل وافتراء ہے۔

بناری نے اگر اس بحث میں کئی رسالے لکھے تو کیا ہوا، فقیر ہیچمدان بے بضاعت کے یہ چند اوراق بفضلہٖ تعالیٰ ان سب کا جواب سمجھئے۔ اگر بناری یا اس کا کوئی ہم مشرب ایڑھی چوٹی کا زور لگائے کہ کسی طرح امام بخاری کو مجتہد مستقل ثابت کرے تو وہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا۔ بناری تو اپنی غلط فہمی کے سبب ایک امام بخاری کے لئے اتنا تڑپ رہا ہے۔ آؤ ہم آپ کو بستان المحدثین کی سیر کرائیں، وہاں بھی آپ دیکھیں گے کہ کیسے بڑے بڑے ائمہ نے تقلید کا عزت افزا ہار اپنے گلے میں ڈالا ہوا ہے۔

۱۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی صاحب السنن (متوفی ۲۷۵ھ) مردم را در مذہب او اختلاف است۔ بعضے گویند کہ شافعی بود و بعضے گویند حنبلی۔

(بستان المحدثین مصنفہ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی صہ ۱۰۸)

۲۔ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، صاحب السنن (متوفی ۳۰۳ھ) او شافعی المذہب بود چنانچہ مناسک او بر آں دلالت دارد۔ (بستان صہ ۱۱۱)

۳۔ امام عبداللہ بن مبارک امیر المؤمنین فی الحدیث (متوفی ۱۸۱ھ) در اول از شاگردان امام

اعظم ابوحنیفہ بودند وطریق تفقہ از ایشاں می آموختند وچوں امام اعظم وفات یافتند در مدینہ منورہ نزد حضرت امام مالک تفقہ نمودند پس اجتہاد ایشاں گویا ہیئت مجموعہ ہر دو طریق است ولہذا ایشاں را حنفیہ حنفی شمارند و مالکیہ در طبقات خود مے نگارند (بستان ص ۵۸)

۴۔ امام دارقطنی، صاحب السنن (متوفی ۳۸۵ھ) نام ونسب او علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبداللہ است وکنیت او ابوالحسن در مذہب شافعی ست (بستان ص ۴۴)

۵۔ امام ابوبکر بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) امام الحرمین درحق او گفتہ است کہ ہیچ شافعی در عالم نیست مگر امام شافعی را بروے منت واحسان است الا ابوبکر بیہقی کہ منت واحسان او بر شافعی است زیرا کہ در تصانیف خود نصرت مذہب او نمودہ (بستان ص ۵۰)

۶۔ امام ابومحمد حسین بن محمد بغوی صاحب شرح السنہ (متوفی ۵۱۶ھ) جامع است در ہر فن وہر یک را بکمال رسانیدہ۔ محدث بے نظیر ومفسر بے عدیل است وفقیہ شافعی صاحب فتوا است (بستان ص ۵۱)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے بستان کی اتنی ہی سیر کافی ہے آؤ ہم تمہیں ان کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ہے۔

کا انصاف بھی دکھادیں۔ وہوھذا:

فمن مادة مذهبه كتاب الموطا وهو وان كان متقدما على الشافعي فان الشافعي بنى عليه مذهبه وصحيح البخاری وصحيح مسلم وكتب ابى داود والترمذی وابن ماجة والدارمی ثم مسند الشافعي وسنن النسائی وسنن الدار قطنی وسنن البيهقی وشرح السنته للبغوی . اما البخاری فانه وان كان منتسبا الى الشافعي موافقاله فی كثير من الفقه فقد خالفه ايضاً فی كثير ولذالک لايعد ما تفرد به من مذهب الشافعي واما ابو داؤد والترمذی فهما مجتهد ان منتسبان الى احمد واسحق وكذلک ابن ماجة والدارمی فيما نری والله اعلم واما مسلم وابو العباس الاصم جامع مسند الشافعي والامه والذين ذكرنا هم بعده فهم منفردون لمذهب الشافعي يتاصلون دونه .

ترجمہ: لیکن امام شافعی کے منصب کی اصل کتاب موطا ہے اگرچہ وہ شافعی سے پہلے کی ہے لیکن شافعی نے اس پر اپنے مذہب کی بنا ڈالی اور نیز ان کے مذہب کی اصل کتابیں یہ ہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی، پھر مسند شافعی اور سنن نسائی اور سنن دارقطنی اور سنن بیہقی اور

بغوی کی شرح السنہ، ان میں سے بخاری نے اگرچہ منسوب بشافعی اور بہت سی فقہ میں ان کے موافق ہے پھر بھی بہت سی باتوں میں ان کا خلاف کیا ہے اور اسی وجہ سے جن مسائل میں وہ علیحدہ ہوئے ہیں وہ مسائل امام شافعی کے مذہب سے شمار نہیں ہوتے اور ابوداؤد اور ترمذی دونوں مجتہد ہیں اور منسوب امام احمد اور اسحٰق کی طرف اور اسی طرح ہمارے خیال میں ابن ماجہ اور دارمی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اور مسلم اور ابوعباس اصم جس نے مسند شافعی اور کتاب ام کو جمع کیا ہے اور وہ لوگ (یعنی امام نسائی، امام دارقطنی، امام بیہقی، امام بغوی) جن کا ذکر ہم نے بعد مسند شافعی کے کیا ہے۔ وہ لوگ محض ☆(۱) مذہب شافعی کے مقلد ہیں اور اسی پر جمے ہوئے ہیں۔" (انصاف مع ترجمہ اردو کشاف صہ ۷۹، ۸۰)

☆(۱) مولوی محمد احسن نانوتوی نے فہم مقرر وق لمذہب الشافعی یتاصلون دونہ کا ترجمہ یوں کیا ہے "وہ لوگ مذہب شافعی سے علیحدہ ہیں جو ان کے اصول کے سوا دوسرے اصول رکھتے ہیں" یہ ترجمہ درست نہ تھا اس لئے میں نے اسے برقرار نہیں رکھا)☆

پس شاہ صاحب کے نزدیک امام مسلم اور ابوعباس اصم اور امام نسائی اور امام دارقطنی اور امام بیہقی اور امام بغوی محض مقلدین شافعی ہیں جو کسی قسم کے اجتہاد کا منصب نہیں رکھتے اور امام بخاری' شافعی' ابوداؤد' وترمذی اور ابن ماجہ ودارمی' حنبلی ہیں جو اجتہاد منتسب کا درجہ رکھتے ہیں۔

ناظرین: آپ کو دیر تو ہوگی، ایک مجتہد مطلق کا فیصلہ بھی سنتے جایئے وھی ھذہ:

امام بخاری (طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جزء ثانی صہ ۱)، امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (طبقات ثانی ۴۸) حافظ ابوسعید داری (طبقات' ثانی ۵۳) امام ابوعبدالرحمٰن نسائی (طبقات ثانی ص ۸۳) امام دارقطنی (طبقات ثانی ص ۳۱۰) امام بیہقی (طبقات' ثالث' ۳) امام محی السنہ بغوی (طبقات رابع ۲۱۴) یہ سب محض مقلدین شافعی ہیں جن کا فن حدیث میں بڑا پایہ ہے۔ تو کلی! بس اب مضمون کو ختم کر' انصاف پسند طبیعتوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

والحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام علىٰ خير خلقه سيدنا محمد و اله وصحبه اجمعين

بُرا ہو حسد کا: امام بخاری نے اپنی کتاب میں آئمہ متبوعین مجتہدین میں صرف امام مالک سے روایت زیادہ لی ہیں' اپنے شیخ امام احمد بن حنبل سے بھی صرف دو روایات لی ہیں۔ امام شافعی سے کوئی روایت نہیں لی' حالانکہ وہ بخاری کے شیخ الشیخ ہیں۔ ان کے بعض اقوال کو قال بعض الناس کہہ کر بیان کیا۔

امام الائمہ سراج الامة سید الفقهاء والمجتهدين فقيه الملة امام اعظم ابو حنيفه نعمان بن ثابت تابعی المتوفی (۱۵۰ھ) بھی امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ مگر ان سے بھی کوئی

روایت نہیں لی۔ انکے اقوال بھی ''قال بعض الناس'' کے عنوان ہی سے نقل کیے ہیں۔ اور صرف نقل ہی نہیں کیے بلکہ انکو ہدف طعن وتنقید بھی بنایا۔ فقہ حنفی کے خلاف ناروا مسلسل حملے کیے۔ امام اعظم کے اقوال و مسائل فقیہ پر متعدد الزامات واعتراضات اور تنقیدات ومناقضات عائد کیے ہیں۔ صحیح اور پر خلوص تنقید کوئی بری چیز نہیں بلکہ ایک مفید علمی اور مقبول طریقہ ہے۔ مگر جارحانہ تنقید اور متعصبانہ نوک جھونک سراسر غلط ہے۔

امام بخاری کا تنقیدی رنگ دوسرا ہے' صحیح بخاری کی کتاب ''الحیل'' میں امام بخاری نے حنفیہ کے خلاف بہت زور صرف کیا ہے اور ایک ہی اعتراض کو بار بار دہرایا ہے حالانکہ خود ہمارے یہاں بھی امام ابو یوسف نے ''کتاب الخراج'' میں تصریح کردی ہے کہ زکواۃ وصدقات واجبہ کو ساقط کرنے کے لیے ''حیلہ'' کرنا کسی صورت سے بھی جائز نہیں۔

امام بخاری کی کتابوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فقہ حنفی سے صرف سنی سنائی معرفت حاصل تھی جو صفتِ نفس نہیں بنی تھی۔ اور بہت کم چیزیں صحیح طور پر پہنچی تھیں۔ امام بخاری صحیح میں تو کچھ کف لسان اور رعایت ومسامحت کرتے ہیں لیکن دوسری کتابوں مثلاً ''رسالہ قراءۃ خلف الامام'' اور ''رسالہ رفع الیدین'' میں خوب تیز لسانی کرتے ہیں۔ امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں حالانکہ امام اعظم کے تلامذہ مثلاً ابن مبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف وتوصیف کی ہے اس برہمی وتیزی کی وجہ امام اعظم کے مسلک سے ناواقفیت' نامکمل معرفت' بدگمانی' غلط فہمی اور پھر رنجش وکشیدگی معلوم ہوتی ہے۔

نیز امام بخاری کے شیخ حمیدی امام اعظم سے کبیدہ خاطر اور بدظن تھے۔ اس کے اثرات سے ان کے شاگرد بخاری بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور شاید اہل نیشاپور وبخارا سے جو امام بخاری کو روحانی وجسمانی تکالیف پہنچیں اور ابتلات پیش آئے ان کا معنوی سبب یہی ہوا کہ انہوں نے اپنی علمی محسنین اور شیخ الشیوخ (استادوں کے استاد) کی شان اقدس میں احتیاط سے کام نہیں لیا جو خود انکی شان کے بھی مناسب نہ تھا۔ حق تعالی ہم سے اور اُن سے مسامحت کا معاملہ فرمائے۔ آمین

محدث کبیر ایوب سختیانی تابعی کے سامنے جب کوئی شخص امام اعظم کا ذکر کسی برائی سے کرتا تو فرمایا کرتے تھے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے نور (ابوحنیفہ) کو پھونکوں سے بجھادیں' مگر اللہ تعالی اس سے انکار کرتا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کے مذاہب کو دیکھا ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر تنقید کی ہے' کہ وہ مذاہب دنیا سے ناپید ہوگئے ہیں اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ترقی پر ہے اور قیامت تک باقی رہے گا۔

(عقود الجواھر المنیفه للشیخ السید مرتضیٰ الزبیدی)

امام بخاری کا مذہب تو ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی نے دوسرے مذاہب کے ساتھ ذکر ہی نہیں کیا اور دوسرے تلمیذ امام مسلم نے بعض شرائط پر سخت الفاظ میں تنقید بھی کی ہے۔ (ما ینفعُ الناس فی شرح قال بعض الناس)

''جیسی کرنی ویسی بھرنی'' کے مصداق بخاری نے اپنے استادوں کے استادوں کا احترام نہیں کیا تو خود ان کے شاگردوں نے بھی وہ ہی طرزِ عمل اپنایا۔ (راشدی)

اللہ تعالی ہر وقت بزرگوں کے احترام وادب میں رکھے اور ہر بے ادبی وبدگمانی وزبان درازی سے بچائے اور محبت کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆

امام اعظم اور امام احمد رضا

از: مولانا شمس الدین مشاہدی صاحب (استاذ دارالعلوم غوث الاعظم ناسک، بھارت)

زمانہ بھرنے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا و لیکن
ملا نہ تم سا امام کوئی امام اعظم ابوحنیفہ

ابتداء آفرینش سے سنتِ الٰہیہ جاری ہے کہ جب بھی اس خاکدان گیتی پر کفر وشرک کی گھنگھور گھٹا چھائی، الحاد و بے دینی کا دور دورہ ہوا تو اس نے اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جنھوں نے کفرو شرک کی دھجیاں اڑادیں اور الحاد وبے دینی کی جگہ کلمہ توحید بلند فرمایا کہ ظلمت کدہ عالم کو بقعہ نور بنادیا۔

ان مقدس اور برگزیدہ ہستیوں میں انبیاء ورسل علیہم السلام کی باعظمت ذوات والا صفات سر فہرست ہیں جو بتقاضائے ضرورت مطلع رسالت ونبوت پر طلوع ہوکر تیرہ وتاریک فضا میں انوار بکھیرتی رہیں باب نبوت کے مقفل ہوجانے کے بعد فقہ اسلامی کا پہلا دور ظہور نبوت سے لے کر ۱۰ھ تک ہے۔ جسے ہم عہد رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ اس عہد مبارکہ میں حضور ﷺ کی ذات گرامی منبع احکام شرع ہونے کی حیثیت سے صحابہ کے درمیان موجود تھی اس لیے اپنی شخصی زندگی میں جب بھی انہیں کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا فوراً حضور ﷺ سے دریافت کر لیتے۔ اجتہاد کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔

فقہ اسلامی کا دوسرا دور کبار صحابہ کا عہد مبارکہ ہے جو ۱۰ھ کے بعد سے شروع ہوکر ۴۰ھ پر ختم ہوجاتا ہے اسے فقہ صحابہ کا دور کہتے ہیں۔

فقہ اسلامی کا تیسرا دور صغار صحابہ وکبار تابعین کا ہے یہ دور ۴۱ھ کے بعد سے شروع ہوکر دوسری صدی ہجری کی ابتداء تک پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے یہی وہ مبارک دور ہے جب کہ اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر چمک رہا تھا۔

فقہ اسلامی کا چوتھا دور دوسری صدی ہجری کی ابتداء سے شروع ہوکر چوتھی صدی ہجری کے تقریبا نصف تک پہنچ کر تمام ہوجاتا ہے۔ اس دور کے مشاہیر فقہاء امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل وسفیان بن سعید ثوری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار، سراج امت مصطفوی امام اعظم ابوحنیفہ کے عظیم فقہی مقام سے

کون منکر ہوسکتا ہے۔

آپ کی علمیت کو جملہ ماہرین علوم وفنون یعنی علمائے امت وسادات ملت نے سراہا اور آپ کے تاج فضیلت کی گواہی دی مثلاً امام شافعی نے فرمایا۔ الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عیال ہیں۔

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ من مناقب ابی حنیفۃ اللتی انفردبھا انہ اول دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم بتعہ مالک بن انس فی ترتیب الموطاء ولم یسبق ابا حنیفۃ (تبیض الصحیفۃ فی مناقب الامام ابی حنیفۃ)

یعنی امام ابوحنیفہ کے خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم شریعت کو مدون کیا اور اسے (ابواب) پر ترتیب دیا پھر امام مالک ابن انس نے مؤطا کی ترتیب میں انہیں کی پیروی کی اس میدان میں ابوحنیفہ سے سبقت لے جانے والا کوئی نہیں۔

تمام فقہاء ومجتہدین کے بادشاہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان سرمایہ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کیے جو آج آسمان علم کے شمس وقمر ہیں ان میں مفسر، محدث، فقیہ، جرح وتعدیل کے امام اور عارف کامل وغیرہم سب شامل ہیں، اسی جامعیت کے پیش نظر سب ان کے مداح ہیں آپ کے زمانے سے لے کر آج تک امت محمدیہ کے اکثر مفسر محدث متکلم آپ ہی کے خوشہ چیں ہیں۔ اور مقلد ہیں اور بہت تھوڑے حضرات دیگر آئمہ ثلاثہ کے۔

یہ مدلل وضاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہوکہ فقیہ کا علمی مقام محض ایک مفسر یا محدث سے کہیں بلند ہوتا ہے۔

یہی امام اعظم ابوحنیفہ کے منجملہ روحانی تلامذہ میں سے امام احمد رضا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمہ کی ذات والا صفات ہے۔ جنھوں نے پوری زندگی مسلک حنفی کے اجاگر کرنے میں صرف کی حنفیت کو ایسے مضبوط دلائل سے مزین کیا جس کے سامنے اغیار انگشت بدنداں ہیں۔

ہم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی علمیت نیز علمائے متقدمین ومتاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست استدلال کی ہلکی سی جھلک آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آجائے گی کہ اعلیٰ حضرت نے خداداد قوت کے ذریعہ کیسے امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی

ترویج واشاعت فرمائی۔

اب لیجئے آپ کے سامنے ایک استفتاء حاضر ہے دلائل کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے فقہی مقام اور خدمت حنفیت کا مشاہدہ کریں۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں اور آج کل جو غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ جائز اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز اور خلاف احادیث جانتے ہیں ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت آپ کی عمر شریف چوبیس سال کی تھی تصافح بکفی الیدین کے متعلق ایک رسالہ "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین" کے نام سے تحریر فرما کر غیر مقلدوں کے پرخچے اڑادیے اور ایسا مسکت جواب عنایت فرمایا کہ چشم فلک نے اس مسئلے کا ایسا جامع جواب نہ دیکھا ہوگا اور حنفی مسلک کو اس طور پر اجاگر کیا کہ حنفیت رہتی دنیا تک ناز کرے گی۔

آپ نے اولاً کلام ربانی احادیث رسول کلام عرب کے ذریعہ اس بات کو منوایا ہے کہ واحد بول کر تثنیہ مراد ہوتا ہے پھر اقول وباللہ التوفیق فرما کر ارشاد فرمایا بفرض غلط ہی مان لیجئے کہ لفظ "الید" کا مفہوم مخالف نفی یدین ہوتا ہے تاہم حدیث انس "افیاخذہ ا بیدہ ویصافحہ قال نعم" محل استناد منکرین نہ ہوگی کیونکہ اس میں مفہوم مخالف کی گنجائش ہے ہی نہیں اس لیے کہ حضور کے کلمات شریف میں لفظ "ید" نہیں بلکہ فقط "نعم" کہہ کر جواب ارشاد فرمایا اس کلام سے اس کی نسبت نفی نکالنا محض "خیال محال" دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ واقع ہو ورنہ بالا جماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی۔

ثم اقول کہہ کر ارشاد فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب کہ حدیث مذکور کو قابل استناد مانیں ورنہ اگر نقد و تنقیح پر آیئے تو وہ ہرگز صحیح نہ حسن بلکہ ضعیف ومنکر ہے اس کا مدار حنظلہ بن عبداللہ سدوی پر ہے، وھو ضعیف عندالمحدثین

اس کے بعد اقول وباللہ التوفیق فرما کر صحیح بخاری وصحیح مسلم کا حوالہ دیا اور عبداللہ بن مسعود کی روایت علمنی رسول اللہ وکفی بین کفیة الشھد الحدیث پیش کی اور فرمایا کہ امام المحدثین امام بخاری نے اپنی جامع صحیح کی کتاب الاستیذان میں مصافحہ کا جو باب وضع کیا اس میں

سب سے پہلے اسی حدیث عبداللہ بن مسعود کا نشان دیا پھر اسی باب مصافحہ کے برابر دوسرا باب الاخذ بالیدین وضع کیا اس میں بھی وہی حدیث ابن مسعود روایت کی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لینا مصافحہ نہ ہوتا تو اس حدیث کو باب المصافحہ سے کیا تعلق ہوتا۔

صحیح بخاری کی اس تحریر پر دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا حضور پرنور ﷺ سے ثابت ہے۔

ہاں اگر منکرین حضرات جس طرح ائمہ فقہاء کو نہیں مانتے امام بخاری کی نسبت کہہ دیں کہ وہ حدیث غلط سمجھتے ہیں ہم ٹھیک سمجھتے ہیں تب وہ جانیں ان کا کام جانے۔

اسی طرح آئمہ مجتہدین سے بھی تصافح بکفی الیدین ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف میں صافح حماد بن زید ابن مبارک بید یہ موجود ہے، (امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا)

تاریخ امام بخاری میں ہے عن اسماعیل بن ابراھیم قال رأیت حماد بی زید وجاء ہ ابن المبارک جائه ابن مبارکه بمکة فصافحه بکلتایدیه موجود ہے کون حماد وہی حماد ہیں جن کے بارے میں عبدالرحمٰن بن مہدی فرمایا کرتے تھے ائمة الناس فی زمانھم اربعة سفین بالکوفة ومالک بالحجاز والا وزاعی باالشام حماد بن زید بالبصرة.

اور وہی عبداللہ بن مبارک ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جہاں عبداللہ بن مبارک کا ذکر ہوتا ہے وہاں رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ایسے دو جلیل امام سے دونوں ہاتھ کا مصافحہ ثابت کردیا جب کہ عندالمخالفین ممانعت کا ثبوت کہیں سے نہیں ہے اس کے باوجود بھی اگر مخالفین اثبات مدعیٰ میں یہ کہیں کہ اگر تصافح بکفی الیدین جائز ہوتا تو آئمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم کی کتب میں ضرور حدیثیں ملتیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آئمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم کی کتب میں حدیثیں موجود نہ ہوں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کے مذہب پر واقعی میں حدیث ہی نہیں ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں اس باب میں صراحت کے ساتھ محدثین کا حدیث بیان نہ کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ کسی حدیث سے اس کا مفہوم بھی نہیں نکلتا ہے اس لئے کہ ایک ہی حدیث پاک کے مختلف مطالب ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ مطلب ذہن میں ہوں بقیہ مطالب کا خطرہ خواب میں بھی نہ

گذرے اور اس کا باب مستقل طور پر نہ وضع کرے۔ اے منکرین تم کیا؟ بہتیرے ذی علم وفہم کی کیا حقیقت۔ بہت سے اکابرین اجلہ محدثین یہاں آ کر زانوں ٹیک دیتے ہیں اور فقہائے کرام کے دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اگر حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد رب حامل فقه الی من هو افقه منه ورب حامل فقه ليس بفقيه۔ کے کیا معنی تھے (بہتیرے حاملان فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں اور بہتیرے وہ ہیں کہ فقہ کے حامل وحفظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے)۔

ذرا محدث اعمش رضی اللہ عنہ کا علم وفضل اور ان کی عظمت وبرتری کا تصور کیجئے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد جلیل اور اجلہ ائمہ تابعین اور تمام ائمہ حدیث کے استاذ ہیں امام ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں فرماتے ہیں "کسی نے امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ (جو کہ اس زمانے میں انہیں امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے) حاضر مجلس تھے امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم سے پوچھے امام نے فوراً جواب دے دیئے امام اعمش نے متحیرانہ لہجے میں کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے۔ آپ نے فرمایا انہیں حدیثوں سے جو میں نے آپ سے سنی ہیں اور وہ حدیث مع سند روایت فرمادی امام اعمش نے کہا۔

حسبك ماحدثتك به في مائة يوم تحدثني به في ساعة واحدة ماعلمت انك تعمل بهذه الاحاديث يا معشر الفقهاء انتم الا طباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بطا الطرفين .

بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو (۱۰۰) دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنا دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار اور اے ابوحنیفہ! تم نے فقہ وحدیث دونوں کنارے حاصل کئے۔

دلائل کی روشنی میں آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ امام احمد رضا نے مسلک حنفیت کو کس طرح سے اجاگر کیا اور کیسے کیسے دلائل سے اس مسلک کو مزین کیا ہے یہی سب خدمات حنفی ہیں جن کو دیکھ کر حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل نے برجستہ کہا تھا۔

"ولله اقول لو راها ابو حنيفة النعمان لاقرت عيناه ولجعل مولفها من جملة الاصحاب"

قسم ہے اللہ ذوالجلال کی اور سچ کہتا ہوں کہ ان فتووں کو اگر ابوحنیفہ نعمان دیکھ لیتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور ان کے مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری عمر کیوں نہ مسلک حنفیت کو روشن اور واضح کرنے میں گزاریں جب کہ دوسرے حضرات جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے فارغین ہیں عموماً اور عادتاً افتاء کے فرائض سے ناآشنا ہوتے ہیں لیکن آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خان صاحب علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی اور چودہ سال کی مختصری عمر میں مسند افتا پر رونق افروز ہوئے اور سب سے پہلا مسئلہ رضاعت تحریر فرمایا جو بالکل صحیح اور درست تھا۔

ذہن میں مسائل فقہیہ کا استحضار اس قدر تھا کہ سائل عرض کرتا اور آپ برجستہ محقق اور مدلل جواب باصواب عنایت فرما کر اس کی تشنگی کو دور فرماتے اعلیٰ حضرت بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت کا انمول ذخیرہ اور بے مثال گنجینہ فتاویٰ رضویہ ہے جس کا ہر ہر مسئلہ آپ کے جانشین امام اعظم ابوحنیفہ ہونے پر شاہد اتم ہے ایک بحر ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے فتاویٰ رضویہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد دوسری کتب فقہیہ متون وشروح کے مطالعہ کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی ہے اور مسلک حنفیت آفتاب نیمروز کی طرح روشن ومنور ہو جاتا ہے۔

وہی ایک مسئلہ جو قرأت خلف امام کا ہے جس کی آڑ میں امام اعظم کے زمانے ہی میں آپ کے اغیار نے کیا سے کیا کہہ ڈالا اور نامناسب تبرا بازیاں کیں۔ ایک مرتبہ اسی مسئلہ پر مناظرہ ہونے والا تھا امام اعظم نے فرمایا اے میرے مخالفین سنو آپ کے مناظر کی فتح آپ سب کی فتح اور مناظر کی شکست تم سب کی شکست ہوگی سبھوں نے تسلیم کیا۔

آپ نے فرمایا بس یہی بات تو نماز میں ہوتی ہے کہ امام کو جب سب کا امام تسلیم کر لیا گیا تو امام کی قرأت جملہ مقتدیوں کی قرأت ہوگی امام کا سورہ فاتحہ یا کسی سورہ قرآنیہ کا پڑھنا سارے مقتدیوں کا پڑھنا ہوگا۔ فوراً مخالفین بول پڑے آپ میدان مناظرہ میں اپنے مذہب کو قرآن واحادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعمال وافعال سے ثابت کرنے آئے تھے۔ میدان میں آتے ہی آپ نے قیاس سے کام چلایا آپ صرف قیاس کے امام ہیں آپ کے ہر فتویٰ میں قیاس وعقل کا دخل ہے قیاس ہی میں آپ کو ملکہ حاصل ہے۔

یہ مسئلہ قرأت خلف الامام جب جانشین امام اعظم کے سامنے آیا تو وہ بھلا کیوں خاموش رہتے

جب کہ صحیح و مسافتاوی امام اعظم کو روشن کرنا ہی ان کا مشغلہ تھا۔ جانشین امام اعظم نے جب ابوحنیفہ کے دلائل و براہین کا مشاہدہ کیا تو فوراً ایک مستقل رسالہ ''اجلی الامام علی ان الفتویٰ مطلقاً علی الامام'' کے نام سے تصنیف کیا جس نے اپنی پوری زندگی مذہب حنفی کی خدمات اور اس کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی تھی بھلا وہ کیوں اس مسئلہ کو قرآن واحادیث اور اقوال صحابہ سے مستحکم اور مضبوط نہ کرتا۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۸۸ پر استفتاء موجود ہے مختصراً آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں تا کہ اعلیٰ حضرت کے مشاغل و خدمات سامنے آجائیں۔

استفتاء۔ قرأت خلف الامام کے متعلق ہوا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے قلم کو حرکت دی تو کبھی اس کا جواب قول رسول سے دیا۔ کبھی اقوال واعمال صحابہ سے حنفی مذہب کو روشن وتابناک کیا اور اقوال فرما کر مزید چار چاند لگادیئے اس کے بعد آپ تمسکات شافعیہ کے ماخذ کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

الجواب: مذہب حنفیت ''در مسئلہ قرأت مقتدی'' عدم اباحت وکراہت تحریمہ ہے سری نمازوں میں استحباب کی نسبت جو حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب کی گئی محض ضعیف ہے۔

کما بسط المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس' کمال الملۃ والدین محمد رحمتہ اللہ علیہ کما قالہ فی المختار یہی ہمارا مذہب مختار ہے اور اسی پر عامہ حدیث واخبار وارد ہیں۔

امام احمد رضا آگے چل کر فرماتے ہیں۔

کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت بھی قرأت مقتدی کو مفسد نماز کہتی ہے اور حضرت شیخ المحقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ارشاد فرمایا کہ ان تمام تصریحات کے باوجود محض ایک روایت مجروحہ و مرجوحہ سے سری نمازوں میں قرات خلف الامام کا جواز خواہ استحباب قرأت ہی ان کا مذہب ٹھہرانا اور فقہ حنفی میں اس کا وجود سمجھنا محض باطل و وہم باطل ہے۔ ہمارے علماء مجتہدین بالاتفاق عدم جواز کے قائل ہیں۔ اور یہی جمہور صحابہ وتابعین کا مذہب ہے حتیٰ کہ صاحب ہدایہ امام الملت والدین مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجماع صحابہ کے مدعی ہیں۔ ان تمام دلائل و براہین واقوال ائمہ سے مزین و مرصع کرنے کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ اس باب میں واردشدہ احادیث وآثار بے حد بے شمار ہیں یہاں بخوف طوالت ملخص ہیں۔

ا۔ صحیح مسلم میں سیدنا ابوموسیٰ سے مروی ہے آقا ﷺ فرماتے ہیں:

اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم یومکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قراء فانصتوا۔

جب تم نماز پڑھو تو صفوں کو سیدھی کرو پھر تم میں کوئی امامت کرے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو خاموش رہو۔

۲۔ سیدنا امام الائمۃ کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

حدثنا ابو الحسن موسی ان ابی عائشۃ عن عبداللہ بن شداد بن الھاد عن جابر بن عبداللہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال من صلی خلف الامام فان قراۃ الامام لہ قراۃ ۔

نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے قرأت ہے۔''

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

''فقیر کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح اس کے رجال سب صحاح ستہ کے رجال ہیں۔''

۳۔ ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایضاً عن حماد عن ابراھیم ان عبداللہ بن مسعود لم یقراء خلف الامام لافی رکعتین الاولین ولا فی غیرھما ۔

حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے امام کے پیچھے قرأت نہیں فرمائی نہ پہلی والی دو رکعتوں میں نہ ان دو رکعتوں کے علاوہ میں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی یہ حدیث عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ وہ عبداللہ بن مسعود جو مومنین کے مرجع ومرکز تھے۔ سفر وحضر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی سعادت سے مشرف ہوتے رہے۔

نیز بارگاہ نبوت میں انہیں بلا اذن جانے کی اجازت حاصل تھی۔ بعض صحابہ کرام فرماتے ہیں ہم نے راہ وروش سرور انبیا علیہ الصلوۃ والسلام سے جو چال ڈھال ابن مسعود کی ملتی پائی کسی کی نہیں پائی۔ حدیث میں خود حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔

رضیت لامتی مارضی بھا ابن ام عبدو کرھت لامتی ماکرہ لھا ابن ام عبد۔ میں اپنی امت کے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد پسند کرتے ہیں اور ناپسند سمجھتا ہوں جس کو

ابن ام عبد ناپسند کریں۔

گویا کہ ان کی رائے خود حضور والا کی رائے اقدس ہے اور معلوم ہے کہ جب ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام کے پیچھے فاتحہ وغیرہ کچھ نہ پڑھتے تو پھر قرأت خلف الامام کا قول کیسے کوئی کرسکتا ہے الحاصل کہہ کر۔ آخر میں آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان احادیث صحیحہ ومعتبرہ سے مذہب حنفیہ بحمد اللہ ثابت ہوگیا۔

اب صرف شافعیہ کے تمسکات رہ گئے جن کے رد کو اس طرح قلم بند فرماتے ہیں۔

ا۔ تمسکات شافعیہ میں عمدہ ترین دلائل جنہیں انکار مدار مذہب کہا جاتا ہے حدیث:

صحیحین **لاصلوۃ بفاتحۃ الکتاب** ہے۔

جس کے چند جوابات دیئے گئے ہیں جس میں آپ کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ یہ حدیث نہ تمہارے لئے مفید نہ ہمارے لئے مضر ہم خود ہی مانتے ہیں کہ کوئی نماز بغیر فاتحہ کے نقص رکوع وسجود سے تمام نہیں ہوتی نہ امام کی نہ عوام کی۔ مگر مقتدی کے حق میں خود رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "قراۃ الامام لہ قراۃ" فرمایا ہے۔

ارشاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کوئی قول کرنا تنازع ومناقشہ کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ محض "لاصلوۃ الابفاتحۃ الکتاب" کے پیش نظر یہ قول کرنا کہ جب تک مقتدی خود نہ پڑھے اس کی نماز بے فاتحہ رہے گی اور فاسد رہے گی خلاف ارشاد والا ہے۔ ایسے ہی ان کے اور کچھ متدل علیہ ہیں جن کا دندان شکن، مسکت اور شافی جواب مرحمت فرمایا ہے۔

ہمارا مذہب مہذب بحمد اللہ حجت کافیہ ودلائل وافیہ سے ثابت اور مخالفین کے پاس کوئی ایسی دلیل قاطع نہیں کہ اسے معاذ اللہ باطل یا مضمحل کرسکے۔

الحاصل: امام احمد رضا نے اپنی خداداد صلاحیت کے بل بوتے پر **امام الائمۃ کاشف الغمۃ** سیدنا امام اعظم کے مسلک کو تازگی اور روشنی بخشی انہیں کے فتویٰ پر فتویٰ دیا ان کے مسلک کو نکھارا ان کے فتاویٰ کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر جانچ کیا انہیں کے فتاویٰ کو ترجیح دی۔ اس طرح آپ نے خود کو امام اعظم ابو حنیفہ کے تلامذہ کے زمرے میں داخل ہونے کا مستحق قرار دیا اور حنفی مسلک کو اظہر من الشمس کیا اور اس کے مخالفین کو چیلنج دیا کہ اے امام اعظم پر قیاس کی الزام تراشی کرنے والو! محض قیاس کے امام کی رٹ لگانے والو! اگر خدا نے صلاحیت وقابلیت سے نوازا ہے تو فتویٰ کو گہری نظر سے مطالعہ کرو اور اگر اس سے یکسر عاری وخالی ہو تو احمد رضا جو امام اعظم کا ایک روحانی شاگرد ہے اس کی تحقیق وتدقیق کو دیکھ کر امام اعظم پر

تبرابازیاں کرنے سے باز آؤ۔

یہ صرف میرا ہی دعویٰ نہیں ہے بلکہ جرح وتعدیل کے امام یحییٰ ابن سعید القطان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت پہلے ہی اس بات کی شہادت دے کر رحلت فرما چکے تاریخ طحطاوی میں ان کا فرمودہ موجود ہے۔ انہ **واللہ ولا علم ہذہ الائمۃ بما جاء عن اللہ وعن رسولہ** "بے شک خدا کی قسم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں اور اس کے رسول سے جو کچھ وارد ہوا اس کے (قرآن وحدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

یہ ہے اعلیٰ حضرت کا محققانہ انداز کہ ایک ایک مسئلہ مظہر امام اعظم ہونے کی شہادت دے رہا ہے مسائل کو دیکھ کر اغیار کے لئے مجال دم زدن نہیں رہ جاتی۔ یہ ہیں اعلیٰ حضرت کی حنفی خدمات اور مسلک حنفیت کی ترویج واشاعت جس کے لئے اپنی پوری زندگی وقف فرمادی تھی۔

طبقات فقہاء میں سے ایک طبقہ "مجتہدین فی المسائل" ہے اس کی تمام تر خصوصیات آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں بے شمار ایسے مسائل بھی پیدا ہوئے جن پر امام اعظم کی کوئی روایت موجود نہ تھی۔ آپ نے اصول وفروع میں امام اعظم کے اصول وقواعد کی پیروی کے ساتھ ساتھ ان تمام مسائل کا استخراج فرمایا۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔

☆......☆......☆

فقہ حنفی کا ارتقاء

از: پروفیسر ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری۔ کراچی

برصغیر (پاک و ہند) میں سلاطین تیموریہ کی آمد سے پہلے سلاطین خلجی اور لودھی کے ادوار سلطنت میں بھی برصغیر کے مسلمان عوام اور حکومت وقت کا سرکاری مذہب فقہ حنفی ہی تھا۔

جب یہاں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ظہیر الدین بابر کے ہاتھوں سے پڑی اس وقت سے آج تک برصغیر میں مسلمانوں کا فقہی مذہب حنفی ہی ہے۔ البتہ ہندوستان کے بعض ساحلی علاقوں میں آج بھی شافعی المذہب مسلمانوں کی ایک قلیل تعداد موجود ہے۔ عہد مغلیہ میں دور اکبری سیاسی اعتبار سے جتنا تابناک دور کہا جا سکتا ہے اتنا ہی مذہبی اعتبار سے انحاط پذیر دور بھی کہا جا سکتا ہے لیکن علماء احناف اس دور میں بھی فعال نظر آتے ہیں، لیکن جہانگیر ی اور اس کے بعد شاہ جہاں دور میں دہلی علماء احناف کا ایک عظیم فقہی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس دور کے علمائے احناف میں خاص طور سے حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مساعی جلیلہ فقہ حنفیہ کے علاوہ احیائے حدیث مصطفویہ ﷺ اور اس کے فروغ و اشاعت میں ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے علاوہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، علامہ دوراں سعد اللہ خاں، مولانا عبدالسلام وغیرھم، فن تفسیر و فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آخر الذکر مولانا تو لشکر شاہی کے جلیل القدر منصب پر فائز تھے، علاوہ ازیں ملا عوض وجیہہ، علامہ یعقوب لاہوری بھی یگانہ روزگار حضرات تھے علامہ یعقوب لاہوری وہی صاحب ایمان و انصاف بزرگ ہیں جنہوں نے شہنشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر کے اصرار کے باوجود شاہزادہ دارالشکوہ کے محضر الحاد پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ غرض کہ یہ تمام حضرات فقہ حنفیہ کی ترویج و اشاعت میں ہمہ وقت مصروف و مشغول رہا کرتے تھے۔

شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد پر نظر ڈالئے تو تمام ہندوستان میں فقہ حنفی کو خوب پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔ اسی دور میں مولانا نظام الدین ٹھٹھوی کی قیادت و سرکردگی میں علماء احناف کی ایک منتخب ٹیم نے فقہ حنفیہ کا ایک شاہکار مجموعہ مدون کیا جو بعد میں (فتاویٰ ہندیہ) یعنی فتاویٰ عالمگیریہ کے نام سے موسوم و مشہور ہوا۔ لیکن قارئین کرام کے ذہنوں سے اس مغالطے کو دور کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ہند میں صرف فتاویٰ عالمگیریہ کو ہی اولیت کا شرف حاصل نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ شرف سلطان فیروز تغلق کو بھی عطا فرمایا تھا کہ اس سلطان نے اپنے عہد حکومت میں صوبہ بہار کے سپہ سالار تتار خاں (یا تاتار خاں) کی ہمت افزائی سے اس دور کے ایک مشہور عالم اور فقیہہ حضرت علامہ علاؤ الدین نے فتاویٰ حنفیہ کا ایک ضخیم مجموعہ (جو چار جلدوں پر مشتمل ہے) مدون فرمایا اور تتار خاں کے نام سے اس کو معنون کیا یہ وہی فتاویٰ تتارخانیہ ہے جو مابعد کے فقہا کے لئے مفتی بہ مجموعہ رہا ہے۔ آپ فقہ حنفیہ یا فتاویٰ حنفیہ کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں پائیں گے جو عہد فیروزی کے بعد مدون یا مرتب ہوئی ہو اور اس میں فتاویٰ تتارخانیہ کا حوالہ موجود نہ ہو(۱)

یہاں مزید ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ فتاویٰ ہندیہ کی تدوین ایک مجلس فقہاء (اکیڈمی) کے زیر نگرانی ہوئی جس کے سربراہ علامہ نظام الدین برہان پوری (متوفی ۱۰۹۲ھ) ہیں اور ایک اندازہ کے مطابق اس مجلس میں تقریباً چالیس سے زائد علماء کرام و مفتیان عظام اس کی تدوین و ترتیب میں مشغول و مصروف تھے۔ جب کہ تتارخانیہ صرف ایک عالم کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے بعض تلامذہ یا رفقاء سے بھی اس سلسلے میں اعانت حاصل کی ہو۔ لیکن ایسی باوثوق صراحت کسی تاریخی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ صاحب نزھۃ الخواطر نے کسی قیاسی اندازے پر ایک رائے قائم کی ہے جو ان کی اپنی رائے ہے جب کہ فتاویٰ ہندیہ کی تدوین میں فقہائے وقت کا اشتراک عمل تھا ہاں یہ ضرور ہے کہ فتاویٰ تتارخانیہ کو عوام میں وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جو فتاویٰ ہندیہ کو حاصل ہوئی حکومت وقت کی مالی اعانت سے کئی سال کی شبانہ روز کاوشوں سے فقہ حنفیہ کی تمام کتب "ظاهر الرواية و نوادر" اور دوسری مستند کتابوں سے مسائل کی تخریج اور جزئیات پر بحث وجرح کے بعد مسائل فقہیہ کی تبویت کے ساتھ راجح اقوال کی بنیاد پر مرتب کیا گیا۔ فتاویٰ ہندیہ کی جامعیت کے باعث اس کا شہرہ صرف ہند تک محدود نہیں رہا بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اس کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا گیا اور آج بھی اس فتاویٰ کو اسی طرح معتبر اور مستند سمجھا جاتا ہے بلاد اسلامیہ میں فقہ حنفی کا شاید ہی کوئی ایسا دارالافتاء ہو جہاں تخریج مسائل میں اس سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب کے بعد ملک میں طوائف الملوکی نے جگہ لے لی اور فرزندان اورنگ زیب سلطان اورنگ زیب کی وصایا کے مطابق تقسیم مملکت پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور ایک دوسرے کا خون بہانا ہی پسند کیا عہد عالمگیری کی تاریخ پھر دہرائی گئی اور شہزادے نے بہت جلد اس بار گراں سے سبکدوشی حاصل کر لی جو عالمگیر نے ان ناتواں کندھوں پر رکھ دیا تھا۔ بہت جلد حکومت عالمگیر کی حدود سمٹنا

شروع ہوگئی' اور جاٹوں' سکھوں اور راجپوتوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے اس کو تاریخ کا ایک عظیم سیاہ باب ہی کہا جاسکتا ہے' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان مظالم کا ذکر اپنی تصانیف میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔(۲)

نوبت یہاں تک پہنچی کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد کی دہائی میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی آخری شمع عالم رنگون میں بجھ گئی۔

اس دور اختلال وفتن میں کسے اتنا ہوش تھا کہ علوم اسلامیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں روغن ڈالتا اور اس کی لو کو ''اٹھاتا'' ایسے موقعہ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے نامور فرزندوں نے علوم اسلامیہ کی جو گراں قدر خدمات انجام دیں اسے با آسانی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف اسلامی ہند میں اسلامی علوم کے چراغ مردہ کی آخری لوتھی جو ایک بار گی تیزی سے بھڑکی اور پھر چراغ بجھ گیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ قرآن (بزبان فارسی) اصول تفسیر و حدیث' اور مشہور زمانہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اس سلسلے میں آپ کی قابل ذکر تصانیف ہیں۔ شاہ صاحب کے فرزندوں میں شاہ رفیع الدین دہلوی اور شاہ عبدالقادر دہلوی نے بھی قرآن حکیم کے اردو ترجمے کئے آپ کے خاندان کی ایک عظیم ہستی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی لکھ کر ایک بڑا تاریخی کام کیا۔ چونکہ اس وقت دہلی مسلمانوں کا مرکزی مقام تھا اس لیے مسلمانان ہند اپنی ضروریات دینی سے متعلقہ مسائل شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہی کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور دور دراز مقامات کے رہنے والے بذریعہ مراسلت استفسار کرتے شاہ صاحب جوابات دیتے اور ارسال کرتے۔ فتاویٰ عزیزیہ ان ہی فتوؤں کا مجموعہ ہے۔(۳)

یاد رہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو اقوال فقہیہ (مسائل دینی ومعاملات دنیوی) ہم تک پہنچے ہیں وہ آپ کے تلامذہ گرامی کے ذریعے سے پہنچے ہیں خود امام صاحب قدس سرہ کی تصانیف فقہ میں ایک رسالہ ''الفقہ الاکبر'' کے نام سے موسوم ہے یہ ایک کم ضخامت وحجم کا رسالہ ہے اور علامہ ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۰۱ھ) نے اس رسالے کی شرح لکھی ہے اس کا متن اس شرح کے ساتھ مصر میں طبع ہوا۔ حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں چار شاگرد ایسے ہیں جن پر فقہ حنفیہ نازاں ہے اور جن کی مساعی سے فقہ حنفیہ کا گراں بہا خزانہ آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ہیں حضرت امام ابو یوسف (یعقوب بن ابراہیم م ۱۸۳ھ)، امام زفر بن ہذیل (م ۱۵۸ھ)، امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی اور

امام حسن بن زیاد ان چاروں حضرات میں امام ابو یوسف اور امام محمد دنیائے فقہ میں ''صاحبین'' کے معزز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔(۴)

ان ہی چاروں آئمہ کے ذریعے حنفی فقہ دنیا میں پھیلا اور حنفی مذہب میں تحقیق وتدقیق اور تصنیف وتالیف کا لامتناہی سلسلہ ان ہی حضرات کی مساعی جمیلہ سے ہر دور میں جاری و ساری رہا' فقہ حنفی پر آج مسائل کی جزئیات اور کلیات کے اعتبار سے لٹریچر کا جو گرانقدر اور وسیع خزانہ موجود ہے وہ ان ہی چار حضرات محترم کی کاوشوں کا مرہون منت ہے' اگر یہ حضرات امام اعظم کے اقوال کو منضبط نہ کرتے تو شاید فقہ حنفیہ آج اس مقام بلند پر نہ ہوتا۔(۵) امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ اقوال کس طرح منضبط ہوئے اس کا مختصر حال بھی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدوین فقہ کا اہم کام ۱۲۱ھ سے شروع کیا۔(۶) آپ نے اپنے تلامذہ میں سے چالیس حضرات منتخب فرما کر ایک مجلس تفقہ فی الدین قائم کی اس مجلس میں امام ابو یوسف' امام زفر' امام محمد' خواجہ داؤد طائی' شیخ فضیل بن عیاض (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) جیسے مشاہیر اکابر شامل تھے۔ ان حضرات کے علاوہ جو اور حضرات تھے وہ بھی ایسے ارباب فطانت وذکاوت اور صاحب فضل وکمال تھے جن کی مسائل دینی اور اجتہاد پر بہت گہری نظر تھی۔

ان چالیس حضرات میں تمام حضرات تفسیر' احادیث وآثار' علوم عربیہ اور لغت عربیہ میں یگانہ روزگار تھے۔ اس مجلس میں تدوین مسائل کا طریقہ یہ تھا کہ ایک مسئلہ پیش کیا جاتا اگر مجلس کے تمام افراد اس مسئلہ میں ایک رائے پر متفق ہوتے تو اسی وقت معرض تحریر میں لے آتے ورنہ بصورت اختلاف اس پر آزادانہ بحث وتمحیص ہوتی ارباب مجلس اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ امام صاحب ان تمام آرائے مختلفہ کو سن کر فیصلہ صادر فرماتے اور اس فیصلہ کو تحریر کرلیا جاتا۔ اسی طرح ۱۵۰ھ تک یہ مجلس تدوین فقہ قائم رہی اور اس تیس (۳۰) سال کی مدت میں جرح وتحقیق واجتہاد کے بعد فقہ کا ایک عظیم الشان ذخیرہ مرتب ہوا۔ امام موفق رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۸۳ ہزار مسئلے املا کرائے جن میں اڑتیس ہزار عبادات میں اور پینتالیس ہزار معاملات میں ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر تلامذہ میں امام محمد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم نے مسائل فقہی کی ایسی توضیح اور تشریح کی کہ امام صاحب کے اصل مجموعہ کی پھر ضرورت باقی نہ رہی کیوں کہ ان توضیحات وتشریحات کی اصل امام صاحب کے اقوال اور فیصلے ہی تو تھے اس طرح اصل ماخذ

اس قدر قابل اعتنا نہیں رہا جس قدر آپ کے تلامذہ کی تالیفات۔

امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کی یہ توضیحات اور تشریحات آج تمام دنیا میں موجود ہیں اور یہی فقہ حنفیہ کا ماخذ و منبع ہیں۔ ان دو حضرات یعنی صاحبین کے علاوہ اور بہت سے فاضل و مشاہیر فقہاء نے مذہب حنفیہ پر ایک گرانقدر سرمایہ اپنی یادگار چھوڑا ہے اور ان حضرات کی کتب بھی فقہ حنفیہ میں مفتی بہ ہیں البتہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ مذہب حنفیہ پر تالیفات میں عظیم ترین حصہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ امام محمد (بن حسن شیبانی) نے فقہ حنفیہ پر جو کتابیں تالیف کی ہیں وہ دو طرح کی ہیں ایک وہ جن کا نام بحیثیت مجموعی کتب ظاهر الروايه ہے اور قسم دوئم میں وہ کتب ہیں جن کو "کتب النوادر" کہتے ہیں۔

فقہ حنفیہ میں کتب ظاهر الرواية یہ ہیں۔

المبسوط، الجامع الكبير، الجامع الصغير، كتاب السير الكبير، كتاب السير الصغير اور زیادات، ان چھ کتابوں کو علامہ شیخ ابو الفضل مروزی نے اپنی تصنیف 'الکافی' میں جمع کیا ہے۔

فقہ حنفیہ کے مسائل کی زیادہ تر تخریج کتب ظاہر الروایۃ سے کی جاتی ہے کتب نوادر میں کتاب امام محمد کیسانیات (شعیب کیسانی نے اس کی روایت کی ہے)

كتاب الرقيات، هارونيات، جرجانيات اور كتاب المخارج في الحيل ہے کتب نوادر میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "المجرد" بھی شامل ہے جس کی روایت آپ کے شاگرد امام حسن بن زیاد نے کی ہے "کتاب الآثار" بھی امام حسن کی تالیف ہے۔

صاحبین اور امام حسن بن زیاد کے بعد فقہ حنفیہ کے مدونین و مولفین میں علامہ احمد بن مہر المعروف بہ خصاف (م ۲۶۱ھ) بھی قابل ذکر ہیں۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الحیل اور کتاب الوقف بہت مشہور ہیں۔ علامہ خصاف کے بعد امام ابو جعفری طحاوی (م ۳۲۲ھ) ہیں جو کتاب جامع الکبیر فی الشروط کے مولف ہیں، آئمہ مذکور اور دوسرے فقہائے حنفیہ کے بعد وہ طبقہ پیدا ہوا جو مجتہد نہیں بلکہ فقہ حنفیہ کے مقلد اور موید تھے ان اصحاب میں شیخ ابو الحسن کرخی (م ۳۰۴ھ) امام عبداللہ جرجانی (م ۳۹۸ھ) قابل ذکر ہیں۔

امام عبداللہ جرجانی فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "خزانة الاكمل" کے مؤلف ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے مشہور مولفین فقہ حنفیہ میں احمد بن محمد قدوری ہیں۔ (۸) آپ کی مشہور

تالیفات میں المختصر القدوری سب سے نمایاں ہے جس کی بہت سی شرح لکھی گئی ہیں۔ اسی صدی میں شمس الائمہ محمد بن احمد ابو بکر سرخسی نے المبسوط کے نام سے کتاب فقہ مدون کی امام علی بن محمد بزودی (م ۴۸۲ھ) اپنی تالیف 'کتاب الاصول' کی وجہ سے مشہور ہیں۔ علامہ ابو بکر کاسانی (م ۵۸۷ھ) مشہور زمانہ کتاب "بدائع الصنائع" (م ۵۸۷ھ) کے مؤلف ہیں۔ کتاب کا پورا نام 'بدائع الصنائع فی الترتيب الشرائع' ہے یہ بدائع الصنائع کے مختصر نام سے مشہور ہے اور مفتی بہ ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے زندہ جاوید مصنف علامہ شیخ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ) ہیں جو اپنی بے مثل کتاب "کتاب الهدایه" کے باعث مشہور زمانہ ہیں، صاحبین کی تصانیف کے بعد "ہدایہ" جیسی شہرت فقہ حنفیہ کی کسی کتاب کو شاید ہی میسر آئی ہو، آپ کی ایک اور کتاب "شرح هداية المبتدی" ہے لیکن ہدایہ کے سامنے اس کی شہرت ماند پڑ گئی، ہدایہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اور درسیات میں متداول ہے۔ کتاب ہدایہ کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی متعدد شروح اور حواشی لکھے گئے ہدایہ کی شروح میں سروبی کی "کفایہ" اور علامہ کرلانی کی "وقایہ" ہیں تاج الشریعۃ محمود محبوبی نے وقایہ کا خلاصہ "نقایہ" کے نام کیا ان تمام شروح میں علامہ کمال الدین ابن ہمام کی فتح القدیر (آٹھ جلدوں میں) شرح ہدایہ مشہور زمانہ ہے اور معتبر و مستند ہے۔

ساتویں صدی ہجری سے پہلے ہی تقلید کا قطعی دور شروع ہو چکا تھا اب صرف فقہ کے متون اور ان پر تعلیقات اور ان کی شرح لکھنے پر اکتفا کی جانے لگی تھی، پھر ان تعلیقات اور شرح کی شرح مرتب ہوئیں اور مسائل حنفیہ پر فتاویٰ مرتب ہونے شروع ہوئے۔ اب شرح اور تعلیقات کا ایسا دور شروع ہوا جس نے بہت جلد فقہی خزانے میں قیمتی اور معتد بہ اضافے کیے اس دور کی مولفات اور شرح میں درج ذیل کتابوں نے بہت زیادہ شہرت حاصل کی اور متاخرین فقہا کے نزدیک یہ کتابیں معتبر اور مستند ہیں۔

المختصر: مولفہ احمد بن محمد قدوری، متاخرین فقہاء میں وہ چار کتابیں جو چار متون کے نام سے مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)۔ وقایه مختصر الهدایه (۲) مختار (۳) البحرين مولفه ابن الساعاتی (م ۶۸۳ھ) (۴) كنز الدقائق مولفه حافظ علاو الدین نسفی (م ۷۲۰ھ) مذکورہ بالا چار متون میں "کنز الدقائق" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ ہدایہ کے بعد کنز الدقائق فقہ حنفیہ میں ایک ایسی کتاب ہے جس کے حواشی و شرح اس طرح مشہور ہوئے کہ اصل کتاب کی شہرت بھی دب گئی۔

تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری میں اردو زبان میں مسائل فقہی پر کچھ کتابیں لکھیں گئیں لیکن مقصد تالیف کے تحت ان کا انداز بالکل عمومی تھا۔ ان تالیفات کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمانوں کو ان کے دینی احکام سے آگاہ کردیا جائے اور غلط راستے پر چلنے سے ان کو روکا جائے' اس سلسلہ میں حضرت مولانا رکن الدین صاحب الوری قدس سرہ نے ''رکن الدین'' جیسی آسان اور یسیر الفہم کتاب تصنیف کی' اس دور میں شرح وقایہ کے اردو ترجمہ بھی ہوئے' درسِ نظامی میں معقولات پر بھرپور توجہ کی جاتی تھی۔ درجہ چہارم میں جاکر کہیں تفسیر وفقہ سے روشناسی حاصل ہوتی تھی۔ (وہ بھی تفسیر جلالین کی حد تک) اور فقہ میں فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہدایہ تک طلباء کے ذہنوں کی رسائی ہوسکتی تھی' ان مدارس میں فقہ کے نصاب میں صرف شرح وقایہ اور ہدایہ ہی متداول تھیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کے ہوش ربا حادثات نے دلوں کا سکون چھین لیا تھا اس لیے ان دینی مدارس میں جو کچھ دینی تعلیم دی جارہی تھی وہ بھی بہت غنیمت تھی اسلامی معاشرہ منتشر تھا۔ ایسے پر آشوب اور کسمپری کے ماحول میں ہند منتشر تھا۔ حنفی مسلمانوں کے لیے روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی میں اللہ تعالی نے امام اہل سنت' فقیہ اعظم 'مولانا شاہ محمد احمد رضا خاں قادری قدس سرہ العزیز کو پیدا فرمایا' جنہوں نے بے دینی کی آندھیوں میں چراغ ایمان کو اپنے تبحر علمی کے دامن کی اوٹ میں اس طرح فروزاں رکھا کہ مسلمانوں کو ضلالت وگمراہی سے بچایا۔ (۹) اپنی علمی توانائیوں سے جرات مندانہ کام لیتے ہوئے اس ضلالت کے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بندھ باندھ دیا جو ناداں اور کم علم مسلمانوں کی متاع ایمان اور عظمت رسول اکرم ﷺ کے روح پرور جذبات کو اپنی تندرو میں بہالے جانے کے لیے بڑھتا چلا آرہا تھا۔ معاشی بدحالی نے بھی مسلمانوں کی کمر توڑ دی تھی۔

اس دورِ انحطاط میں ایک طبقہ نے کفر وشرک کی غلاظت کے انبار عشق رسول کے متوالوں اور عظمتِ رسول کی شمع کے پروانوں پر پھینکنا اپنا شعار بنالیا تھا۔ ایسے پر آشوب دور میں اعلی حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز نے مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کا عزم صمیم فرمایا اور اس راہ پر خطر پر اپنے مضبوط قدم رکھ دیئے' اور اللہ تعالی نے ان کی مساعی کو مشکور فرمایا۔ اس یگانہ روزگار' فقیہہ بے عدیل ومحدث بے نظیر نے اپنی زندگی کے شب وروز اسی میں صرف فرمادیئے آپ کے زورِ قلم قوت بیان واستدلال نے اعدائے دین کے منہ پھیر دیئے آپ نے زبان وبیان کی تمام توانائیوں کو اس راہ میں صرف کیا اور علم و تحقیق کے تمام وسائل بروئے کار لائے آپ کا ہر نفس اسی راہ جہاد میں صرف ہوتا تھا۔ آپ کے قلم سے جو

کچھ نکلتا وہ اسی جذبہ کا ترجمان ہوتا۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پہ پڑ رہو

اس سلسلے میں آپ نے صدہا رسائل تحریر فرمائے' گرچہ آپ کے تبحر علمی کی دنیا بہت وسیع تھی تمام علوم معقول اور منقول بشمول ریاضیات وطبیعات و مابعد الطبیعات آپ کی طبع وقار کی گرفت میں تھے اور یہ تمام رسائل آپ کا منتہائے علم اور غایت توجہات بھی نہیں رہے۔ ان رسائل کی تصنیف سے آپ کا مقصد مسلمانوں کے عقائد کا تحفظ اور ان کی نگہداشت اور ضلالت وگمراہی پھیلانے والوں کے دامِ فریب سے عامۃ المسلمین کو ہوشیار رکھنا تھا' ان میں بعض رسائل اگرچہ مختصر ہیں لیکن اپنی جامعیت اور دلائل و براہین کے نظم کے اعتبار سے اہلِ علم وفن کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہاں بعض رسائل خاصے ضخیم اور موضوع پر تحقیق کے اعتبار سے ایک مکمل تھیس کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً الدولتہ المکتہ'' لیکن تفقہ فی الدین میں آپ کی فکر وقلم کا شاہکار آپ کا مجموعہ فتاوٰی العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ہے جو'' فتاوٰی رضویہ'' کے نام سے مشہور ہے یہ بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور ان میں ہر ایک جلد ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتاوٰی رضویہ کی ہر جلد میں متعدد رسائل بھی موجود ہیں کہ بعض سوالات کے تفصیلی اور مدلل جواب کے لیے دو چار صفحات ناکافی تھے اس لیے جواب میں ایک رسالہ مرتب کرنا پڑا۔ اگر ہر جلد کے ان رسائل کو یکجا کرلیا جائے تو موضوع متعلقہ پر ''فقہ حنفیہ '' کی ایک مبسوط کتاب ہوسکتی ہے۔

تیرہویں صدی ہجری میں ممالک اسلامیہ میں مفتی مصر شیخ محمد عباسی مہدی کے فتاوٰی کا مجموعہ'' فتاوٰی مہدیہ'' کے نام سے مصر میں طبع ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ اس وقت برصغیر میں فتاوٰی رضویہ کی تدوین عمل میں آئی فتاوٰی رضویہ تیرہویں صدی کے عشرہ آخر اور چودہویں صدی کے اربع اول میں لکھے جانے والے فتاوٰی کا مجموعہ ہے جو اعلی حضرت امام اہل سنت فقیہ عصر' محدث علام' شاہ احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہ کی فطانت وذکاوت تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا ایک عظیم شاہکار ہے جو بارہ جلدوں پر منقسم کیا گیا ہے اور یہ عمل خود صاحب فتاوٰی کی اجازت سے سرانجام ہوا اس تدوین کے بعد بھی اعلی حضرت کے وصال تک سینکڑوں فتاوٰی اور جمع ہوگئے تھے اور اس طرح اس کی اور جلدیں مرتب اور مدون کی گئیں اس طرح آج فتاوٰی رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے جو ہندوستان میں طبع ہوئیں اور پھر پاکستان میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر ہمارے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اس برصغیر میں

فتاویٰ رضویہ آخری گرانقدر فقہ حنفی پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ ہے چودھویں صدی ہجری کے اوا خر تک ایسا مہتم بالشان کوئی اور فتاویٰ مرتب نہیں ہوا۔

حواشی وحوالا جات

(۱) بعض روایات کے مطابق سلطان غیاث الدین تغلق نے فتاویٰ تاتارخاں کی تدوین میں حصہ لیا۔
(نزھۃ الخواطر' جلد۲' ص۱۸)

(۲) شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات' ص۱۴۰

(۳) نزھۃ الخواطر' جلد اول' ص۳۵

(۴) امام ابوحنیفہ احوال وآ ثار' ابوزہرہ مصری

(۵) ایضاً ص۴۴

(۶) سالنامہ معارف رضا' شمارہ ۱۹۹۰ء کراچی' ص۱۲۴

(۷) الصحیح النوری شرح اردو مختصر قدوری' مترجم محمد حنیف گنگوہی' مطبوعہ لاہور

(۸) ایضاً ص۱۸

(۹) تذکرہ علماء ہند از رحمٰن علی ص۱۴۰' مطبوعہ لاہور

کیا امام اعظم کے نزدیک ''یزید'' پر لعنت جائز ہے؟

از: ابوالرضا مولانا اللہ بخش نیر صاحب (لیہ)

اگرچہ آپ کا مشہور قول توقف ہے' جسے یزیدی ملاں اپنا سہارا سمجھتے ہیں لیکن کتب تبصرہ کے حوالہ جات سے ثابت ہے کہ امام اعظم بھی یزید پر لعنت بھیجنے کے قائل ہیں چنانچہ

(۱) دیوبندی مولوی عبدالرشید نعمانی اپنی کتاب حادثہ کربلا کا پس منظر ص ۳۶۶ میں بحوالہ فتاویٰ عزیزیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۰۰ جلد ا لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت نہیں بلکہ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے سبب توقف کا قول ہے۔ یزید کے بارے میں خود ان سے تصریح آگے آرہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

(۲) زجر الشبان والشیبہ عن ارتکاب الغیبہ از مولانا عبدالحی فرنگی محلی (ص۳۰ طبع ۱۳۹۸ھ شائع کردہ مکتبہ عارفین کراچی) یزید پر لعن کے سلسلہ میں امام احمد کی جو رائے ہے (یعنی یزید پر لعنت جائز ہے) وہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے منالب المومنین میں منقول ہے یعنی امام اعظم بھی یزید پر لعنت کے جواز کے قائل ہیں۔

(۳) الاختیار ص۱۴۲ جلد ۲ میں ہے۔ اکابر حنفیہ میں امام ابوبکر احمد بن علی بصاص الرازی جنہوں نے ہمیشہ امام ابوحنیفہ کے قول کو دوسروں کے قول پر ترجیح دی نے احکام القرآن میں یزید کو لعین ہی لکھا۔

(۴) خلاصۃ الفتاوے ص ۳۹۰ ج ۴ میں حنفیوں کے چوٹی کے امام طاہر بن احمد عبدالرشید بخاری لکھتے ہیں۔ میں نے شیخ امام زاہد قوام الدین صفاری سے سنا ہے۔ وہ اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے۔ لاباس باللعن علی یزید

(۵) فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ عالمگیری ص۳۴۴ ج ۳ میں عظیم حنفی محقق ابن بزاز کردری لکھتے ہیں۔ یزید اور اسی طرح حجاج پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور امام قوام الدین صفاری سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ یزید پر لعنت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کردری کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یزید پر اس کے کفر کی شہرت نیز اس کی گھناؤنی شرارت کی متواتر خبروں کی بناء پر جس کی تفصیلات معلوم ہیں لعنت ہی کی جائے۔

(۶) عظیم حنفی عالم بحر العلوم علامہ عبدالعلی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص۲۲۳ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔
یزید پلید کے ایمان میں بھی شک ہے جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کی ہیں سب معروف ہیں'

(۷) مجدد الف ثانی حنفی کا مسلک' مکتوب امام ربانی دفتر اول مکتوب ص۲۵ حصہ چہارم میں ہے۔

یزید پر لعنت کرنے سے (امام اعظم یا دوسرے بعض بزرگوں کے) توقف کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت بھی نہیں ارشاد خداوندی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ ...... الآیۃ جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے۔

(۸) حیات الحیوان ص ۲۲۵ ج ۲ یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں سلف صالحین امام ابوحنیفہؒ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ یعنی اس کا نام لے کر لعنت کرنا دوسرا تلویح کے ساتھ یعنی بغیر نام لیے اشارۃً جیسے اللہ کے قاتلوں اور دشمنوں پر لعنت کرے لیکن ہمارے نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح نہ کہ تلویح

(۹) حنفیوں کے چوٹی کے امام علامہ ملا علی قاری شرح شفاء ص ۵۵۶ ج ۲ میں لکھتے ہیں یزید اور ابن زیاد اور انہی کی مثل دوسرے لوگوں پر لعنت جائز ہے امام احمد بن حنبل تو یزید کے کفر کے قائل ہیں۔

(۱۰) حنفی مفسر سید محمود آلوسی تفسیر روح المعانی ص ۶۶ ص/ص ۲۶ میں لکھتے ہیں میرے (حنفی امام) کے نزدیک یزید جیسے شخص معین پر لعنت کرنا جائز اور درست ہے اگرچہ اس جیسا کوئی فاسق بھی متصور نہیں ہو سکتا اور ظاہر یہی ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی۔ اس کی توبہ کا احتمال اس کے ایمان کے احتمال سے بھی کمزور ہے یزید کے ساتھ ابن زیاد ابن سعد اور اس کی جماعت کو بھی لاحق شامل کیا جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان سب پر اور ان کے اعوان و انصار پر اور ان کے گروہ پر اور جو بھی ان کی طرف مائل ہو قیامت تک اور اس وقت تک کہ کوئی بھی آنکھ ابو عبداللہ حسین پر آنسو بہائے۔

(۱۱) فتاویٰ عبدالحئی ص ۸ ج ۳ مطبوعہ لاہور میں علامہ عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں۔ (موجودہ یزیدی دیوبندی عبرت پکڑیں) ترجمہ ملخصاً یہ سخن محض باطل ہے کہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا تھا۔ اور نہ وہ اس سے راضی تھا اور نہ وہ آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے قتل کے بعد خوش ہوا۔ (حقیقت یہ ہے کہ)

(۱۳/۱۲) حنیفوں کے امام تفتازانی شرح عقائد نسفی ص ۱۱۷ مطبوعہ لاہور میں فرماتے ہیں اور امام احمد قسطلانی شارح بخاری ارشاد الساری شرح بخاری ص ۱۰۱ ج ۵ میں فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) اور بعض علماء (اہل سنت) نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے۔ اس لیے کہ جب اس نے امام حسین کے قتل کا حکم دیا تھا وہ کافر ہو گیا تھا۔ اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ جس نے امام کو قتل کیا اور جس نے قتل کا حکم دیا اور جس نے اس کی اجازت دی اور جوان (سادات) کے قتل پر راضی ہوا اس پر لعنت کرنا جائز ہے اور حق بات یہی ہے کہ یزید کا امام کے قتل پر راضی ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل بیت رسول ﷺ کی توہین کرنا تواتر معنوی کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے پس ہم نہیں توقف کرتے ہیں اس کی شان میں بلکہ اس کے ایمان میں اللہ کی

لعنت ہو اس (یزید پلید) پر اور اس کے دوستوں اور مددگاروں پر

(۱۴) نبراس شرح عقائد ص ۵۵۲ میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی حنفی لکھتے ہیں۔ ترجمہ اور بعض علماء (اہل سنت) نے یزید پر لعنت کا اطلاق ثابت کیا ہے ان میں سے ایک محدث ابن جوزی ہیں جنہوں نے اس مسئلہ کے ثبوت (جواز اللعن بر یزید) میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے رکھا ہے۔ "الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم الیزید" اور جواز لعن بر یزید قائلین میں امام احمد بن حنبل اور قاضی ابو یعلیٰ بھی ہیں۔

علامہ پرھاروی کے نزدیک یزید کو کافر کہنے والے اہل سنت کے امام اور برحق علمائے دین ہیں۔ ان پر علامہ پرھاروی نے کوئی فتویٰ نہیں لگایا۔

ترجمہ۔ بقیہ عبارت فتاویٰ عبدالحئی ص ۸ ج ۳) اور بعض یزیدی ناصبی ملاں) کہتے ہیں کہ قتل حسین گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں اور لعنت کفار کے ساتھ مخصوص ہے ایسا کہنے والے (یزیدی ملاؤں) کی فطانت پر افسوس ان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کفر تو دوسری چیز ہے خود رسول کو ایذا دینا کیا نتیجہ و ثمرہ رکھتی ہے فرمان ایزدی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا (پ ۲۲ الاحزاب آیت ۵۷)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) یزیدی ناصبی ملّا کہتے ہیں۔ کہ امام غزالی نے یزید پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے انہیں (ملاؤں) کو معلوم ہونا چاہیے امام غزالی احیاء العلوم ص ۱۲۰ ج ۳ میں فرماتے ہیں اس زمانہ میں کسی شخص معین پر گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کرنا اچھا نہیں اس کے بعد وہ فرماتے ہیں اگر کوئی بالفرض شیطان پر بھی لعنت نہ کرے اور سکوت اختیار کرے تو کچھ اندیشہ نہیں شیطان سے بڑھ کر کوئی اور کیا ہوگا۔ تعجب ہے کہ امام غزالی کے قول سے وہ لوگ استدلال کر رہے ہیں جن کا شب و روز کا مشغلہ ہی مسلمانوں کو بات بات پر کافر و مشرک اور بدعتی بنانا ہے۔

امام غزالی تو فرما رہے ہیں کہ شخص معین پر گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کرنا اچھا نہیں۔ اس لیے کہ شاید وہ توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور اسی طرح ابلیس پر بھی لعنت نہ کرے بلکہ سکوت اختیار کرے حالانکہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (پ ۱۴ الحجر آیت ۳۵)

ترجمہ: اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔

امام غزالی کا سہارا لینے والے یزیدیوں کو چاہیے کہ وہ کفار اور شیطان کو بھی مستحق لعنت نہ سمجھیں اور ان پر بھی لعنت نہ کیا کریں۔ اور لعنت والی آیات تلاوت نہ کیا کریں افسوس ان یزیدی ناصبی ملاؤں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ کسی کا مستحق لعنت ہونا اور بات ہے اور اس پر لعنت نہ کرنا اور بات ہے' امام غزالی کا مقصد یہ ہے کہ از روئے حدیث مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا خواہ کوئی مستحق لعنت ہو مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اس پر لعنت نہیں کرتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وصف عام کے ساتھ (امام غزالی) ان کے نزدیک بھی کافر و فاسق پر بلکہ خوارج' روافض اور ظالم زانی اور سود خور پر لعنت کرنا جائز ہے اور یزید بلاشبہ فاسق اعتقادی و عملی اور ظالم تھا۔ لہذا امام غزالی کے مقررہ اصول کے مطابق بھی اس پر لعنت کرنا جائز ہو گیا۔

ترجمہ۔ بقیہ عبارت فتاوے عبدالحی ص ۸ جلد ۳ مطبوعہ لاہور) مخفی نہ رہے کہ یزید کا معاصی سے توبہ اور رجوع کا (امام غزالی) کی طرف سے محض احتمال ہی احتمال ہے ورنہ اس بے سعادت نے اس امت میں جو کچھ کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا ہوگا۔ امام حسین کے قتل کے بعد اہلِ بیت کی اہانت اور مدینہ منورہ کے خراب کرنے اور اہلِ بیت کو قتل کرنے کے لیے لشکر بھیجا اور اس وقعہ حرہ میں تین روز تک مسجدِ نبوی بے اذان و نماز رہی اور اس کے بعد اس لشکر نے حرم کعبہ پر چڑھائی کی۔ اور اس معرکہ میں عین حرم کے اندر حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہوئے یزید پلید اسی قسم کے مشاغل میں مصروف تھا کہ مر گیا اور اس جہان کو پاک کر گیا' اس کے بیٹے معاویہ (اصغر) نے بر سر منبر اس کے برے حالات بیان کیے اور پوشیدہ حالات کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور بعض علمائے اہلِ سنت اس پر علی الاعلان کھلم کھلا لعنت کرنا جائز رکھتے ہیں۔ سلف اور اعلام امت سے امام احمد بن حنبل اور ان کی مثل اور بزرگوں نے اس پر لعنت کی ہے' ابن جوزی نے جو حفظِ سنت و شریعت میں بہت ہی زیادہ سخت ہیں اپنی کتاب میں یزید پر لعنت کرنا سلف سے نقل کیا ہے اور علامہ تفتازانی نے کمال جوش و خروش سے یزید' اس کے معاونین اور ساتھیوں پر لعنت کی ہے۔ (یزیدی ملاؤں کا فریب) یزیدی ناصبی ملاں یہ کہتے ہیں کہ یزید تو دمشق میں تھا اور حسین کربلا میں شہید ہوئے یزید تو کربلا میں موجود بھی نہ تھا' حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ یزید کے حکم اور رضا سے ہوا اور اس کی پوری پوری ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے' قرآن کریم میں اس کی نظیر موجود ہے دیکھیے فرعون نے اپنے ہاتھوں سے بنی اسرائیل کا کوئی بچہ ذبح نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے تمام بچوں کا قاتل اور ذابح اسی کو قرار دیا۔ کیونکہ تمام بچے اس کے حکم سے ذبح کیے گئے تھے۔ چنانچہ فرمایا یذبح ابناء کم اے بنی اسرائیل جب کہ فرعون تمہارے بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ قرآن سے ثابت ہوا کہ جس کے حکم اور رضا سے قتل ہو اس حاکم کو حکماً قاتل ہی کہا جائے گا لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ یزید حضرت امام عالی مقام کے قتل سے راضی نہ

تھا اور نہ یہ قتل اس کے حکم اور رضا سے ہوا۔ بلکہ بلاشبہ یہ سب کچھ یزید پلید کے حکم سے ہوا۔

(۱۵) البدایہ والنہایہ ص ۲۲۲ جلد ۸ میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں (ترجمہ) یزید نے حضرت حسین اور ان کے اصحاب کو ابن زیاد کے ذریعے قتل کرایا۔ اصل قاتل یزید ہے۔

(۱۶) تاریخ کامل ابن اثیر ص ۵۰ جلد ۴ میں ہے حضرت ابن عباس نے یزید کو لکھا۔ بلاشبہ تو نے حسین اور عبدالمطلب کے جوانوں کو قتل کیا ہے جو ہدایت کے روشن چراغ اور چمکتے ہوئے ستارے تھے تیرے حکم سے تیرے لشکر کے سواروں نے ایک ہی جگہ ان کو خاک و خون میں ملایا۔

میں ابھی ان باتوں کو نہیں بھولا نہ بھولوں گا کہ تو نے حسین کو حرم رسول مدینہ عالیہ سے حرم مکہ کی طرف نکالا اور ان کی طرف برابر سوار اور پیادے بھیجتا رہا۔ یہاں تک کہ انہوں نے امام کو عراق کی طرف نکلنے کے لیے بے قرار کر دیا۔ تم نے میرے باپ کی اولاد کو قتل کیا ہے اور تمہاری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے۔ تم میرے عزیزوں کے قاتل ہو اور تو اس پر خوش اور مغرور نہ ہو بلکہ آج تو نے ہم پر غلبہ پا لیا۔ ایک دن ہم بھی فتحیاب ہوں گے۔

(۱۷) تاریخ کامل ابن اثیر ص ۵۵ جلد ۴ میں ہے (ترجمہ) ابن زیاد گورنر کوفہ نے کہا۔ جہاں تک قتل حسین کا تعلق ہے تو وہ اس لیے تھا کہ یزید نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ان کو قتل کر دوں ورنہ وہ مجھے قتل کر دیں گے تو میں نے ان کے قتل کو اختیار کیا۔

(۱۸) تاریخ کامل ابن اثیر ص ۴۵ جلد ۴ میں ہے۔ امام عالی مقام کی شہادت کے بعد اہلِ حرمین کا محاصرہ کرنے کا حکم بھیجا تو اس نے کہا۔ خدا کی قسم میں اس فاسق (یزید) کے لیے ابن رسول اللہ ﷺ کا قتل جو پہلے کر چکا ہوں اور حرمین میں لڑائی دونوں (گناہوں) کو اپنے لیے جمع نہیں کروں گا۔ اس نے معذرت کر دی۔

(۱۹) مشہور حنفی محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا فیصلہ تکمیل الایمان ص ۹۸ میں ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یزید نے قتلِ حسین کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ آپ کے قتل پر راضی تھا۔ اور نہ آپ کے قتل کے بعد ان کے اور ان کے عزیزوں کے قتل سے خوش و مسرور ہوا یہ بات مردود اور باطل ہے اس لیے کہ اس شقی کا اہلِ بیت نبوت رضی اللہ عنہم سے عداوت رکھنا اور اُن کے قتل سے خوش ہونا اور اُن کی اہانت کرنا معنوی طور پر درجہ تواتر کو پہنچ چکا ہے اور اُس کا انکار تکلف و تکابرہ یعنی خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے۔

جب یہ اچھی طرح سے ثابت ہو گیا کہ قتلِ امام' یزید پلید کے حکم سے ہوا اور وہ اس پر راضی اور خوش تھا تو ثابت ہو گیا کہ وہی قاتلِ امام اور رسول ﷺ کو اذیت دینے والا ہے۔

امام غزالی احیاء العلوم میں ص ۳۹۱ جلد ۴ میں ابن عباس کا خواب نقل کرتے ہیں حضور کو اس واقعہ سے

سخت اذیت پہنچی ہے اور حضور ﷺ کو اذیت پہنچانے والا لعنتی ہے امام غزالی کے نزدیک بھی یزید مستحق لعنت ٹھہرا۔

(۲۰) شرح فقہ اکبر ص ۸۷ میں مشہور حنفی عالم ملا علی قاری فرماتے ہیں اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ امام حسین باغی تھے۔ تو یہ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے۔ یہ خارجیوں کے ہذیانات (بکواس) ہیں۔ جو صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

(۲۱) الصواعق المحرقہ ص ۲۲۰ میں ہے (ترجمہ) امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت صالح نے اپنے باپ سے یزید سے دوستی رکھنے یا اس پر لعنت کرنے کے بارے میں پوچھا تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔

بیٹا! کوئی اللہ پر ایمان رکھنے والا ایسا بھی ہوگا جو یزید سے دوستی رکھے اور میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں۔ جس پر اللہ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں لعنت کی ہے میں نے عرض کیا اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت کی ہے؟ تو فرمایا اس آیت میں

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (پ ۲۶ محمد آیت ۲۲/۲۳)

ترجمہ: تو کیا تمہارے یہ لچھن (انداز) نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت کی اور انہیں حق سے بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

پھر امام احمد نے فرمایا بیٹا کیا اس قتلِ حسین سے بڑھ کر بھی کوئی فساد ہو سکتا ہے۔

(۲۲) ارشادِ مصطفیٰ ﷺ ہے اہلِ مدینہ کو ڈرانے اور ہراساں کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ صحیح ابنِ حبان، سراج المنیر ص ۲۸۸ وفاء الوفاء ص ۲۲ ج ا جذب القلوب ص ۳۳ یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ یزید پلید نے اہلِ مدینہ کو ڈرایا ہراساں کیا ظلم وستم ڈھائے، مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوائے، تین دن تک مسجد نبوی بے اذان وجماعت رکھی ثابت ہوا یزید ملعون لعین اور لعنتی ہے۔

(۲۳) ملا علی قاری مشہور حنفی عالم شرح فقہ اکبر ص ۸۸ میں لکھتے ہیں (ترجمہ) یزید سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جو اس کے کفر پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً شراب کو حلال کرنا اور حضرتِ امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے بعد یہ کہنا کہ میں نے ان سے بدلہ لیا ہے۔ اپنے بزرگوں اور سرداروں کے قتل کا جو انہوں نے بدر میں کیے تھے یا ایسی ہی اور باتیں اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے یزید کی تکفیر کی ہے۔

(۲۴) الصواعق المحرقہ ص ۲۱۸ میں امام ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ (ترجمہ ملخصاً) سبط ابن الجوزی کا یزید

کے کافر ہونے کے بارے میں مشہور قول ہے کیونکہ امام حسین کا سر اقدس جب یزید کے پاس آیا تو وہ خبیث امام کے سر کو لکڑی سے الٹ پلٹ کرتا تھا اور کہتا تھا۔ اے کاش! میرے بزرگ جو بدر میں مارے گئے آج زندہ موجود ہوتے اور اس نے ان میں دو شعر اور زیادہ کیے ہیں۔ جو صریح کفر پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے دل میں جاہلیت کا بغض و کینہ اور جنگِ بدر کا انتقامی جذبہ تھا۔ (ان حوالہ جات کے بعد یزید کے کفر میں شک مناسب نہیں)

(۲۵) اسعان الراغبین ص ۲۱۰ میں علامہ شیخ محمد بن علی الصبان فرماتے ہیں۔ (ترجمہ) بے شک امام احمد بن حنبل یزید کے کفر کے قائل ہیں اور اُن کا علم اور تقویٰ اس بات کا مقتضی ہے کہ انہوں نے کفر کا فتویٰ اس وقت دیا ہوگا۔ جب موجب کفر باتیں یزید سے ثابت ہوئی ہوں گی اور کفر کے فتویٰ پر علماء کی ایک جماعت نے اُن کی موافقت کی ہے۔ جیسے ابن جوزی وغیرہ بہت سے علماء نے تو یزید کا نام لے کر اس پر لعنت کرنے کو جائز رکھا ہے اور امام احمد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جوزی نے کہا ہے کہ امام قاضی ابو یعلیٰ نے مستحقین لعنت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ ان میں یزید کا نام بھی لعنتیوں میں لکھا ہے۔

(۲۶) امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات شریف ص ۵۴ میں لکھتے ہیں یزید بدبخت کی بدبختی میں کس کو کلام ہے جو کام اس (یزید) بدبخت نے کیے ہیں کوئی کافر فرنگی بھی نہ کرے گا، بعض علماء اہلِ سنت جو اس کے لعن میں توقف کرتے ہیں، وہ اس سبب سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس رعایت سے کہ رجوع و توبہ کا احتمال ہو سکتا ہے، (یہ احتمال احتمال ہی ہے، حقیقت میں کچھ نہیں) (۲۷) روح المعانی ص ۷۲ پ ۲۶ میں ہے۔ (ترجمہ) یزید خبیث حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کرنے والا نہیں تھا بے شک اس کا مجموعی عمل جو اس نے اللہ تعالیٰ اور اولادِ رسول کے حرم پاک کے رہنے والوں کے ساتھ کیا اور اولادِ رسول ﷺ کے ساتھ ان کی زندگی اور شہادت کے بعد جو کچھ روا رکھا اور جو کچھ اس سے ذلت آمیز افعال صادر ہوئے ہیں، یہ زیادہ دلالت کرنے والے ہیں۔ اس کی عدم تصدیق پر اس شخص کے عمل سے کہ جس نے قرآن مجید کے اوراق کو نجاست میں پھینکا (ایسے کرنے والا کافر ہے) میرے نزدیک اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

(۲۸) روح المعانی ص ۷۱ ج ۲۶ (ترجمہ) یزید علیہ اللعنۃ حضرت علی اور آپ کے دونوں بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض رکھتا تھا جیسا کہ معنوی طور پر احادیث متواتر اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اب تیرے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ لعین منافق تھا۔

(۲۹) تفسیر مظہری ص ۲۱ جلد ۵ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی نقشبندی میں ہے۔ (ترجمہ ملخصاً) یزید اور اس کے ساتھیوں نے کفر کیا۔ آلِ پیغمبر کی عداوت میں کھڑے ہو گئے اور انہوں نے امام حسین کو شہید کیا۔ اور یزید

نے دینِ مصطفیٰ کا انکار کر کے کفر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے امام حسین کے قتل کے وقت کہا کہاں ہیں میرے بزرگ کہ وہ میرا بدلہ لینا دیکھ لیں۔ آلِ محمد و بنی ہاشم سے اور آخری شعر یہ ہے کہ میں جندب کی اولاد میں سے نہیں ہوں گا اگر میں احمد کی اولاد سے بدلہ نہ لوں جو کچھ انہوں نے کیا' اس نے شراب کو حلال کیا۔

(۳۰) مکتوبات قاضی ثناء اللہ ص ۲۰۳ میں ہے' یزید کا کفر معتبر روایات سے ثابت ہے' پس وہ مستحق لعنت ہے اگر چہ لعنت کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے' لیکن الحب فی اللہ و بالبغض فی اللہ کا متقضی ہے۔ (کہ اس پر لعنت کی جائے)

(۳۱) ارشادِ اعلیٰ حضرت احکام شریعت ص ۸۸ ج ۲۔ ہمارے امام (یزید کے بارے میں) سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر۔

(۳۲) بہار شریعت ص ۷۷ جلد ۱ (ہم یزید کو) کافر کہیں نہ مسلمان بھی نہیں۔ لہذا ثابت ہوا ایسا شخص منافق ہے۔ منافق کافر سے بھی زیادہ برا ہوتا ہے۔

(۳۳) ملفوظات اعلیٰ حضرت ص ۱۱۴ 'یزید کو اگر کوئی کافر کہے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ (بریلوی ہو کر کافر کہنے سے روکتے ہو؟)

(۳۴) امام احمد رضا خان بریلوی کتاب الشہابیہ ص ۲۰ میں لکھتے ہیں اس طائفہ حائفہ وہابیہ (دیوبندا) خصوصاً' ان کے پیشوا (اسمٰعیل دہلوی) کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے۔

یاد رہے امام احمد رضا نے ستر وجوہ کفریہ سے اسمٰعیل دہلوی کا کافر ہونا ثابت کیا ہے' مگر توبہ مشہور ہونے کے باعث کافر کہنے سے کف لسان فرمایا۔

لہٰذا بریلوی مکتبہ فکر میں یزید اگر کافر نہیں تو مسلمان بھی نہیں۔ (بہار شریعت ص ۷۷ احکام شریعت ص ۸۸ ج ۲) یزید کو مسلمان ثابت کرنے والے خوف خدا کریں۔ خدا یزیدیت سے بچائے اور حسینی بنائے۔ آمین۔ (سہ ماہی الحدائق میانوالی)

حلالہ کا صحیح مطلب ومعنی

از: حضرت علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمہ (لاہور)

(سندھ ہائی کورٹ کے جج کا فیصلہ اور طلاق ثلاثہ وحلالہ کا صحیح مطلب ومعنی)

سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج نے خلع کے حوالے سے جن الفاظ اور انداز سے فیصلہ دیا ہے۔ وہ ایک جج کی شایان شان نہیں ہے۔ اس فیصلہ کو جو اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا ہے اور چیف مارشل لاء اپنی ذاتی پسند اور اپنے مخصوص مذہب کو پورے ملک کے مسلمانوں پر نافذ وجاری کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے مودودی اور پیر کرم شاہ کا بھی حوالہ دیا ہے مگر وہ حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق ہے تاہم اگر انہوں نے اہلسنت کے موقوف کے خلاف کوئی رائے دی ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ جمہور مسلمین آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلد ہیں مودودی اور پیر کرم شاہ کے مقلد نہیں ہیں۔...... رہے ابن تیمیہ۔ اور ان کے اصحاب کا جمہور صحابہ وتابعین اور آئمہ دین کے موقف کے خلاف رائے رکھنا تو یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے، ہر دور میں دو چار افراد ایسے ہوتے ہیں، جو جمہور مسلمین کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ابن تیمیہ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ ظاہر ہے کہ جج صاحب کو ابن تیمیہ کی رائے کو حق اور جمہور آئمہ دین کے موقف کو غلط قرار دینے کا کوئی حق نہیں ہے......۔ بہر حال جج صاحب نے ابن تیمیہ کے اس موقف کی تائید وتوثیق کی ہے کہ بیک وقت دی گئیں "تین طلاقیں" تین نہیں ایک قرار پاتی ہیں، اور جج صاحب چونکہ غیر مقلد وہابی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے وہ ابن تیمیہ کے موقف کی تائید کر رہے ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کے پاس یک دم دی گئیں "تین طلاقوں" کو ایک قرار دینے کے لیے صرف تین روایتیں ہیں۔ اول صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے۔ دوم مسند احمد کی روایت جو مضطرب منکر معلل اور ضعیف روایت ہے اور سوم ابوداؤد کی روایت جو مجہول منکر اور متروک روایت ہے۔ یہ ہے ابن تیمیہ کے پاس دلائل کا قابل ذکر سرمایہ جس کی بنیاد پر وہ تین طلاق کو ایک قرار دیتے ہیں۔ اس اجمال کی نہایت مختصر توضیح یہ ہے۔

روایت ابوداؤد: ابن تیمیہ اور ان کے ہم نواء حدیث ابوداؤد سے اپنے موقف پر دلیل لاتے

ہیں کہ حضرت عبد یزید ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا رجوع کرلو انہوں نے عرض کی میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں جانتا ہوں تم رجوع کرلو (ابوداؤد ج اص ۲۹۹) لیکن یہ روایت بھی قابلِ استدلال نہیں ہے۔ اس کی سند "بعض بن رافع" کے الفاظ ہیں جو مجہول ہیں۔ نیز غیر مقلد وہابیوں کے بادشاہ ابن حزم نے تصریح کی ہے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے لیکن ابورافع کی اولاد میں سے جس شخص سے یہ روایت ہے اس کا نام نہیں لیا گیا۔ اور مجہول راوی کی روایت دلیل نہیں ہوسکتی۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱٦۸)

حدیث مسلم: طاؤس بیان کرتے ہیں کہ ابوالصہباء نے حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا "آپ کو اس بارے میں کیا علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔" حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے، حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت اور حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں، جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دے دیتا اس کو ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا، پھر حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں نے اس کام میں عجلت شروع کردی ہے۔ جس میں ان کے لیے مہلت تھی تو اگر ہم بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو نافذ کردیں تو بہتر ہوگا۔ پھر انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ کرنے کا حکم دیا۔

(مسلم حدیث نمبر ۳۵۷)

ابن تیمیہ اور ان کے موافقین نے مسلم کی اس حدیث سے جو استدلال کیا ہے۔ اس سے تو حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے واضح طور پر حضور اقدس ﷺ کی شریعت کی مخالفت کی، اور تمام صحابہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کو قبول کرلیا۔ (معاذ اللہ) اگر یہ بات مان لی جائے تو حضرتِ ابوبکر کے دور میں وفات پانے والے صحابہ کے علاوہ کوئی صحابی اس قابل نہیں رہے گا کہ اس کے دین اور اس کی روایت کو قبول کیا جائے۔ ہمارے دور کے غیر مقلد وہابی مولوی بھی تین طلاق کو شرعاً ایک طلاق قرار دینے کے لیے بڑے فخر کے ساتھ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کے اس استدلال باطل سے تو صحابہ کرام کی دیانت امانت اور عدالت سب ختم ہوجاتی ہے۔ کیا کوئی مسلمان یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دور اور حضرتِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خود حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں

بیک وقت دی گئی۔ "تین طلاقوں" کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔ اور حضرتِ عمر نے حضور اقدس ﷺ حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خود اپنے دورِ خلافت کے دو سالہ دور کی شریعت کو بدل دیا۔

بہرحال جمہور فقہاء اسلام نے ابن تیمیہ کے اس استدلال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن مجید اور بخاری و مسلم کی صحیح متفق علیہ حدیث جن کو صحاح کے دیگر مولفین نے بھی روایت کیا ہے کہ حضرتِ عویمر نے بیک وقت تین طلاقیں دیں اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو نافذ کردیا۔ نیز متعدد صحیح احادیث اور بکثرت آثارِ صحابہ و اقوال تابعین سے ثابت ہے کہ ایک مجلس میں دی گئیں تین طلاقیں نافذ ہوجاتی ہیں چونکہ مسلم کی یہ روایت قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ و تابعین کے صریح طور پر خلاف ہے اس لیے یہ روایت شاذ اور معلل ہے اور استدلال کے قابل نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اس روایت کے شاذ، معلل اور مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خود حضرتِ ابن عباس یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ و واقع ہوجاتی ہیں۔ اور حضرتِ ابن عباس سے یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نبی علیہ السلام سے ایک بات روایت کریں اور فتویٰ اس کے خلاف دیں۔ لہٰذا یہ روایت شاذ ہے اور طاؤس کو حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں وہم ہوا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۳٦۳ پر تصریح فرمائی ہے۔ سوم یہ کہ طاؤس کی بیان کردہ اس روایت میں حضور اقدس ﷺ کے کسی فرمان کا ذکر نہیں ہے۔ وہ تو ایک واقعہ بیان کررہے ہیں۔ جو طاؤس کا وہم ہے۔ اس لیے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم علامہ شوکانی نے نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲ میں تصریح کی ہے کہ حضرتِ ابن عباس کے تمام شاگردوں نے آپ سے "طاؤس" کی بیان کردہ روایت کے خلاف روایت کی ہے اور ایمان و دیانت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ حضرتِ عمر پر عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی کے معمول کے مخالفت اور تمام صحابہ پر مداہنت کی تہمت لگانے سے یہ بہتر ہے کہ مسلم کی اس روایت کو غیر صحیح اور مردود قرار دیا جائے۔ جس کی معقول وجہ اور بنیاد طاؤس کا وہم ہے۔ چہارم یہ کہ جب راوی کا عمل اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف ہو۔ تو یہ بات حدیث کی صحت میں طعن کا موجب ہوتا ہے یا اس حدیث کے منسوخ ہونے یا اس حدیث میں تاویل ہونے اور اس کے ظاہری معنی مراد نہ ہونے پر دلیل ہوتا ہے جیسا کہ علامہ پرہاروی نے نبراس کے ص ۲۳ پر لکھا ہے۔

ان وجوہات کی بنا پر جمہور فقہا اسلام اولاً تو طاؤس کی روایت کو فنی سقم کی وجہ سے قبول ہی نہیں

کرتے۔ ثانیاً بر سبیل تنزل وہ اس کی تاویل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے دورِ نبوی ﷺ وعہد صدیقی میں لوگ تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے۔ بعد میں حضرت عمر کے دور میں تین طلاق کی نیت سے دینے لگے۔ حضرت عمر نے ان کی نیات کے مطابق تین طلاق کو تین قرار دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہدِ نبوت کے کسی معمول کو بدلا نہیں بلکہ اسی کو نافذ کیا جو حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرتِ رکانہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ وہی ہے جس کا تم نے ارادہ کیا یعنی ''ایک طلاق'' (ترمذی) ''طلاق بتہ'' کے متعلق تفصیل بحث آئندہ مضمون میں آ رہی ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ نبی علیہ السلام کا حضرتِ رکانہ سے طلاق کی تعداد کا دریافت کرنا اور انہوں نے جو لفظ ''بتہ'' سے ایک طلاق کی نیت کی، اس پر قسم لینا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں کلمہ واحد سے تین طلاقیں موثر و نافذ ہو جاتی ہیں۔ یعنی اگر حضرتِ رکانہ لفظ ''بتہ'' سے تین طلاق کی نیت کرتے۔ تو پھر تین طلاق ہی نافذ و واقع ہو جاتیں۔

حدیث مسند احمد: ابنِ تیمیہ اور ان کے ہم نوا حدیث مسند احمد سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو حضور علیہ السلام نے انہیں ایک طلاق قرار دیا اور انہیں رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (مسند احمد) اولاً تو مسند احمد میں صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا گیا اس میں ضعیف حسن صحیح ہر قسم کی احادیث موجود ہیں۔ اس لیے مسند احمد کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ ثانیاً یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند کا ایک راوی ابنِ اسحاق مجروح اور دوسرا راوی داؤد اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ ابنِ جوزی نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ (العلل المتناهیه ج ۲ ص ۱۵۱) امام جصاص نے اس حدیث کا ''منکر'' ہونا بیان کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۸) نیز کتب اسماء الرجال میں محمد بن اسحاق کو کذاب قرار دیا گیا ہے۔

مغالطہ یا غلط استدلال: ابنِ تیمیہ اور ان کے ہم نوا قرآن مجید سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۹۔۲۳۱ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن میں ایسے طریقہ سے طلاق دینے کی ہدایت کی ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے رجوع کا حق باقی رہے اور بیک وقت تین طلاق دینا قرآن کے خلاف ہے۔ اس لیے تین طلاق کو ایک قرار دیا جائے۔

مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن نے طلاق دینے کا احسن طریقہ بیان کیا اور قرآن کی کسی آیت

سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع و نافذ نہ ہوں گی۔ نیز قرآن مجید نے بہت سے کاموں کو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس فعل کو کر لیا جائے۔ تو فعل ہی باطل ہو جائے گا یا اس کا وجود وعدم برابر ہو جائیں گے۔

قرآن نے زنا اور چوری کرنے سے منع کیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص زنا یا چوری کرے تو اس کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ فعل وقوع پذیر ہی نہیں ہوا۔ دیکھئے اذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنا منع ہے۔ غصب کی گئی زمین پر نماز پڑھنا منع ہے، اس کے باوجود اگر اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کی یا مغصوبہ زمین پر نماز پڑھی تو شرعاً نفس بیع منعقد ہو جائے گی اور نماز فرض بھی ادا ہو جائے گی۔ تو ایسی ہی بیک وقت دی گئی تین طلاقیں دینا باوجود ممنوع ہونے کے واقع ہو جائیں گی۔

طلاقِ بدعت اور طلاقِ ثلاثہ کا حکم

۱۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک بیک وقت تین طلاق دینا بدعت و گناہ ہے۔ اور حضرتِ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا ایک قول یہ ہے کہ حرام ہے دوسرا قول یہ ہے حرام و گناہ نہیں۔ سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، امام شعبی اور سیدنا امام شافعی علیہم الرحمہ کا یہی نظریہ ہے کہ ہر چند کہ یک دم تین طلاق دینا مستحب نہیں۔ مگر حرام و گناہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ عویمر عجلانی نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور حضور علیہ السلام کے حکم دینے سے پہلے بحضورِ نبوت عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھوں تو میرا اسے زنا کی تہمت لگانا جھوٹ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور عویمر عجلانی کے یک دم تین طلاق دینے پر حضور ﷺ کا انکار منقول نہیں۔

۲۔ اور حضرتِ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا بدعت و حرام ہے۔ امیر المومنین حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرتِ ابن مسعود، حضرتِ ابن عباس، حضرتِ ابن عمر، سیدنا امام مالک اور سراج امت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی نظریہ ہے۔ (المغنی جلد ۷ ص ۳۸۱)

۳۔ یک دم تین طلاق دینے کو حضرتِ عمر و علی اور دیگر صحابہ کرام و جمہور آئمہ اہلسنت اور ان کے لاکھوں مقلدین علماء صلحاء اولیاء کرام اور عام مسلمان، حرام و بدعت اور گناہ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ

آئمہ اس امر پر متفق ہیں کہ بیک وقت تین طلاق دے دیں تو واقع و نافذ ہو جائیں گی۔ کیونکہ کسی فعل و عمل کا ناجائز اور گناہ ہونا اس فعل کی تاثیر کو نہیں روکتا۔ طلاق کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کو توڑنے کی تاثیر رکھی ہے۔ از روئے لغت بھی اس لفظ کے معنی نکاح کی گرہ کو کھولنے، ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ طلاق کا تعلق مردوں سے ہے اور عدت کا تعلق عورتوں سے ہے۔ (تاج العروس)

۴۔ قرآن مجید میں غیر مدخولہ کو طلاق دینے کا (سورہ احزاب آیت ۴۹) میں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔ (ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ) پھر ان کو مقاربت سے پہلے طلاق دے دو۔ تو ان عورتوں پر تمہارے لیے کوئی عدت نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کو عام رکھا ہے۔ خواہ بیک وقت تین طلاق دی جائیں یا الگ الگ طلاق دی جائے۔ تو جس فعل کو اللہ تعالیٰ نے مطلق و عام رکھا ہے اسے تو صحیح احادیث سے بھی مقید اور خاص نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ کچھ لوگوں کی غیر معصوم آراء اور غیر مستند اقوال سے اسے مقید کیا جائے۔

۵۔ اور عقل بھی یہ ہی چاہتی ہے کہ ایک عاقل بالغ انسان اپنے اختیار سے (تین) کا عدد استعمال کرتا ہے اور آپ کہتے ہیں (ایک) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کاغذات رجسٹری میں قیمت مکان تین لاکھ لکھی ہوا اور جسٹرار کے ہاں رجسٹری کے موقع پر خریدار یہ کہے کہ بے شک لکھا تو تین لاکھ ہے مگر ایک لاکھ دوں گا کیونکہ یک دم تین کا اقرار ایک ہوتا ہے۔ کیا رجسٹرار خریدار کی یہ بات تسلیم کر لے گا؟

۶۔ محمود بن لبید کی روایت کا مضمون یہ ہے کہ بحضور نبوی ﷺ یہ اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں تو حضور ﷺ غصہ سے کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب کو کھیل بنایا جا رہا ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۸۱) اس حدیث سے واضح ہوا کہ عہد رسالت میں بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک نہیں قرار پاتی تھیں۔ اگر تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد لینے کا عہد رسالت میں معمول ہوتا۔ تو حضور اقدس ﷺ اس قدر ناراض کیوں ہوتے۔ کیونکہ اگر بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں بھی ایک طلاق کے مترادف ہیں تو وہ خلافِ سنت قرار پائیں گی۔ اس پر حضور اقدس ﷺ ناراض کیسے ہو سکتے ہیں؟ پس حضور کے ناراض ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ طلاق دینے والے نے سنت طریقہ اختیار نہ کر کے گناہ کا ارتکاب کیا اور یہ ہی جمہور اہلسنت کا مسلک ہے کہ بیک وقت تین طلاق دینا بدعت اور گناہ ہے لیکن اگر بیک وقت تین

طلاق دے دیں تو وہ تین طلاق ہی واقع ہوں گی۔

۷۔ حضرت سہل بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عویمر نے حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دے دیں (فانفذہ) تو رسول اللہ ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا (ابوداؤد جلد ا ص ۳۰۶) اس حدیث میں اس امر کی بالکل واضح طور پر تصریح ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سامنے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اور آپ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ یہ بھی واضح ہوا کہ عہد رسالت میں ایک مجلس میں دی گئیں تین طلاقوں کا ایک ہونا معمول نہ تھا۔ حضور علیہ السلام تین کو تین طلاق ہی قرار دے کر نافذ فرماتے تھے۔

۸۔ سعید بن غفلہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ سے ناراض ہو کر یک دم تین طلاق دے دیں۔ حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت امام حسن نے اپنی مطلقہ بیوی کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ قاصد کے ذریعہ بھیجا۔ تو اس نے کہا مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے تھوڑا سامان ملا ہے۔ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کو یہ بات پہنچی تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا اگر میں نے اپنے نانا جان سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا یک دم دیں تو وہ عورت اپنے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے۔ (راجعتها) تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (بیہقی جلد ۷ ص ۳۳۶)

حلالہ کیا ہے؟: اس حدیث سے صریح طور پر واضح ہوا کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور یہ کہ ”مطلقہ ثلاثہ“ کو سابق شوہر سے حلال ہونے کی شرط یہ ہے وہ عورت کسی دوسرے شخص سے باقاعدہ نکاح صحیح کرے۔

۹۔ یہ امر ہر خاص و عام کے لیے قابلِ غور و فکر ہے کہ قرآن مجید میں مطلقہ ثلاثہ کے سابق شوہر کے لیے (حلال) ہونے کے لیے ”فلا تحل لہ“ کا لفظ آیا ہے اور اس سلسلہ میں اکثر احادیث میں بھی ”لم تحل لہ ای تحل لہ اکانت تحل لی“ کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت ابن عمر سے مروی کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دوں تو کیا بھی رجوع کر سکتا ہوں فرمایا نہیں تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔
جمہور اہلسنت کا بھی یہ موقف ہے کہ تین دی ہیں تو وہ تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ مگر یک

تین طلاق دینے سے آدمی گنہگار ہوگا۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ "حلال وحرام" جو قرآن وحدیث دین اور اسلام کی ایک اہم اصطلاح ہے اور قرآن میں جو (فلا تحل له) اور احادیث میں (لم تحل له ای تحل له اکانت تحل لی) کے جو الفاظ آئے ہیں۔ اس کے معنی "حلال ہونے" "حلال نہ ہونے" "کیا حلال ہے؟" کے ہی ہیں۔ تو "حلالہ" کا لفظ بھی اسی معنی میں ہے۔ اب کیا حلالہ کے لفظ کو بے شرمی و بے حیائی قرار دینے اور اس کا مذاق اڑانے کو کسی مسلمان کا ایمان وایقان اجازت دیتا ہے؟ جب قرآن میں 'فلا تحل لہ' کے لفظ موجود ہیں جس کے معنی سب کے نزدیک بالاتفاق یہ ہی ہیں کہ "مطلقہ ثلاثہ" کے سابق شوہر کے لیے "حلال" ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ کسی اور شخص سے باضابطہ نکاح کرے اور حضور اقدس ﷺ نے تو واضح لفظوں میں تمیمہ بنت وہب جس کو ان کے شوہر رفاعہ قرظی نے تین طلاق دے دیں تھیں اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کرلیا تھا اور وہ وظیفہ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ نکلے۔ اس لیے وہ اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہتی تھیں، فرمایا تم اپنے سابق خاوند رفاعہ قرظی سے اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتیں جب تک تم اور تمہارے موجودہ شوہر عبدالرحمٰن وظیفہ زوجیت کی لذت کو نہ پالو۔ (بخاری)

قرآن نے سابق شوہر کے لیے مطلقہ ثلاثہ کو حلال ہونے کے لیے حتی تنکح زوجا غیرہ کی شرط لگائی ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے واضح اور صریح لفظوں میں نکاح کا مطلب ومعنی قربت کو قرار دیا ہے جیسا کہ بخاری شریف کی مذکورہ بالا حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

تین طلاق ہرگز نہ دو:

۱۰۔ سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں جو شخص سنت کے مطابق طلاق دے گا نادم نہ ہوگا۔ آپ کے اس ارشاد فیض بنیاد کا مقصد یہ ہے کہ طلاق سخت وشدید ضرورت کی چیز ہے اگر طلاق دیئے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر صرف ایک طلاق یا دو طلاق دو جو شرعاً رجعی ہوتی ہے اور طلاق رجعی دینے سے سوچ وبچار کا موقع ملتا ہے اگر عدت نہیں گزری ہے تو شوہر دوبارہ نکاح کیے بغیر رجوع کرسکتا ہے۔ اور عدت گزر چکی ہے تو عورت کی اجازت سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے کیونکہ طلاق دینے یا لینے کے بعد خاوند بیوی کا وقتی غم وغصہ، یا کسی معاملہ میں اختلاف یا تو ختم ہوجاتا ہے یا اس کی شدت میں کمی آجاتی ہے۔ (خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اولاد بھی ہو) پھر دونوں میاں بیوی صلح ورجوع کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اگر اسے طلاق دینی ہی پڑ جائے تو دو یا ایک طلاق رجعی دے۔ تین طلاق ہرگز نہ دے کیونکہ اگر کوئی شخص یا عورت قطعی طور پر علیحدگی ہی چاہتے ہیں تو وہ ایک یا دو رجعی طلاق سے پورا کرسکتا ہے وہ اس طرح کہ رجعی طلاق دے کر رجوع نہ کرے عدت گزرنے کے بعد طلاق رجعی بائن ہوجائے گی۔ اب شوہر عورت کی اجازت کے بغیر نکاح اس سے نہیں کرسکتا۔ اور عورت کو ازروئے شرع اجازت مل جاتی ہے کہ اپنی مرضی سے جس سے چاہے نکاح کرلے اس صورت میں شوہر بھی مطلقہ عورت کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ اس لیے جب بھی طلاق دو رجعی دو۔ تین طلاق یک دم یا علیحدہ علیحدہ تین طہر میں طلاق دے کر تعلق کو قطعی طور پر ختم نہ کرو۔

یک دم تین طلاق دینے والے کے لیے سزا کا تقرر:

۱۱۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور جب ایسے شخص کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کو خوب پیٹتے تھے ۔ (المغنی جلد ۷ ص ۲۸۱)

غور فرمایئے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرزنش کے طو پر طلاق دینے والے کو خوب مارتے پیٹتے تو تھے مگر اس نے جو تین طلاق دیں ہیں ان کو ایک نہیں قرا دیتے تھے۔

البتہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل اور حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کی روش میں ایک دم تین طلاق دینا حرام وگناہ ہے۔ ایک اسلامی حکومت کے لیے یہ گنجائش نکلتی ہے کہ وہ بلا یک دم تین طلاق دینے والے کے لیے تعزیری قانون بنائے۔ تا کہ ظالم کو ظلم سے روکنے کے کوئی صورت تو پیدا ہو۔ مگر تعزیری قانون بنانے میں یہ شرط ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ یک دم تی طلاق کو ایک طلاق نہ قرار دیا جائے۔

جیسا کہ عائلی قانون بنانے والوں نے یہ دفعہ گھڑی ہے کہ" طلاق نوے دن کے بعد موثر ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی یکم دسمبر کو گالی دے اور مخاطب ناراض ہو، تو اس سے کہا جائے ابھی نار نہ ہوجایئے۔ گالی تو نوے دن کے بعد موثر ہوگی جب نوے دن گزر جائیں تو پھر آپ ناراض ہو بہر حال یہ ایک ایسا ضابطہ ہے جو شرعاً اور عقلاً نہ صرف غلط بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔

اگر طلاق نوے دن کے بعد موثر ہوتی ہے جیسا کہ عائلی آرڈیننس کی دفعہ میں مذکور ہے تو ایسی عقل شکن دفعہ کو ماننے والے کو چاہیے کہ وہ نکاح کے موثر ہونے کے لیے نوے دن کی قید لگا دیں کہ نکاح کے بعد ہر خاوند کے لیے ضروری ہے کہ نوے دن تک اپنی بیوی کو نہ اپنے گھر لے جائے اور نہ اس کے قریب ہوتا کہ اس نوے دن کے عرصے میں شوہر کے ''نیک یا بد'' ہونے کا پتا چل جائے۔ اور نکاح سے قبل جو اس نے سبز باغ دکھائے ہیں اس کی صحیح پوزیشن اور حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جائے۔

جج صاحب کے فیصلہ کے لطائف: اخبار جنگ لاہور ۵ جنوری ۱۹۹۶ء میں جج صاحب کے فیصلہ کا جو متن شائع ہوا ہے۔ وہ لطائف وظرائف کا ملغوبہ بھی ہے اور ان کی فقہی بصیرت اور مطالعہ کی کمی کا آئینہ دار بھی۔ وہ نہ تو اجماع کی تعریف جانتے ہیں اور نہ آئمہ اربعہ اہلسنّت کے اتفاق کی پوزیشن وحیثیت کو سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں واقعی اجماع قائم ہو جائے تو بعد کے چند لوگوں کے اختلاف سے ''اجماع'' کی ثقاہت اور حجیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جج صاحب نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث کی رو سے حلالہ کرنے اور حلالہ کے لیے کہنے والے بے غیرت دونوں پر اللہ کی لعنت اور امر واقعہ یہ ہے کہ اس مضمون میں سرے سے کوئی حدیث ہی نہیں ہے۔ جج صاحب نے اپنی جہالت کی بنا پر نبی علیہ السلام پر افتراء باندھا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جو میری ذات کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ جج صاحب بتائیں ؟ اور وہ حدیث پیش کریں جس میں یہ جملے ہوں ''حلالہ کے لیے کہنے والے بے غیرت'' یہ جملے حدیث میں نہیں ہیں۔ حدیث میں صرف یہ ہے ''حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر اللہ کی لعنت''

اب حلالہ کے کہنے والے بے غیرت کے الفاظ خود جج صاحب نے اپنی طرف سے گھڑے اور حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس کی طرف منسوب کر دیئے۔ جس جج کی ناخدا خوفی کا یہ عالم ہو اس کے فیصلہ کی دیانت اور ثقاہت کی کیا کیفیت ہوگی؟ افسوس وزارت قانون ایسے فرد کو بھی کرسی انصاف پر بٹھا دیتی ہے جو نہ تو علم حدیث اور فقہ کی سمجھ رکھتا ہے اور نہ حدیث رسول کے عربی الفاظ کا صحیح ترجمہ کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے یونہی جج صاحب کا اپنے فیصلے میں جماعتِ اسلامی کے بانی مودودی صاحب کے متعلق یہ تاثر دینا کہ وہ یک دم دی گئی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے تھے غلط اور جھوٹ ہے۔

(دیکھئے کتاب منصب رسالت ص ۱۸۳ مولفہ مودودی صاحب)

کس نے جبر کیا ہے کہ شوہر سابق سے نکاح کرو؟: خواتین پاکستان جو دانشور اور وکیل بھی کہلاتی ہیں۔ نے اخبارات میں جو بیانات شائع کرائے ہیں اول تو زیادہ تر بدزبانی الزام تراشی پر مشتمل ہیں مگر سب کا مرکزی خیال وہی ہے جو عاصمہ جہانگیر اور مسلم لیگ نواز گروپ سے متعلق خاتون مہناز رفیع کا ہے یعنی یہ کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیوی ہی طلاق کا ظلم سہے اور حلالہ کی سزا بھی اسی کو ملے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ عورت کو حلالہ کی سزا بھگتنے اور سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے پر جبر کس نے کیا ہے؟ نہ قرآن وسنت نے نہ صحابہ وتابعین نے نہ آئمہ دین اور علماء اسلام نے حتیٰ کہ آج کے علماء کرام جنہیں آپ گالیاں دیتی ہیں انہوں نے بھی کسی بھی مطلقہ خاتون کو مجبور نہیں کیا کہ وہ دوبارہ اپنے سابق خاوند سے ہی نکاح کرے۔ خاوند کے طلاق دے دینے اور ایک عرصہ کی رفاقت کو ختم کر دینے والے'' ظالم شوہر سے دوبارہ رفاقت کی تمنا، خود مطلقہ خاتون ہی کرتی ہے۔ کوئی اس کو مجبور نہیں کرتا نہ شریعت نہ ملاں۔ حتیٰ کہ عورت اپنے خاوند کی رفاقت کے لیے قرآن کی ہدایت کہ کسی اور شخص سے نکاح کرو پھر ''شوہر سابق'' کے لیے حلال ہو سکتی ہو۔ کو بھی اپنی مرضی سے چاہتی اور قبول کر لیتی ہے اگر یہ قرآنی ضابطہ معاذ اللہ ظلم ہے تو خواتین کیوں اسے اختیار کرتی ہیں۔

نوٹ۔ اس سلسلے میں فیوض الباری شرح بخاری میں راقم نے حدیث ۲۲۶۳ کی شرح میں ۱۹۸۸ء میں جو کچھ لکھا ہے مزید تفصیل کے لیے فیوض الباری مطبوعہ مکتبہ رضوان۔ گنج بخش روڈ لاہور کی طرف رجوع فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

فاضل جلیل علامہ نبیل حضرت شیخ محمد صالح کمال حنفی مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۲ھ)

مخدوم اہلسنّت، شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر پیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہ العالی متحرک و متجس شخصیت ہیں علمی کتب کی تلاش آپ کا مشغلہ ہے۔ آپ کی لائبریری ایسے جواہر پاروں سے بھری ہوئی ہے عقابی نگاہ رکھتے ہیں لہذا علماء کو بھی گمنامی کے گوشوں سے نکالنے میں بڑی مہارت و فطانت رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ بھی ان کے تجسس کی ایک مثال ہے۔ اسقاط ایک امرِ مستحسن ہے، اسے ہمارے فقہائے کرام نے اپنی کتب میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔ مگر اس رسالے میں بڑے مدلل اور دل نشین انداز سے مصنف نے بیان کیا ہے۔

رسالہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھا گیا آج اس کی تحریر پر نوے سال گزر چکے ہیں اس زمانے میں بقول مصنف عرب میں بلا اختلاف اسقاط کیا جاتا تھا۔ احناف کے علماء کی رسالہ پر تقریظات سے بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ تھا اور احناف کا اس سے اختلاف نہیں تھا۔ رسالہ افغانستان میں پہنچا مگر پھر نایاب ہوگیا۔ ۱۳۵۸ھ میں مولوی ولی محمد نجدی قندھاری نے اسے بڑی محنت سے حاصل کیا اور لاہور سے اسے پھر چھپوایا۔ ہمارے سامنے یہی لاہور والا نسخہ ہے، جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے رسالہ کے مطالعہ سے پہلے چند ضروری گذارشات کا مطالعہ ضروری ہے۔

"اسقاط کیا ہے؟": تفصیلات تو رسالہ میں درج ہیں، ہم نے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ایک مسلمان عمل سے عاجز ہو کر دربار خداوندی میں اپنی بے بسی اور بے کسی کے ساتھ حاضر ہے، اس کا واسطہ رحمان و رحیم اور ستار و کریم سے ہے اس کی رحمت مغفرت کے لیے تیار و مستعد ہے دریائے رحمت کو جوش میں آنے کے لیے کوئی حیلہ و بہانہ درکار ہے، یہ حیلہ مرحوم کے وارث اللہ کریم کی سرکار میں بڑی عاجزی سے پیش کرتے ہیں اور اللہ کریم کی رحمتِ عامہ و تامہ محض نظرِ کرم سے مغفرت فرما دیتی ہے یہ سارا عمل اسی بنیاد پر ہوتا ہے۔

نماز و روزہ کا صدقہ قرآن و سنت سے ثابت ہے اور حیلہ کے لئے بھی قرآن پاک میں کئی مثالیں ہیں ہم تبرکا صرف سیدنا حضرتِ ایوب علیہ السلام کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ کو سو لاٹھیاں مارنے کی قسم کھائی۔ اللہ کریم نے سو لاٹھی مارنے سے روک دیا اور حکم یہ ہوا کہ جھاڑو لے کر انہیں مار دو قسم پوری ہو جائے گی۔ جھاڑو میں سو تنکے سے زائد ہوتے ہیں اس طرح سو لاٹھی ہو جائے گی اور قسم توڑنے سے آپ بچ جائیں گے۔ قرآن پاک کے الفاظ یہ ہیں۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ (پ ۲۳، ص آیت ۴۴)

ترجمہ: اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار دے اور قسم نہ توڑ ملاحظہ فرمائیں کیا یہ حیلہ نہیں ہے؟ اگر حیلہ ہے تو پھر فقہائے کرام کی یہ رائے کتنی وقیع ہے کہ صرف وہ حیلہ شرعاً ممنوع ہے جس سے حرام حلال ہو جائے یا شریعت میں کوئی ناپسندیدہ بات پسندیدہ بن جائے۔ اسقاط کے حیلہ میں نہ تو کوئی حلال شے حرام ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی ناپسندیدہ شرعی عمل ہوا ہے یہ تو صرف اور صرف اللہ کریم کی لا انتہاء رحمتوں کا سہارا لے کر ایک بے بس انسان کی جان چھڑانے کے لیے ایک حیلہ کیا گیا جس کا شرعی جواز موجود ہے۔

سرکار عرش وقار علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔

من كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته

جو اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوتا ہے اللہ کریم اس کی حاجتیں پوری فرماتا ہے۔

ہم نے کوشش کی کہ ہمارے ایک مسلمان بھائی سے اللہ کریم عذاب دور فرما دے۔ اس حدیث پاک کی رو سے اللہ کریم ہماری بھی مغفرت فرما دے تو یہ اس ذات عالی سے بعید نہیں ہے۔

فقہائے اسلام کی رائے: اگر ہم فقہائے کرام کی آراء نقل کرنے لگیں کہ وہ ایصال ثواب اور اسقاط کے بارے میں کس تفصیل سے اپنی کتب میں لکھ چکے ہیں تو یہ رسالہ ایک ضخیم کتاب میں تبدیل ہو جائے گا۔ اصحاب فکر سے التماس ہے کہ ہدایہ جلد اول کتاب الحج سے یہ فصل ضرور ملاحظہ فرمالیں۔ جس کا عنوان "باب الحج عن الغير" ہے پتا چل جائے گا کہ چاروں امام ایصال ثواب پر متفق ہیں دوسرے لفظوں میں پوری امت کا یہی مذہب ہے اگر دو چار لوگ ہم سے کٹ گئے ہیں تو اس میں ملت کا کیا قصور ہے؟ کیا پوری ملت ان کے پیچھے چل پڑے جو قرآن و سنت کو چھوڑ کر محض عقل یا صرف تعصب و عناد کے سہارے پوری امت کو اپنے پیچھے لگانا چاہتے ہیں۔

ہدایہ شریف کی اس علمی بحث اور یہ اسقاط کا مسئلہ آپ درمختار، شامی، الاشباہ والنظائر، مراقی الفلاح، فتاوی برہنہ، فتاوی عالمگیری، بحرالرائق، فتاوی قاضی خان، عینی شرح کنزالدقائق، جامع الرموز اور دیگر فقہی کتب سے بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اتنے عظیم فقہاء نے جس مسئلہ کو ثابت و مدلل سمجھا ہے اسے چند اصلاح ناپسند لوگوں کے کہنے سے ناجائز کیسے ثابت کیا جا سکے گا۔

ان علمائے ملت کے فتاویٰ ہی ملت کا سرمایہ ہیں۔ "بقلم خود محققین" کی ان کے سامنے کوئی علمی اور فکری وقعت نہیں۔ رسالہ ہذا کا اصل نام (القول المختصر فی بیان الاسقاط) آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام

مترجم: فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ راولپنڈی

نوٹ: شیخ صالح کمال حنفی مکی علیہ الرحمۃ نے امام احمد رضا بریلوی کی کتابیں الدولۃ المکیہ' حسام الحرمین اور علامہ غلام دستگیر قصوری کی کتاب تقدیس الوکیل (مطبوعہ لاہور) پر زوردار تقاریظ رقم فرمائی تھیں جو کہ دیدنی ہیں۔ (راشدی)

القول المختصر فی بیان الاسقاط

القول المختصر فی بیان الاسقاط: یہ رسالہ نماز اور روزے کے اسقاط کے عمل کے لیے بطور دلیل ہے اہلِ انصاف کے لیے مفید ہے یہ عمل اسقاط احناف کے ہاں مشہور ہے۔

مؤلف

فاضل عالم' کامل استاذ' شہرۂ آفاق علمائے مکہ مکرمہ میں قائد' حضرت علامہ شیخ محمد کمال حنفی ہیں جو پہلے عالی مقام احناف کے مکہ مکرمہ میں مفتی تھے مکہ مکرمہ کی مسجد حرام میں مدرس خطیب اور امام ہیں آپ مرحوم علامہ محقق فہامہ مدقق شیخ صدیق کمال کے صاحبزادے ہیں' اللہ تعالیٰ دونوں کے علوم سے مسلمانوں کو نفع عطا فرمائے اور دونوں کے ارشاد سے حضور سید المرسلین علیہ السلام کے دین کو شان وشوکت ارزانی فرمائے۔

معلوم کرنا چاہیے کہ رسالہ القول المختصر جس کے اوپر اوصاف بیان ہو چکے ہیں سب اہلِ اسلام کے لیے بڑا مفید اور نافع ہے لیکن یہ رسالہ ملک افغانستان میں کمیاب تھا۔ اس لیے میں نے حقیر سراپا تقصیر مولوی ولی محمد نجدی قندھاری اس کی بہت جستجو کی آخر کار یہ مجھے فضیلت پناہ' مجمع الکمالات عبدالاحد اخندزادہ صاحب ولد عبدالخالق اخندزادہ صاحب مرحوم امام وخطیب جامع مسجد کعبہ کے پاس مل گیا میں نے آنجناب سے طباعت کے لیے یہ رسالہ مانگ لیا تا کہ اس کا فائدہ سارے افغانستان کو ملے۔ آنجناب نے بغیر کسی عذر کے رسالہ عطا فرما دیا۔ انہیں اللہ کریم جزائے خیر عطا فرمائے۔ صابر الیکٹرک پریس لاہور مین ریلوے روڈ میں باہتمام منشی شیر عالم چھپا اور مولوی ولی محمد نے قندھار سے شائع کیا۔ ماہ جوزا ۱۳۵۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے اہلِ سنت کو مذاہب اربعہ کی اتباع وپیروی کی توفیق مرحمت فرمائی اور مذاہب اربعہ اور ان کے متبعین کے ذریعے دینِ محمدی کو آباد وشاداب کیا۔ صلوٰۃ و سلام ہمارے آقا ومولا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور ان کے جلیل القدر صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام پر ہو اور ان حضرات پر بھی جو زمانے کے تسلسل میں حسن عمل کے ساتھ ان کے تابع وپیروکار ہیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس کا نام میں نے القول المختصر رکھا ہے اہلِ انصاف کے لیے میں نے مفید دلائل نماز اور روزہ کے عمل اسقاط کے لیے اس میں جمع کر دیے ہیں۔ یہ عمل اسقاط احناف کے ہاں مشہور ہے۔ جسے سلف سے خلف قبول کرتے رہے ہیں۔ موافق ومخالف سب اسے مرغوب پاتے ہیں اور اس پر

یقین رکھتے ہیں اور اقرار عمل کرتے ہیں۔ اسقاط کی وصیت بھی قدیم زمانے سے اس لیے جاری وساری ہے کیونکہ ذمہ سے براءت کی منفعت اس سے متوقع ہے یہ بھی اس امت پر اللہ کریم کا فضل واحسان ہے (کہ وہ ذاتِ اقدس ہماری عاجزانہ مساعی کو قبول فرما کر رحم وکرم کر دیتی ہے) میں نے دیکھا کہ خصوصی انداز سے اس عمل پر سوائے علامہ محمد علاؤ الدین ابن علامہ ابن عابدین کے اور کسی صاحب نے کچھ نہیں لکھا یہ علامہ وہی ہیں جنہوں نے درمختار پر شہرۂ آفاق حاشیہ لکھا ہے۔ انہوں نے اسقاط کے موضوع پر ایک رسالہ بنام منة الجلیل لبیان اسقاط ما علی الذمة من کثیرٍ و قلیل لکھا اللہ کریم انہیں اس تالیف پر جزائے خیر عطا فرمائے مگر یہ رسالہ اہلِ علم کے سوا باقی لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے۔ میں نے اسے اس طرح آسان کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اسے خاص وعام سب سمجھ سکیں۔ میں نے اس رسالہ کی بحثوں پر کچھ اضافے بھی کر دیے ہیں۔ حضرتِ مصنف مرحوم نے خود رسالے میں یہ لکھ دیا تھا کہ اگر کسی جز کی وضاحت ضروری ہو تو وہ کر کے اللہ کریم سے طلب وعطا کی جائے۔ میں نے پھر اپنا یہ رسالہ اسی بنا پر لکھنا شروع کیا اور ایک مقدمے دو مقصدوں اور خاتمہ پر اسے مرتب کر دیا۔ اللہ کریم سے ابتداء وانتہا کے حسین ہونے کی التماس کرتا ہوں۔

مقدمہ: مقدمہ میں اس عمل کی اصل ودلیل ذکر کروں گا۔ تو اصل ملاحظہ ہو امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً روایت بیان فرمائی ہے کہ "کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نہ روزے رکھے اور نہ ہی کوئی کسی اور کی طرف سے نماز پڑھے ہاں ولی (مرنے والے کی طرف سے) کھانا دیدے۔ یہ عبارت منة الجلیل کے مصنف نے اپنے مطبوعہ رسالہ کے صفحہ آٹھ پر نقل فرما کر ارشاد فرمایا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں بھی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میری والدہ فوت ہو گئی ہیں ان کے ذمے مہینے کے روزے تھے کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھوں۔ یہ سن کر سرکار علیہ السلام نے فرمایا اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے جواباً عرض کیا جی ہاں' سرکار علیہ السلام نے فرمایا تو پھر اللہ کریم کا قرضہ ادا کرنا ضروری ہوا۔ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ راوی (ابنِ عباس) کا فتویٰ (جو ابتداء میں بذریعہ امام نسائی مروی ہے) اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس کا ناسخ ہوتا ہے صاحبِ منة الجلیل کی عبارت ختم ہوئی۔

ابن حجر کا ارشاد: حافظ ابنِ حجر نے اپنی کتاب مختصر نصب الرایہ میں ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے۔ "میں نے مرفوع کہیں بھی نہیں پائی۔ اسے عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ نافع حضرتِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان لفظوں میں ذکر کر کے مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں" "اگر تو نے (کسی کی طرف سے کچھ کرنا ہے" تو اس کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ دے دے"

اور موطاء میں ہے اور ابو مصعب مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ذکر فرمایا امام نسائی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایسی ہی روایت کر کے یہ زائد الفاظ نقل کیے ہیں۔'' لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مد (دو کلو) گندم دے دے۔''ملخصاً ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی۔

مصنف الجوهر النقی کی تحقیق: جوہر نقی میں ہے کہ امام نسائی نے سنن میں ارشاد فرمایا ہمیں محمد بن اعلیٰ نے حدیث بتائی انہیں یزید بن زریع نے بتایا یزید نے حجاج احول سے روایت کی حجاج نے ایوب بن موسیٰ سے اور انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے سنا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرماتے سنا کہ ''کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے' لیکن اس کی طرف سے ہر دن کے بدلے ایک مُد (دو کلو) گندم دے دے۔ یہ سند صحیحین (بخاری و مسلم) کی شرائط کے مطابق صحیح ہے صرف ابن عبدالاعلیٰ امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کے معیار پر ہیں۔ جوہر نقی کی عبارت ختم ہوئی۔

مفتی صاحب کی اپنی رائے: ہوسکتا ہے کہ منة الجلیل کے مصنف نے جو روایت سنن نسائی سے لی ہے وہ اور روایت ہو (اور جوہر نقی کے مصنف کی دوسری روایت ہو) یہ تو واضح بات ہے کہ ایسا جملہ راوی اپنی طرف سے بیان نہیں کرسکتا تو اس کا حکم بھی نبی علیہ السلام سے روایت ہونے پر کوئی مرفوع حدیث کا ہوگا۔ یہ ارشاد کہ اس کا ولی اسکی طرف سے طعام دے نماز اور روزے دونوں کے لیے ہے۔ یہ اب صریح اور واضح نص ہے کہ نماز اور روزہ دونوں کے لیے کھانا دینا چاہیے' جب نص شرعی آجائے تو ہمارے نزدیک اس کی مخالفت معتبر نہیں ہوتی' اس کی وضاحت درمختار میں موجود ہے لہٰذا یہ کہنا کہ غیر ولی اگر اپنے مال سے کھانا دے دے تو وہ کافی نہیں ہے جب کہ وہ میت کی طرف سے ادا کر دے صحیح نہیں ہے بلکہ یہ کافی ووافی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اجنبی اپنے مال سے میت کی طرف سے لوگوں کو اس کا قرض ادا کر دے تو وہ کافی ہوتا ہے۔ پھر اللہ کریم کا قرض کیوں اجنبی کے مال سے ادا نہ ہوگا بندہ تو محتاج ہے اور اللہ کریم جل مجدہ غنی ہے۔ (جب محتاج کی ادائیگی ہوجاتی ہے تو غنی کی بطریق اولیٰ ہوجائے گی)۔ (مترجم)

ہاں اگر وہ میت کے مال سے یہ ادائیگی کر رہا ہے تو پھر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اجنبی کو میت کے مال میں تصرف کا حق نہیں تصرف کا حق صرف وصی کو یا وارث کو ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو مذہب کی کتابوں میں جہاں بھی لفظ ولی آیا ہے وہ لفظ حدیث سے تبرک کے طور پر لیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ولی کے بغیر کوئی اور طعام نہیں دے سکتا لہٰذا اجنبی تبرعاً میت کی طرف سے کھانا دے سکتا ہے یہی فتویٰ ہے فقیہ النفس حضرت حسن شرنبلالی اور علامہ حضرت اسماعیل نابلسی کا (والد گرامی حضرت عبدالغنی نابلسی) ان کی اتباع حضرت

علامہ طحطاوی نے فرمائی ہے۔ انہی کے قول پر امت نے عمل کیا ہے لہٰذا اس تحقیق سے وہ ساری بحث ساقط ہوگئی جو منة الجلیل کے مصنف نے فرمائی ہے یہ بحث ان کی کتاب سے دیکھی جاسکتی ہے۔ فقہاء کے کلام میں توفیق ممکن ہے۔ اگر کوئی قائل یہ کہتا ہے کہ جب لفظ ولی کی قید ہے تو غیر ولی سے احتراز مقصود ہے یعنی غیر ولی ادائیگی نہ کرے تو ہم کہتے ہیں اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ غیر ولی میت کے مال سے ادائیگی نہ کرے دوسرا گروہ جو کہتا تھا کہ جائز ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے مال سے غیر ولی دے تو جائز ہے اس تشریح وتاویل سے دونوں نظریوں میں اختلاف ختم ہوگیا اب کلام ایک ہوگیا اور مقصود پورا ہوگیا۔ موافقت بہرحال تفریق سے بہتر ہے اسقاط پر جو عمل مسلسل جاری ہے وہ اس موافقت کی خود تائید کرتا ہے تائید یوں ہے کہ مال کی وہ مقدار جس پر اسقاط کا دور چلتا ہے وہ وصی یا وارث کی موجودگی میں ہوتا ہے اور یہ لوگ دوسرے کی ملکیت میں یہ چیز دیتے ہیں وہ پھر آگے والے کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔ یہ اگلا شخص اجنبی ہے یا پھر جس مال کی وصیت ہوتی ہے اور جتنا کچھ وصی یا وارث اندازہ لگا کر اسقاط کراتا ہے اسے وصی' ولی یا وکیل بذات خود تقسیم کرتا ہے اور میت کے مال میں اس انداز سے کہیں بھی اجنبی کو تصرف کا حق نہیں ملتا۔ اس عمل کے لیے یہ اصل ہی ہم نے مقرر کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ احتیاط مذکور بھی ہے جو اس عمل کے لیے دلیل ظنی ہے اس طرح اہل مذہب کی کتب میں مطابقت پیدا ہوجاتی ہے خواہ وہ متون ہیں یا شروح حواشی ہیں یا اصول وفروع اور فتاویٰ ہیں سب ہی اس کا ذکر بھی فرماتے ہیں اسے نظر استحسان سے بھی دیکھتے ہیں سب کی دلیل وہی حدیث ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں یہ سب آئمہ پاکیزہ وشفاف شریعت کے امین ہیں خصوصاً خاتم المحققین اور رئیس المحققین حضرت علامہ کمال بن ہمام تو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں۔ اس سے وہ بات بھی واضح ہوگئی جو منة الجلیل کے مصنف نے تیسرے اور چوتھے صحیفے میں مواخذہ کے طور پر پیش کی ہے۔

حضرت امام محمد نے نماز کے فدیہ پر اپنی تعلیق میں فرمایا کہ یہ جواز کا مسئلہ نہیں بلکہ قبولیت ربانی کا مسئلہ ہے اسی پر اکثر فقہاء کا قول مبنی ہے لیکن ہم تو محض قبولیت کی امید فضل ربانی سے رکھے بیٹھے ہیں یہاں استحسان سے مراد بھی احسان مطلق ہے جو مذکورہ حدیث کی وجہ سے قیاس جلی کے مقابل میں آگیا ہے جیسا کہ آپ اوپر دیکھ اور سن چکے ہیں۔ مذہب میں یہ بات تو تحقیقاً ثابت ہے کہ صحابی کی تقلید واجب ہے اور اسکے مقابل قیاس کو لازماً چھوڑ دیا جاتا ہے غور وفکر فرمایئے ان کتب اصول کی طرف رجوع کیجئے واللہ اعلم

مقصد اوّل: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شرعی درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے اور ہر ایک قیراط جو کے پانچ دانوں کے برابر ہوتا ہے اب ایک درہم میں ستر جو کے دانے ہوں گے عرفی درہم سے یہ چھ جو زائد وزن رکھتا ہے کیونکہ عرفی درہم سولہ قیراط ہوتا ہے۔ اور ہر قیراط میں چار جو ہوتے ہیں تو ایک عرفی درہم میں چونسٹھ جو ہوئے

تو شرعی درہم سے جو ستر جو تھا چھ جو کم ہو گئے چھ جو ڈیڑھ قیراط عرفی ہوتا ہے۔ اب شرعی درہم اور عرفی درہم میں فرق ڈیڑھ عرفی ہوگا۔ دو قیراط نہیں ہے۔

مثقال شرعی: مثقال شرعی بیس قیراط ہے ہر قیراط پانچ جو کا ہے لہذا مثقال شرعی میں سو جو ہوں گے۔ مثقال عرفی چوبیس قیراط کا ہوتا ہے اور ہر قیراط میں چار جو ہوتے ہیں لہذا مثقال عرفی میں چھیانوے جو ہوں گے اب مثقال شرعی اور مثقال عرفی میں چار جو کا فرق ہوگا۔ اور چار جو ایک قیراط عرفی ہوتا ہے۔ اب اگر صاع ایک ہزار چالیس درہم شرعی ہو تو عرفی صاع ایک ہزار ایک سو ساڑھے سینتیس درہم ہوگا اور اسکا نصف پانچ سو پونے انہتر درہم ہوگا۔ اس میں معتبر کی کیلہ (ماپ) ہوگا' کیلہ سے مراد دو اقہ (ایک ماپ کا نام ہیں) یہ آٹھ سو درہم عرفی ہیں یہ شرعی نصف صاع سے کچھ اوپر ہے۔ یہاں منۃ الجلیل میں سہو ولغزش ہے انہوں نے صاع نو سو دس درہم عرفی قرار دیا ہے اور شرعی و عرفی صاع میں فرق دو قیراط اور مثقال شرعی و عرفی میں فرق چار قیراط قرار دیا ہے۔ اس بات کی لازماً احتیاط ہونی چاہیے۔

طریقہ عملِ اسقاط: اب آپ جو نماز اور روزے کا عملِ اسقاط کرنا چاہیں تو آپ میت کی عمر کو دیکھیں اگر وہ عورت ہے تو بچپن کا دور نو سال نکال دیں اور اگر مرد ہے تو بارہ سال نکال دیں اگر اس کی عمر معلوم نہیں ہے تو گمان غالب سے اندازہ لگا لیں اگر اس طرح بھی پتہ نہ چل سکے تو زیادہ عرصہ کو شمار کریں کیونکہ احتیاط اس میں ہے پھر ہر نماز کے لیے ایک کیلہ اور ہر روزے کے لیے بھی یہی وزن لیں۔ دن اور رات میں چھ نمازیں شمار کریں وتر چھٹے ہیں کیونکہ وہ بھی عملی فرض ہی ہیں ایک ماہ کے ایک سو اسی کیلہ (۳۰x۶=۱۸۰) ہوں گے۔

اب بات رہی روزوں کی تو رمضان کے پورے مہینے کے تیس کیلہ (فی یوم ایک کیلہ کے حساب سے ہوں گے۔ یہ نصف اردب ہے (پورا اردب ساٹھ کیلہ کا ہے) کیلہ ہمارے دو کلو ہیں) جب ایک ماہ کے تین اردب بندری ہوئے تو سال کے بارہ ضرب تین کے حساب سے چھتیس اردب ہوں گے اب اگر ہر اردب کی قیمت مثلاً بیس ریال ہو تو چھتیس اردب کی قیمت (۳۶x۲۰) سات سو بیس ریال ہوگی یہ تو سال کی نمازوں کی بات تھی اب روزوں کا نصف اس میں شامل کریں جس کی قیمت مثلاً دس ریال ہے اب سال کا اسقاط (نمازوں اور روزوں کا ملا کر) سات سو تیس ریال ہوگا عمل اسی طرح ہونا چاہیے اگرچہ متعلقہ میت اپنی نمازوں کا اچھی طرح محافظ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہوسکتا ہے لاشعوری طور پر نمازوں میں خلل واقع ہو گیا ہو تو پھر احتیاط اسقاط میں ہے۔ اب متعارف دور کے لیے آپ میت کے ولی سے اس کے وصی سے' وارث یا تبرع و نیکی کرنے والے اجنبی سے درہم' زیورات یا سامان اس مقدار میں لے لیں گے جو مذکورہ بالا حساب و مبلغ کے مطابق ہو اگر وہ اس کی اپنی ملکیت ہے تو وہ خود آپ کو اس کا مالک بنا دے اگر کسی اور کی ملکیت ہے تو پہلے وہ اس سے اپنی

ملکیت کرائے اور پھر آپ کو اس کا مالک بنا دے۔ ضروری بات یہ ہے کہ یہ ملکیت صحیح شرعی انداز سے ہو۔ اب اسے تھیلی میں ڈال دیں اور ۱۰ فقیروں پر اسے گھمایا جائے دس سے زائد ہوں تو حرج نہیں دس سے کم نہیں ہونے چاہئیں۔ کیونکہ کفارہ یمین (قسم کے کفارے میں) دس مسکین ہی ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ یوں مخاطب کریں ''میں نے آپ کو اس چیز کا مالک بنایا اس نماز اور روزے کے بدلے میں جو فلاں بن فلاں کے ذمہ قرض تھے۔ یہ سن کر وہ فقیر کہے میں نے یہ قبول کیا۔ پھر وہ تھیلی لے کر اپنے پاس محفوظ کر کے اپنی ملکیت میں لے کر آپ کو کہے چیز اب میں نے آپ کی ملکیت میں دی یا میں نے آپ کو ہبہ کر دی۔ آپ جواباً کہہ دیں میں نے قبول کر لی اب اسے قبضہ میں لے کر اپنی حفاظت میں کر لیں۔ پھر دوبارہ آپ تھیلی اس کی ملکیت میں دیں وہ اسی طرح قبضے میں کر کے آپ کو پھر واپس کر دے اس طرح معاملہ چلتا رہے اگر تھیلی میں ایک سال کے کفارے کے بارے میں مال ہوگا تو ہر دفعہ ایسا کرنے سے ایک سال کا کفارہ ہو جائے گا اگر دس دفعہ اسے مالک بنائیں گے تو دس سال کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ اگر مال آدھے سال کا تھیلی میں تھا تو پانچ سال کی نمازوں اور روزوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اگر فقیر دس ہیں اور ہر ایک پر دس دفعہ عمل مذکور کیا ہے تو ایک سو سالوں کی نمازوں اور روزوں کا تھا تو پچاس سالوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (۱۰x۱۰=۱۰۰) اور اگر تھیلی میں مال اس سے کم و بیش ہے تو اسے اسی پر قیاس کر لیں اگر آپ روزوں کو نمازوں سے الگ کر لیں اور کسی ایک سے آغاز کر لیں تب بھی جائز ہے دوسرے کا بعد میں کر لیں۔

باقی اعمال کا اسقاط: جب نماز اور روزوں کا عمل اسقاط مکمل ہو گیا اور آپ کی خواہش ہے کہ میت کے ذمہ سے باقی اشیاء کا عمل اسقاط بھی کر لیں مثلاً اس کے ذمہ قربانیاں' نذریں' صدقاتِ فطر (اپنے اور اپنے ذمہ میں آنے والے لوگوں) روزہ توڑنے کا کفارہ' ظہار کا کفارہ' زکوۃ و تلاوت کے سجدے باقی ہیں تو ان کا اسقاط بھی فرض نمازوں کی طرح ہی کرنا ہوگا۔ ہر سجدہ تلاوت کا نصف صاع گندم ہوگا۔ وہ نوافل جو توڑ دیے اور پھر ان کی قضا نہیں کی' عشر و خراج دوران حج حرم کی کوئی جنایت (جرم) یا احرام کا کوئی قصور' قتل خطا کا کفارہ' واجب نفقہ (خرچ) مال کفارے' نذر والا صدقہ' نذری اعتکاف والا روزہ' طواف کی دو رکعتیں' ایسے انسانوں کے حقوق جو نامعلوم ہیں اور اسی طرح کے باقی مالی حقوق باقی ہیں (مطلب یہ ہے ان سب حقوق میں سے کچھ حق اس کے ذمہ باقی ہیں۔ تھیلی دس فقیروں پر گھمائی جائے یا دس سے کم پر گھمائی جائے جیسا کہ ضرورت ہو اسے ایک دو دفعہ یا حسب ضرورت کم و بیش کیا جا سکتا ہے یہاں بھی وہی کہا جائے گا میں نے یہ آپ کی ملک کیا فلاں آدمی کی قربانیوں اور نذروں اور دیگر باتوں کے اسقاط کے لیے۔ پھر ایک کیلہ گندم کی قیمت نکال کر وہ قیمت کفارہ یمین کے لیے دس فقیروں پر اس طرح گھمائے ہر دور میں دس آدمی ہونے چاہئیں اسے اتنی دفعہ گھمایا جائے کہ گمان

غالب کے مطابق میت پر جتنی قسمیں ہوں سب کا کفارہ ہو جائے بلکہ اس کی قسموں سے زائد کا کفارہ ہو جائے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ سب قسمیں ایک قسم میں داخل ہوں گی لہذا دس مسکینوں پر اس طرح ایک دفعہ گھمانا ہی کافی ہو رہے گا۔ امام محمد کی یہ روایت منة الجلیل کے مصنف نے اس سند سے بیان کی ہے۔ مصنف اپنے والد سے وہ علامہ مقدسی سے وہ بخیہ سے وہ شہاب الائمہ سے روایت کرتے ہیں۔ شہاب الائمہ فرماتے ہیں کہ مصنفِ اصل نے اسی بات کو اختیار کیا ہے علامہ قہستانی نے المنیہ سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ (دونوں اماموں امام احمد اور امام محمد) کے اس ارشاد میں امت کے لیے بڑی رحمت ہے۔ (یعنی اللہ کریم اپنے کرم سے ہماری تھوڑی کوشش قبول فرمالیں تو یہ ان کی رحمت و مہربانی ہے)۔

دوسرا مقصد: یہ بات ضروری ہے کہ فقراء میں کوئی بچہ' کوئی مجنون' کوئی مخبوط الحواس' اور کوئی ایسا غنی جو نصاب فطرانہ کا مالک ہو' کوئی غلام (خواہ مدبر ہی کیوں نہ ہو) اور کوئی کافر نہ ہو۔ اگر میت نے وصیت کی ہے تو یہ اسقاط کا مال میت کے مال کے ثلث (تیسرا حصہ) سے ہونا چاہیے اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے اور وارث یا کسی اجنبی نے اپنے مال سے اسقاط کرایا ہے تو جائز ہے جیسا کہ ہم آپ کو بتا چکے ہیں۔ اگر کسی نے زندگی میں ہی اپنی نمازوں کا فدیہ دیا تو جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر شیخ فانی (بے حد بوڑھا جو روزہ نہ رکھ سکے) اپنی زندگی میں روزوں کا فدیہ دے تو یہ جائز ہے۔ اس اسقاط پر بھروسہ کر کے نمازیں چھوڑ دینا قطعاً جائز نہیں ہے اسی طرح قضا پر بھی اعتماد کر کے وقت کے اندر نمازیں ادا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ ادا اور قضا میں اسقاط پر بھروسہ کر کے سستی و تساہل بھی ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر وصیت اسقاط کی کردی ہے تب بھی قضا نمازوں کو پڑھنا ضروری ہے اگر قضا نہیں کرے گا تو گناہگار رہو گا۔ اگر وہ ایسا کرے (اسقاط پر بھروسہ کر کے نمازیں چھوڑ دے یا قضا نہ کرے) تو کیا پھر اسقاط جائز ہوگا؟ بعض فقہاء کے کلام میں اشارہ ہے کہ پھر اسقاط جائز نہیں ہے کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اسقاط جائز ہوگا۔ مناسب یہی ہے کہ دفن سے پہلے اسقاط کیا جائے اگرچہ بعد میں بھی جائز ہے جب دور کا عمل ختم ہو جائے اور مال آخری دور میں آخری فقیر کو مل جائے تو وہ فقیر مال اس کے حوالے کردے جس نے یہ مال ان کی ملک میں دیا تھا (موصی یا وارث) اگر وہ فقیر یا فقراء میں سے کوئی اور فقیر یہ مال واپس نہ کرے تو امام طحاوی کا ارشاد ہے کہ وہ اسکے قبضے میں چلا جائے گا لیکن اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ طلب ثواب اور نیکی و تقویٰ میں اپنے ایک بھائی (میت) کی اعانت کے لیے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وصی' وارث یا ان دونوں کا وکیل میت کے وصیت والے اس مال کو اس طرح دور مکمل کرنے کے بعد فقراء پر تقسیم کردے۔ نیت یہ کرے کہ ہر فقیر کو نصف صاع گندم یا اس سے زائد طعام کے طور پر دے رہا ہے۔ ہر نماز سے نصف صاع اور ہر ایک روزے سے نصف صاع گندم ہوگی۔ یہ مال میت کے وصیت سے ہوگا لیکن میت جتنے مال کی وصیت کرتا ہے غالباً وہ اس

کی باقی ماندہ نمازوں اور روزوں کے لیے تو کافی نہ ہو (لہذا ضروری ہے کہ اسقاط کا عمل کیا جائے)

نماز اور روزہ میت کے حقوق میں سب سے اہم ہیں اور ان دونوں میں بھی نمازیں زیادہ ہوتی ہیں لہذا ان کا اسقاط کثرت سے ہونا چاہیے۔ فقیر وہ ہو جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے فطرانہ لازم ہوتا ہے۔ ملک میں دینے والے کی بات جب تک پوری نہ ہو جائے قبول کرنے میں جلدی ہرگز نہ کی جائے۔ اسی طرح (میں نے قبول کیا) کہے جب ملک میں دینے والے کی بات پوری ہو جائے' پوری طرح قبول کرنے کے بعد آگے ملکیت میں دیں اور تملیک و قبولیت میں تھوڑا وقفہ ضروری ہونا چاہیے اور وہ مال قبول کرتے وقت اچھی طرح پکڑ لینا چاہیے۔ جو کچھ تھیلی میں ہے اس سے مراد ادائیگی وہ ہے جو مالک کی طرف سے مل رہا ہے کسی اور یا کسی شریک محفل کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جب تھیلی ایک دوسرے کو دے رہے ہوں تو اسے مسخری و مذاق کا ہرگز انداز نہ دیں بلکہ حقیقتہً دوسرے کو اس کا مالک بنانا مقصود ہو۔ صرف حیلہ سازی نہ ہو۔ تملیک و تملک کا پوری طرح صحت کے ساتھ خیال رکھا جائے۔ اس بات کی رعایت رکھی جائے کہ فقیر کا دل نہ ٹوٹے اور اسے خوش دلی حاصل ہو کہ اس نے میت کی ذمہ داری سے اسے بری کرنے میں مدد دی ہے۔ تھیلی میں قرآن پاک ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (اگر تقدس اور عظمتِ قرآن کو پیش نظر رکھتے ہوئے تبرکاً قرآن پاک کو بطور شفیع ساتھ رکھ لیا جائے تو شرعاً کوئی حرج نہیں ہے) یہ عوام کی بات ہے فقیر کو یوں نہ کہا جائے کیا تو نے اسے فلاں کے ذمہ جو کچھ ہے اس کے بدلے میں قبول کیا ہے؟ کیونکہ اس کا مطلب استفہام ہوگا کہ کیا قبول کیا ہے یا نہیں؟ استفہام کی صورت میں پھر تملیک نہیں ہو سکے گی۔

ایک اور بات پر مطلع ہونا بھی بے حد ضروری ہے کہ کفارہ فطر (روزہ توڑنے) اور ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ضروری ہے تو یہ عدد ضروری ہے۔ جس طرح قسم کے کفارے میں دس کا عدد متعین ہے۔ ہر فقیر کو آدھا صاع (دو کلو گندم یا اس کی قیمت دینی ہوگی اب اگر دس فقراء پر کئی دفعہ تھیلی گھمائی جائے اور (مثلاً چھ دفعہ گھما کر ساٹھ کا عدد پورا کر لیا جائے) تو اسقاط کے لیے کافی نہ ہوگی ہاں کفارہ قتل ہو تو پھر کئی دفعہ تھیلی گھمانا کافی ہو رہے گا کیونکہ یہاں کھانا روزے کا بدل ہے اور تعداد شرط نہیں۔

خاتمہ: اللہ کریم ہم تجھ سے حسنِ خاتمہ کی التجا کرتے ہیں۔

عتاقہ کے بیان میں: حضرت علامہ علاؤالدین نے اپنے مذکورہ بالا رسالہ (منة الجلیل) میں یوں ارشاد فرمایا ہے' 'انسان کو چاہیے کہ لوگوں میں مشہور عتاقہ سے بھی غفلت نہ برتے (اور میت کے لیے بھی کرے) عتاقہ سے مراد سورۃ الاخلاص پڑھنا ہے۔ اس کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہے ان میں سے یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر فرمائی ہے۔ حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی رحمت ﷺ

سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص گیارہ دفعہ قل ھو اللہ احد (سورۂ اخلاص) پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی پھر تو یا رسول اللہ ﷺ ہم بہت سے گھر بنالیں گے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اللہ کریم اس سے بھی بہت عظیم اور بہت مقدس ہے۔ دوسری حدیث طبرانی نے فردوس دیلمی سے نقل فرمائی ہے کہ سید کائنات ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز میں یا اس سے باہر سو دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے جہنم سے اس کی برات اللہ کریم لکھ دیتا ہے۔ یہ حدیث شاہد ہے۔

علامہ بزار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص ایک لاکھ دفعہ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے تو وہ اپنی جان اللہ تعالیٰ سے خرید لیتا ہے اور اللہ کریم کی طرف سے آسمانوں اور زمین میں منادی ندا کرتا ہے کہ سنو فلاں شخص اللہ تعالیٰ کا عتیق (آزاد کردہ) ہے اگر اس سے کسی نے کچھ لینا ہے اور اس پر کسی کا کوئی حق ہے تو اب وہ اللہ کریم سے وصول کرلے۔'' مصنف کتاب مزید فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری عمر میں اس شخص نے یہ تعداد پوری کرلی یا خالص نیت سے اس کے لیے اور لوگوں نے (مرنے کے بعد) پڑھ دیا۔ اہل شریعت اور اہل طریقت (صوفیہ کرام) کا عمل اس بات پر ہے کہ ایسی احادیث میں عمومیت ہوتی ہے اور کسی مخصوص آدمی سے یہ فرامین مخصوص نہیں ہوتے۔ دونوں فریقوں (اصحاب شریعت و اصحاب طریقت) نے تخصیص کے بغیر حدیث استخارہ پر عمل کیا ہے اس طرح لوگ اس حدیث پر عمل پیرا رہے ہیں کہ میت کے لیے ستر دفعہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے اور اس عوامی عمل کو علماء نے نظر تحسین سے دیکھا ہے مصنف فرماتے ہیں یہ روایت موجود ہے کہ جو کلمہ طیبہ ستر ہزار دفعہ پڑھتا ہے جہنم سے نجات پاتا ہے۔'' مصنف نے پھر اپنے رسالہ میں لا الہ الا اللہ (کا تہلیل) کہنے کی فضیلت پر احادیث نقل فرمائی ہیں وہ سب کو معلوم ہونی چاہیے۔

میں اس رسالے میں یہی کچھ لکھنا چاہتا تھا (جو مکمل ہوگیا) اللہ کریم سے عرض ہے کہ وہ اس کے نفع کو دوام بخشیں اور اسے خالص اپنی ذات کے لیے شرف قبول سے نوازیں۔ بے شک اسے اس بات پر قدرت حاصل ہے اور دعا وہی قبول فرمانے والا ہے۔ اللہ کریم ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی اولاد و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام بھیجے جب تک کہ ذکر کرنے والے ذات حق کا ذکر کریں اور غافل جب تک اس ذکر خیر سے غافل رہیں اس رسالہ کی تحریر سے میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ میں فارغ ہوا۔ اس رسالہ جلیلہ جس کا حجم تو مختصر ہے لیکن اس میں علم کی فراوانی ہے اور نفع عام ہے۔

مصنف حضرت شیخ استاذ فاضل مستغنی عن الالقاب علامہ محمد صالح کمال مکی حنفی کی طباعت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ کو فراغت ہوئی (اللہ کا شکر ہے کہ اس سے مقصد کی تکمیل ہوئی۔ اس کے فوائد ہمہ پہلو قریب الفہم ہیں)۔

جب سامنے آئے تو اس کے حجم کو قلیل نہ سمجھ
تمہاری زندگی کی قسم اس میں بہت سارے پاکیزہ مطالب ہیں آ گئے

اس کی طباعت مطبع ماجدیہ میں مکہ محفوظہ محلہ قرارہ فلق میں ہوئی یہ مطبع اپنے رب سے معافی کے طلب گار محمد ماجد کردی مکی (اللہ کریم اس پر اپنی وافی نعمتوں اور مسلسل نوازشوں کی فراوانی فرمائے۔ آمین) کی ملکیت ہے۔

یہ رسالہ مبارک خادم الحرمین الشریفین آل عثمان کے گل سرسبد مولانا سلطان محمد ارشاد خان خامس ابن مرحوم سلطان غازی مولانا عبدالمجید خان) کے عہد حکومت میں ہوا۔ اللہ کریم ان پر فتح کی چادریں ڈالیں اور ان کے عدل سے سب بشارتیں دینے والوں اور اللہ کریم سے ڈرانے والوں میں سب سے افضل (حضور نبی مکرم ﷺ) کی شریعت کی تائید فرمائیں۔

تقریظ ا: اس رسالہ پر لشکر علم کے قائد' فضیلت کے جھنڈے کے حامل۔ عالم و فاضل' مکہ مکرمہ میں عالی مقام احناف کرام کے مفتی' مولانا شیخ عبداللہ سراج حنفی مکی نے یوں تقریظ تحریر فرمائی۔

سب تعریفیں اللہ کریم کا حق ہیں جس نے علماء کو شرف عطا فرمایا اور اپنے لیے سعادت مند بندوں کو چن لیا یہ لوگ بڑے عقلمند ہیں۔ ان کے دلوں میں معارف کا سورج اور عوارف کا چاند طلوع ہوا تو وہ مخلوق کے لیے روشن دیے بن گئے۔ اللہ کریم نے ان پر سعادت کے ڈول ڈالے اور امداد کے بادل برسائے تو وہ اللہ کے بندوں کے ہادی بن گئے۔ کہ دین اسلام کی ہدایت عام کریں۔ اللہ کریم نے ان لوگوں کو ہدایت و ارشاد کا مرکز بنایا وہ مراد اسلام کے مطابق رکھنے لگے اور ان کی تحریروں میں بے حد پختگی ہے وہ لوگوں کے لیے اونچے پہاڑوں جیسے مینار بن گئے اور مشکلات کے پردے انہوں نے کھول دیے۔ مقفل دروازے بھی وا کردیے ان باکمال حضرات نے لوگوں کے دلوں سے وہموں کے پردے ہٹا دیے۔

میں اللہ سبحان کی اس کے فضل اور مزید بخششوں پر ایسی حمد و ثناء کرتا ہوں جو مہینوں' سالوں اور زمانوں پر حاوی ہو۔ اور اللہ کریم کا سب نعمتوں پر اس طرح کا شکر ادا کرتا ہوں جو ساعات' راتوں اور دنوں کے گزرنے میں مسلسل جاری رہے۔ میں لا الہ الا اللہ کی ایسی گواہی دیتا ہوں جس کے ذریعے مجھے قیامت اور اللہ کریم کے سامنے کھڑے ہوتے وقت فلاح' فوز اور کامیابی و نجات ملے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کریم کے مخصوص بندے اور رسول و حبیب و خلیل ہیں وہ اندھیروں میں شمع نور و ہدایت ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جس سے اللہ کریم خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ یہ مقدس جملہ تو آپ کے لیے سرکار ﷺ وعلی واصحابہ تابعیہ کی طرف سے کافی و وافی بشارت ہے جب تک کہ کبوتر غرغراتے رہیں گے۔

بعد از حمد و ثناء واضح ہوا کہ کسی مقدار کا علم بھی عظیم فخر ہے اور اصحاب علم کو عالی مرتبت شرف حاصل ہے کہ ان کا مقام رفیع ہے۔ عالم کے راستے پر بے حد موانع ہوتے ہیں اور مشاغل تھکا دیتے ہیں۔ عظیم المرتبت علماء

قدم راہِ علم پر ثابت رہتے ہیں ان عظیم لوگوں کا کتنا اکرام ہے اور ان کی قیادت کتنی عظیم ہے یہ بڑے ہی محدود کرم والے لوگ ہیں جن لوگوں پر نظرِ عنایت پڑی ہے اور ہدایت ان کی طرف سبقت کر کے آئی ہے اور علوم و معارف نے اپنی باگ ان کے حوالے کی ہے اور مفاخر نے اپنی طاقت ان کے سامنے ڈال دی ہے۔ معالی و فضائل نے اپنے کمال ان پر مکمل کیا ہے ایسے لوگوں میں اس شاندار رسالے کے جامع۔ عالی مقام عالم و شیخ' بے مثل فاضل فضائل صفات کے جامع امام' مفاخر و فواضل کے مشتملات پر حاوی' نقل و تحقیق میں عالی مرتبت' تحریر و تحقیق میں رہنما' عالم' علامہ' قائد اور بے حد فہم ذکاء والے (حضرت محمد صالح کمال حنفی) ہیں۔ انہوں نے اپنے افادات میں بے حد عمدگی کا اظہار فرمایا ہے اور اچھی طرح لکھا ہے انہوں نے مذہب کی معتبر کتب کے مطابق اپنی تحقیق کو درج کتاب فرمایا ہے۔ اسلاف سے لے کر آج تک حرمین شریفین کے علماء اس پر متفق ہیں علماء میں آج تک اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اللہ کریم مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے ہمیں اور انہیں حضور مصطفے علیہ السلام کے جھنڈے کے نیچے جگہ دے ہمارا اور ان کا خاتمہ بہت حسین ہو۔ آمین اللھم آمین.

اللہ کریم کے فقیر شریعت و طریقت کے خادم عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج حنفی مفتی مکہ مکرمہ حمد و صلوٰۃ و سلام کے اس وقت اسے لکھا۔

تقریظ ۲: دائرہ علوم کے مرکز' منطق و مفہوم کے محور' عالم عامل' کامل و تجربہ کار زاہد' علامہ' محقق' فہامہ مدقق' استاذ حضرت شیخ احمد ابوالخیر میرداد حنفی مکی نے اپنی تقریظ میں ارشاد فرمایا۔

اللہ واحد مستحق حمد ہے اور صلوٰۃ و سلام اس ذات اقدس پر جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ آپ کی آل و اصحاب پر بھی صلوٰۃ و سلام جنہوں نے آپ کے بازو مضبوط کیے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اس رسالہ کے مصنف نے اپنی تحریر میں بہت عمدگی سے مذہب کی معتبر کتابوں کے مطابق تحقیق فرمائی۔ حرمین شریفین کے پہلے اور پچھلے علماء بغیر کسی اختلاف کے اس عمل پر متفق ہیں۔ اللہ کریم مصنف کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ہمیں جنت کے قریب فرمائے۔ ہمارے سب مقاصد اس ہستی واقدس کے مرتبہ و جاہ سے پورے ہوں جو عظیم المرتبت بھی ہیں اور انبیاء ورسل کے خاتم بھی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اپنے رب کے فقیر' اپنے گناہ کے اسیر' خادم علم احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد (اللہ دونوں کے ساتھ ہو) نے لکھا۔

تقریظ ۳: عالم عامل' مرشد کامل' متقی و فاضل استاد شیخ اسعد دہان حنفی مکی نے یوں لکھا۔ یقیناً شاداب ترین چیز جس کے الفاظ کے موتیوں سے کاغذات کے صفحات مزین ہیں اور پسندیدہ ترین شے جس سے اعلیٰ و نفیس جانیں انس و چاہت کا سرور پاتی ہیں۔

حمد ہے اس ذات کی جس نے شریعت مطہرہ کے حاملین کی گردنوں کو شرف کے زیوروں سے مزین فرمایا۔ شریعت کے محاسن پر عمل کے لیے انہیں آمادہ فرمایا تو وہ اسلاف کے مناقب و مفاخر سمیٹنے لگ گئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ہی قابل عبادت ہے' واحد و لاشریک ہے' زمین و آسمان کا خالق ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول خدا اور اللہ کریم کے بندہ خاص ہیں آپ کا ہی ارشاد ہے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں۔ اللہ آپ پر' آپ کی آل اور صحابہ پر درود بھیجے جن کے دلوں کو اللہ نے اپنی معرفت سے بھر دیا تو وہ ارشاد و افادہ کے ذریعے آپ کی خدمت میں لگ گئے میں ایسی صلوٰۃ اور ایسا سلام پیش کرتا ہوں جن کے ذریعے ہم بھی ان لوگوں کی لڑی میں پرو دیے جائیں جن کے لیے ارشاد ربانی ہے کہ ''ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ اچھائی ہے جس میں لگا تار اضافہ ہے''۔ اس کے بعد ہمارے مولا ہمارے شیخ عامل عالم' فاضل کامل اس رسالے کے مؤلف نے اپنے افادات میں بہت عمدگی پیدا کی یہ رسالہ ایک حسین دلہن کی طرح نرالا اور اس کے انداز سے سورج بھی شرمندہ ہے اس میں ایسے مطالب ہیں جو ہر دیکھنے والے کی آنکھ کو جلا بخشتے ہیں اور ہر خبردار کے دل کو مٹھاس اور روشنی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کریم مسلمانوں کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر شر اور نقصان سے انہیں محفوظ رکھے' دارین میں ان کے سب مقاصد پورے فرمائے ہمیں اس رسالے سے اسی طرح فائدہ ہو جو اصول کتب سے ہوتا ہے۔

خادم طلبہ' خواستگار مغفرت حقیر اسعد بن احمد دہان نے اسے لکھا۔

تقریظ ۴: مرجع تحقیق' معتمد تدقیق' عصر حاضر کے واحد و یگانہ ماہر فنون' اور یکتا عالم مجتہد' شیخ عبدالرحمٰن دہان نے یوں تقریظ تحریر فرمائی۔

سب تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے اپنے چنے ہوئے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو اس شریعت کی حمایت کی توفیق دی۔ اور ان کی سیاہی کو شہداء کے خون کے برابر قرار دیا۔ شریعت کے قلعوں کی پختگی کی حفاظت کے لیے اور ان کے لیے وسیع اجر اور نرالی بھلائیاں جاری فرمائیں۔ انہوں نے درست چیزیں بھی بیان کیں۔ اور ان خطاؤں کو بھی واضح کیا جو چٹیل میدانوں میں سراب کی طرح تھیں۔ درود اور سلام ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر ہوں جن کی ذات اقدس میں ان کے پروردگار نے یہ ساری فضیلتیں جمع کر دیں آپ کی آل اور صحابہ پر بھی صلوٰۃ و سلام ہو جو سننے اور اطاعت کرنے والی جانیں رکھتے ہیں۔

بعد از حمد و صلوٰۃ واضح ہو میں اس رسالہ شریف پر مطلع ہوا۔ میں نے اس کی اعلیٰ نقلیں اور لطیف عبارات دیکھیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ صرف دو آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے اور یہ وہ رسالہ ہے جب اس کی خیر و برکت ظاہر ہوگی تو کان اس کی طرف جھکیں گے۔ اور ایسا بھلا کیوں نہ ہو جب کہ اس کے جمع کرنے والے ہمارے مولا

ہمارے شیخ' بے مثال عالم' شہرہ آفاق فاضل اپنے زمانے کے نعمان (امام اعظم) اور اپنے دور کے یعقوب (امام ابو یوسف) ہیں۔ اللہ کریم انہیں بہترین جزا دے اور اعلیٰ ترین ثواب سے نوازے۔ قیامت کے دن ہمارا اور ان کا انجام بہترین ہو۔ حسین ہو۔ آمین ثم آمین

طلبہ کا خادم' احسان کا امیدوار عبدالرحمٰن بن احمد دہان۔

تقریظ ۵: محقق عالم اور مجتہد فاضل شیخ درویش بن حسن عجیمی مکی نے یوں تقریظ تحریر فرمائی۔

سب تعریفیں اس ذات اقدس کی ہیں جس نے طویل زمانے میں شریعت محمدی کی تائید فرمائی اور شہرہ آفاق علماء کے قلموں کے نیزوں سے ملتِ حنفیہ کی مدد کی۔ درود و سلام اس ہستی پر جو ہمارے لیے سب سے اشرف وسیلہ ہیں۔ جن کا نام نامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپ کی فضائل والی آل اور صحابہ پر بھی سلام ہو۔

اس کے بعد یقیناً اس رسالہ کے مصنف فاضل جلیل نے بہت عمدگی سے ہاتھ نہ آنے والے علوم کی باریکیاں اور لطیف مطالب کے قلاوے جمع فرما دیے۔ مجھے اپنی عمر کی قسم یہ وہ تالیف ہے جس پر علماء کو فخر ہے۔ چاہیے کہ عمل کرنے والے ایسے ہی کام کریں اللہ کریم انہیں بہترین جزا دے۔ ہمیں اور انہیں جنت میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائے ہم میں سے ہر ایک کا خاتمہ بالخیر ہو۔ اس ذات اقدس کے وسیلے سے جو سب نبیوں کے خاتم ہیں۔ اللہ ان پر اور ان کی آل اور صحابہ کرام پر صلوۃ و سلام بھیجے۔

عاجز فقیر نبی امی کی شفاعت کے طلبگار درویش بن حسن عجیمی مکی (اللہ دونوں کو معاف فرمائے) نے لکھا۔

آمین ثم آمین

کتاب النورین میں ہے کہ جو اپنے ہاتھ میں قبر کی مٹی لے کر اس پر سورۃ القدر سات دفعہ پڑھ کے قبر میں ڈال دیتا ہے تو اس قبر والے کو عذاب نہیں ہوتا۔ (طحاوی)

میت کے دفن ہونے کے لیے جو آدمی موجود ہو اس کے لیے مستحب ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے قبر کی مٹی سے تین اوک بھرے اور میت کے سر کی طرف اسے ہونا چاہیے۔ پہلا اوک ڈالتے ہوئے کہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ "(اس مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا) دوسرا اوک ڈالے تو کہے وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (اسی میں ہم تمہیں پلٹا دیں گے) تیسرا اوک ڈالے تو کہے" وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (اور اسی سے ہم تمہیں ایک دفعہ پھر نکالیں گے)

☆☆☆☆☆

آسمانِ علم و حکمت کے روشن ستارے

از: الشیخ عاشق الٰہی برنی مترجم: مولانا عبدالحمید مدنی (راولپنڈی)

آپ کے تلامذہ:

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے تلامذہ بکثرت تھے۔ شیخ صالحی نے بیان کیا کہ آپ کے بعد کسی امام پر اتنے لوگ متفق نہیں ہوئے جتنے آپ پر متفق ہوئے۔ (عقود الجمان' ص ۱۸۳)

شیخ صالحی نے اپنی کتاب کے پانچویں باب میں مکہ' مدینہ' دمشق' بصرہ اور جزیرہ وغیرہ ممالک سے تعلق رکھنے والے بعض اُن تلامذہ کا تذکرہ کیا جنہوں نے امام اعظم سے حدیث اور فقہ میں اکتساب علم کیا۔ شیخ صالحی نے مزید کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے معروف تلامذہ آٹھ سو تک خود شمار کیے اور اُن کے اسماء تفصیل سے ذکر کیے۔ (عقود الجمان ص ۸۸ تا ۱۵۸)

امام علی بن سلطان محمد القاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب (مناقب امام اعظم) میں آپ کے تلامذہ کے نام ذکر کیے جن کی تعداد ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہے. پھر امام علی بن سلطان محمد القاری نے آخر میں کہا کہ "مناقب کردری" سے اختصار کے ساتھ ہم نے یہی لکھا ہے اور امام کردری نے آخر میں کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے تلامذہ سات سو تیں ہیں جو مختلف علاقوں کے مشائخ اور زمانے کے مشاہیر ہیں۔ ان کی سعی و جہد ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں. اللہ تعالیٰ انہیں بروز قیامت جزائے خیر سے نوازے. (آمین)

(ذیل جواھر المضیه ص ۵۱۸ تا ۵۵۶)

امام خلف بن ایوب نے کہا کہ علم اللہ تبارک و تعالیٰ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک' پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تک' پھر تابعین عظام رحمتہ اللہ علیہم اجمعین تک اور پھر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب تک پہنچا۔ اب کسی کی مرضی پسند کرے یا ناپسند. (تاریخ بغداد ۱۳۔ ۳۳۶)

امام بخاری نے انتقال فرمایا تو نوے ہزار شاگرد محدث چھوڑے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا تو ایک ہزار مجتہدین اپنے شاگرد چھوڑے۔ محدث ہونا علم کا پہلا زینہ ہے اور مجتہد ہونا آخری منزل۔ (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

امام ابو یوسف انصاری رحمتہ اللہ علیہ

(۱۱۳ھ.....۱۸۲ھ)

اہل عراق کے فقیہ علامہ امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام قاضی ابو یوسف نے ہشام بن عروہ' ابو اسحاق شیبانی' عطا بن سائب اور ان کے

طبقات سے استفادہ کیا' جب کہ فقیہ محمد بن حسن' امام احمد بن حنبل' بشر بن ولید' یحیٰی بن معین' علی بن جعد' علی بن مسلم طوسی' عمرو بن ابوعمرو اوران کے علاوہ بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

علم کی طلب میں پلے بڑھے جب کہ آپ کے والدِ ماجد نہایت نادار و مفلس تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کئی سال امام قاضی ابویوسف کی دیکھ بھال کی۔

عباس نے ابنِ معین سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ امام قاضی ابویوسف صاحب حدیث اور صاحب سُنّت بزرگ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للامام ذہبی ص ۱۔۲۹)

ابنِ حبان نے کتاب الثقات میں بیان کیا کہ ہمارے اُستاد قاضی ابویوسفؒ بڑے محتاط آدمی تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ للامام ذہبی ص ۷۔۱۲۵)

قاضی ابویوسف فقیہ' عالم اور حافظ الحدیث مشہور تھے۔ آپ جب بھی کسی محدث کے پاس حاضر ہوتے تو پچاس ساٹھ احادیث یاد تھیں۔ پچاس ساٹھ احادیث یاد کر کے اٹھتے اور پھر ان سے لوگوں کو فیض یاب کرتے تھے۔ آپ کو بکثرت احادیث یاد تھیں۔ (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۷۲)

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے کہا کہ ابتداء میں جب مجھے طلب حدیث کا شوق پیدا ہوا تو میں قاضی ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعدازاں ہم نے طلب حدیث کیا پھر اور لوگوں سے بھی حدیث روایت کی۔ (تاریخ بغداد ۱۴۔۲۵۵)

داؤد بن رشید نے کہا کہ اگر قاضی ابویوسف کے سوا امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا کوئی بھی شاگرد نہ ہوتا' جب بھی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو آپ پر باقی لوگوں کے مقابلہ میں فخر ہوتا۔ (حسن التقاضی ص ۱۵)

قاضی ابویوسف نے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں سترہ سال گزارے۔ دن چڑھے آپ سوائے بیماری کے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی لمحے بھی جدا نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کا صاحبزادہ فوت ہوا تو آپ اس کی تجہیز و تدفین میں شامل نہ ہوئے اور یہ کام اپنے عزیز و اقارب کے حوالے کر دیا۔ بایں سبب کہ کہیں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے کسی ایسی بات کی سماعت سے محروم نہ ہو جاؤں جس کا ہمیشہ افسوس رہے۔ (حسن التقاضی ص ۹ اور ۱۷)

ہلال بن یحییٰ نے کہا کہ امام قاضی ابویوسف تفسیر' مغازی اور ایام عرب کے حافظ تھے۔ جب کہ فقہ تو آپ کا ادنیٰ سا علم تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۶)

یحییٰ بن خالد نے کہا کہ ہمارے ہاں قاضی ابویوسف تشریف لائے آپ کا ادنیٰ سا علم فقہ کا تھا کہ جس کتب سے دو وسیع کمرے بھر جائیں۔ (حسن التقاضی ص ۱۵)

ایک شخص نے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد امام مزنی سے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ علیہ اللہ فقہاء کے سردار تھے۔ پھر آپ سے قاضی ابویوسف کے متعلق

سوال کیا گیا تو آپ نے کہا کہ سب سے زیادہ حدیث کا اتباع کرنے والے تھے۔ اور پھر امام محمد بن حسن کی بابت پوچھا گیا تو کہا کہ اُن میں سب سے زیادہ مسائل اخذ کرنے کا ملکہ تھا۔ پھر امام زُفر کے متعلق رائے پوچھی گئی تو کہا کہ اُن میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے امام زفر تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۶)

طلحہ بن محمد نے کہا کہ قاضی ابویوسف معروف شخصیت اور صاحب فضیلت تھے آپ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد اور اپنے ہم عصر لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ تھے۔ آپ کے معاصرین میں سے کوئی بھی آپ پر سبقت نہ لے سکا۔ آپ علم و حکمت کی انتہا پر تھے اور صاحب جاہ و حشم تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پر اصول فقہ کی کتب سب سے پہلے آپ ہی نے لکھیں آپ نے مسائل کی تشہیر بڑے غور و خوض کے بعد کی اور امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے علم کو زمین کے کونے کونے تک پھیلایا۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۵)

محمد بن سماعہ نے کہا کہ عہدۂ قضا قبول کرنے کے بعد قاضی ابویوسف روزانہ دوسو رکعتیں نوافل ادا کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۵)

محمد بن صباح نے کہا کہ قاضی ابویوسف بڑے صالح شخص تھے اور بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ۷/۶۴۳)

اسلام میں قاضی ابویوسف سب سے پہلے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عظیم عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۳)

امام محمد بن حَسن بن فرقد الشیبانی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۳۲ھ......۱۸۹ھ)

مقام واسط میں آپ کی ولادت ہوئی اور کوفہ میں پرورش پائی اور یہاں ہی امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ مسعر بن کدام اور سفیان ثوری سے اکتساب علم کیا۔ اسی طرح آپ نے امام مالک بن انس جو موطاء کے مصنف ہیں اور آپ ان کے راویوں میں سے ہیں' ابوعمر اوزاعی اور قاضی ابویوسف سے حدیث روایت کی اور ان حضرات سے بکثرت آپ نے استفادہ کیا آپ جب بغداد میں تشریف لائے تو لوگ مختلف سمتوں سے امڈ آئے اور آپ سے حدیث و فقہ میں استفادہ کیا۔ چنانچہ آپ سے محمد بن ادریس شافعی' ابوسلیمان جوزجانی اور ابوعبید قاسم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ جلیل القدر ائمہ نے فن حدیث میں استفادہ کیا۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۲)

امام محمد بن حسن نے کہا کہ میرے والدِ محترم نے تیس ہزار درہم بطور ترکہ چھوڑے پندرہ ہزار درہم میں نے علم نحو اور شعر پر صرف کیے اور پندرہ ہزار ہی حدیث و فقہ پر خرچ کیے۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۳)

یحییٰ بن معین نے امام محمد سے جامع صغیر لکھی۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۲)

امام قاضی ابویوسف کے بعد عراق میں ریاست فقہ آپ پر ختم ہو جاتی ہے۔ آپ سے آئمہ نے علم فقہ

حاصل کر کے بہت سی کتابیں لکھیں آپ دنیا کے ذہین لوگوں میں سے تھے۔

(مناقب ابی حنیفه و صاحبیه للحافظ ذهبی ص ۵۰)

امام محمد کہتے ہیں کہ میں امام مالک کے دروازے تک تین سال تک حاضری دیتا رہا اور تھک گیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام مالک سے سات سو احادیث سے بھی زیادہ سنی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن سے زیادہ قرآن کا عالم نہیں دیکھا۔ اگر میں یوں کہوں کہ قرآن محمد بن حسن کی زبان میں نازل ہوا تو آپ کی فصاحت کی وجہ سے ایسا کہہ سکتا ہوں ایک اور روایت امام شافعی سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن حسن سے زیادہ دانشمند شخص کوئی نہیں دیکھا۔

(تاریخ بغداد ۲/۱۷۵)

امام محمد شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن سے ایک اُونٹ کے وزن کے برابر کتابوں کا علم حاصل کیا۔ مزید کہا کہ لوگوں میں مجھے فقہ کے حوالے سے سب سے زیادہ امام محمد بن حسن پر اعتماد ہے۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۶)

یُسوطی نے بیان کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حصول علم میں دو شخصیات سے میری مدد فرمائی' علم حدیث میں ابن عُیینہ سے اور علم فقہ میں امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے۔

(ذیل جواهر المضیه ص ۵۲۷)

محدث دیلمی نے بیان کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں امام محمد بن حسن کی خدمت میں دس سال تک رہا اور آپ کی باتوں سے میں نے ایک اونٹ کے وزن جتنی کتابوں کا علم حاصل کیا۔ اگر آپ اپنے علم کے معیار کے مطابق ہم سے بات کرتے تو ہمارے سروں کے اوپر سے گزر جاتی۔ آپ ہماری فہم کے معیار کے مطابق ہم سے بات کرتے تھے۔ (ذیل جواهر المضیه ص ۵۲۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مزید کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن کے علاوہ جس کسی کے ساتھ بھی بحث ومباحثہ کیا تو اس کے چہرے کے تیور بدل گئے۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۷)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر کسی مسئلہ کے متعلق تین شخصیات کے اقوال پیش کر دیے جاتے ہیں تو کسی کو بھی ان سے مخالفت کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ پوچھا گیا وہ شخصیتیں کون ہیں؟ تو کہا کہ وہ امام ابوحنیفہ' امام قاضی ابو یوسف اور امام محمد بن حسن رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ لوگوں میں سب سے زیادہ قیاس کرنے کی بصیرت رکھتے تھے۔ امام قاضی ابو یوسف آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا زیادہ فہم رکھتے تھے۔ اور امام محمد بن حسن لوگوں میں سب سے زیادہ عربی زبان کے ماہر تھے۔ (الانساب السمعانی ۵/۲۰۴)

ابراہیم حربی نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ نے مشکل مسائل کہاں سے سیکھے ہیں تو کہنے لگے کہ امام محمد بن حسن کی کتابوں سے سیکھے ہیں۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۷۷)

امام محمد بن حسن کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ امام محمد بن حسن شب و روز قرآن کا تیسرا حصہ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ آپ سے متعلق حکایات بیان کی گئی ہیں کہ آپ نہایت دانش مند' کامل العقل' صاحب شرافت اور کثیر التلاوت تھے۔ (مناقب ابی حنیفه و صاحبیه للحافظ ذهبی ص ۵۹)

امام کسائی اور امام محمد بن حسن ہارون الرشید کے ہمراہ مقام رے کی طرف عازم سفر ہوئے۔ ہر دو ائمہ کی ایک ہی دن رے میں وفات ہوگئی تو ہارون الرشید نے کہا کہ آج لغت اور فقہ دفن ہو گئے ہیں۔ (تاریخ بغداد ۲/۱۸۱٬۱۸۲)

امام زُفر بن ھذیل رحمۃ اللہ علیہ

(۱۱۰ھ.....۱۵۸ھ)

آپ کا اسم گرامی زُفر بن ھذیل بن قیس بصری ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میرا ایسا شاگرد ہے جس میں قیاس کرنے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہے۔

(فوائد البهیه فی تراجم الحنفیه ص ۷۵)

ابن معین اور ابو نعیم نے کہا کہ امام زُفر قابل اعتماد اور محتاط شخصیت کے مالک تھے اور ابو عمر نے کہا کہ امام زُفر صاحب دانش وبینش اور دیندار و صاحب تقویٰ شخص تھے آپ فن حدیث میں قابل اعتماد تھے۔

(جواهر المضیه ۱/۲۴۳٬۲۴۴)

ابراہیم بن سلیمان نے کہا کہ جب ہم امام زُفر کی محفل میں ہوتے تو ہماری جرأت نہیں تھی کہ آپ کے سامنے دنیاداری کی باتیں کریں۔ لیکن جب کوئی ایسا کر لیتا تو آپ محفل کو وہیں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

ابن مبارک نے کہا کہ امام زُفر کہتے ہیں ہم صحابی کے قول کے مقابلے میں رائے کو معتبر نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جب صحابی کا قول مل جائے تو ہم رائے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

وکیع نے کہا کہ امام زُفر کی محفل کے سوا میں نے کسی محفل سے بھی زیادہ نفع نہیں پایا۔

فضل بن دُکین نے کہا کہ جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو میں نے امام زُفر کی مجلس اختیار کر لی اس لیے کہ آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے زیادہ فقیہ اور صاحب تقویٰ تھے لہٰذا میں نے آپ سے علم کا وافر حصہ پایا۔

حسن بن زیاد نے کہا کہ امام زفر اور امام داؤد طائی آپس میں بھائی بھائی تھے۔ داؤد طائی نے فقہ سے ناطہ توڑ کر زہد و تقویٰ اختیار کر لیا لیکن امام زفر میں یہ دونوں صفتیں جمع ہو گئیں۔

محمد بن وہب نے کہا کہ امام زُفر محدثین میں سے تھے۔ اور آپ اُن دس محدثین میں سے ایک تھے جنہوں نے کتابیں مدون کیں۔ (ذیل جواهر المضیه ۵۳۳ تا ۵۳۴)

☆☆☆☆☆

حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتیں

از: علامہ قاضی غلام محمود صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وصیتیں اپنے مخصوص شاگرد قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو فرمائی تھیں وہ یہاں درج کی جاتی ہیں۔ جن کو فقیہ اعظم شیخ زین الدین ابن نجیم (صاحب بحر الرائق) نے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" (مطبوعہ کراچی) کے آخر میں صفحہ ۲۶ ۷ پر ذکر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ ابن نجیم موصوف کی ولادت ۹۲۶ھ اور وفات ۹۷۰ھ میں ہوئی ہے اور امام ابو یوسف کی ولادت مطابق قول مشہور ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۸۰ھ اور وصال ماہ شعبان ۱۵۰ھ میں ہوا۔

امام اعظم کی پیشنگوئی: امام ابو یوسف نے بیان فرمایا کہ جب میرا باپ فوت ہوگیا تو میں صغیر سن تھا میری والدہ مجھ کو ایک دھوبی کے پاس کام سیکھنے کے لیے لیے جارہی تھیں کہ راستہ میں میں نے امام ابوحنیفہ کا حلقہ مجلس دیکھا اور وہاں جا کر بیٹھ گیا ماں مجھ کو کھینچتی تھی لیکن میں وہاں سے نہ اٹھتا تھا۔ آخر میری ماں نے حضرت امام سے کہا کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور یہ لڑکا یتیم ہے میں سوت کات کر گزارہ کرتی ہوں معلوم نہیں آپ نے اس سے کیا کہا ہے کہ اب جہاں میں اسے لے جانا چاہتی ہوں یہ نہیں جاتا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اسے یہاں ہی رہنے دے یہ علم پڑھے گا اور عنقریب فیروزہ کے شاہی صحن میں پستے کا فالودہ پیئے گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب مجھے قضا دی گئی تو میں ایک دن فیروزہ کے شاہی صحن میں ہارون رشید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ کے ملازم فالودہ لائے اور خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ فالودہ پیو اور یہ فالودہ اس قسم کا ہے کہ ہر وقت ایسا تیار نہیں کیا جاتا۔ میں یہ بات سن کر مسکرا دیا خلیفہ نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی تو میں نے اس کو یہ تمام قصہ سنا کر امام صاحب کی کرامت وفراست ظاہر کی۔

حضرتِ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ مشہور شاگرد رشید تھے حدیث اور فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، حضرتِ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے تلامذہ (شاگردوں) میں سے ہیں، جنہوں نے ان سے تین سال تک علم حاصل کیا۔ آپ نہ صرف قاضی تھے بلکہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے، اور اس لقب سے سب سے پہلے آپ ہی مشہور ہوئے۔ خلفاء بنی عباس میں سے مہدی، ہادی اور ہارون الرشید کے عہد میں قضاء کی خدمت انجام دی اور ۱۶۶ھ سے لے کر اپنی وفات تک برابر قاضی رہے۔

حضرتِ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سترہ سال تک حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس

میں پابندی کے ساتھ مسلسل حاضری دیتے رہے، حتی کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کی وفات ہوگئی تو اس کے دفن میں بھی اس لیے شریک نہ ہوئے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلس کی حاضری کا ناغہ نہ ہوجائے بچے کے کفن دفن کا انتظام اعزہ واقرباء اور پڑوسیوں پر چھوڑا اور خود حضرت امام کی مجلس میں حاضر ہوئے۔

حضرتِ امام ابو یوسف بڑے عبادت گزار بھی تھے، قاضی القضاۃ کی ذمہ داریوں کے باوجود روزانہ دوسو رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے اور روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے۔

حضرتِ امام ابو یوسف انصار مدینہ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے پردادا سعد بن بحیرہ صحابی تھے ان کو سعد بن حبۃ بھی کہا جاتا ہے (حبتہ والدہ کا نام تھا) انہوں نے غزوہ خندق میں شریک ہوکر جنگ میں خوب حصہ لیا اس وقت نو عمر تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے جو دیکھا کہ بڑی دلیری کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں تو ان کو بلا کر دریافت فرمایا کہ اے نوجوان تم کون ہو؟ عرض کیا میں سعد بن حبتہ ہوں، آپ نے دعا دی کہ اللہ تیرا نصیب مبارک فرمائے اور ساتھ ہی قریب آنے کا حکم فرمایا۔ جب وہ قریب آئے تو ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

(کتاب الاستیعاب، از علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرتِ امام ابو یوسف فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے جو ہمارے پردادا کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا میں اس کی برکت خاندان بھر میں محسوس کرتا ہوں۔

یہ سعد بن بحیرہ کوفہ میں مقیم ہوگئے تھے، وہیں انہوں نے وفات پائی، اور ان کی نسل کوفہ میں آباد رہی جن میں ایک بڑے ہونہار ابو یوسف پیدا ہوئے جنہوں نے مشرق ومغرب کو علم سے بھر دیا۔

داؤد بن رشید کا قول ہے کہ اگر صرف ابو یوسف ہی امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہوتے تو ان کو فخر کے لیے یہی ایک تلمیذ (شاگرد) کافی تھا میں جب امام ابو یوسف کو علمی باتیں کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سامنے سمندر ہے اس سے لپ بھر بھر کر نکال رہے ہیں۔

امام ابو یوسف کے مزید حالات کا بیان پھر کبھی سہی، اب اس وقت آیئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتوں کو سامنے لائیں اور ان پر غور کریں جو کہ اس بیان کا مقصد ہے۔

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیتیں

وصیت نمبر ۱: پہلے علم طلب کرو، اس کے بعد حلال مال جمع کرو، پھر شادی کرو، کیونکہ اگر تحصیل علم کے زمانہ میں مال طلب کرنے میں لگ گئے تو طلب علم سے عاجز ہوجاؤ گے، اور مال تم کو دنیا کی چیزیں خریدنے کی دعوت دے گا اور پھر تم دنیا میں لگ جاؤ گے نیز اس بات سے بھی پرہیز کرو کہ تحصیل علم سے پہلے عورتوں میں مشغول ہوجاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تمہارا وقت ضائع ہوگا اور بچوں کی ساری ذمہ داریاں جمع ہوجائیں گی اور اہل

عیال کی کثرت ہوگی، لہٰذا تم ان کی حاجتوں کے پورا کرنے میں لگے رہو گے اور علم اور مال دونوں سے رہ جاؤ گے۔

وصیت نمبر۲: ایسے وقت طلب علم میں مشغول ہونا جب کہ تمہاری جوانی کا ابتدائی دور اور تمہارا دل (علم کے علاوہ دوسرے کاموں سے) فارغ ہو، اس کے بعد مال طلب کرنا تاکہ تھوڑا بہت جمع ہو جائے۔ (تحصیل مال اور اہل وعیال کے اشتغال سے پہلے علم حاصل کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ ان چیزوں سے دلجمعی نہیں رہتی۔ اور اولاد اور اہل وعیال کی کثرت دل کو تشویش میں ڈالتی ہے) جب مال جمع کرلو تو نکاح کرلو اور اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا وہی طریقہ اختیار کرو جو میں نے بیان کیا۔

وصیت نمبر۳: تم اللہ سے ڈرنے کو اور امانت ادا کرنے کو اور تمام عوام وخواص کی خیر خواہی کو لازم پکڑلو۔

وصیت نمبر۴: ایسا رویہ اختیار نہ کرو جس سے لوگوں کی ذلت ہو۔ لوگوں کی عزت کرو اور لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا اور ملنا جلنا زیادہ نہ کرو، الا یہ کہ وہ تمہارے رہنے سہنے اور ملنے جلنے کو پسند کریں، اور ان کے ملنے جلنے کے مقابلہ میں تم ان کو مسائل بتاؤ تاکہ ان میں جو کوئی شخص اہل علم ہو وہ علم میں مشغول ہو جائے اور جو شخص اہل علم سے نہ ہو (اور مسائل کے ذکر کو پسند نہ کرے وہ) تم سے بچے اور تمہارے اوپر ناراض بھی نہ ہو بلکہ تمہارے پاس بھی نہ پھٹکے (کیونکہ جسے علم نہیں اور علم کا ذوق بھی نہیں وہ اہل علم کے پاس اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں کرتا)

وصیت نمبر۵: اگر تم دس سال بھی بغیر خوراک اور بغیر کسب معاش رہ جاؤ تب بھی علم کی جانب سے روگردانی نہ کرنا کیونکہ اگر تم نے (علم سے) اعراض کیا تو تمہاری روزی تنگ ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا (پ۱۶ طٰہٰ آیت ۱۲۴)

ترجمہ: اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ زندگانی ہے۔

وصیت نمبر۶: عوام میں سے اور بازاری لوگوں میں سے جو شخص تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تم اس سے مت جھگڑنا، اگر ایسا کرو گے تو تمہاری آبرو جاتی رہے گی۔

وصیت نمبر۷: اور حق بات بیان کرتے وقت کسی کی جاہ وحشمت کی پرواہ نہ کرنا اگرچہ وہ بادشاہ ہو۔

وصیت نمبر۸: تمہارے علاوہ جو لوگ عبادات میں مشغول رہتے ہیں تم اپنے نفس کو ان کی عبادات سے زیادہ عبادات میں مشغول کرو، جب تک نفس دوسروں سے بڑھ کر عبادت نہ کرے تم اپنے نفس سے راضی نہ ہونا۔

وصیت نمبر۹: لوگوں سے پُر حذر رہنا (ملنے جلنے والوں سے احتیاط رکھنا کہ کوئی دھوکا نہ دے دے اور نقصان نہ پہنچا دے)

وصیت نمبر۱۰: تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے اسی طرح تعلق رکھو جیسا کہ علانیہ طور پر سب کے سامنے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہو (خلوت وجلوت میں اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علم کے تقاضے اس وقت تک صحیح طور پر پورے نہیں ہوتے جب تک ظاہر اور باطن علم کے مطابق نہ ہو)

وصیت نمبر۱۱: زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

وصیت نمبر۱۲: عورتوں کے ساتھ زیادہ گفتگو نہ کرنا اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے وغیرہ کی کثرت نہ کرنا، کیونکہ اس سے بھی دل مردہ ہو جاتا ہے۔

وصیت نمبر۱۳: اپنی رفتار میں سکون اور اطمینان اختیار کرنا اور اپنے کاموں میں جلدی مت کرنا۔

وصیت نمبر۱۴: جو شخص تم کو پیچھے سے آواز دے اس کی پکار کی طرف متوجہ مت ہونا، کیونکہ پیچھے سے جانوروں کو آواز دی جاتی ہے۔

وصیت نمبر۱۵: جب تم گفتگو کرو تو چیخ وپکار زیادہ نہ کرو اور اپنی آواز بلند نہ کرو۔

وصیت نمبر۱۶: اپنے نفس کے لیے سکون کے لیے اختیار کرو اعضاء اور جوارح کو کم سے کم حرکت دو، تاکہ لوگوں کے نزدیک تمہاری شان ومتانت اور سنجیدگی ثابت ہو جائے۔

وصیت نمبر۱۷: لوگوں کے درمیان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کیا کرو تاکہ لوگ تم سے ذکر کرنا سیکھیں (اور تمہارا کثرت ذکر دیکھ کر وہ ذکر کی کثرت کرنے لگیں)

وصیت نمبر۱۸: نمازوں کے بعد اپنے لیے کچھ ورد مقرر کرلو جس میں تم قرآن شریف کی تلاوت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اور اس نے جو شان صبر کی تم کو دی ہے جو نعمت عطا فرمادی ہے، اس پر اس کا شکر ادا کرو۔

وصیت نمبر۱۹: اپنے نفس کی نگرانی کرو (تاکہ وہ گناہوں اور لایعنی کاموں میں مشغول نہ ہو جائے)

وصیت نمبر۲۰: اپنے دنیاوی حالات اور تمام امور میں جن میں تم لگے ہوئے ہو مطمئن نہ ہو جاؤ اور یہ سمجھو کہ میری زندگی ٹھیک گزر رہی ہے، نفس اور شیطان سے اندیشہ کرتے رہو، اور اپنے احوال اور اعمال کا جائزہ لیتے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان تمام مشاغل وامور کے بارے میں سوال فرمانے والا ہے جن میں لگے ہوئے ہو۔

وصیت نمبر۲۱: تم اپنے نفس کو عام مسلمانوں میں شمار کرو، ہاں جو تمہارا خاص فن ہے یعنی علم (اس میں اپنی مخصوص ذمہ داری کا احساس رکھو)

وصیت نمبر۲۲: خطاؤں میں لوگوں کا اتباع نہ کرو بلکہ صحیح اور درست کاموں میں ان کا اتباع کرو۔

سے امورِ انتظامیہ دنیاوی مراد ہیں)

وصیت نمبر ۲۳: جب تمہیں معلوم ہو کہ فلاں شخص اچھا آدمی نہیں ہے تو اس کی برائی کا تذکرہ نہ کرنا بلکہ اس کے اندر کوئی خیر تلاش کر لینا اور اس کا تذکرہ اسی خیر کے ساتھ کرنا، ہاں دینی معاملات میں اس کے شر کا تذکرہ کر دینا چاہیے (یعنی جس شخص کے بارے میں تمہیں معلوم ہو کہ وہ علانیہ طور پر شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے، تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر کر دو، کہ اس کا یہ طریقہ گناہ گاری کا ہے) تاکہ لوگ اس کا اتباع نہ کریں اور اس سے بچیں، حدیث شریف میں ہے کہ فاجر کے اندر جو خرابیاں ہیں ان کو بیان کر دو، تاکہ لوگ اس سے بچ جائیں۔

وصیت نمبر ۲۴: جب کسی ایسے شخص میں دینی خلل دیکھو جو دنیاوی اعتبار سے صاحب جاہ اور صاحب مرتبہ ہو تو اس کی (بھی) خرابی کا تذکرہ کر دو اور اس کی جاہ اور بڑائی کی کوئی پرواہ نہ کرو کیونکہ اللہ عزوجل تمہارا مددگار ہوگا اور اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ جب تم ہمت کر کے ایک مرتبہ ایسا کر گزرو گے تو لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی شخص بھی تمہارے سامنے اور تمہارے شہر میں دین میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔

وصیت نمبر ۲۵: موت کو یاد کرو اور استادوں کے لیے ان سب لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کرو، جن سے تم نے دین حاصل کیا ہے۔

وصیت نمبر ۲۶: ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہو۔

وصیت نمبر ۲۷: قبروں اور مشائخ کی اور مبارک مقامات کی کثرت سے زیارت کیا کرو۔

وصیت نمبر ۲۸: اہلِ ہواء بدمذہب اور بدکردار لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ کرنا ہاں مگر یہ کہ دین کی طرف دعوت دینے اور صراطِ مستقیم بتانے کے لیے ان کے پاس جانا پڑے۔

وصیت نمبر ۲۹: جو کوئی بات اپنے پڑوسی کی (ناقابلِ اظہار) دیکھو تو اس کی پردہ پوشی کرو، کیونکہ یہ تمہارے پاس امانت ہے (اور پڑوسی کے علاوہ دوسرے لوگوں کے پوشیدہ حالات بھی ظاہر نہ کرو)

وصیت نمبر ۳۰: جو شخص تم سے کسی بھی چیز میں مشورہ طلب کرے تو اس کو وہ مشورہ دو جس کے بارے میں تم کو یقین ہو کہ یہ مشورہ تم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گا (یعنی وہ مشورہ دو جو تمہارے نزدیک بالکل درست ہو اس میں کسی قسم کی مشورہ لینے والے کے حق میں بدخواہی نہ ہو، جس میں اس کا فائدہ ہو وہی مشورہ دو)

وصیت نمبر ۳۱: بخیل بننے سے گریز کرنا، کیونکہ بخیل آدمی رسوا ہو جاتا ہے

وصیت نمبر ۳۲: لالچی نہ بننا نہ جھوٹا بننا اور نہ ایسی باتیں کرنا جو لوگوں کو چکر میں ڈالنے والی ہوں، بلکہ

اپنی مروت کو تمام امور میں محفوظ رکھنا۔

وصیت نمبر ۳۳: ہمیشہ اپنے دل کو غنی رکھنا اور لوگوں کے سامنے اپنے بارے میں یہ ظاہر کرنا کہ تم حریص نہیں ہو، اور دنیا کی رغبت نہیں رکھتے ہو (بلکہ) اپنے بارے میں غنی ہونے کو ظاہر کرنا اور تنگ دستی ظاہر نہ ہونے دینا اگرچہ تنگدستی ہو۔

وصیت نمبر ۳۴: تم ہمت والے بننا، کیونکہ جس کی ہمت کمزور ہو اس کا مرتبہ بھی کمزور ہوتا ہے۔

وصیت نمبر ۳۵: جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو، بلکہ ہمیشہ نظر زمین کی طرف رکھو۔

وصیت نمبر ۳۶: مجلس میں غصہ سے پرہیز کرنا۔

وصیت نمبر ۳۷: عوام کے سامنے وعظ گوئی مت کرنا، کیونکہ عوام میں وعظ کہنے کے لیے جھوٹ بولنا ضروری ہے (بہت سی غلط باتیں کہنا پڑتی ہیں، اور یونہی بہت سی باتوں کو چھپانا پڑتا ہے) اور اگر کوئی شخص صاحب فقہ نہ ہو بلکہ عوامی قسم کا واعظ ہو تو اس کی تقریر و وعظ سنانے کا انتظام نہ کرو، اور خود بھی اس کی مجلس وعظ و تقریر میں نہ جانا۔

وصیت نمبر ۳۸: ایسے لوگوں کی مجالسِ ذکر میں مت حاضر ہونا جو سنتِ نبوی کے خلاف نئے رنگ ڈھنگ ظاہر کرتے ہوں۔

وصیت نمبر ۳۹: عوام کے سامنے نہ مسنونہ مسکراؤ۔

وصیت نمبر ۴۰: بازاروں میں زیادہ نہ جاؤ۔

وصیت نمبر ۴۱: عوام میں جو بوڑھے لوگ ہیں ان کے ساتھ راستہ کے درمیان مت چلنا، کیونکہ اگر ان کو اپنے آگے کرو گے تو اس سے تمہارے علم کی حیثیت گرے گی، اور اگر ان کو پیچھے کرو گے تو اس سے تمہاری حیثیت گرے گی، کیونکہ بوڑھوں کی عزت نہ کرنا ارشاداتِ نبویہ کے خلاف ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

وصیت نمبر ۴۲: راستوں میں مت بیٹھنا، اگر تم کو اس کی ضرورت ہو (کہ گھر کے علاوہ کسی جگہ بیٹھو) تو مسجد میں بیٹھ جانا۔

وصیت نمبر ۴۳: دوکان پر مت بیٹھنا۔

وصیت نمبر ۴۴: بازاروں میں مسجدوں میں مت کھانا۔

وصیت نمبر ۴۵: راستوں میں جو سبیلیں لگی ہوں، ان سے اور جو لوگ پانی پلاتے پھرتے ہیں ان کے ہاتھوں سے پانی مت پینا (کیونکہ سبیلوں پر ہر طرح کے لوگ موجود ہوتے ہیں جو اہلِ علم کی کی کوئی حیثیت نہیں

سمجھتے اور جو لوگ پانی پلاتے پھرتے ہیں وہ بھی سب ہی کو ایک ہی چھڑی سے ہانکتے ہیں، عالم اور غیر عالم میں کوئی فرق نہیں کرتے)

وصیت نمبر ۴۶: دیبا کے کپڑے اور زیور اور ریشم کی انواع و اقسام استعمال نہ کرنا کیونکہ ان کا استعمال تجھ کو تکبر میں ڈال دے گا۔

وصیت نمبر ۴۷: اپنے گھر میں بیوی کے ساتھ بستر میں ہوتے ہوئے زیادہ بات نہ کرنا، بس اتنی ہی جتنی تجھے ضرورت ہو۔

وصیت نمبر ۴۸: بیوی کا چھونا اور اس کو ہاتھ لگانا زیادہ نہ کرنا۔

وصیت نمبر ۴۹: بیوی کے قریب مت ہو جانا مگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے اور اللہ سے خیر طلب کرنے کے بعد۔

وصیت نمبر ۵۰: دوسروں کی عورتوں کا تذکرہ اپنی بیوی کے سامنے نہ کرنا، کیونکہ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تجھ سے بے تکلفی میں بات کرنے لگے گی، اور ممکن ہے کہ غیر مردوں کا ذکر اس کی زبان پر آ جائے (جو تیرے لیے باعثِ ناگواری ہوگا)

وصیت نمبر ۵۱: جہاں تک ممکن ہو ایسی عورت سے نکاح مت کرنا جس کا پہلے کوئی شوہر رہا ہو یا جس کا باپ اور ماں موجود ہو یا اس کے پہلے شوہر سے کوئی بیٹا، بیٹی ہو ہاں اگر یہ ہو سکتا ہو کہ اس کے اقرباء میں سے اس کے پاس تمہارے علاوہ کوئی داخل نہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں چنداں مضائقہ نہیں (اس کا مطلب قطع رحمی کرنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا کثرت سے آنا جانا نہ ہونا چاہیے)، اور وجہ اس ہدایت کی یہ ہے کہ عورت جب پیسہ والی ہوتی ہے (اور اس کا باپ اس کے پاس آتا جاتا ہے) تو وہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس مال ہے وہ میرا ہے، اس کو بطور رعایت کے دیا ہوا ہے جب وہ ایسا کہے گا تو کشیدگی پیدا ہوگی اور زندگی کا لطف ختم ہو جائے گا۔

وصیت نمبر ۵۲: جہاں تک ممکن ہو تم اپنی بیوی کے والدین کے گھر نہ جانا (شرعی ضرورتیں بہر حال مستثنیٰ ہیں)

وصیت نمبر ۵۳: اس پر تم کبھی راضی نہ ہونا کہ سسرال میں بیوی کے ساتھ رہنے لگو، اگر ایسا کرو گے تو وہ لوگ تمہارے مالوں کو لے لیں گے، اور تمہارے (مال کے وصول کرنے کے) بارے میں بہت زیادہ لالچ میں پڑیں گے، اور ماں باپ کے گھر رہتے ہوئے عورت تمہاری مرضی کے مطابق اخلاق و عادات اختیار نہ کر سکے گی۔

وصیت نمبر ۵۴: اس بات سے پرہیز کرنا کہ سابقہ بیٹیوں اور بیٹوں والی عورت سے نکاح کرو، کیونکہ ایسی عورت اپنا مال اپنی اولاد کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھتی رہے گی، اور ساتھ ہی تمہارا مال بھی چرائے گی اور سابقہ اولاد پر خرچ کرے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اسے اپنی اولاد (دوسرے ہر فرد کے مقابلہ میں اور) تیرے مقابلہ میں زیادہ عزیز ہوگی۔

وصیت نمبر ۵۵: دو بیویوں کو ایک گھر میں جمع نہ کرنا۔

وصیت نمبر ۵۶: اور اس وقت تک نکاح مت کرنا جب تک اپنے بارے میں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم اس کی تمام ضروریات پوری کر سکو گے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

☆☆☆☆☆

امام الائمہ امام ابوحنیفہ

از۔ خلیل احمد رانا (جہانیاں منڈی خانیوال)

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام الائمہ سراج الامۃ، رئیس الفقہاء والمجتہدین، سید الاولیاء، مبشر مصطفیٰ، دُعاءِ مرتضیٰ، الغرض نبوت اور صحابیت کے بعد کسی انسان میں جس قدر فضائل و محاسن پائے جاسکتے ہیں، آپ ان تمام اوصاف کے جامع اور رہنما تھے۔

آپکی ولادت باسعادت بمقام کوفہ (عراق) ۸۰ھ میں ہوئی اور وصال بمقام بغداد (عراق) ۱۵۰ھ میں ہوا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورہ جمعہ نازل ہوئی، جب حضور ﷺ نے اس سورت کی آیت "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ" تلاوت فرمائی تو حاضرین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ "آخرین" کون لوگ ہیں، حضور ﷺ نے سکوت فرمایا، حاضرین کے بار بار سوال کرنے پر حضور ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر دستِ اقدس رکھ کر فرمایا! اگر ایمان ثریا ستارہ کی بلندی پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے کر آئیں گے۔ (تفسیر مظہری، بخاری و مسلم، بحوالہ معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۴۳۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے باتفاق اصل صحیح ہے کہ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہونے پر اعتماد ہے۔ اس لیے کہ اہلِ فارس سے کوئی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ علم کو نہ پہنچ سکا۔ (زجاجۃ المصابیح (عربی) از علامہ سید عبداللہ شاہ، مطبوعہ حیدرآباد دکن)

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل

علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) اپنی کتاب "الخیرات الحسان" کی فصل پینتیس (۳۵) میں لکھتے ہیں کہ۔

"ہمیشہ سے علماء اور اہلِ حاجت کا یہ طریقہ رہا کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے اور ان کے وسیلے سے حاجت روائی چاہتے اور اس ذریعہ سے کامیابی کا اعتقاد رکھتے اور منہ

مانگی مراد پاتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد میں فروکش تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور آپ کی قبر کی زیارت کرتا ہوں، اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر آپ کی قبر مبارک کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت فوراً پوری ہو جاتی ہے۔" (الخیرات الحسان ص ۱۶۶ مطبوعہ استنبول (ترکی) ۱۹۷۶ء)

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و فضل اور تقویٰ کا کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ! مگر آج کل ایک ایسی جاہل قوم پیدا ہوئی ہے جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے اس فعل پر عمل کرنے والوں کو قبر پرست کہتے ہیں ہم ان کی اس زیادتی کا معاملہ روزِ محشر اللہ کریم پر چھوڑتے ہیں۔

قصیدۃ النعمان: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے، اس سے آپ کے عقیدہ کے مطابق سید عالم ﷺ کے مالک و مختار، نورِ مجسم، حاضر و ناظر، حاجت روا، مشکل کشا، باعث تخلیق ارض و سماء، سید انبیاء، شافع روزِ جزا اور تمام مخلوقات کے آقا و مولےٰ اور ملجاء و ماویٰ ہونے پر واضح روشنی پڑتی ہے، اس قصیدۂ مبارکہ کے ترپّن (۵۳) اشعار ہیں۔ بعض خشک لوگ اس قصیدہ کی نسبت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ مگر الحمدللہ کفر ٹوٹا خدا خدا کرکے، دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (صوبہ سرحد) کے ایک فاضل مولوی عبدالقیوم حقانی نے اپنی کتاب "امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات" کے صفحہ ۸۲۔۸۳ پر اس قصیدہ کے سولہ اشعار نقل کیے ہیں اور ساتھ ترجمہ بھی، اس کتاب کا پیش لفظ مولوی سمیع الحق دیوبندی مدیر الحق اکوڑہ خٹک (پشاور) نے لکھا ہے۔

(عبدالقیوم حقانی 'امام اعظم ابوحنیفہ کے حیرت انگیز واقعات' مطبوعہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۱۹۸۹ء ص ۸۳،۸۲)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ: بعض لوگ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اعظم نہیں مانتے اور نہ لکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ امام اعظم تو فقط حضور ﷺ ہیں، ان لوگوں سے بعید نہیں عنقریب یہ لوگ حکومت سے بھی مطالبہ کردیں کہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو کتابوں اور اخبارات میں قائد اعظم نہ لکھا جائے۔

انکی جہالت کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مولوی نذیر حسین دہلوی کو متعدد کتابوں میں "شیخ الکل" لکھا ہے۔ (احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ (عربی) مطبوعہ لاہور ص ۳۷) تو کیا اس سے یہ مراد ہے کہ مولوی نذیر حسین دہلوی معاذ اللہ حضور نبی کریم ﷺ کے بھی شیخ ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آئندہ

لقب امام اعظم پر بھی اعتراض نہ کریں۔

حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار مبارک کی جگہ کو آج بھی " الاعظمیہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے تمام حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، حضرات اسی نام سے پکارتے ہیں۔

حضرتِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد شریف میں آج بھی اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، اگر کسی کو یقین نہ ہو تو بغداد (عراق) میں جاکر یا کسی عزیز سے جو وہاں رہتا ہو پتہ کرکے تسلی کر سکتے ہیں۔

(محمد علی ظہوری، مضمون سفر سعادت، ماہنامہ منہاج القرآن لاہور شمارہ اکتوبر ۱۹۸۸ء ص ۴۸)

بعض لوگ آئمہ کرام کی تقلید سے تو انکار کرتے ہیں مگر ابن تیمیہ، ابنِ قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ نواب وحیدالزمان غیر مقلد لکھتے ہیں۔

"ہمارے اہلِ حدیث بھائیوں نے ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکے دار بنا رکھا ہے، جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے برا بھلا کہنے لگے۔

بھائیو! ذرا غور تو کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابنِ تیمیہ اور ابنِ قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

(محمد عبدالحلیم چشتی، حیات وحید الزماں بحوالہ وحید اللغات مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۰۲)

حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ:

حضرتِ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

فاذا کان جاھل فی بلاد الھند اوبلاد ماوراء النھر ولیس ھناک عالم شافعی ولامالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ھذا المذھب وجب علیہ ان یقلد المذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لا نہ حینئذ یخلع ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدا مھملا (شاہ ولی اللہ محدث دھلوی، الانصاف (عربی) مطبوعہ مکتبہ الیشیق استنبول ترکی ص ۲۳)

ترجمہ: جب ہندوستان اور ماوراءالنہر (تاجکستان، ازبکستان وغیرہ) کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ اس

طرح وہ شریعت کا قلادہ گلے سے اتار کر بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔

اب غیر مقلدین خود انصاف کریں کہ قرآن وحدیث کے سمجھنے میں آئمہ مجتہدین سے ہماری کیا نسبت ہے ان بے چاروں کو تو عربی بھی صحیح طرح سے نہیں آتی، قرآن وحدیث کا فہم تو دور کی بات ہے لہٰذا غصہ اور ضد کو چھوڑ کر حضرتِ شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کا کہنا مان لیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کر لیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی امام اعظم سے عقیدت

از خلیل احمد رانا (خانیوال)

"کشف المحجوب" میں لکھتے ہیں، حضرت یحیٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۰ھ فرماتے ہیں:

کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ این اطلبک؟ قال عند علم ابی حنیفة " یارسول اللہ ﷺ! (قیامت میں) حضور کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا:

ابوحنیفہ کے جھنڈے کے پاس"

اور میں (یعنی سیدنا گنج بخش علی بن عثمان جلابی) ملکِ شام میں سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤذن مسجد نبوی ﷺ کے روضۂ پاک کے سرہانے سویا ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور حضور نبی کریم ﷺ ایک بزرگ کو آغوش میں لیے ہیں جس طرح والدین اپنے بچوں کو اپنی شفقت آغوش میں لے لیتے ہیں، باب بنی شیبہ سے داخل ہو رہے ہیں، میں نے دوڑ کر حضور ﷺ کے پائے اقدس کی پشت کو بوسہ دیا، میں متعجب وحیران تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ حضور ﷺ کو اپنی معجزانہ شان سے میری باطنی حالت اور دل کی پریشانی پر اطلاع ہوگئی حضور علیہ السلام نے فرمایا "یہ تمہارا امام ہے" جو تمہارے ہی ملک کے ہیں، یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں مجھے اس خواب سے اپنے ملک کے لوگوں سے بڑی امید ہوئی، نیز اس خواب سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ سیدنا امام اعظم ان بزرگوں میں سے ہیں جن کے طبعی اوصاف فانی اور شرعی احکام میں باقی وقائم ہیں کیونکہ ان کو لے جانے والے خود نبی کریم ﷺ ہیں۔ (کشف المحجوب (مترجم) ص ۱۵۰، ۱۵۱ مطبوعہ نوری بک ڈپو لاہور)

(۲) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرتِ امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ پرہیزگاری اور تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور دقتِ معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب وسنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کو اور ان کے اصحاب کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں اور یہ سب کچھ ان کے علم اور درایت کی حقیقت اور ان کے فہم پر مطلع نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اشاروں سے ان کی فقاہت کی دقت کو معلوم کیا اور کہا "تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال (اولاد) ہیں" افسوس ان قاصر نظروں کی جماعت پر کہ اپنے قصور کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بلاتعصب وتکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں، اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت ابوحنیفہ کے مذہب کی پیروکار ہے اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے منفرد ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے..........

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں، اور اپنی معلومات کے سوا دوسری چیز کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں، ہزار افسوس کے خشک تعصب پر، فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں اور لوگوں نے فقہ کے تین چوتھائی کو ان کے لیے مسلم رکھا ہے الخ۔ (مکتوبات شریف مکتوب نمبر ۵۵ حصہ ہفتم دفتر دوم ص ۳۳۴ تا ۳۳۳ مطبوعہ کراچی)

(۳) حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ امام شافعی کا مذہب موافق حدیث کے ہے اور ان کے مذہب میں حدیث کی پیروی زیادہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کا مدار رائے اور اجتہاد پر ہے۔ سو یہ کلام محض غلط اور صریح نادانی ہے کیونکہ کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ اور اقوال صحابہ کا جاننا اور یاد رکھنا اجتہاد میں شرط ہے اور بغیر ان کے اجتہاد درست نہیں، پس جس صورت میں امام ابوحنیفہ کا اجتہاد تمام مجتہدین کے اجتہاد پر مقدم اور سابق اور بہت علماء و مجتہدین کے نزدیک ثابت اور تمام امت کا مقبول ہے تو پھر اس گمان فاسد کا کوئی محل نہیں۔ (شرح سفر السعادت)

(۴) حضرتِ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدون کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں" (فیوض الحرمین)

امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے اعلم تھے، یہاں تک کہ امام شافعی نے کہا کہ "سب لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔" (عقد الجید)

(۵) شیخ الاسلام امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ و امام ابویوسف سردارانِ اہل کشف ومشاہدہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف
چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام (حدائق بخشش)

امام اعظم کے دربار میں نامور شعراء کرام کا نذرانہ عقیدت

حصّہ نظم

امامِ اعظم ابوحنیفہ

خدا کا پیارا ہمارا رہبر امامِ اعظم ابوحنیفہ
سپہرِ دین نبی کا اختر امامِ اعظم ابوحنیفہ
خدا کے بندوں پہ حصر کیا ہے نہ دیکھا چشمِ فلک نے اب تک
تمہارا ثانی تمہارا ہمسر امامِ اعظم ابوحنیفہ
قسم ہے دورِ قمر میں شہرہ تیری فقاہت کا چار سو ہے
تری فضیلت کا ذکر گھر گھر امامِ اعظم ابوحنیفہ
امام مالک امام حنبل بخاری و شافعی مقرر
مثالِ انجم ہیں تو ہے خاور امامِ اعظم ابوحنیفہ
الٹ دیا تختِ نجد جس نے جہاں میں آ کر بروز روشن
وہ ہے حبیب شفیعِ محشر امامِ اعظم ابوحنیفہ
اشاروں سے مہر و ماہ دونوں بتارہے ہیں چمک چمک کر
ہے چرخِ دینِ نبی کا محور امامِ اعظم ابوحنیفہ
تری بدولت ہوا منور رسولِ اکرم کا دین ایسا
ہے چشمِ خورشیدِ دہر ششدر امامِ اعظم ابوحنیفہ
کلامِ حق کے سمجھنے والے حدیثِ قدسی کے نکتہ داں ہو
خدا کی رحمت مدام تم پہ امامِ اعظم ابوحنیفہ
جلا کے کردے گا خاک خواجہ ہر اک نجدی کے دل جگر کو
ترے فضائل سنا سنا کر امامِ اعظم ابوحنیفہ

اللہ کی خاص رحمت

ازمولانا احمد حسین قاسم الحیدری

ہیں حق تعالیٰ کی خاص رحمت امام اعظم ابو حنیفہ
اللہ اللہ یہ شان حضرت امام اعظم ابو حنیفہ
ہے مقتضائے قرآن وسنت امام اعظم ابو حنیفہ
تمہاری صورت تمہاری سیرت امام اعظم ابو حنیفہ
ہے نور افشاں تمہاری طلعت امام اعظم ابو حنیفہ
ہیں آپ بے شک سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ
قرآن وسنت کے راز مخفی تمہارے صدقے ہوئے نمایاں
تمہارے صدقے ملی ہدایت امام اعظم ابو حنیفہ
تمہارا فیضان نکتہ بینی ملے نہ اہل علم کو کیسے
ہیں آپ ابر بہار حکمت امام اعظم ابو حنیفہ
امام مالک ، امام شافعی، امام احمد بھی کررہے ہیں
اللہ اللہ تمہاری مدحت امام اعظم ابو حنیفہ
تاقیامت رہے گی زندہ، رہے گی جاری ، رہے گی ساری
تم نے کی ہے جو دین کی خدمت امام اعظم ابو حنیفہ
ہوتم حبیب خدا کے پیارے، ہوتم نگاہ جہاں کے تارے
نہ تم سے پھر ہو بھلا عقیدت امام اعظم ابو حنیفہ
ہیں قاسم مضطرب بھی مشتاق ہے تمہارے جمال رخ کا
عطا ہو اس کو بھی حسن صورت امام اعظم ابوحنیفہ

ہیں حنفی سب خواجگان چشتی

از۔صاحبزادہ علم الدین علمی قادری۔کراچی

سلام رحمت ہو تم پہ بے حد، امام اعظم ابو حنیفہ
ہے تم پہ نازاں یہ دین احمد، امام اعظم ابو حنیفہ
اے سنی حنفی بنانے والے ، عقائد حق بتانے والے
ہے زندہ بے شک تمہارا مرقد، امام اعظم ابو حنیفہ
ہیں حنفی سب خواجگان چشتی، جو ہے تمہارا ہے وہ بہشتی
نہ وہ رکھے گا عقائد بد، امام اعظم ابو حنیفہ
تمہارے مذہب میں اصفیاء ہیں،تمہارے مذہب میں اولیاء ہیں
کہ ہے یہ مذہب راہ محمد، امام اعظم ابو حنیفہ
نبی کے خلفاء کا نور سنت، نبی کے اولاد کی محبت
ہے ''حنفی مذہب'' کا خاص مقصد، امام اعظم ابو حنیفہ
نبی کی امت کے مرد وزن سب،تمہارا ہی چاہتے ہیں مذہب
نہیں حسد اس میں اورکچھ کد، امام اعظم ابو حنیفہ
دعا ہے ''علمی'' قادری کی ، عطا ہو توفیق پیروی کی
ہو سنی حنفی کبھی نہ مرتد، امام اعظم ابو حنیفہ

☆☆☆☆☆

سینہ میں ہمارے جلوہ فگن انوار امام اعظم ہیں

از: حضرت صابر براری صاحب۔کراچی

محبوب خدائے دو عالم دلدار امام اعظم ہیں
صدیق و عمر عثمان و علی غمخوار امام اعظم ہیں
مخمور مئے جام کوثر میخوار امام اعظم ہیں
اقطاب جہاں، ابدال زماں سرشار امام اعظم ہیں
مقبول حضور، شاہ رسل، منظور نگاہ سرور کل
اطوار امام اعظم ہیں کردار امام اعظم ہیں
تقلید ہم ان کی کرتے ہیں، سب ہم کو "حنفی" کہتے ہیں
سینہ میں ہمارے جلوہ فگن انوار امام اعظم ہیں
ہے ان کے دہن میں آب دہن محبوب خدائے برتر کا
مشہور فقیہ اعظم یوں سرکار امام اعظم ہیں
ہیں آپ محدث اور مفتی، ہیں عارف کامل اور ولی
سرچشمہ فضل وجود و سخا سرکار امام اعظم ہیں
اطراف جہاں میں تابانی ہے ان کے علوم انور کی
ہر گوشہ عالم میں رخشاں انوار امام اعظم ہیں
محبوب خدا کے متوالے ہم ہیں حنفی مسلک والے
ہم دل سے فدا تم پہ بخدا سرکار امام اعظم ہیں
صابر کی زباں سے مدح وثنا سنتے ہی یہ محفل کہہ اٹھی
یہ غوث زماں کے شیدا ہیں، پیارا امام اعظم ہیں

☆☆☆☆☆

قطعہ تاریخ

ازصابر براری

شاداب تاریخ طباعت

۲۰۰۱ء

گراں مایہ حیات امام اعظم ابوحنیفہ

۲۰۰۱ء

مولف نیک مزاج صاحبزادہ سید زین العابدین راشدی

۱۴۲۲ھ

کتاب یہ قابل ستائش ہے حضرت زین راشدی کی
ہیں اس میں اذکار خوش صفات امام اعظم ابوحنیفہ
ہوئی جو فکر سن طباعت تو آئی آواز غیب صابر
"ہے جامع نیکو نسب حیات امام اعظم ابوحنیفہ"

۲۰۰۱ء

صابر براری کراچی

۱۲۔اپریل ۲۰۰۱ء

☆☆☆☆☆

قطعہ تاریخ (سال طباعت)

نتیجہ فکر: محترم طارق سلطانپوری (حسن ابدال)

کتاب موسوم بہ

انوار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ

ترتیب: حضرت صاحبزادہ سید محمد زین العابدین راشدی مدظلہ

لاڑکانہ (سندھ)   سال طباعت ۲۰۰۱ء

سال طباعت ۱۴۲۲ھ

"ہمہ عز و شرف افتخار"

۲۰۰۱ء

عیاں اس کتاب معلی سے ہے
کہ ہے ابو حنیفہ کا اُونچا مقام
بصیرت فقاہت میں وہ نام ور
تفکر تدبر میں ذی احتشام
وہ مہر منیر اوج تحقیق کا
وہ چرخ ہدایت کا ماہ تمام
وہ ہے زبدۂ عارفانِ جلیل
وہ ہے قدوۂ اولیائے کرام
خصوصی نگاہ کرام اس پہ تھی
شۂ انبیاء کی، علیہ السلام
حقیقت کا آئینہ اس کا عمل
صداقت سے لبریز اُس کا کلام
قریب وبعید اس کا پھیلا ہے فیض
یسارو یمیں اُس کا پہنچا پیام

فضائل کا مجموعہ

یہ اس کے فضائل کا مجموعہ ہے
یہ ہے راشدی کا دل آویز کام
مبارک یہ کوشش یہ ہے سعی خوب
سراہیں گے اس کو خواص و عوام
بزرگانِ ملّت کے تذکار میں
وہ ہے محو روز و شب صبح و شام
کتاب معلی کی تاریخ طبع
خوشی سے کہی "نقش فیض امام"

۱۴۲۲ھ

طارق سلطانپوری

۱۵ اپریل ۲۰۰۱

☆☆☆☆☆

ضیائے مصطفیٰ ہیں آپ

حکیم سید خرم ریاض رضوی

گلستان شریعت کے گل رنگیں ادا ہیں آپ
چمن زار طریقت کی بہار جانفزا ہیں آپ

شبستان عبادت آپ کے دم سے فروزاں ہے
جبیں روشن ہے سجدوں سے سراپا پُر ضیا ہیں آپ

ثریا سے بھی آگے آپ کے نقش قدم دیکھے
بفیضِ مصطفیٰ اوج ثریا سے سوا ہیں آپ

نگارستان عالم کی تھی زینت آپ کے دم سے
بہارستان خوبی کے نگار دلربا ہیں آپ

جناب ابن حنبل شافعی ہوں یا کہ مالک ہوں
ہیں خوشہ چیں تیرے شہا صدرالعلیٰ ہیں آپ

ستارہ قسمتِ خرم کا بہر حضرت اختر
درخشاں کیجے آقا ضیائے مصطفیٰ ہیں آپ

☆☆☆☆☆

گلہائے عقیدت

امام ابوحنیفہ حضرت نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے حضور

از: ابوالطاہر فداحسین فدا (لاہور)

اِک عکسِ جمال فطرت ہے تصویر امام اعظم کی
اللہ رے نطق روح قدس تقریر امام اعظم کی

ہر ذکر حدیث وقرآں ہے ہر فکر اساس ایماں ہے
ہیں نقش ونگار روئے نبی تحریر امام اعظم کی

تھے بُرشِ تیغ یداللّٰہی اور قاطع باطل، سیف زباں
ہے ارض وسما میں گونج رہی تکبیر امام اعظم کی

وہ بقعۂ نور عشق بنا اور مہبطِ سِر الوہیت
تائید جناب ایزد ہے تدبیر امام اعظم کی

مداح زباں سوسن کی ہوئی مخمور ہے چشم نرگس بھی
دیکھی ہے سلاطیں نے چلتی شمشیر امام اعظم کی

ہے حق وصداقت کی مظہر مہمیز پئے تکذیب وخطر
جس ظلمت خانۂ دل پہ پڑی تنویر امام اعظم کی

مقبول خدائے واحد ہیں، محبوب رسول اکرم ہیں
ہر جنس نظر آتی ہے یہاں نخچیر امام اعظم کی

ہیں مظہر نور نبوت بھی، تزئین حریم وحدت بھی
تحریر امام اعظم کی، تقریر امام اعظم کی

ہے جن وبشر کا ذکر ہی کیا کہتے ہیں یہ حور وغلماں تک
سبحان اللہ! ماشاء اللہ، تقدیر امام اعظم کی

اللہ رے اوج بخت رسا، یہ عظمت صاحب رشد وہدیٰ
ہے کوشکِ ملت وشرع ونبی تعمیر امام اعظم کی

ہے جاہل وحاسد کور نظر اور دین سے بھی وہ بیگانہ
لاریب بیاں کرتے ہیں سب ہی تطہیر امام اعظم کی

ہے محفل کون ومکان وزماں جاگیر امام اعظم کی
جو راندۂ درگاہ کرتا ہے تحقیر امام اعظم کی

لمعات جمال ماہِ عرب ہوں کیوں نہ فروزاں دل میں فدا
ہے میرے تصور میں ہر دم تصویر امام اعظم کی

ہرسمت دیکھتاہوں انوار بوحنیفہ

ازڈاکٹر سید بلال جعفری

دل میں مچل رہے ہیں تذکار بوحنیفہ
نوک قلم پہ رقصاں اشعار بو حنیفہ

دنیا پہ کھل رہے ہیں اسرار بو حنیفہ
ہر سُو برس رہے ہیں افکار بو حنیفہ

ہیں پردۂ نظر پہ ضوباریاں انہیں کی
ہر سمت دیکھتا ہوں انوار بوحنیفہ

گلشن مہک رہے ہیں کلیاں چٹک رہی ہیں
اللہ رے یہ رنگ رُخسار بو حنیفہ

پاکیزہ زندگی تھی بے داغ زندگی تھی
تھا آئینہ کی مانند کردار بو حنیفہ

تاریکی لحدتک جائیں گے ساتھ ترے
دامن میں اپنے بھر لے انوار بوحنیفہ

اک بار بو حنیفہ کہہ کر تو کوئی دیکھے
سوبار(۱۰۰) اس کو ہوگا دیدار بو حنیفہ

اُن کے مریض غم کو دیکھا تو میں نے سوچا
اے کاش! میں بھی ہوتا بیمار بوحنیفہ

کاسہ ہلالؔ کا ہے ، خیرات نور کی ملے
تری عطا کے صدقے سرکار بوحنیفہ

نوٹ: کتاب کمپوزنگ کے آخری مراحل میں تھی کہ یہ افسوس ناک خبر محترم مسرور کیفی صاحب نے دی کہ ڈاکٹر سید بلال جعفری اسلام آباد میں انتقال فرما گئے "اناللہ وانا الیہ راجعون" اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین (راشدی)

المنقبة النعمانيه

از۔ مولانا سید محمد امین علی نقوی قادری (فیصل آباد)

	اردو ترجمہ
امـام الـمـسـلـمـين ابـو حـنـيـفـه	حضرت ابوحنیفہ مسلمانوں کے امام ہیں
سـراج الـعـارفـيـن ابـو حـنـيـفـه	اولیائے کرام کے لیے روشن چراغ ہیں
هـو الـنـعـمـان سـلـطـان الـعـلـوم	آپ کا اسم گرامی نعمان ہے آپ تمام علوم کے
وخـيـد الـفـاضـلـيـن ابـو حـنـيـفـه	بادشاہ ہیں اور علم وفضل والوں میں یکتا ہیں
ولـي الـلّـه مـحـبـوب الـرسـول	آپ اللہ تعالیٰ کے ولی، پیارے رسول مقبول ﷺ کے محبوب
امـيـر الـمـومـنـيـن ابـو حـنـيـفـه	اور مومنوں کے امیر ہیں
مـريـد الـبـاقـر الـحـق الـولـي	آپ سیدنا امام محمد باقر کے مرید باصفا ہیں
مـراد الـعـاشـقـيـن ابـو حـنـيـفـه	اہل عشق ومحبت کی مراد ہیں
لـه الاسـتـاذ صـادقـنـا الامـام	آپ امام جعفر صادق کے شاگرد ہیں
عـظـيـم الـكـامـلـيـن ابوحـنـيـفـه	تمام کاملوں سے عظیم ہیں
لاهـل الـسـنـة الـمـخـدوم صـدقـاً	آپ اہل سنت کے مخدوم ہیں
صـداع الـحـاسـديـن ابـو حـنـيـفـه	حاسدین کے لیے دردِ سر ہیں
بـعـون الـلّـه يـهـدی اهـل عـلـم	آپ اہل علم کی رہنمائی کرتے ہیں
يـزكـی الـغـافـلـيـن ابـو حـنـيـفـه	بے خبر لوگوں کا تزکیہ فرماتے ہیں
جـزاه الـلّـه فـی الـداريـن خـيـرا	اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے
يـفـيـد الـعـامـلـيـن ابـو حـنـيـفـه	آپ عاملین کتاب وسنت کو فائدہ پہنچا رہے ہیں
انـا الـنـقـوی ثـم الـقـادری	میں حسب ونسب کے لحاظ سے نقوی ہوں طریقت میں قادری ہوں
ولـی زاد الـيـقـيـن ابـو حـنـيـفـه	میرے یقین میں آپ ہی نے اضافہ فرمایا ہے
انـا الـسّـنـی والـحـنـفـی حـقـاً	میں سنی حنفی ہوں
وقـد اتـی الامـيـن ابـو حـنـيـفـه	مجھے آپ نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے
۱۳ مـــــــــــــــــــــــی ۲۰۰۱ء	☆☆☆☆☆

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

از: مولانا محمد الیاس عطّار قادری صاحب (امیر دعوتِ اسلامی)

ہو نائبِ سرورِ دوعالم ، امام اعظم ابو حنیفہ
سراجِ اُمت فقیہِ اَفخم، امام اعظم ابو حنیفہ

ہے نام نعمان ابن ثابت ، ابوحنیفہ ہے اُن کی کنیت
پکارتا ہے یہ کہہ کر عالم ، امام اعظم ابو حنیفہ

جو بے مثال آپ کا ہے تقویٰ ، تو بے مثال ہے آپ کا فتویٰ
ہیں علم و تقویٰ کے آپ سنگم ، امام اعظم ابو حنیفہ

گنہ کے دلدل میں پھنس گیا ہوں ، گلے گلے تک میں دھنس گیا ہوں
نکالئے بہرِ نوح و آدم ، امام اعظم ابو حنیفہ

حسد کی بیماری بڑھ چلی ہے، لڑائی آپس میں ٹھن گئی ہے
سبھی مسلمان ہوں منظم ، امام اعظم ابو حنیفہ

پھر آقا بغداد میں بُلا کر ، وہ روضہ دکھلایئے جہاں پر
ہیں نور کی بارشیں چھما چھم ، امام اعظم ابو حنیفہ

عطا ہو خوفِ خدا خدارا، دو اُلفتِ مصطفٰے خدارا
کروں عمل سنتوں پہ ہر دم ، امام اعظم ابو حنیفہ

جری سخاوت کی دھوم مچی ہے، مُرادمنہ مانگی مل رہی ہے
عطا ہو مجھ کو مدینے کا غم ، امام اعظم ابو حنیفہ

تمہارے دربار کا گدا ہوں ، میں سائلِ عشقِ مصطفٰے ہوں
کرو کرم بہرِ غوثِ اعظم ، امام اعظم ابو حنیفہ

فضول گوئی کی نکلے عادت ، ہو دور بے جاہنسی کی خصلت
دُرود پڑھتا رہوں میں ہر دم ، امام اعظم ابو حنیفہ

بلا کا پہرا لگا ہوا ہے ، مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے
ترا مقلد امام اعظم ، امام اعظم ابو حنیفہ

شہا عدو کا ستم ہے پیہم ، مدد کو آؤ امام اعظم
سوا تمہارے ہے کون ہمدم ، امام اعظم ابو حنیفہ

نہ جیتے جی کوئی آئے آفت ، میں قبر میں بھی رہوں سلامت
بروزِ محشر بھی رکھنا بے غم ، امام اعظم ابو حنیفہ

مَروں شہا زیرِ سبز گنبد ، ہو مدفن آقا بقیع غرقد
کرم ہو بہرِ رسولِ اکرم ، امام اعظم ابو حنیفہ

ہوئی شہا فردِ جرم عائد ، بچا پھنسا ورنہ اب مقلد
فرشتے لے کے چلے جہنم ، امام اعظم ابو حنیفہ

جگر بھی زخمی ہے دل بھی گھائل ، ہزار فکریں ہیں سو مسائل
دکھوں کا عطّار کو دو مرہم ، امام اعظم ابو حنیفہ

☆☆☆☆☆

☆☆☆ کتابیات ☆☆☆

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و شخصیت کے مختلف گوشوں اور فقہ حنفی کے متعلق اہم و مفید مقالات کو ترتیب دیا گیا ہے اور ہر مقام ہر روایت باحوالہ درج کی گئی ہے۔ اس کے باوجود بعض اہم کتب کے اسماء درج کئے جا رہے ہیں۔

(۱) مناقب امام اعظم ابوحنیفہ	امام صدر الائمہ موفق بن احمد کی متوفی ۵۶۸ھ، مترجم علامہ فیض احمد اویسی مدظلہ
(۲) مقامات امام اعظم	علامہ حافظ الدین محمد المعروف ابن بزار کردری ۸۲۷ھ، مترجم علامہ فیض احمد اویسی
(۳) الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء	(ابوحنیفہ، مالک، شافعی) امام ابوعمر حافظ ابن عبدالبر مغربی ۴۶۳ھ
(۴) الغرة المنیفة فی تحقیق بعض مسائل الامام ابی حنیفة	علامہ سراج الدین ابوحفص عمر الغزنوی ۷۷۳ھ
(۵) الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفة النعمان	امام حافظ شہاب الدین ابن حجر مکی شافعی ۹۷۴ھ
(۶) تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ	امام جلال الدین سیوطی شافعی ۹۱۱ھ
(۷) عقود الجمان فی مناقب الامام الاعظم	امام محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی شافعی ۹۴۲ھ، مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورہ
(۸) عقود الجواہر المنیفہ فی ادلہ مذہب الامام ابی حنیفہ	امام سید مرتضیٰ زبیدی مصری ۱۲۰۵ھ
(۹) مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ	حافظ ابوعبداللہ محمد ذھبی ۷۴۰ھ
(۱۰) اخبار ابی حنیفہ وصاحبیہ	شیخ حسین بن علی ضمیری ۴۳۶ھ
(۱۱) الجواہر المضیہ فی تراجم الحنفیۃ	علامہ عبدالقادر قریشی مصری
(۱۲) فتح المنان فی تائید مذہب النعمان	شیخ الہند عبدالحق محدث دھلوی متوفی ۱۰۵۲ھ
(۱۳) ابوحنیفہ بطل الحریۃ والتسامح فی الاسلام	شیخ عبدالحلیم جندی مصری
(۱۴) مناقب الامام الاعظم	امام ملا علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ
(۱۵) طبقات الحنفیہ	امام ملا علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ
(۱۶) تذکرۃ الحفاظ	علامہ ذہبی متوفی ۷۴۸ھ
(۱۷) حدائق حنفیہ	علامہ فقیر محمد جہلمی متوفی ۱۳۳۴ھ
(۱۸) سیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم	علامہ فقیر محمد جہلمی متوفی ۱۳۳۴ھ

(۱۹) الرد علی ابی بکر الخطیب البغدادی	شیخ ابوالمظفر عیسیٰ ۶۲۳ھ
(۲۰) تبصرہ بر تاریخ خطیب بغدادی	نواب حبیب الرحمٰن شروانی
(۲۱) السهم المصيب في كبد الخطيب	
(۲۲) تانیب الخطیب	شیخ محمد زاہد کوثری مصری ۱۳۷۱ھ
(۲۳) النکت الطریفۃ فی التحدث عن ردو ابن ابی شیبہ	شیخ محمد زاہد کوثری مصری ۱۳۷۱ھ
(۲۴) ذب ذبابات الدراسات	مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء
(۲۵) مکانۃ ابی حنیفہ فی الحدیث	مولانا عبدالرشید نعمانی
(۲۶) الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذہبی	امام احمد رضا خان حنفی محمد شاہ بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ
(۲۷) الیسوف الحسنیہ علی عائب ابی حنیفہ	امام احمد رضا خان حنفی محمد شاہ بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ
(۲۸) جمل ثناء الائمہ علی علم سراج الامہ	امام احمد رضا خان حنفی محمد شاہ بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ
(۲۹) ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ آراوفقہ	علامہ محمد ابوزہرہ مصری سابق شیخ جامعۃ الازہر
(۳۰) الاقوال الصحيح في جواب الجرح علىٰ ابی حنيفه	پروفیسر نور بخش توکلی متوفی ۱۳۶۷ مطبوعہ ۱۹۱۳ء
(۳۱) سوانح بے بہا امام اعظم	علامہ ابوالحسن زید فاروقی دھلوی علیہ الرحمۃ
(۳۲) دفع الوسواس فی بعض الناس	مولانا احمد علی محدث سہارنپوری متوفی ۱۲۹۷ھ
(۳۳) تذکرہ حضرت امام ابوحنیفہ	مرتبہ میاں جمیل احمد شرقپوری
(۳۴) امام اعظم اور علم الحدیث	مولوی محمد علی کاندھلوی
(۳۵) تذکرۃ المحدثین	مولانا غلام رسول سعیدی
(۳۶) دی سنی پاتھ (انگریزی)	شیخ حسین حلیمی مطبوعہ استنبول ترکی
(۳۷) عقد امام اعظم	مترجم اردو دوست محمد شاکر
(۳۸) جامع مسانید الامام الاعظم	علامہ ابوالموید محمد خوارزمی ۶۵۵ھ
(۳۹) التعلیقات المنیفہ علی مسند الامام ابی حنیفہ	امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ
(۴۰) مسند الانام شرح مسند الامام	امام علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ
(۴۱) تنسیق النظام فی مسند الامام	مولانا محمد حسن حنفی سنبھلی ۱۳۰۵ء
(۴۲) موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ
(۴۳) کشف الغطاء شرح الموطا	شیخ الحدیث علامہ محمد علی نوری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۱۸ھ

(۴۴) التعليق الممجد على موطا محمد	مولانا ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی علیہ الرحمہ متوفی ۱۳۹۰ھ
(۴۵) المبسوط شرح الکافی (۳۰ جلد)	شمس الائمہ امام سرخسی ۴۹۰ھ
(۴۶) طحاوی شریف	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ
(۴۷) زجاجۃ المصابیح	علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ محدث دکن ۱۳۸۴ مطبوعہ فرید بک سٹال
(۴۸) صحیح البہاری	ملک العلماء علامہ ظفر الدین محدث بہاری ۱۳۸۲ھ
(۴۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی فقہ	ڈاکٹر حنیفہ رضی مطبوعہ آزاد کشمیر
(۵۰) فلسفہ شریعت الاسلام	ڈاکٹر صبحی مصری
(۵۱) فیوض الباری شرح صحیح البخاری	علامہ سید محمود احمد رضوی متوفی ۱۴۱۹ھ
(۵۲) تیسیر القاری شرح صحیح البخاری	علامہ غلام جیلانی میرٹھی متوفی ۱۳۹۹ھ
(۵۳) نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری	مفتی شریف الحق امجدی متوفی ۱۴۲۱ھ
(۵۴) انوار الباری شرح صحیح البخاری	مولوی احمد رضا بجنوری
(۵۵) الجرح علی البخاری	مولانا سید عبدالغفور امرتسری
(۵۶) بیان خطا محمد بن اسماعیل البخاری فی التاریخ	امام عبدالرحمٰن رازی
(۵۷) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی	مناظر احسن گیلانی
(۵۸) امام ابوحنیفہ اور ان کے ناقدین	مولانا حبیب الرحمٰن شروانی
(۵۹) امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(۶۰) فقہ والفقیہ	مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۹۵۱ء
(۶۱) حنفی نماز	مولانا محمد شریف محدث کوٹلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۹۵۱ء
(۶۲) فقہ حنفی کے اساسی قواعد	مولانا محمد انور مگھالوی
(۶۳) امام اعظم کے عقائد	پروفیسر غلام مصطفےٰ مجددی
(۶۴) امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کا طرز استدلال	صاحبزادہ سید نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑوی
(۶۵) امام اعظم ابوحنیفہ اور عشق رسول ﷺ	غلام مصطفیٰ مصطفوی
(۶۶) آسمان علم وحکمت کے روشن ستارے	شیخ عاشق الٰہی برنی مترجم عبدالحمید مدنی مطبوعہ راولپنڈی
(۶۷) امام اعظم ابوحنیفہ اور فقہ حنفی	علامہ عبدالرزاق بھترالوی راولپنڈی
(۶۸) امام اعظم کے حیرت انگیز فیصلے	علامہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمۃ
(۶۹) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے حضرت داتا گنج بخش کی عقیدت	خلیل احمد رانا (خانیوال)
(۷۰) سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان	انجینئر محبوب الٰہی رضوی

(۷۱) نصرۃ الحق المعروف بہ تیغ نعمانیہ بر گردن وہابیہ	مولانا امام الدین قادری سیالکوٹی علیہ الرحمۃ ۱۳۸۱
(۷۲) عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمانی	علامہ غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۱۵ھ
(۷۳) ظفر المقلدین	علامہ غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۱۵ھ
(۷۴) عروۃ المقلدین	علامہ غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۱۵ھ
(۷۵) صداقت مذہب نعمانی	علامہ محمد کرم الدین دبیر جہلمی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۶۵ھ
(۷۶) صداقت الاحناف	علامہ محمد شریف محدث کوٹلوی متوفی ۱۹۵۱ء
(۷۷) فیضان اعظم ترجمہ منظوم قصیدہ امام اعظم	مولانا الحاج محمد یوسف نوشاہی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۶۰ھ
(۷۸) سیف النعمان علی اہل الطغیان	علامہ نظام الدین ملتانی علیہ الرحمۃ
(۷۹) جرعہ غسلین درحلق غیر مقلدین	علامہ نظام الدین ملتانی علیہ الرحمۃ
(۸۰) ظل الغمام فی عدم جواز الفاتحہ خلف الامام	علامہ نظام الدین ملتانی علیہ الرحمۃ
(۸۱) رسالہ عدم جواز رفع یدین وآمین بالجہر	علامہ نظام الدین ملتانی علیہ الرحمۃ
(۸۲) رسالہ آمین بالخفا	علامہ مفتی عبداللہ قصوری علیہ الرحمۃ
(۸۳) الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین	مولانا منصور علی مراد آبادی لکھنو
(۸۴) سیف المقلدین	
(۸۵) دوس المقلدین	علامہ عبدالعلی آسی مدراسی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۲۷ھ
(۸۶) نصرۃ المقلدین جواب اظفر المبین	علامہ پروفیسر سید احمد علی شاہ بٹالوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۳۵
(۸۷) انتصار الحق فی رد معیار الحق	علامہ مفتی ارشاد حسین فاروقی رامپوری علیہ الرحمۃ متوفی ۱۳۱۱
(۸۸) فقہ حنفی وفتاوی عالمگیری پر اعتراضات کا علمی محاسبہ	علامہ حافظ احسان الحق قادری علیہ الرحمۃ (فیصل آبادی)
(۸۹) کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین	امام مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۱۷۴
(۹۰) تین طلاقوں کی شرعی حیثیت	مفتی محمد ابراہیم قادری (سکھر)
(۹۱) اعطار الحق فی رد معیار الحق	مولانا نذیر احمد خان
(۹۲) غیر مقلدوں کے فریب	مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ (انڈیا)

علامہ راشدی صاحب کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف (سندھی)

(۱) عید میلاد نبی کی شرعی حیثیت

(۲) پیارے مصطفی ﷺ کی شفاعت

(۳) رفع یدین آخر کیوں؟

(۴) قرآنی عقیدہ

(۵) سیدنا صدیق اکبر کا مسلک مبارک

(۶) تفسیر آیت الکرسی

(۷) اقیموا الصلوۃ

(۸) قلم جو بادشاہ (امام احمد رضا بریلوی)

(۹) سوانح امام المسلمین (امام اعظم ابوحنیفہ)

(۱۰) روشن صبح (شان حضرت امام حسین اور رد شیعت)

(۱۱) امروٹی جو اصلی روپ

اردو تصانیف

(۱) حیات امام اہل سنت مطبوعہ ۱۹۹۰ء

(۲) سندھ کے دو مسلک

(۳) مسلمانو! نیک اور ایک ہو جاؤ!

(۴) آفتاب ولایت (حضرت روزے دھنی)

(۵) شہباز ولایت (حضرت شہباز قلندر)

(۶) زین الواعظین

(۷) زین الوظائف

(۸) برصغیر کی مذہبی تحریکیں

(۹) آفتاب نبوت (سیرت طیبہ)

(۱۰) سندھ میں اہل سنت اور شیعت ایک جائزہ

(۱۱) قاسم ولایت

(۱۲) شہنشاہ ولایت (پیران پیر دستگیر)

(۱۳) مسلمان عورت
(۱۴) عقیدت کے پھول (انتخاب کلام)
(۱۵) زین الایمان (رد غیر مقلدین)
(۱۶) مقالات راشدی
(۱۷) شہباز خطابت (مولانا نکبل سندھ)
(۱۸) اسلام اور جہاد
(۱۹) انوار امام اعظم ابوحنیفہ
(۲۰) انوار علماء اہل سنت (صوبہ سندھ جلد اول)
(۲۱) جماعت اسلامی صحافت کی نظر میں (تیس سالہ اخباری کٹنگ ومضامین کے آئینے میں فکرِ مودودی کا مطالعہ)
(۲۲) زین العرفان
(۲۳) سندھی نعتیہ شاعری کا جائزہ
(۲۴) شہکار ولایت (شاہ عبداللطیف بھٹائی احوال وافکار)
(۲۵) قصیدہ بردہ اور علماء سندھ
(۲۶) قصیدہ غوثیہ اور علماء سندھ
(۲۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علماء سندھ
(۲۹) مرنے کے بعد زندگی
(۳۰) تحریک بالاکوٹ پر ایک نظر
(۳۱) اصلی کون؟
(۳۲) اسلام اور سیاست

ہر گھر کی ہر خاتون کے لیے ضروری

خواتین کے مسائل

مؤلفہ محترمہ شازیہ قادریہ عطاریہ

باہتمام حافظ محمد جمیل عطاری قادری

☆ خواتین کے مسائل سے متعلق ایک مفید کتاب
☆ عقائد، وضو، غسل، نماز، روزے، زکوۃ اور حج وغیرہ کے تمام اہم مسائل کا احاطہ
☆ والدین اور شوہر کی خدمت کے فضائل
☆ شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی ناجائز رسومات کی نشاندہی و علاج
☆ خواتین کے مخصوص مسائل کی تفصیلات اور شرعی احکامات

مکتبہ غوثیہ ہول سیل
بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک متصل دارالعلوم غوثیہ
یونیورسٹی روڈ کراچی (9221) 4910584-4926110

ایک ایسی ولیہ کی سیرت جن کی زندگی مردوں کے لیے بھی عمل کا بہترین نمونہ ہے

سیرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

مرتب..... محمد قاسم جلالی (بانی و چیئرمین ویلکم ویلفیئر ٹرسٹ)

اہتمام..... حافظ محمد جمیل قادری ہزاروی

☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی ولادت باسعادت
☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا بچپن کیسے گزرا؟
☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کی کرامات
☆ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا وصال

مکتبہ غوثیہ رجسٹرڈ
بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک متصل دارالعلوم غوثیہ
یونیورسٹی روڈ کراچی (9221) 4910584-4926110

خواتین کی نماز اور جدید سائنس

مؤلفہ محترمہ شازیہ قادریہ عطاریہ صاحبہ

اہتمام حافظ محمد جمیل قادری ہزاروی

☆ نماز کے فضائل
☆ نماز کی شرائط اور ان کے سائنسی فوائد
☆ نفل نمازیں اور ان کے سائنسی فوائد
☆ وضو اور اس کے سائنسی فوائد
☆ نماز کے ضروری مسائل
☆ خواتین کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ

مکتبہ غوثیہ رجسٹرڈ
بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک متصل دارالعلوم غوثیہ
یونیورسٹی روڈ کراچی (9221) 4910584-4926110

ہماری دیگر مطبوعات



مکتبہ غوثیہ

بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک متصل دار العلوم غوثیہ

(9221)4910584-4926110